مسلم ریاستوں اور حکام کی تکفیر

(شریعت اور خارجی فکر کے تناظر میں)

تحقیقی مقالہ برائے

پی ایچ۔ڈی (علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

محمد سعید ولد محمد عاشق

پی ایچ۔ڈی علوم اسلامیہ

رجسٹریشن نمبر 708-PhD/IS/F17

نگران مقالہ

ڈاکٹر سید عبدالغفار بخاری

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

شعبہ علومِ اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز H-9 اسلام آباد

سیشن 2017-2020

مسلم ریاستوں اور حکام کی تکفیر

(شریعت اور خارجی فکر کے تناظر میں)

تحقیقی مقالہ برائے

پی ایچ۔ڈی (علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

محمد سعید ولد محمد عاشق

پی ایچ۔ڈی علوم اسلامیہ

رجسٹریشن نمبر 708-PhD/IS/F17

نگران مقالہ

ڈاکٹر سید عبدالغفار بخاری

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

شعبہ علومِ اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز H-9 اسلام آباد

سیشن 2017-2020

© محمد سعید

بسم الله الرحمن الرحيم

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہے اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: مسلم ریاستوں اور حکام کی تکفیر

(شریعت اور خارجی فکر کے تناظر میں)

<u>Muslim Riaston Aur Hukkam Ki Takfeer</u>

<u>(Shariat Aur Kharji Fikr Ke Tanazur Me)</u>

نام ڈگری: ڈاکٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: محمد سعید ولد محمد عاشق

رجسٹریشن نمبر: 708-PhD/IS/F17

ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری

(نگران مقالہ) ____________________ نگران مقالہ کے دستخط

ڈاکٹر نور حیات خان

(صدر شعبہ علوم اسلامیہ) ____________________ صدر شعبہ علوم اسلامیہ کے دستخط

پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) ____________________ ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز کے دستخط

پروفیسر ڈاکٹر محمد سفیر اعوان

پرو ریکٹر اکیڈمکس ____________________ پرو ریکٹر اکیڈمکس کے دستخط

میجر جنرل (ر) محمد جعفر

(ریکٹر نمل) ____________________ ریکٹر نمل کے دستخط

تاریخ: ____________________

حلف نامہ فارم

میں محمد سعید ولد محمد عاشق

رول نمبر: رجسٹریشن نمبر: PhD/IS/F17

طالب، پی ایچ۔ڈی، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ بعنوان:

مسلم ریاستوں اور حکام کی تکفیر

(شریعت اور خارجی فکر کے تناظر میں)

Takfir of Muslim States and Authorities
(In the context of Sharia and Kharji thought)

پی ایچ۔ڈی علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور **ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: محمد سعید ولد محمد عاشق

دستخط مقالہ نگار: ________________

ABSTRACT

Takfir of the Muslim States and Authorities (In the context of Sharia and Kharji thought)

The state and the rulers are the two basic things that the people of any society need to achieve a dignified place in the pages of history by asserting themselves. A society that cannot adopt these two things or protect its legitimacy will never survive in the pages of history. In this context, when we look at Islam as a complete code of life, human life. It offers a brilliant, beautiful and in accordance with human nature, Shariah, rational and logical solution to all the issues and problems related to Islam. Emphasizes Because for the implementation of the true religion, it is necessary to have power, authority and dominance. The establishment and domination of religion are not possible with mere advice. As well as striving for the establishment and consolidation of the Muslim state, Islam discourages people from living without it, highlighting the importance of the amir, wali or ruler.

The greatest tactic used by Islam to disintegrate and defeat a Muslim society has been to ideologically hollow out the roots of that society or state and to spoil the relations of the people with their rulers. In this regard, the fatwas of takfir and the role of the class authorities play a major role. Challenging the authority of Muslim states and Muslim rulers at the moment, this fitna of takfir and exodus, which has created chaos in Islamic countries, is based on the misdeeds of Muslim rulers and on the one hand declares them infidels and on the other hand, a Muslim state based on the existing laws, declaring infidelity as infidelity, fighting against it or committing terrorism is considered as jihad. Along with other Islamic countries, dear homeland Pakistan is a special target of the people of this tribe.

In this thesis, research work has been done on this most important and sensitive subject in the light of the Quran and Hadiths of the Prophet (peace and blessings of Allah be upon him). On the other hand, the introduction, history, aims and objectives and arguments of the leaders of Takfir and Exodus have been mentioned in the light of the Qur'an and Sunnah. Mentioning the efforts and measures taken for the prevention of Takfir, suggestions and recommendations have been given for the permanent prevention of the fitna of Takfir of state and rulers. The research style of this thesis is descriptive and analytical.

فہرست موضوعات

ABSTRACT vi

فہرست موضوعات vii

انتساب xi

اظہارِ تشکر xii

مقدمہ xiii

بابِ اوّل: مسلم ریاست اور حکمران 2

فصل اول: ریاست اور اس کی بنیادی اقسام و اوصاف 3

مبحث اول: ریاست کا معنی و مفہوم اور ضرورت و اہمیت 4

مبحث دوم: اسلامی تناظر میں ریاستوں کی بنیادی اقسام 11

مبحث سوم: مسلم ریاست اور اس کے بنیادی اوصاف 15

مبحث چہارم: غیر مسلم ریاست اور اس کے بنیادی اوصاف 27

فصل دوم: حکمران کی ضرورت و اہمیت اور اس کے تقرر کی شرعی حیثیت 33

مبحث اول: حکمران کی ضرورت و اہمیت 36

مبحث دوم: حکمران یا امیر مقرر کرنے کی شرعی حیثیت 38

فصلِ سوم: مسلم حکمران کے فرائض 43

مبحث اول: دینی فرائض 45

مبحث دوم: دنیاوی فرائض 51

فصلِ چہارم: مسلم حکمران کے حقوق 63

مبحث اول: حکم سننا اور اس کی اطاعت کرنا 67

مبحث دوم: حکمرانوں کے ظلم پر صبر کرنا 82

مبحث سوم: حکمران کی عزت و تکریم کرنا 86
مبحث چہارم: حکمران پر طعن و تشنیع اور گالی گلوچ سے گریز کرنا 92
مبحث پنجم: حکمرانوں کی خیر خواہی کرنا 94
مبحث ششم: حکام کے لیے دعا کرنا 98
بابِ دوم: شریعت کے تناظر میں مسلم ریاستوں اور حکام کی تکفیر 101
فصل اول: کفر و تکفیر، معنی و مفہوم اور شرعی حکم 102
مبحث اول: کفر اور اس کی اقسام 105
مبحث دوم: تکفیر کی تعریف، اقسام اور شرعی حکم 112
فصل دوم: مسلم ریاستوں کی تکفیر شریعت کی روشنی میں 123
مبحث اول: دار الاسلام کا دار الکفر میں تبدیل ہونا 127
مبحث دوم: موجودہ مسلم ممالک کا دار الاسلام یا دار الکفر ہونے کے حوالہ سے شرعی حکم 138
فصل سوم: مسلم حکام کی تکفیر کے اصول و ضوابط 142
مبحث اول: تکفیر کرنے والے کے متعلق ضوابط 143
مبحث دوم: تکفیر کے شکار شخص یعنی مُکفَّر سے متعلقہ ضوابط 153
فصل چہارم: مسلم حکام کی تکفیر کی شرائط 170
مبحث اول: تکفیر کے شکار شخص کی ذات سے متعلقہ شرائط 173
مبحث دوم: تکفیر کے شکار شخص کے علم سے متعلقہ شرائط 178
مبحث سوم: تکفیر کے شکار شخص سے کفر کے ثبوت سے متعلقہ شرائط 184
بابِ سوم: خارجی فکر، تعارف اور مستدلات کا تحقیقی جائزہ 188
فصل اول: خوارج کا تعارف اور علامات و اوصاف 189
مبحث اول: خوارج کی لغوی و اصطلاحی تعریف 191

مبحث دوم: خوارج کی علامات واوصاف ان کی اپنی ذات کے حوالہ سے 194

مبحث سوم: خوارج کی علامات واوصاف دیگر مسلمانوں کے حوالہ سے 204

فصل دوم: خوارج کی تاریخ........................ 214

مبحث اول: خارجی فکر زمانہ نبوت سے عہد عثمانی کے اختتام تک 215

مبحث دوم: خوارج سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں 221

مبحث سوم: خوارج خلافت راشدہ کے بعد سے عہد حاضر تک........................ 240

فصل سوم: خوارج کے القاب، فرقے اور قدیم وجدید خارجی فکر کے حاملین کا تقابلی جائزہ 243

مبحث اول: خوارج کے القاب........................ 244

مبحث دوم: خوارج کے فرقے اور ان کے امتیازی عقائد 248

مبحث سوم: قدیم خوارج اور معاصر خارجی فکر کے حاملین کا تقابلی جائزہ 264

مبحث چہارم: خارجی فکر کے حامل معاصر لوگوں کے حوالہ سے چند شبہات اور ان کے جوابات 272

فصل چہارم: تکفیر پر خارجی فکر کے حاملین کے دلائل اور ان کا تنقیدی جائزہ 277

مبحث اول: مسئلہ تحکیم اور وضعی قوانین........................ 279

مبحث دوم: مسئلہ الولاء والبراء 300

بابِ چہارم: فتنہ تکفیرِ ریاست وحکام کے اسباب، نقصانات اور تدارک........................ 315

فصل اول: ریاست وحکام کی تکفیر کا بنیادی سبب۔ غلو اور انتہا پسندی........................ 316

مبحث اول: انتہا پسندی وغلو اور پہلی امتیں 317

مبحث دوم: اسلام اور انتہا پسندی........................ 321

مبحث سوم: غلو اور انتہا پسندی کے اسباب ونتائج........................ 328

فصل دوم: ریاست وحکام کی تکفیر کے دیگر اسباب 333

مبحث اول: تکفیری لوگوں کی ذات سے متعلقہ داخلی اسباب........................ 334

مبحث دوم: تکفیر کو بڑھاوا دینے والے خارجی اسباب 342

فصل سوم: ریاست وحکام کی تکفیر کے نتائج اور پاکستان کے حوالے سے تکفیری اعتراضات کا جائزہ 351

مبحث اول: مسلم ریاستوں کی تکفیر کے نتائج و نقصانات 352

مبحث دوم: مسلم حکام کی تکفیر کے نتائج و نقصانات 356

مبحث سوم: ریاست پاکستان کے حوالے سے تکفیری وخارجی اعتراضات کا شرعی جائزہ 359

فصل چہارم: تکفیری ذہنیت کا علاج اور تدارک 371

مبحث اول: تکفیری ذہنیت اور سوچ کا علاج 372

مبحث دوم: تکفیر اور دیگر فتنوں سے بچنے کے لیے عمومی نصیحتیں 386

مبحث سوم: پاکستان میں فتنہ تکفیر کے تدارک کے لیے کیے جانے والے اقدامات 389

نتائج تحقیق 401

تجاویز و سفارشات 403

فہرست آیات 406

فہرست احادیث 411

فہرست اعلام 417

فہرست اماکن 418

فہرست اصطلاحات 419

فہرست مصادر و مراجع 420

انتساب

میں اپنی اس علمی و تحقیقی کاوش کو

﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾

کی دعا کے ساتھ اپنے عظیم و محترم والدین کریمین اور اساتذہ کرام کے نام منسوب کرتا ہوں

کہ جن کی رہنمائی اور دعائیں ہمیشہ میرے ساتھ رہتی ہیں۔

اظہارِ تشکر

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين أما بعد:

زندگی کے کسی بھی میدان میں علمی تحقیق و جستجو یقیناً ایک پر مشقت عمل ہے، جو کہ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم اور مسلسل محنت و مشقت کے بغیر ممکن و میسر نہیں ہوتا۔ علوم اسلامیہ چونکہ اشرف العلوم کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے اس میدان میں تحقیقی کام نہ صرف دنیاوی خیر و برکت کا باعث بنتا ہے بلکہ اس سے اخروی نجات کی بھی امید رکھی جاتی ہے۔ علوم اسلامیہ کے باب میں اپنے اس تحقیقی کام کی تکمیل پر میں اللہ تعالیٰ کا صدق دل سے شکر گزار ہوں کہ جس کی توفیق و تائید سے یہ انتہائی مشکل کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اپنی مادر علمی بالخصوص شعبہ علوم اسلامیہ کا شکر گزار ہوں کہ جہاں مجھے تحقیق کے لیے ایک شاندار ماحول میسر ہوا۔ نبی ﷺ کے فرمان "مَنْ لاَ يَشْكُرُ النَّاسَ لاَ يَشْكُرُ اللَّهَ " کے تحت میں اپنے تمام اساتذہ کرام بالخصوص محترم و مشفق استاد، نگران مقالہ پروفیسر ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری کا بے حد مشکور ہوں کہ جنہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس تحقیقی مقالہ کے تمام مراحل میں میری ہمہ جہت رہنمائی فرمائی۔ میں اپنے والدین محترمین بارك الله في عمرهما اور دیگر بزرگوں کا شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے میری بہترین تعلیم و تربیت کو اوّلین ترجیح دی اور اس ضمن میں مجھے کبھی کسی بھی طرح کی کمی کا احساس نہ ہونے دیا۔ میں ان تمام مفسرین، محدثین اور علماء و فقہاء کا شکر گزار ہوں اور ان کے لیے دعا گو ہوں کہ جن کی علمی تحقیقات و تخلیقات میرے لیے مشعل راہ بنیں۔ المکتبۃ الشاملۃ اور دیگر برقی مکتبات بنانے والے اور انتہائی قیمتی کتب کی پی ڈی ایف فائلز مفت اپ لوڈ کرنے والے محسنین کا احسان مند ہوں کہ ان کے اس تعاون کے بغیر بہت ساری مولفات تک رسائی میرے لیے ممکن نہ تھی۔ ناسپاسی ہوگی اگر میں اپنے اہل خانہ اور بچوں کا شکریہ ادا نہ کروں کہ جنہوں نے اپنے حصہ کا وقت بھی میری تحقیق کی تکمیل کے لیے پیش کر دیا، اللہ تعالیٰ ان کو دنیا و آخرت کی ہر پریشانی سے محفوظ رکھے اور ہر خیر و بھلائی سے مالامال فرمائے۔ اپنے ان تمام دوستوں اور ساتھیوں کا مشکور ہوں کہ جنہوں نے اس تحقیقی مقالہ کی تکمیل میں میرے ساتھ کسی بھی قسم کا تعاون کیا، تجاویز دیں یا کسی بھی طرح حوصلہ بڑھایا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس مقالہ میں جو بھی خیر و خوبی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو کمی، خامی یا تقصیر ہے، وہ میری طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے اس مقالہ کو دنیا و آخرت میں شرف قبولیت سے نوازے اور باعث نجات و خیر و برکت بنائے۔ آمین ثم آمین

محمد سعید (طیب)

مقالہ نگار

مقدمہ

ان الحمدللہ ، والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ ، اما بعد !

موضوعِ تحقیق کا تعارف وپس منظر

کسی بھی معاشرہ کے لوگوں کو اپنا آپ منوا کر تاریخ کے اوراق میں باوقار مقام حاصل کرنے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے،ان میں ریاست اور حکمران دو بنیادی چیزیں ہیں۔جو معاشرہ ان دونوں چیزوں کو اختیار نہ کر سکے یا ان کی کماحقہ حفاظت نہ کر سکے تو ایسا معاشرہ تاریخ کے اوراق میں کبھی زندہ و جاوید نہیں رہ پاتا۔اسی تناظر میں جب ہم اسلام کو دیکھتے ہیں جو کہ مکمل ضابطہ حیات ہونے کے ناطے انسانی زندگی سے متعلقہ تمام معاملات و مسائل کا انتہائی شاندار ،خوبصورت اور انسانی فطرت کے عین مطابق شرعی، عقلی اور منطقی حل پیش کرتا ہے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ اسلام مسلم معاشرے کے قیام،بقا اور استحکام کے لئے اسلامی عملداری والی حکومت و ریاست کے حصول اور وجود پر زور دیتا ہے،جیسا کہ اللہ تعالی نے ہجرت سے قبل اپنے پیارے نبی ﷺ کو حکم دیا:

﴿وَقُل رَّبِّ أَدۡخِلۡنِي مُدۡخَلَ صِدۡقٖ وَأَخۡرِجۡنِي مُخۡرَجَ صِدۡقٖ وَٱجۡعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلۡطَٰنٗا نَّصِيرٗا﴾{الاسراء17 :80}

اور کہہ اے میرے رب! داخل کر مجھے سچا داخل کرنا اور نکال مجھے سچا نکالنا اور میرے لیے اپنی طرف سے ایسا غلبہ بنا جو مددگار ہو۔

مفسرین کرام کے مطابق اس آیت مبارکہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ایک یہ کہ اے اللہ تو مجھے ایسا اقتدار، غلبہ اور حکومت عطا فرما جس میں تیری مدد اور نصرت شامل حال ہو۔دوسرا یہ کہ کسی صاحبِ اقتدار و غلبہ یا حکومت کے دل میں یہ بات ڈال دے کہ وہ میرے اس کام یعنی دین حق کی سربلندی کے لیے میرا مددگار بن جائے۔ گویا دین حق کے نفاذ کے لیے قوتِ نافذہ، اقتدار اور غلبہ کا حصول ضروری ہے۔ محض پند و نصائح سے دین کا قیام اور غلبہ ممکن نہیں۔ جیسے اللہ تعالی نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو واجب قرار دیا جبکہ یہ قوت اور حکومت وامارت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔اور اسی طرح باقی واجبات جیسے نماز، زکوۃ، جہاد، مظلوم کی مدد، عدل وحدود اللہ کا قیام اور حج کا اہتمام بھی قوت اور حکومت وامارت کے بغیر ممکن نہیں۔

مسلم ریاست کے قیام اور استحکام کی کوشش کے ساتھ ساتھ اسلام امیر، والی یا حکمران کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے اس کے بغیر زندگی بسر کرنے کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کو دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کی نظر میں عوام الناس کے معاملات کا کسی ایک کو نگران، حاکم یا امیر بنانا دین کے بڑے فرائض میں سے ہے، بلکہ دین اور دنیا کا قیام اس کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ قانونِ فطرت ہے کہ لوگوں کے معاملات اور ضرورتیں ایک دوسرے کے

محتاج ہونے کی وجہ سے صرف اجتماعیت کے ساتھ ہی پوری ہوتی ہیں، اور اجتماعیت کیلئے ایک سردار اور امیر کا ہونا اس قدر ضروری ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" إِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ " (ابو داود:2610)

جب تین آدمی سفر پر نکلیں تو اپنے میں سے ایک کو امیر بنالیں۔

اور آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

"لَا يَحِلُّ لِثَلَاثَةٍ يَكُونُونَ بِفَلَاةٍ مِنْ الْأَرْضِ إِلَّا أَمَّرُوا عَلَيْهِمْ أَحَدَهُمْ" (مسند أحمد: 6647)

تین آدمیوں کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ کسی جنگل میں ہوں مگر یہ کہ اپنے میں سے کسی کو اپنا امیر بنالیں۔

ان احادیث اور ان سے ملتی جلتی دیگر احادیث سے یہ بات واضح طور پر سمجھ آتی ہے کہ نبی ﷺ نے سفر میں ہونے والے چھوٹے سے عارضی اکٹھ اور اجتماع کی صورت میں بھی کسی ایک کو امیر بنانا فرض قرار دیا تاکہ امت کی تربیت ہو جائے اور وہ اجتماع اور اکٹھ کی تمام صورتوں میں اس امر کا اہتمام کرے۔

کسی مسلم معاشرہ کا شیرازہ بکھیرنے اور اسے شکست وریخت سے دوچار کرنے کیلئے اعدائے اسلام کا سب سے بڑا ہتھکنڈا یہ رہا ہے کہ اس معاشرہ یا ریاست کی جڑوں کو نظریاتی طور پر کھوکھلا کر دیا جائے اور عوام الناس کے اپنے حکام کے ساتھ باہمی تعلقات خراب کر دیے جائیں۔اس سلسلہ میں فتوی ہائے تکفیر اور طبقہ حکام کی خواہ مخواہ کردار کشی بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔یاد رہے کسی حاکم کی تکفیر اور اس کی کردار کشی کے فتنہ کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ اس فتنہ کے اولین شخص کا ظہور نبی کریم ﷺ کے عہد میں آپ کے سامنے ہوا، جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے اور آپ کچھ مال تقسیم کر رہے تھے کہ آپ ﷺ کے پاس ذوالخویصرہ، جو قبیلہ بنی تمیم کا ایک شخص تھا، حاضر ہوا۔اس نے کہا یا رسول اللہ! انصاف کیجئے! آپ نے ارشاد فرمایا: تیری خرابی ہو اگر میں انصاف نہ کروں گا تو کون ہے جو انصاف کرے گا؟ اگر میں عدل نہ کروں تو یقینا میں تو ناکام و نامراد ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" دَعْهُ فَإِنَّ لَهُ أَصْحَابًا يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلَاتَهُ مَعَ صَلَاتِهِمْ وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ يَقْرَؤُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ "{صحيح البخاری:3414}

اس کو رہنے دو، یقینا اس کے ایسے ساتھی ہوں گے جن کی نمازوں کے مقابلہ میں تم اپنی نمازوں کو حقیر سمجھوگے۔اور ان کے روزوں کے سامنے اپنے روزوں کو کمتر جانوگے۔وہ قرآن کی تلاوت کریں گے

مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ یہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح شکار سے تیر نکل جاتا ہے۔

دراصل فتنۂ تکفیر اور خروج کے علمبرداروں کا اولین ہدف دین کا لبادہ اوڑھ کر دین کے نام پر مسلم حکمران اور مسلم ریاست کو کمزور، Destabilize اور کھوکھلا کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ مسلم ریاست اور مسلم حکمران کی اتھارٹی کو چیلنج کرنے والے اس فتنہ نے امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اپنا آپ اس طرح دکھایا کہ آپ کو مظلومانہ شہید کر دیا گیا۔ آپ کی شہادت کے بعد اس فتنہ نے اس قدر قوت پکڑی کہ اس کی فتنہ انگیزیوں اور اربابِ تکفیر و خروج کے تکفیری فتووں سے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سمیت بڑے بڑے اکابر صحابہ بھی نہ بچ سکے۔ پھر جب ان کی شرارت اور فساد حد سے بڑھ گیا تو امیر المومنین سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف علمِ جہاد بلند کرتے ہوئے انہیں جنگِ نہروان میں نیست ونابود کیا۔ اس کے بعد سے آج تک یہ فتنہ مختلف زمانوں میں مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا آیا ہے۔

موضوع تحقیق کی ضرورت واہمیت

اس وقت مسلم ریاستوں اور مسلم حکمرانوں کی اتھارٹی کو چیلنج کرتے ہوئے اسلامی ممالک میں فساد برپا کرنے والا تکفیر و خروج یا بغاوت کا یہ فتنہ مسلم حکمرانوں کی بدعملیوں کو بنیاد بنا کر ایک طرف تو انہیں کافر قرار دیتا ہے جبکہ دوسری طرف کسی مسلم ریاست کو اس کے وضعی قوانین کی بنیاد پر دارالکفر قرار دے کر اس کے خلاف خروج، بغاوت، لڑائی یا دہشت گردی کے ارتکاب کو عین جہاد قرار دیتا ہے۔ دیگر اسلامی ممالک کے ساتھ ساتھ وطنِ عزیز پاکستان اس قبیل کے لوگوں کا خصوصی نشانہ ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ کی روشنی میں اس اہم ترین اور حساس ترین موضوع پر تحقیقی کام کیا جائے جس میں ایک طرف تو مسلم ریاست اور مسلم حاکم کی شرعی حیثیت و مقام کا تعین کرتے ہوئے ان کی تکفیر کے اصول وضوابط اور نتائج ونقصانات کو تفصیل سے واضح کیا جائے جبکہ دوسری طرف تکفیر و خروج کے علمبرداران کے تعارف، تاریخ، اہداف و مقاصد اور دلائل ذکر کرتے ہوئے قرآن وسنت کی روشنی میں ان کا محاکمہ کیا جائے۔ تاکہ ہم اپنے مستقبل، اپنی نوجوان نسل کو علم اور دلیل کی قوت کے ساتھ اس خطرناک فتنہ کا شکار ہونے سے بچا سکیں۔

اس دور میں خارجی کون ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے کہ جس کا جواب ڈھونڈنے کے لیے حکومتی سرپرستی اور معتبر اہل علم کی نگرانی میں باقاعدہ تحقیق کی ضرورت ہے۔ اس مقالہ میں اولین خوارج کے ساتھ کئی امور میں فکری و عملی مماثلت رکھنے کی بنیاد پر بعض لوگوں کو زیر بحث لایا گیا ہے، جنہیں حکومت پاکستان اور علماء کی ایک بڑی جماعت نے خوارج

کے ساتھ فکری مشابہت کی بنیاد پر باغی یا محارب قرار دیا ہے۔[1]

اسباب انتخاب موضوع

تحقیق کے لئے اس موضوع کو درج ذیل وجوہات کی بنا پر اختیار کیا گیا ہے:

- اس وقت جبکہ مسلم ریاستوں اور حکام کی تکفیر اور ان کے خلاف خروج وبغاوت کا فتنہ ایک عالمگیر وباء کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ وطن عزیز پاکستان بالخصوص اور ساری مسلم دنیا بالعموم ان تکفیریوں اور باغیوں کی خونخوار دہشت گردانہ کاروائیوں کی شکار ہے۔ طرفہ تماشا یہ کہ ان مذموم حرکتوں کو نفاذ شریعت اور احیائے خلافت کا مقدس لبادہ اوڑھا کر جہادِ فی سبیل اللہ کا نام دیا جا رہا ہے۔ ایک دردِ دل رکھنے والے پاکستانی مسلم سکالر کی حیثیت سے میں نے ضروری جانا کہ اس فتنہ کے تدارک کیلئے جہاں عسکری محاذ پر افواجِ پاکستان کام کر رہی ہیں وہاں دلیل کی قوت کے ساتھ فکری محاذ پر بھی ان کا تدارک ضروری ہے۔
- موضوعِ تحقیق ایک ایسا اہم موضوع ہے کہ جس پر کام بیک وقت حکومتی اداروں، عسکری اداروں، عصری تعلیمی اداروں، دینی تعلیمی اداروں، اساتذہِ کرام، علمائے دین اور عوام الناس کی راہنمائی کا باعث ہوگا۔ باوجود اشد ضرورت کے ابھی تک اس موضوع پر تحقیقی کام نہیں ہوا۔ یہ مقالہ اس خلا کو پر کرنے کی ایک ادنی سی کاوش ہے۔
- خارجی فکر کے حاملین چونکہ ظاہری طور پر بہت زیادہ پابندِ شریعت اور متبع سنت ہوتے ہیں اس لیے اللہ تعالی کی خوشنودی، دین، جہاد اور جنت کے نام پر عام، سادہ لوح، دین کی محبت رکھنے والے لوگوں بالخصوص نوجوانوں کو ورغلانا ان کیلئے بہت آسان ہوتا ہے۔ امت کے اہلِ علم پر یہ لازم ہے کہ وہ ان سادہ لوح مخلص مسلمانوں کو قرآن وسنت کی روشنی میں مضبوط علمی وفکری راہنمائی مہیا کریں تا کہ وہ اپنی نادانی کے باعث ان کا شکار نہ بنیں۔ یہ مقالہ اس فریضے کی ادائیگی کی طرف اٹھایا جانے والا ایک قدم ہے۔

میں نے اللہ تعالی کی توفیق اور محترم اساتذہ کرام کے مشورے سے پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حصول کے لیے اس انتہائی اہم اور ناگزیر موضوع پر علمی و تحقیقی کام کیا ہے۔ مجھے امید واثق ہے کہ یہ مقالہ ''اسلامی عقیدہ'' کے باب میں ایک مفید اضافہ ثابت ہوگا، فکری محاذ پر مسلم ریاستوں اور حکام کی تکفیر کے سلسلہ میں بھٹکے ہوئے جذباتی مسلمانوں کی ہدایت کا سبب بنے گا۔ ان فتنہ پرور گمراہوں کے خلاف جن لوگوں نے قربانیاں پیش کیں، ان کے ورثاء کے دلوں کی ٹھنڈک، اور افواجِ پاکستان ودیگر عسکری و قومی اداروں کے جو جوان بر سرِ پیکار ہیں ان کے قدموں کے ثبات واستقلال کا ذریعہ بنے گا۔ ان شاء اللہ العزیز۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اس کاوش کو قبول فرمائے، اس کام کو میرے اور بلادِ اسلامیہ بالخصوص وطنِ عزیز

---

[1]۔ دیکھیے: پیغام پاکستان، ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ص: 27

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے لیے بابرکت بنادے، فتنہ کا شکار بھٹکے ہوئے نوجوانوں کو اس کے ذریعے راہِ راست پر آنے کی توفیق عطا فرمائے اور اسے میرے لیے، میرے انتہائی محترم والدین اور اساتذہ کرام کے لیے صدقہ جاریہ بنادے۔

آمین ثم آمین برحمتک یاارحم الراحمین

مقاصد تحقیق

موضوعِ تحقیق کا انتخاب کرتے وقت مندرجہ ذیل اہداف و مقاصد میرے مد نظر تھے۔

1. اسلامی تناظر میں ریاستوں کی بنیادی اقسام واوصاف بیان کرنا، نیز ریاست و حاکم کی حیثیت واہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے ایک مسلم حکمران کے حقوق وفرائض بیان کرنا۔
2. کفر و تکفیر کے معنی و مفہوم اور شرعی حکم کو واضح کرتے ہوئے مسلم ریاستوں اور حکام کی تکفیر کے اصول وضوابط اور شرائط کو بیان کرنا۔
3. خوارج کے تعارف اور نظریات وعلامات کو بیان کرتے ہوئے کتاب وسنت کی روشنی میں تکفیرِ ریاست وحکام پر ان کے دلائل کا محاکمہ کرنا۔
4. ریاست وحکام کی تکفیر کے اسباب اور نتائج ونقصانات کو واضح کرتے ہوئے پاکستان میں اس فتنہ کے تدارک کے لئے کی جانے والی کاوشوں اور اقدامات کو بیان کرنا اور اس کے مستقل سدباب کیلئے راہِ عمل تلاش کرنا۔

سوالات تحقیق

اس مقالہ کے تحقیقی سوالات مندرجہ ذیل ہیں:۔

1. مسلم ریاست کے قیام اور مسلم حکمران کے تقرر کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ نیز شریعت اسلامی کی نظر میں ایک مسلم حاکم کے حقوق وفرائض کون کون سے ہیں؟
2. کفر و تکفیر سے کیا مراد ہے نیز کسی مسلم ریاست یا حاکم کی تکفیر کی شرائط اور اصول وضوابط کون کون سے ہیں؟
3. خوارج کا تعارف اور تاریخ کیا ہے؟ وہ کیوں اور کن دلائل کی بنیاد پر کسی مسلم ریاست یا حاکم کو کافر قرار دیتے ہیں؟ نیز ان کے دلائل شرعی اعتبار سے کس حیثیت کے حامل ہیں؟
4. فتنہ تکفیر ریاست وحکام کے اسباب ونقصانات کون کون سے ہیں اور ان کا تدارک کیسے ممکن ہے؟

سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ

زیر تحقیق عنوان مسلم ریاستوں اور حکام کی تکفیر { شریعت اور خارجی فکر کے تناظر میں } کے حوالہ سے اگر تفصیلی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر ایم فل اور پی ایچ ڈی سطح پر براہِ راست کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا، اگرچہ متفرق انداز میں اس سے متعلقہ کچھ موضوعات پر تحقیقی کام ہوا ہے جیسا کہ:

1. حکمرانوں کے نصب وعزل اور ان کے خلاف تنقید، احتجاج اور خروج کے متعلق مندرجہ ذیل مقالات وکتب لکھے گئے ہیں۔

أ. اسلامی ممالک میں اولی الامر کی شرعی حیثیت، مقالہ نگار: مرغوب عالم، نگران تحقیق: ڈاکٹر محمد طاہر ملک، کلیہ معارف اسلامیہ، کراچی یونیورسٹی کراچی، 1999ء {پی ایچ ڈی}

ب. حکمرانوں کے خلاف خروج اور اس کی حدود اسلامی تعلیمات کی روشنی میں، مقالہ نگار: افتخار قیوم، نگران تحقیق: ڈاکٹر ابرار محی الدین مرزا، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، 2008_2010 {پی ایچ ڈی}

ج. اسلام میں تنقید واحتجاج خلاف سرکار اور استبدال اقتدار کے طرق اور صورتوں کا تاریخی وفقہی جائزہ، مقالہ نگار: میاں رفیع اللہ، نگران تحقیق: ڈاکٹر پروفیسر مشتاق احمد، جامعہ پشاور، 2014ء، {پی ایچ ڈی}

د. اسلامی حکومت کے قیام کی فرضیت اور عدم فرضیت۔ایک تنقیدی وتقابلی مطالعہ، مقالہ نگار: محمد حسنین ، نگران تحقیق: ڈاکٹر مطلوب احمد، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد، 2015ء، {پی ایچ ڈی}

ہ. سربراہان ریاست وحکومت کے استحقاقات {قرآن وسنت اور آئین کی روشنی میں تحقیقی جائزہ}، مقالہ نگار: کلیم ریاض، نگران تحقیق: ڈاکٹر حامد رضا، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد، سیشن 2011-2013ء، {ایم فل}

و. حاکم کے نصب وعزل میں اسلامی اور مغربی طریقہ کار کا تقابلی جائزہ، مقالہ نگار: محمد ندیم، نگران تحقیق: ڈاکٹر عبد الغفار، اسلامی یونیورسٹی بہاولپور، 2015ء، {ایم فل}

ز. اولوالامر کی مطلوبہ صفات اسلامی جمہوریہ پاکستان کے تناظر میں، مقالہ نگار: حافظ محمد وسیم، ہائی ٹیک یونیورسٹی ٹیکسلا، 2016ء {ایم فل}

ح. جہاد، مزاحمت اور بغاوت، اسلامی شریعت اور بین الاقوامی قانون کی روشنی میں، تالیف ڈاکٹر محمد مشتاق احمد، ناشر: الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ

ط. عصر حاضر میں تکفیر، خروج، جہاد اور نفاذِ شریعت کا منہج، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر، ناشر: مکتبہ رحمت للعالمین لاہور

مذکورہ بالا مقالات وکتب میں اسلامی حکومت کے قیام کی فرضیت وعدم فرضیت، اسلامی ممالک کے حکام کی شرعی حیثیت، ان کی مطلوبہ صفات، ان کے استحقاقات، ان کے خلاف خروج، تنقید واحتجاج، استبدال اقتدار کے

طرق اور صورتوں کا تاریخی و فقہی جائزہ پر بحث کرتے ہوئے اس کی حدود واضح کی گئی ہیں اسی طرح حاکم کے نصب وعزل میں اسلامی اور مغربی طریقہ کار کے تقابلی جائزہ پر بھی تحقیقی کام کیا گیا ہے۔

2. مذہبی عدم برداشت، تکفیر اور تکفیری رجحانات پر مندرجہ ذیل تحقیقی مقالات پیش کیے جا چکے ہیں:

اَ. پاکستان میں تکفیری فتاوی کا تحقیقی مطالعہ قرآن وسنت کی روشنی میں، مقالہ نگار: عبدالواحد قیصرانی، نگران تحقیق: ڈاکٹر تاج الدین الازہری، ہائی ٹیک یونیورسٹی ٹیکسلا، منظوری: ستمبر 2016ء {پی ایچ ڈی}

ب. پاکستان میں مذہبی عدم برداشت کے رجحانات اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ، مقالہ نگار: غلام عباس، نگران تحقیق: ڈاکٹر محمد ادریس لودھی، بہاو الدین زکریا یونیورسٹی ملتان، سیشن 2012ء-2014ء، {ایم فل}

ج. پاکستان میں تکفیری رجحانات کا علمی جائزہ، مقالہ نگار: احتشام الحق، نگران تحقیق: ڈاکٹر عبد المہیمن، یونیورسٹی آف ہری پور، کے پی کے، 2016ء، {ایم فل}

د. حرمت مسلم اور مسئلہ تکفیر، مولانا محمد یوسف ربانی، ناشر: دارالاندلس لاہور

ہ. مسئلہ تکفیر اور اس کے اصول وضوابط، ابوالحسن مبشر احمد ربانی، ناشر: دارالاندلس لاہور

مذکورہ بالا مقالات وکتب میں پاکستان کو سامنے رکھتے ہوئے مذہبی عدم برداشت کے رجحانات اور تکفیری رجحانات کے علمی و تحقیقی جائزہ کے ساتھ مسئلہ تکفیر، اس کے اصول وضوابط اور پاکستان میں دیے جانے والے تکفیری فتاوی کا قرآن وسنت کی روشنی میں تحقیقی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

3. دارالحرب اور دارالسلام کے تناظر میں پیش/قبول کیے جانے والے تحقیقی مقالات درجِ ذیل ہیں:

اَ. دارالحرب کو دارالسلام میں تبدیل کرنے کی کوششوں کا تاریخی جائزہ۔ مقالہ نگار: بابر زمان، نگران تحقیق: ڈاکٹر شمس البصر، اسلامی یونیورسٹی بہاولپور، 2011ء، {ایم فل}

ب. دارالحرب اور دارالسلام کا تصور معاصر تناظر میں۔ایک تطبیقی اور تحقیقی جائزہ، مقالہ نگار: محمد جان، نگران تحقیق: ڈاکٹر ابظاہر خان، عبدالولی خاں یونیورسٹی مردان {ایم فل، زیر تکمیل}

علاوہ ازیں پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ''دہشت گردی اور فتنہ خوارج'' پر ایک مبسوط تاریخی فتوی جاری کیا ہے، لیکن ان کے فتوی اور مذکورہ بالا تمام مقالات وکتب میں یہ پہلو تشنہ رہا ہے کہ کسی سکالر نے بھی تکفیر کے حوالہ سے مسلم ریاستوں اور حکام کی تکفیر کو بالخصوص موضوع بحث نہیں بنایا جبکہ اس موضوع کی اہمیت کی بناء پر شدید ضرورت تھی کہ اس پر جامع علمی و تحقیقی کام کیا جائے، اس لیے اساتذہ کرام کی راہنمائی سے اس موضوع کا انتخاب کیا گیا۔

اسلوب تحقیق

مقالہ ہذا کا اسلوبِ تحقیق بیانیہ اور تجزیاتی ہے جس کے لیے

- قرآن و حدیث اور موضوع سے متعلقہ عربی، اردو کتب اور مقالات و مضامین سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔
- ملک اور بیرون ملک لائبریریوں سے مدد لی گئی ہے۔
- دورِ جدید کی سہولیات وذرائع اور برقی مکتبات خصوصا "المكتبة الشاملة المرتبطة بالكتب المصورة" سے بھرپور فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

طریقہ تحقیق

- مقالہ ہذا کو ابواب، فصول اور مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔
- جو احادیث صحیحین یا ان میں سے کسی ایک میں موجود تھیں، ان کی تحقیق پیش نہیں کی گئی کہ امت نے ان دونوں کتب کو قبولیت عامہ سے نوازا ہے۔
- مقالہ میں ذکر کی گئی تمام احادیث صحیح یا حسن درجہ کی ہیں، احادیث کی تحقیق کے ضمن میں سابق محققین بالخصوص شیخ ناصر الدین البانی، شیخ شعیب الارنووط اور شیخ حسین سلیم اسد رحمہم اللہ کی تحقیقات سے استفادہ کیا گیا ہے۔
- مقالہ میں مذکور غیر معروف شخصیات و مقامات کا مختصر تعارف حواشی میں پیش کیا گیا ہے۔
- حواشی میں عبارات واقتباسات کے مصادر و مراجع یونیورسٹی کے منظور شدہ طریق پر پیش کیے گئے ہیں۔
- مقالے کے آخر میں ماحصلِ تحقیق کے طور پر نتائج تحقیق اور تجاویز و سفارشات پیش کی گئی ہیں۔

خاکہ تحقیق

مقالہ ہذا مندرجہ ذیل ترتیب کے مطابق مقدمہ، چار ابواب، نتائج وسفارشات اور فہارس پر مشتمل ہے۔

مقدمہ: تعارف، اسباب انتخاب موضوع، مقاصد تحقیق، سوالات تحقیق،۔۔۔

بابِ اوّل: مسلم ریاست اور حکمران

فصل اول: ریاست اور اس کی بنیادی اقسام واوصاف

فصل دوم: حکمران کی ضرورت واہمیت اور اس کے تقرر کی شرعی حیثیت

فصل سوم: مسلم حکمران کے فرائض

فصل چہارم: مسلم حکمران کے حقوق

بابِ دوم: شریعت کے تناظر میں مسلم ریاستوں اور حکام کی تکفیر

فصل اول: کفر وتکفیر، معنی ومفہوم اور شرعی حکم

فصل دوم: مسلم ریاستوں کی تکفیر شریعت کی روشنی میں

فصل سوم: مسلم حکام کی تکفیر کے اصول وضوابط

فصل چہارم: مسلم حکام کی تکفیر کی شرائط

بابِ سوم: خارجی فکر، تعارف اور مستدلات کا تحقیقی جائزہ

فصل اول: خوارج کا تعارف اور علامات واوصاف

فصل دوم: خوارج کی تاریخ

فصل سوم: خوارج کے القاب، فرقے اور قدیم وجدید خارجی فکر کے حاملین کا تقابلی جائزہ

فصل چہارم: تکفیر پر خارجی فکر کے حاملین کے دلائل اور ان کا تنقیدی جائزہ

بابِ چہارم: فتنہ تکفیرِ ریاست وحکام کے اسباب، نقصانات اور تدارک

فصل اول: ریاست وحکام کی تکفیر کا بنیادی سبب۔ غلو اور انتہا پسندی

فصل دوم: ریاست وحکام کی تکفیر کے دیگر اسباب

فصل سوم: ریاست وحکام کی تکفیر کے نتائج اور پاکستان کے حوالے سے تکفیری اعتراضات کا جائزہ

فصل چہارم: تکفیری ذہنیت کا علاج اور تدارک

خاتمہ:

نتائجِ تحقیق

تجاویز وسفارشات

فہارس

I. فہرست آیات

II. فہرست احادیث

III. فہرست اعلام

IV. فہرست اماکن

V. فہرست اصطلاحات

VI. فہرست مصادر ومراجع

بابِ اوّل: مسلم ریاست اور حکمران

فصل اول: ریاست اور اس کی بنیادی اقسام واوصاف

فصل دوم: حاکم، ضرورت واہمیت اور اس کے تقرر کی شرعی حیثیت

فصل سوم: مسلم حکمران کے فرائض

فصل چہارم: مسلم حکمران کے حقوق

فصل اول: ریاست اور اس کی بنیادی اقسام واوصاف

مبحث اول: ریاست کا معنی و مفہوم اور ضرورت واہمیت

مبحث دوم: اسلامی تناظر میں ریاستوں کی بنیادی اقسام

مبحث سوم: مسلم ریاست اور اس کے بنیادی اوصاف

مبحث چہارم: غیر مسلم ریاست اور اس کے بنیادی اوصاف

فصل اول: ریاست، معنی و مفہوم اور ضرورت واہمیت

لغت کے اعتبار سے ریاست کا لفظ عربی زبان سے تعلق رکھتا ہے۔اس کا مادہ "رَأْس" ہے،جو "رَأَسَ يَرْأَسُ" سے"فعالة"کے وزن پر مصدر ہے۔"رياسة "دراصل"رئاسة "تھا،ہمزہ ما قبل مکسور کی مناسبت سے ہمزہ کو یاء سے بدل کر"رياسة "کردیاجاتاہے۔اور یہ بات معلوم ہے کہ ہر چیز کے بلند حصہ کو" رَأْس "کہتے ہیں،توعرب لوگ جیسے سر کو بالعموم" رَأْس "کہہ کرپکارتے ہیں،اسی طرح کسی قوم کے بلند ترین مرتبہ والے شخص یعنی سردار کو"رئيس"کہہ کر پکارتے ہیں۔ تواس اعتبار سے وہ علاقہ جہاں کسی شخص کو سردار تسلیم کیا جاتا ہو اور وہاں اس کا حکم چلتا ہو،اس کی ریاست کہلائے گا۔ریاست کا لفظ اردو میں اپنے اصل معنی اور ساخت کے ساتھ حکومت، سلطنت، قلمرو،راج، بادشاہت اور سرداری کے معنی میں بطوراسم استعمال ہوتاہے۔ اردودائرہ معارف اسلامیہ میں ریاست کا مفہوم یوں واضح کیاگیاہے:

’’ریاست: {رئاست} مادہ رأ س سے،رئاس،الرئاس اورالرئیس اسی سے ہے۔عرب کہتے ہیں: انت علی راس امرک- ای علی شرف منه یا انت علی رئاس امرک ای اوله —لسان میں ہے:راس کل شیئ اعلاہ - رئیس اور رائس وہ شخص جو {مرتبے میں} سب سے اونچاہو یاسب سے اول ہو۔ریاست کے عمومی معنی سرداری، سربراہی، حکومت،اقتدار وغیرہ ہیں— عربی،فارسی اوراردو میں یہ استعمال عام ہیں۔‘‘[1]

مبحث اول: ریاست کا معنی و مفہوم اور ضرورت واہمیت

ہر معاشرہ اپنے اجتماعی امور کے نظم وتدبیر کیلئے ایک یاچندافراد کے سیاسی اقتدار کو تسلیم کرتاہے۔ گویاکہ ’’ریاست‘‘ انسان کی اجتماعی زندگی کا جزءلاینفک ہے۔ریاست سیاسی طورپر ایک منظم ملت کو کہاجاتاہے جو کم وبیش آزاد ہوتی ہے اوراس کے قبضہ وتصرف میں ایک مستقل اور معین علاقہ ہوتاہے۔شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ ریاست ومملکت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وأعني بالمدينة جماعة متقاربة تجري بينهم المعاملات ويكونون أهل منازل شتى - والأصل في ذلك أن المدينة شخص واحد من جهة ذلك الربط مركب من أجزاء وهيئة اجتماعية"[2]

---

[1]-اردودائرہ معارف اسلامیہ،دانش گاہ پنجاب،لاہور،جلد10،ص:415-416

[2] – الدهلوی، الامام احمد المعروف بشاہ ولی اللہ ابن عبد الرحيم ،حجة الله البالغة ، تحقيق:سيد سابق ،دار الجيل بيروت،الطبعة الاولى،2005 ء،92/1

ریاست سے مراد لوگوں کا ایسا اکٹھ ہے جن کے درمیان باہمی معاملات چلتے اور طے ہوتے ہوں جبکہ ان کے گھر اور علاقے مختلف ہوں۔ دراصل ریاست اس ربط و تعلق کی وجہ سے ایک شخص کی حیثیت رکھتی ہے لیکن مختلف اجزاء اور اجتماعی ڈھانچے پر مشتمل ہوتی ہے۔

معروف مغربی ماہر علوم سیاسیات پروفیسر جیمز ولفورڈ گارنر (James Wilford Garner) کی تعریف نسبتاً زیادہ جامع ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''ریاست علم سیاسیات اور قانون کی رائے میں ایسے متعدد افراد کی جمعیت ہے جو مستقل طور پر ایک خاص خطہ زمین پر قابض ہوں، بیرونی دباؤ سے آزاد ہوں اور ان کی ایک منظم حکومت ہو جسے وہاں رہنے والوں کی غالب اکثریت کی اطاعت حاصل ہو''[1]

ریاست کے تصور کو واضح کرتے ہوئے پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں:

''انسان نے اپنی اجتماعی زندگی کی ترتیب و تہذیب کے لیے جو ادارے قائم کیے ہیں ان میں ریاست کا ادارہ سب سے اہم اور بنیادی ہے۔ ریاست وہ ہیئت سیاسی ہے جس کے ذریعے ایک ملک کے باشندے ایک باقاعدہ حکومت کی شکل میں اپنا اجتماعی نظم قائم کرتے ہیں اور اسے قوتِ قاہرہ اور قوتِ نافذہ کا امین قرار دیتے ہیں۔''[2]

پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی کے بقول:

''ریاست انسانوں کی ایک منظم اجتماعیت کا نام ہے، یعنی کسی خاص علاقہ میں موجود انسانوں کا ایک ایسا معاشرہ جو اپنی حکومت رکھتا ہو اور جس پر دستور و قانون کی حکمرانی قائم ہو، ریاست کہلاتا ہے۔''[3]

مذکورہ بالا تعریفات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کوئی بھی ریاست مندرجہ ذیل چار لازمی عناصر پر مشتمل ہوتی ہے۔

1. مستقل انسانی آبادی
2. متعین کردہ سرحدوں پر مشتمل خاص مقبوضہ علاقہ
3. منظم حکومت

---

[1]W. Garner ,Political Science and government ,World Press Ltd. Calcutta, 1955, Page 49

[2]۔خورشید احمد، پروفیسر، مقدمہ اسلامی ریاست {سید ابوالاعلیٰ مودودی}، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، مئی 2017، صفحہ 15

[3]۔علوی، ڈاکٹر مستفیض احمد، ریاست و حکومت کے اسلامی اصول، پورب اکادمی اسلام آباد، طبع اول، جون ۲۰۱۰، صفحہ 13

4. اپنی داخلہ وخارجہ پالیسی بنانے اور نافذ کرنے میں پوری قوت کا حامل اقتدارِ اعلیٰ

ان عناصر اربعہ میں سے اگر ایک بھی معدوم ہو تو وہ اکائی ریاست نہیں کہلا سکتی۔ دوسرے لفظوں میں کسی خاص جغرافیائی اکائی کے لوگ باہم مل کر کسی عمرانی وآئینی دستاویز پر متفق ہوتے ہوئے اپنا آزادانہ حکومتی نظم ونسق قائم کر لیتے ہیں تو ان کا یہ عمل ان کے علاقے کو ریاست کا درجہ دے دیتا ہے۔

عربی زبان میں ریاست کے لیے دار، بلدة، دولة، مملكة اور مدينة کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ خیال رہے کہ کسی بھی ریاست کے وجود کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اسے دوسری خود مختار ریاستیں بھی تسلیم کریں، اگر کسی ریاست کو دیگر خود مختار ریاستیں تسلیم نہ کریں تو اس کے وجود پر کوئی اثر نہیں پڑتا، صرف اتنا ہوتا ہے کہ اسے ان ریاستوں کے ساتھ، جو اس کے وجود کو بطور خود مختار ریاست تسلیم نہیں کرتیں، تعلقات قائم کرنے، آمد ورفت اور تجارت وغیرہ میں مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ریاست کی ضرورت واہمیت

اللہ خالق ارض وسماء نے اس کائنات میں کئی جاندار مخلوقات تخلیق فرمائی ہیں، جن میں انسان، جنات، جانور، کیڑے مکوڑے، آبی حیات اور پرندے شامل ہیں۔ ہر مخلوق میں کوئی نہ کوئی ایسی خوبی ضرور موجود ہے، جو اسے باقی مخلوقات سے ممتاز بناتی ہے۔ چنانچہ پرندے کے پاس اڑان بھرنے کی طاقت ہے، تو آبی حیات کے پاس پانی میں تیرنے کی صلاحیت ہے۔ جنات کے پاس غائب ہونے کی صلاحیت ہے، تو انسان کے پاس اللہ کی طرف سے عطا کردہ ایسی عقل ہے کہ جو اسے باقی مخلوقات سے ممتاز بناتے ہوئے دنیا کا بلا مقابلہ بادشاہ بناتی ہے۔ الغرض! ہر مخلوق کسی نہ کسی طریقے سے دوسری مخلوق سے ممتاز نظر آتی ہے۔ لیکن ان ساری مخلوقات میں ایک قدر مشترک موجود ہے کہ ہر مخلوق اجتماعیت پسند ہے، اور کسی نہ کسی طریقے سے اکٹھی رہتی ہے۔ اگر ہم ان جانوروں اور پرندوں کے طرز حیات پر نظر دوڑائیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ شیر شیروں کے ساتھ ملکر شکار کرتا ہے، کبوتر کبوتروں کے ساتھ دانہ چگتا ہے۔ پرندے غول در غول اڑتے ہیں، آبی حیات اکٹھی تیرتی ہیں، کیڑے مکوڑے اکٹھے چلتے ہیں، درندے باجود اپنی درندگی کے، ریوڑوں اور گروہوں کے شکل میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور جو اپنے گروہ سے علیحدہ ہو جائے تو وہ اپنے دشمن کا باآسانی شکار بن جاتا ہے۔ ان سارے پرندوں، جانوروں اور آبی حیات کی اجتماعیت پسندی کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اللہ مالک الملک، جو کہ ان سب کی زندگی اور موت کا مالک ہے، نے ان کے لاشعور میں یہ بات پختہ کر دی ہے کہ اگر وہ ریوڑ، غول اور گروہ سے علیحدہ ہو گئے، تو ان کی زندگی خطرے کا شکار ہو جائے گی۔

انسان کی تاریخ بھی یہی بتلاتی ہے کہ وہ ہمیشہ اجتماعیت پسند رہا ہے۔ مل جل کر رہنا پسند کرتا ہے، تنہائی سے وحشت محسوس کرتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ انسان کا خالق اور اس کی فطرت سے بخوبی واقف ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آدم

علیہ السلام کی دل جوئی کے لیے جنت میں ان کی بیوی حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا، تاکہ وہ ان کے ساتھ مل کر اپنی وحشت و پریشانی اور اداسی پر قابو پا کر سکون حاصل کر سکیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا﴾[1]

اور اس نے اس سے اس کی بیوی پیدا فرمائی، تاکہ وہ اس کے پاس سکون حاصل کر سکے۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا علیہا السلام کو زمین پر بھیج کر ان کی اولاد کے ذریعے انسانی معاشرہ کی تشکیل فرمائی تو اس معاشرے کو رشتہ داری کے مضبوط تعلق کے ساتھ باندھ کر اس تعلق کو کما حقہ نبھانے کا حکم دے دیا، ارشاد ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾[2]

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں، اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور رشتہ داری کے تعلقات کو بگاڑنے سے بچو، بے شک اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔

یوں اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک خاندان پر مشتمل معاشرہ نصیب فرما دیا تاکہ وہ اپنی دل جوئی کا سامان کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی حفاظت کر سکے، اپنی نسل بڑھا سکے اور جس طرح چاہے، ترقی کر سکے۔ جو انسان دوسرے انسانوں سے الگ اجتماعیت کے بغیر رہتا ہے، اس کی مثال اس بکری کی طرح ہے کہ اپنے ریوڑ سے علیحدہ ہو جائے اور بھیڑیوں کا شکار بن جائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ازل سے ہی انسان قبائل کی صورت میں بستے آئے ہیں، ہر قبیلے کا کوئی نہ کوئی سردار ہوتا تھا کہ جس کی بات مانی اور تسلیم کی جاتی تھی۔ کبھی بھی ایسا نہیں رہا کہ ہر شخص آزاد ہو کہ وہ جو چاہے، کرتا چلا جائے۔ آہستہ آہستہ انسانوں میں قبائل سے آگے بڑھ کر ایک مخصوص علاقے پر مشتمل ریاست کا تصور بیٹھ گیا اور یوں ریاست کی اکائی معرض وجود میں آئی۔ بہر حال یہ سوال کہ ریاست کا ادارہ کس طرح معرض وجود میں آیا اور انسانوں نے کس طرح ایک نظام کے تابع ہو کر رہنا سیکھا۔ اپنی جگہ پر قائم ہے۔ علمائے سیاست نے اس ضمن میں کئی نظریات بیان کیے ہیں اور ہر نظریہ کے پیچھے ایک مخصوص سوچ اور فلسفہ کار فرما ہے۔ ذیل میں ان نظریات کا ایک مختصر سا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

---

[1] ۔ الاعراف 7: 189

[2]۔ النساء 4: 1

معاہدہ عمرانی کا نظریہ

علم سیاست میں معروف نظریات میں سب سے قدیم نظریہ یہی معاہدہ عمرانی کا نظریہ ہے۔اس نظریے کا خلاصہ یہ ہے کہ ابتداء میں انسان کسی حکومت و ریاست کے بغیر رہتا تھا۔ ہر شخص اپنی مرضی کی زندگی گزار رہا تھا اور اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے کوشاں تھا۔ چونکہ انسانوں کے مفادات عموماً ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں، اس لیے آپس میں لڑائی جھگڑے معمول کی بات سمجھی جاتی تھی جس کے نتیجے میں سب کے مفادات ہی متاثر ہوتے تھے۔ سو انسانوں نے سوچا کہ کیوں نہ مل جل کر ایسا نظام بنا لیا جائے کہ جو سب کے مفادات کا خیال کرے اور ''کچھ دو، کچھ لو'' کے اصول کے تحت معاشرے کو منظم کرے۔اس سوچ کے نتیجے میں انہوں نے باہم ایک معاہدہ کیا اور پھر اس معاہدے کے نتیجے میں ریاست اور ریاست کے سربراہ کا وجود عمل میں آیا۔

دوسرے لفظوں میں ایک باقاعدہ نظم پر مشتمل ریاست کے بغیر اگرچہ انسان دیگر جانوروں کی طرح فطری آزادی کی حالت میں ہی رہتے لیکن ان میں سے ہر ایک کو شکار کرنے اور شکار ہونے کے لیے بھی ہمہ وقت تیار رہنا پڑتا۔ گویا سب لوگ ایک دوسرے کے خلاف مستقل طور پر حالتِ جنگ میں رہتے۔ نہ تو خاندان کی تشکیل ہو پاتی اور نہ کسی تہذیب کی۔ انسان اتنی ہی ترقی کر پاتے جتنی بن مانس، شیر، گیدڑ، ہاتھی یا زرافے کر پائے ہیں۔ چنانچہ اس صورت حال سے بچنے اور جنگل کے قانون سے نکلنے کے لیے انسانوں نے باہم ایک معاہدہ کرتے ہوئے اپنے کچھ حقوق سے دستبردار ہو کر کچھ فرائض قبول کیے اور یوں ریاست اور پھر ریاست کو چلانے کے لیے حکومت کا ادارہ وجود میں آیا۔ جس کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ اپنی رعیت کے جان و مال اور عزت و حرمت کا خیال رکھتے ہوئے بھوک و ننگ، افلاس اور ظلم و ستم سے نجات کو یقینی بنائے گی۔ اس کے عوض رعایا ریاست اور ریاستی قوانین کی خلوصِ نیت سے پاسداری کرے گی۔ یہ معاہدہ ہی دراصل ریاست کے وجود میں آنے کی بنیاد بنا۔ اس نظریہ کو معاہدہ عمرانی کا نظریہ کہتے ہیں۔ اس نظریہ کے مطابق دو قسم کے نظام، ایک مطلق العنان حکمرانی کا اور دوسرا عوامی حکومت کا، وجود میں آئے۔

مطلق العنان حکمرانی کے قائلین کے خیال میں چونکہ افراد نے خود اپنے مفاد کی خاطر اپنے حقوق و اختیارات ریاست کو سونپ دیے ہیں۔ تو اب ریاست جو چاہے کرے۔ کسی کو بھی اس پر اعتراض کرنا روا نہیں ہے۔ ریاست اور اس کا سربراہ اس لحاظ سے مطلق العنان ہے کہ وہ اجتماعی معاشرتی مفاد کو سامنے رکھ کر جو فیصلہ مناسب سمجھیں، کریں۔ ہر شخص کو طوعاً و کرہاً ان کے فیصلے کو ماننا ہے اور اس کی پاسداری کرنی ہے۔

اس کے برعکس عوامی حکومت کے نظریہ کا اولین داعی اور انسانی مساوات کا مبلغ مشہور فرانسیسی فلسفی ژاں ژاک روسو (Jean-Jacques Rousseau) ہے۔اس کے نزدیک معاشروں میں سب سے قدیم خاندان ہے اور وہی ایک فطری معاشرہ ہے۔ لیکن بچے بھی اپنے باپ سے تب تک وابستہ رہتے ہیں، جب تک وہ اپنی بقائے

حیات کے لیے اس کے محتاج ہوتے ہیں۔ بعد میں باپ اور بچے دونوں آزاد ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر اس کے بعد بھی وہ ایک دوسرے سے وابستہ رہتے ہیں تو یہ ان کا اختیاری فعل ہے اور ان کا یوں یکجا رہنا محض ایک معاہدے پر مبنی ہے۔ بچوں کا سن تمیز کو پہنچ کر باپ سے آزاد ہو جانا در اصل انسان کی فطرت کا تقاضا ہے کہ انسان کے نزدیک سب سے پہلے اپنی بقاء ہے۔ روسو کے مطابق خاندان سیاسی معاشروں کا ابتدائی نمونہ ہے ان میں باپ کی جگہ حاکم اور اولاد کی جگہ رعایا ہوتی ہے۔[1]

عوامی حکومت کے نظریہ کے مطابق ریاست خود سے وجود میں نہیں آئی، بلکہ عوام نے مل کر باہمی معاہدے کے ذریعے اسے وجود بخشا ہے۔ لہذا اس کا جو بھی حاکم یا سربراہ ہو، اسے سمجھنا چاہیے کہ درحقیقت اس کے اقتدار و اختیار کا سرچشمہ عوام ہیں اور انہوں نے ہی اسے بااختیار بنایا ہے۔ للہذا اس کا کام یہ ہے کہ وہ ان عوام کی نمائندگی کرے اور انہی کی مرضی کے مطابق ہی نظام حکومت چلائے اور اگر وہ ان کی مرضی کے خلاف حکومت کرتا ہے تو در اصل وہ اس معاہدہ عمرانی کی خلاف ورزی کر رہا ہے، جس کے بموجب اسے اختیارات سونپے گئے تھے اور اس خلاف ورزی کے نتیجے میں وہ معزولی کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

نظریہ قوت

ریاست کے وجود میں آنے کی دوسری توجیہ کو نظریہ قوت کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ریاست کا وجود طاقت کا مرہونِ منت ہے، یعنی ریاست کے وجود کے آنے سے پہلے لوگ آپس میں اپنے اپنے مفادات کی بنیاد پر لڑتے تھے۔ پھر ان لڑائیوں میں جو غالب آ جاتا، وہی حکمران ٹھہرتا، اور دوسرے اس کے محکوم۔ یعنی ریاست کی بنیاد کوئی پرامن معاہدہ نہیں بلکہ خونخوار جنگیں ہیں، تو جو فاتح بن گیا وہ حاکم ٹھہرا، اور جو مفتوح بنا وہ محکوم قرار پایا۔ اس نظریہ کے مطابق حاکم کے پاس پورے اختیارات ہوتے ہیں کہ وہ جس طرح چاہے حکومت کرے۔

اصل خداوندی کا نظریہ یا نظریہ تخلیقِ ربانی[2]

پہلے دونوں نظریات کی بنیاد خود ساختہ اندازوں اور مفروضوں پر مبنی تھی۔ جبکہ اسکے برعکس اس نظریہ کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجا اور ان سے ہی ان کی اہلیہ محترمہ حواء

---

[1]-روسو، ژاں ژاک (Jean-Jacques)، معاہدہ عمرانی، اردو ترجمہ: ڈاکٹر محمود حسین، نیشنل بک فاونڈیشن اسلام آباد، جنوری 2017ء، ص: 58_60

[2]-ان نظریات کی تفصیل کیلئے دیکھیے: عثمانی، مفتی محمد تقی، اسلام اور سیاسی نظریات، مکتبہ معارف القرآن کراچی، نومبر 2010ء، ص: 20-16

علیہا السلام کو تخلیق فرمایا، پھر ان دونوں سے نسل انسانی کو بڑھایا اور اس زمین پر پھیلا دیا۔ تو اس کرہ ارضی پر سب سے پہلے حاکم وہی تھے، اور ان کی نسل سے جو لوگ پیدا ہو رہے تھے وہ ان کی اولاد میں سے ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے تابع اور محکوم بھی تھے۔ اس نظریہ کے مطابق انسانی تاریخ پر کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا جب ان کے ہاں کوئی اجتماعی نظام یا ریاست نہ ہو اور وہ محض لاقانونیت کی زندگی گزار رہے ہوں۔ بلکہ اللہ تعالی نے جب انسان کو پیدا کیا تو اسے باپ اور نبی کی صورت میں حاکم اور ریاست کا شعور دے کر ہی پیدا کیا۔ یہی نظریہ دراصل صداقت اور حقیقت پر مشتمل ہے۔

مبحث دوم: اسلامی تناظر میں ریاستوں کی بنیادی اقسام

دنیا میں موجود ممالک اور ریاستوں کو جغرافیائی، سیاسی، معاشی اور مذہبی جیسے مختلف اعتبارات کے لحاظ سے تقسیم کیا جاتا ہے۔اور یہ تقسیم ہر تقسیم بنانے والے کے مفاد کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔اسلام اس کائنات کے خالق ومالک رب العالمین کا پسندیدہ دین ہے، جس نے بندوں کو نہ صرف پیدا کیا بلکہ ان کی راہنمائی کے لیے بے شمار انبیاء ورسل علیہم السلام کو بھی مبعوث فرمایا۔ پھر کچھ تو اس پر اور اس کی بھیجی تعلیمات پر ایمان لے آئے اور کچھ نے ان کا انکار کیا، اس طرح دنیا پر بسنے والے انسان از خود دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ چنانچہ فرمان باری تعالی ہے۔﴿وَلَٰكِنِ اخْتَلَفُوا فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ وَمِنْهُم مَّن كَفَرَ﴾[1] یعنی اسلام تمام انسانوں کو رنگ، نسل، جغرافیہ یا زبان کی بجائے اللہ تعالی کی عبادت کے لحاظ سے دو قسموں میں تقسیم کرتا ہے:

- ایک اللہ کو پہچان کر اس کی عبادت کرنے والے
- ایک اللہ کی عبادت کرنے کی بجائے اس کی بغاوت اختیار کرنے والے

اسلام اسی طرح کرہ ارضی پر موجود ریاستوں کو بھی ایک واضح تقسیم میں منقسم کرتا ہے۔اسلام کی اس تقسیم کی بنیاد اس ریاست کے مقتدر طبقہ کے اعتقاد پر رکھی جاتی ہے۔اس تقسیم کے مطابق دنیا میں پائی جانے والی ریاستوں اور ممالک کو دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

- "دار الاسلام "یا مسلم ریاست کہ جہاں اہل اسلام کو غلبہ، قوت نافذہ اور اقتدار حاصل ہو۔
- "دارالکفر" یا غیر مسلم ریاست کہ جہاں کفار کو غلبہ، قوت نافذہ اور اقتدار حاصل ہو۔

اس تقسیم پر امت کے جمہور اہل علم کا اجماع ہے۔قرآن مجید اور احادیث نبویہ سے اس تقسیم کی واضح تائید ملتی ہے بلکہ تائید پر مستزاد، "بلدة الكفر" کی اصطلاح کا استعمال بھی زمانہ نبویہ میں ملتا ہے[2]۔

قرآن مجید سے ریاستوں کی تقسیم

قرآن مجید کی روشنی میں اگر ریاستوں اور ممالک کی اس تقسیم کے وجود کا جائزہ لے لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اسلام کی آمد سے قبل ہی دنیا اس تقسیم میں منقسم تھی۔ جیسا کہ اہل کفر ہمیشہ اہل اسلام کو یہ دھمکی دیتے آئے کہ اگر

---

[1] - البقرة 2 :253

[2]-البخاری،محمد بن اسماعیل ابو عبدالله البخاری الجعفی،الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه ،صحيح البخارى، المحقق: محمد زهير بن ناصرالناصر، الناشر: دار طوق النجاة ، الطبعة الاولى، 1422ھ،كتاب الصلاة ، باب نوم المرأة في المسجد ، ويوم الوشاح من أعاجيب ربنا ... ألا إنه من بلدة الكفر أنجاني ،95/1،حديث :439

تم نے توحید کو چھوڑ کر شرک و کفر کی راہ نہ اپنائی تو ہم تمہیں اپنی ریاست سے بے دخل کر دیں گے ،اس پر اللہ تعالی نے انہیں اپنے فضل سے ان کی آزاد ریاست کا وعدہ کرتے ہوئے دشمنوں کی ہلاکت کی خبر دی۔اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا فَأَوْحَى إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ (13) وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ذَلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ﴾[1]

اور ان لوگوں نے جنھوں نے کفر کیا، اپنے رسولوں سے کہا ہم ہر صورت تمھیں اپنی زمین سے نکال دیں گے، یا لازماً تم ہماری ملت میں واپس آؤ گے، تو ان کے رب نے ان کی طرف وحی کی کہ یقیناً ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کریں گے۔اور یقیناً ان کے بعد ہم تمھیں اس زمین میں ضرور آباد کریں گے، یہ اس کے لیے ہے جو میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور میری وعید سے ڈرا۔

اس آیت میں جہاں کفار کی طرف سے اپنے نبیوں کو دیارِ کفر سے نکالنے کی دھمکی کا ذکر ہے، وہیں دیارِ کفر کے دیارِ اسلام میں تبدیل کیے جانے کے ربانی وعدہ کا بھی اعلان ہے۔اسی طرح سورۃ الاعراف میں شعیب علیہ السلام کی قوم کا شعیب علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو اپنے دیار سے نکالنے کا اعلان یوں ذکر کیا گیا ہے:

﴿قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَاشُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِينَ﴾[2]

شعیب علیہ السلام کی قوم میں سے ان سرداروں نے کہا جو بڑے بنے ہوئے تھے، اے شعیب! ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ہمراہ ایمان لائے ہیں، اپنی بستی سے ضرور ہی نکال دیں گے، یا ہر صورت تم ہمارے دین میں واپس آؤ گے۔اس نے کہا اور کیا اگرچہ ہم ناپسند کرنے والے ہوں؟

اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام کو ہدایات دیتے ہوئے "دار الفاسقین" کے قبضہ میں آنے کا مژدہ یوں سنایا:

﴿وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا سَأُرِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ﴾[3]

اور ہم نے اس (موسی) کے لیے تختیوں میں ہر چیز کے بارے میں نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی، پھر (اسے حکم دیا کہ) انھیں قوت کے ساتھ پکڑ اور اپنی قوم کو حکم دے کہ ان کی بہترین

---

[1] – إبراهيم14 :14-13

[2] –الاعراف7 :88

[3] – الاعراف7 : 145

باتوں کو پکڑے رکھیں، عنقریب میں تمھیں نافرمانوں کا گھر دکھاؤں گا۔

احادیث نبویہ سے ریاستوں کی تقسیم

رسول اللہ ﷺ کی متعدد احادیث سے بھی دار الاسلام یا دارالھجرۃ اور دارالکفر یا دار الشرک کی تقسیم پر راہنمائی ملتی ہے، جیسا کہ صحیح مسلم میں سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ کی مفصل حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی آدمی کو کسی لشکر یا سریہ کا امیر بناتے تو آپ اسے نصیحت کرتے ہوئے فرماتے کہ جب تمہارا اپنے دشمن مشرکوں سے مقابلہ ہو جائے تو ان کو مندرجہ ذیل تین باتوں کی دعوت دینا، پھر ان تینوں میں سے وہ جس کو بھی مان لیں، وہی تم ان سے قبول کر کے ان کے ساتھ جنگ سے رک جانا۔ آپ ﷺ ارشاد فرماتے:

" **ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ، فَإِنْ أَجَابُوكَ، فَاقْبَلْ مِنْهُمْ، وَكُفَّ عَنْهُمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلَى دَارِ الْمُهَاجِرِينَ، وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ إِنْ فَعَلُوا ذَلِكَ فَلَهُمْ مَا لِلْمُهَاجِرِينَ، وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُهَاجِرِينَ، فَإِنْ أَبَوْا أَنْ يَتَحَوَّلُوا مِنْهَا، فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُونُونَ كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِينَ، يَجْرِي عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللهِ الَّذِي يَجْرِي عَلَى الْمُؤْمِنِينَ، وَلَا يَكُونُ لَهُمْ فِي الْغَنِيمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يُجَاهِدُوا مَعَ الْمُسْلِمِينَ** "[1]

انہیں اسلام کی دعوت دو تو اگر وہ تیری بات یعنی اسلام کو قبول کر لیں تو ان سے جنگ نہ کرنا۔ پھر ان کو دعوت دینا کہ اپنا شہر {دارالکفر} چھوڑ کر مہاجرین کے شہر {دارالاسلام، دارالمھاجرین} میں چلے جائیں اور ان کو بتا دینا کہ اگر وہ اس طرح کر لیں تو جو مہاجرین کو حقوق مل رہے ہیں، وہ انہیں بھی ملیں گے اور ان کی وہ ذمہ داریاں ہوں گی جو مہاجرین پر ہیں۔ اور اگر وہ اس منتقلی سے انکار کر دیں تو انہیں خبر دے دو کہ پھر ان پر دیہاتی مسلمانوں کا حکم ہوگا اور ان پر اللہ کے وہ احکام جاری ہوں گے جو کہ مومنوں پر جاری ہوتے ہیں اور انہیں جہاد کیے بغیر مال غنیمت اور مال فئے میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔

مندرجہ بالا حدیث میں رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ کو دارالمھاجرین قرار دے رہے ہیں اور نئے مسلمان ہونے والے لوگوں سے یہ تقاضا کرنے کا حکم دے رہے ہیں کہ وہ اپنا علاقہ یعنی دارالکفر چھوڑ کر مسلمانوں کے علاقہ یعنی دارالاسلام میں منتقل ہو جائیں جہاں اقتدار، غلبہ اور سلطہ مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ یاد رہے کہ مدینہ منورہ بھی

---

[1]- القشیری، مسلم بن الحجاج، المسند الصحیح المختصر بنقل العدل عن العدل الی رسول الله ﷺ ، صحیح مسلم،تحقیق:محمد فؤاد عبد الباقي،دار احیاء التراث العربی، بیروت،الطبعة الأولی، 1991ء، کتاب الجهاد والسیر ، باب تأمیر الإمام الأمراء علی البعوث ووصیته ایاهم بآداب الغزو وغیرها ،1357/3، رقم :1731

دارالاسلام تب ہی بنا تھا جب یہاں پر اقتدار، غلبہ اور سلطہ مسلمانوں کے ہاتھ آیا ورنہ اس سے قبل مدینہ بھی دارالکفر یا دار الشرک ہی تھا، جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں:

"«إن رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبا بكر وعمر كانوا من المهاجرين لأنهم هجروا المشركين، وكان من الأنصار مهاجرون لأن المدينة كانت دار شرك، فجاءوا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة العقبة» "[1]

رسول کریم ﷺ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما مہاجرین میں سے تھے کیونکہ انہوں نے مشرکین کو چھوڑ دیا تھا اور انصار میں سے بھی کچھ لوگ مہاجر تھے اس لئے کہ مدینہ دارِ شرک تھا ، تو وہ مدینہ چھوڑ کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لیلہ عقبہ کو حاضر ہو گئے تھے۔

مذکورہ بالا حدیث سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب ریاستوں کی مذہب اور عقیدہ کی بنیاد پر تقسیم کے قائل تھے اور ان کے نزدیک کسی بھی علاقہ میں جب تک غلبہ اور قوت نافذہ اہل اسلام کے ہاتھوں میں نہ ہو تب تک وہ علاقہ یا ریاست مسلم ریاست یا دار اسلام قرار نہیں پاتا تھا۔

---

[1] – النسائی ، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، سنن النسائي، تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة ، الناشر: مكتب المطبوعات الإسلامية حلب ، الطبعة الثانية ، 1986ء ،كتاب البيعة ،باب تفسير الهجرة،144/7 ، الحديث:4166

مبحث سوم: مسلم ریاست اور اس کے بنیادی اوصاف

مسلم ریاست یادارالاسلام سے مراد ایسا علاقہ ، ریاست یا ملک ہے جہاں اقتدار اعلیٰ کا مالک بلاشرکت غیرے اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کو مانا جاتا ہو نیز حکومت، سلطہ، قوت اور اختیار واقتدار اہل اسلام کے پاس ہو کہ انہیں اسلامی احکام نافذ کرنے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینے اور اپنا دفاع کرنے میں کسی قسم کی رکاوٹ کا سامنا نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں جس ریاست میں اسلامی احکام غالب ہوں اور اس کے قائدین وحکام مسلمان ہوں وہ دارالاسلام ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ وہ علاقہ لڑ کر فتح کیا گیا ہو، یا اس کے رہنے والوں نے ازخود خوشی سے اسلام قبول کر لیا ہو یا جزیہ دے کر اسلامی حکومت کی عملداری کو تسلیم کیا ہو۔ اسی طرح کوئی ضروری نہیں کہ اس کے تمام یا اکثر شہری مسلم ہوں بلکہ ممکن ہے کہ وہ تمام یا اکثر غیر مسلم ذمی ہوں جیسے خیبر کی فتح کے بعد خیبر کا علاقہ دارالاسلام کا حصہ قرار پایا تھا، جبکہ اس کے شہری اپنے قدیم مذہب یہودیت پر ہی قائم تھے۔

کسی بھی ریاست کے دارالاسلام ہونے کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ علاقہ مسلمانوں کے زیر تسلط ہو، وہاں مسلمان بے خوفی کے ساتھ اپنے دینی شعائر پر عمل کر سکتے ہوں، وہاں اگرچہ کافر بھی رہتے ہوں لیکن وہ مسلمانوں کی امان میں زندگی بسر کر رہے ہوں۔ اذان، نماز باجماعت، جمعہ، عیدین اور دیگر اسلامی شعائر پر کوئی روک ٹوک یا قدغن عائد نہ ہو۔ اذان اور جماعت اس ضمن میں انتہائی اہمیت کی حامل ہیں، اسی لیے رسول اللہ ﷺ جب کسی علاقہ پر حملہ کرنا چاہتے تو فجر طلوع ہونے تک رک جاتے، اگر اذان کی آواز سنتے تو حملہ نہ کرتے اور اگر اذان سنائی نہ دیتی تو آپ اس بستی پر حملہ کر دیتے تھے، جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

" أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا غَزَا بِنَا قَوْمًا، لَمْ يَكُنْ يَغْزُو بِنَا حَتَّى يُصْبِحَ وَيَنْظُرَ، فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا كَفَّ عَنْهُمْ، وَإِنْ لَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا أَغَارَ عَلَيْهِمْ " [1]

بلاشبہ نبی ﷺ جب ہمیں ساتھ لے کر کہیں جہاد کے لیے تشریف لے جاتے، تو صبح ہونے تک حملہ نہیں کرتے تھے، آپ انتظار کرتے تھے پھر اگر آپ اذان کی آواز سن لیتے تو حملہ کا ارادہ ترک کر دیتے اور اگر اذان کی آواز سنائی نہ دیتی تو آپ اس پر حملہ کر دیتے تھے۔

جمہور علمائے امت کا موقف بھی یہی ہے کہ اگر کسی علاقے میں بنیادی شعائر اسلامیہ قائم ہوں، مسلمان سیاسی طور پر قوت واقتدار کے حامل ہوں، تو وہ علاقہ دارالاسلام ہی قرار پائے گا۔ چنانچہ امام ابن القیم الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] - صحيح البخارى ، كتاب الأذان ، باب ما يحقن بالأذان من الدماء ، 125/1 ، حديث: 610

" قال الجمهور: دار الإسلام هي التي نزلها المسلمون وجرت عليها أحكام الإسلام "[1]

جمہور اہل علم کا کہنا ہے کہ دار الاسلام وہ علاقہ ہے جہاں مسلمان رہتے ہوں اور وہاں اسلامی احکام جاری ہوں۔

امام ابن حزم الظاہری رحمہ اللہ[2] کے نزدیک دار الاسلام یا دار الکفر کے معاملہ میں غلبہ، حکومت اور اقتدار بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، یعنی جس علاقے پر کفار یا مسلمین میں سے جس کے پاس غلبہ، اختیار اور قوتِ نافذہ ہوگی، علاقہ اسی کی طرف ہی منسوب کیا جائے گا۔ اعتبار صرف اسی امر کا ہوگا، کسی فریق کی قلت یا کثرت کا نہیں، چنانچہ وہ اس قضیہ کو بڑے مختصر اور جامع انداز میں واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وإذا كان أهل الذمة في مدائنهم لا يمازجهم غيرهم فلا يسمى الساكن فيهم لإمارة عليهم، أو لتجارة بينهم: كافرا، ولا مسيئا، بل هو مسلم حسن، ودارهم دار إسلام، لا دار شرك، لأن الدار إنما تنسب للغالب عليها، والحاكم فيها، والمالك لها "[3]

اگر اہل ذمہ اپنے شہروں میں یوں رہتے ہوں کہ ان میں کوئی اور {مسلم مستقل طور پر} ان کے ساتھ نہ رہتا ہو تو ایسا مسلمان جو ان کے درمیان عامل ہونے کی وجہ سے یا تجارت کی خاطر سکونت پذیر ہو تو اسے کافر یا گنہگار نہیں کہا جائے گا، بلکہ وہ نیک مسلم ہی شمار ہوگا اور ان کا علاقہ دار شرک نہیں بلکہ دار الاسلام ہی قرار پائے گا کیونکہ علاقہ اسی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جو اس پر غالب ہو، حاکم ہو اور مالک ہو۔

حافظ ابو بکر الاسماعیلی رحمہ اللہ بھی کسی علاقے کو دار الاسلام یا دار الکفر قرار دینے کے معاملے میں اہل سنت والجماعت کا یہی منہج بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ويرون الدار دار اسلام ، لا دار كفر –كما رأته المعتزلة – مادام النداء بالصلاة و

---

[1] –ابن قيم ، محمد بن أبي بكر ابن قيم الجوزية ، أحكام أهل الذمة، تحقيق: طه عبد الرؤوف سعد ،الناشر: دار الكتب العلمية ،بيروت– لبنان ،الطبعة الثانية ، 2002ء ، 398/3

[2]-ابو محمّد علی بن احمد المعروف ابن حزم آپ 384ھ میں اندلس کے شہر قرطبہ میں پیدا ہوئے اور 456 ہجری میں فوت ہوئے۔ آپ ابتداء میں شافعی مذہب کے ساتھ وابستہ ہوئے لیکن بعد میں ظاہری مذہب اپنا لیا۔ آپ بہت سی کتابوں کے مولف ہیں، جن میں سرفہرست "المحلی" اور "الاحکام فی اصول الاحکام" ہیں۔ {ترجمة المولف من كتاب جمهرة أنساب العرب لابن حزم بتحقيق لجنة من العلماء، الناشر: دار الكتب العلمية بيروت ، الطبعة الأولى، 1983ء ، مقدمة/3}

[3] – ابن حزم ، ابو محمد علي بن احمد الأندلسي القرطبى الظاهرى ، المحلى بالآثار ، دار الفكر بيروت ، 126/12

الإقامة بها ظاهرين ، وأهلها ممكنين منها آمنين" [1]

معتزلہ کے برعکس اہل السنہ کے نزدیک جب تک کسی علاقے میں نماز واقامت کا اہتمام ہو رہا ہو، مسلمانوں کو وہاں سیاسی طور پر غلبہ حاصل ہو ،اور وہ اس علاقے میں امن وامان کے ساتھ رہائش پذیر ہوں،تب تک وہ علاقہ دارالاسلام ہی قرار پائے گا۔

مذکورہ بالا بحث کو سمیٹتے ہوئے آخر میں علامہ شوکانی رحمہ اللہ[2] کی رائے پیش کرتاہوں کہ میرے خیال میں وہ اس مدعا اور مفہوم کو واضح کرنے میں خلاصہ کی حیثیت رکھتی ہے۔وہ فرماتے ہیں:

"الاعتبار بظهور الكلمة ، فإن كانت الأوامر والنواهي في الدار لأهل الإسلام بحيث لا يستطيع من فيها من الكفار أن يتظاهر بكفره إلا لكونه مأذونا له بذلك من أهل الإسلام فهذه دار إسلام ، ولا يضر ظهور الخصال الكفرية فيها لأنها لم تظهر بقوة الكفار ولا بصولتهم كما هو مشاهد في أهل الذمة من اليهود والنصارى والمعاهدين الساكنين في المدائن الإسلامية ، وإذا كان الأمر العكس فالدار بالعكس-"[3]

کسی علاقے کو دارالاسلام یادارالکفر قرار دینے میں کلمہ کے غالب ہونے کا ہی اعتبار کیا جائے گا،اگر اس علاقے میں امر و نہی کا اختیار اہل اسلام کے پاس اس طرح ہو کہ کفار مسلمانوں کی اجازت کے بغیر اپنے کفر کو ظاہر نہ کر سکتے ہوں تو یہ علاقہ دارالاسلام ہو گا،اور کافرانہ عادات کا ظہور،جیساکہ یہود ونصاریٰ اور ان ذمیوں کی طرف سے دیکھنے میں آیا ہے جو اسلامی شہروں میں رہائش پذیر ہیں،اس کی اس حیثیت کو کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا،کیونکہ ان کا ظہور کفار کے غلبہ اور قوت کی وجہ سے نہیں ہے۔اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو وہ علاقہ دارالکفر قرار پائے گا۔

زیر نظر تحقیقی مقالہ میں مسلم ریاست کا تصور چونکہ ایک بنیادی حیثیت کا حامل ہے اس لیے ضروری ہے کہ اہل سنت

---

[1] -الإسماعيلي ، أحمد بن إبراهيم الإسماعيلي ابو بكر، اعتقاد أهل السنة ، المحقق: جمال عزون ، الناشر: دار ابن حزم، الطبعة الأولى ، سنة النشر: 1999ء، ص:56

2-ابو علی بدرالدین محمد بن علی شوکانی،یمن کے ایک معروف عالم،فقیہ،مفسر،مجتہد اور محدث تھے۔اُن کا شمار اپنے دور کے ممتاز علما اور فقہا میں ہوتا ہے۔سنہ 1173ھ میں یمن کے شہر صنعاء کے ایک قصبہ ہجرہ شوکان میں پیدا ہوئے،صنعاء میں پلے بڑھے اور پڑھے، وہیں قاضی کے عہدہ پر تعینات ہوئے اور قاضی رہتے ہوئے سنہ 1250ھ میں وفات پائی۔وہ بے شمار کتب کے مصنف ومولف تھے۔{ الشوكاني، الفتح الرباني من فتاوى الإمام الشوكاني، محمد بن علي بن محمد اليمني (المتوفى: 1250هـ)،حققه ورتبه: محمد صبحي بن حسن حلاق، مكتبة الجيل الجديد، صنعاء، اليمن،1/23-36}

[3] – الشوكانى ، محمد بن علي اليمنى ، السيل الجرار المتدفق على حدائق الأزهار ، الناشر: دار ابن حزم ، الطبعة الأولى ، 2004ء ، ص:976

والجماعت کے نمائندہ چاروں مذاہب کے ائمہ اعلام اور فقہائے عظام کے فرمودات کی روشنی میں ایک مسلم ریاست کے تصور کو اچھی طرح واضح کیا جائے۔

مسلم ریاست فقہائے احناف کی نظر میں

فقہائے احناف نے دارالاسلام اور دارالکفر کے مسئلہ کو واضح کرنے پر بہت لکھا ہے۔ بعض اہل علم نے اس سلسلہ میں سلطہ، غلبہ اور اقتدار کو بنیاد قرار دیا ہے، بعض نے اس کی علامات جیسے اسلامی احکام و شعائر کے ظہور کو بنیاد قرار دیا ہے جبکہ بعض نے ان دونوں بنیادوں کو بیک وقت بیان کیا ہے۔ائمہ احناف کے سرخیل، شمس الائمہ امام محمد بن احمد سرخسی اس سلسلہ میں سلطہ، غلبہ اور اقتدار کو بنیاد قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

" - - - لأن البقعة إنما تنسب إلينا أو إليهم باعتبار القوة والغلبة، فكل موضع ظهر فيه حكم الشرك فالقوة في ذلك الموضع للمشركين فكانت دارحرب، وكل موضع كان الظاهر فيه حكم الإسلام فالقوة فيه للمسلمين "[1]

کوئی بھی علاقہ ہماری طرف یا ان کفار کی طرف قوت اور غلبہ کی بنیاد پر ہی منسوب کیا جائے گا، سو ہر وہ جگہ جہاں شرک کی حکومت ہو، مشرکین کے پاس قوت ہو تو وہ علاقہ دار حرب ہو گا۔اور ہر وہ علاقہ جہاں اسلامی احکامات غالب ہوں تو اس میں قوت و اقتدار مسلمانوں کے پاس ہو گا یعنی ایسا علاقہ دارالاسلام کہلائے گا۔

امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ غلبہ اور اقتدار کے ساتھ دینی احکامات کے اجراء کو بھی دارالاسلام کے لیے بنیاد قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أنَّ حكم الدار إنما يتعلق بالظهور والغلبة، وإجراء حكم الدين بها، والدليل على صحة ذلك: أنا متى غلبنا على دار الحرب، وأجرينا أحكامنا فيها: صارت دار الإسلام، سواء كانت متاخمة لدار الإسلام أو لم تكن، فكذلك البلد من دار الإسلام، إذا غلب عليه أهل الكفر، وجرى فيه حكمهم: ووجب أن يكون من دار الحرب"[2]

دار کے حکم کا تعلق قوت و غلبہ اور اس علاقے میں دین کے احکامات کو جاری کرنے کے ساتھ ہے۔اس دعوی کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ ہم مسلمان جب دارالحرب پر غلبہ پا کر اس میں اپنے قوانین جاری کر لیتے ہیں تو وہ دارالاسلام بن جاتا ہے،اس بات سے قطع نظر کہ وہ دارالاسلام سے

---

[1] – السرخسی ، محمد بن أحمد بن أبي سهل ، المبسوط ، الناشر: دار المعرفة بيروت ، 1993ء، 114/10

[2] – الجصاص ، أحمد بن علي أبو بكر الرازي ، شرح مختصر الطحاوي ، المحقق: د. عصمت الله عنايت الله محمد وغيره ، الناشر: دار البشائر الإسلامية ودار السراج ، الطبعة الأولى 2010 ء ،216/7-217

متصل ہے یا نہیں۔اسی طرح دارالاسلام کے شہروں میں سے کسی شہر پر اگر اہل کفر غالب آ جائیں اور اس شہر پر اپنے قوانین نافذ کر لیں تو لازم ہے کہ اسے دار الحرب ہی قرار دیا جائے۔

فقہ حنفی کی معتمد کتاب "بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع "میں علامہ کاسانی رحمہ اللہ دارالاسلام اور دارالکفر کی بحث کا آغاز کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لا خلاف بين أصحابنا في أن دار الكفر تصير دار إسلام بظهور أحكام الإسلام فيها"[1]

ہمارے اصحاب کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ دارالکفر میں اسلامی احکام کے غلبہ کے ساتھ دارالکفر دارالاسلام میں بدل جاتاہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسی ریاست میں اسلامی احکام کے غلبہ سے کیا مراد ہے ؟اس بات کو واضح کرتے ہوئے صاحبِ "الدر المختار "فرماتے ہیں:

"ودار الحرب تصير دار الاسلام بإجراء أحكام أهل الاسلام فيهاكجمعة وعيد"[2]

اہل اسلام کے احکام جیسے جمعہ اور عید کے اجراء کے ساتھ دارالحرب دارالاسلام بن جاتاہے۔

یعنی اگر کسی ریاست میں مسلمانوں کو اپنے مذہبی شعائر جیسے جمعہ ،جماعت،اذان اور عیدین وغیرہ کے قیام واجراء میں کسی پابندی کا سامنا نہ ہو اور انہیں اپنی عبادات میں کھلی آزادی میسر ہو تو ایسی ریاست بجا طور پر دارالاسلام کہلانے کی حقدار ہے۔

مسلم ریاست فقہائے مالکیہ کی نظر میں

فقہائے مالکیہ کے ہاں کسی علاقہ کے دارالاسلام ہونے میں دو موقف ملتے ہیں۔پہلے موقف کے مطابق دارالاسلام وہ علاقہ ہے جہاں اہل اسلام کو کسی دشمن کا خوف نہ ہو جبکہ دارالحرب وہ علاقہ ہے جہاں دشمن کا خوف ہو، بھلے وہ علاقہ دار الکفر میں سے ہو یا دارالاسلام میں سے۔ چنانچہ مشہور مالکی فقیہ امام دسوقی رحمہ اللہ دارالحرب اور دارالسلام میں قصر نماز کے مسئلہ کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" المراد بها(بدار الحرب) المحل الذي يخاف فيه العدو سواء كانت دار كفر أو إسلام وأما

---

[1] – الكاسانى ، علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الحنفى ، بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الثانية، 1986ء ، 130/7

[2] – الحصكفى ، علاء الدين محمد بن على الحِصْنى الحنفي ، الدر المختار شرح تنوير الأبصار وجامع البحار ، المحقق: عبد المنعم خليل ابراهيم ، دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى، 2002ء ، ص:338

لو أقام العسكر بدار الإسلام والمراد به المحل الذي لا يخاف فيه من العدو فإنه يتم -"[1]

دارالحرب سے مراد وہ علاقہ ہے جہاں دشمن کا ڈر ہو، بھلے وہ علاقہ دارالکفر کا حصہ ہو یا دارالاسلام کا،اور اگر لشکر دارالاسلام میں قیام پذیر ہو تو وہ نماز مکمل پڑھے گا۔دارالاسلام سے مراد وہ علاقہ ہے کہ جہاں دشمن کا ڈر نہ ہو۔

یہی بات شیخ علیش مالکی نے اپنی تالیف "منح الجلیل شرح مختصرخلیل" میں لکھی ہے[2]۔دوسرے موقف کے مطابق دارالاسلام وہ علاقہ ہے جہاں اذان وغیرہ کا اہتمام ہوتاہو کیونکہ اذان کی آواز کابلند ہونا مسلمانوں کے غلبہ و سیادت کی دلیل ہے۔اس بات کی صراحت بہت سے مالکی فقہاء نے اپنی اپنی تالیفات میں کی ہے، چنانچہ معروف مالکی فقیہ،شارحِ موطاامام مالک،ابنِ عبدالبر المالکی رقمطراز ہیں:

"ولا أعلم خلافا في وجوب الأذان جملة على أهل الأمصار لأنه من العلامة الدالة المفرقة بين دار الإسلام ودار الكفر -كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا بعث سرية يقول لهم ((إِذَا سَمِعْتُمُ الْأَذَانَ فَأَمْسِكُوا وَكُفُّوا وَإِنْ لَمْ تَسْمَعُوا الْأَذَانَ فَأَغِيرُوا))"[3]

میرے علم کے مطابق تمام شہروں کے رہنے والوں پر اذان کے واجب ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ یہ دارالاسلام اور دارالکفر کے درمیان فرق کرنے والی علامت ہے،رسول اللہ ﷺ جب کوئی لشکر روانہ کرتے تو انہیں فرماتے: جب تم کسی علاقے میں اذان سن لو تو رک جاواور حملہ نہ کرو،اوراگراذان نہ سنوتوحملہ کر گزرو۔

مسلم ریاست فقہائے شافعیہ کی نظر میں

فقہائے شافعیہ کے نزدیک کسی بھی علاقے کے دارالاسلام ہونے میں اس بات کا اعتبار ہو گا کہ وہاں غلبہ ،اقتدار اور سلطہ کس کے پاس ہے؟کوئی بھی علاقہ جو مسلم حاکم وامام کے زیرِ نگیں ہوگا"دارالاسلام"ہی کہلائے گا،چاہےاس میں ایک بھی مسلم موجود نہ ہو۔چنانچہ شافعیہ کے شیخ،امام رافعی رحمہ اللہ واضح طورپر رقمطراز ہیں؛

"ليس من شرط دار الإسلام أن يكون فيها مسلمون، بل يكفي كونها في يد الإمام

---

[1] - الدسوقي ، محمد بن احمد بن عرفة المالكی ، حاشية الدسوقی علی الشرح الكبير ، دار الفكر،دار احياء الكتب العربية ، 364/1

[2] - عليش ، محمد بن احمد بن محمد، ابو عبد الله المالكی، منح الجليل شرح مختصر خليل ، الناشر: دار الفكر بيروت، تاريخ النشر: 1409ھ، 409/1

[3] - ابن عبد البر ، ابو عمر يوسف بن عبد الله النمري القرطبي ، الاستذكار ، تحقيق: سالم محمد عطا، محمد علي معوض ، الناشر: دار الكتب العلمية – بيروت ، الطبعة الأولى، 2000 ء، 371/1

واستیلائه. "[1]

کسی علاقہ کے دار السلام ہونے کی شرائط میں سے یہ نہیں ہے کہ اس میں مسلمان بستے ہوں بلکہ اتنا ہی کافی ہے کہ وہ علاقہ مسلم حاکم کے قبضے اور کنٹرول میں ہو۔

علماء شافعیہ بلاد اسلام کو مزید واضح کرتے ہوئے انہیں مندرجہ ذیل تین قسموں میں تقسیم کرتے ہیں:[2]

- وہ شہر جنہیں مسلمانوں نے خود بسایا ہو، جیسے بغداد و بصرہ
- جن شہروں کے لوگ از خود مسلمان ہو گئے ہوں، جیسے مدینہ طیبہ اور یمن
- جن شہروں اور علاقوں کو مسلمانوں نے طاقت کے زور پر لڑ کر فتح کیا ہو یا باہم مصالحت سے اس کا کنٹرول حاصل کر لیا ہو جیسے خیبر، مصر اور عراق کے بیشتر علاقے

موخر الذکر قسم کو امام ماوردی رحمہ اللہ، جو فقہائے شافعیہ میں نمایاں مقام کے حامل ہیں، مزید تفصیل سے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جس زمین پر مسلمانوں کا جہاد کے ذریعے غلبہ اور قبضہ ہو جائے، اس کی تین قسمیں ہیں: پہلی وہ جو زبردستی، قوت اور جنگ کے ساتھ قبضہ میں لے لی جائے اور اس کے مالک کافروں کو قتل، قید یا جلاوطنی کی صورت میں اس سے بے دخل کر دیا جائے۔ چونکہ یہ زمین اب مسلمانوں کی ملکیت ہو گئی ہے تو اب اس پر مسلمان خود رہیں یا مشرکین کو رہنے کی اجازت دے دیں، ہر دو صورتوں میں یہ دار الاسلام ہی ہو گی اور مشرکوں کے حق میں اس زمین سے دست بردار ہونا جائز نہ ہو گا کہ کہیں یہ دوبارہ سے دار الحرب نہ بن جائے۔ دوسری قسم کی زمین وہ ہے جو کفار کے ڈر کر بھاگ جانے کی وجہ سے بغیر کسی دشواری کے مسلمانوں کے قبضے میں آ جائے۔ ایسی زمین قبضے میں آتے ہی وقف ہو گی اور دار السلام قرار پائے گی۔ جبکہ تیسری قسم کی زمین وہ ہے جس پر صلح کے ساتھ اس شرط پر غلبہ حاصل ہو کہ زمین بدستور کفار کے پاس رہنے دی جائے گی اور وہ اس پر خراج ادا کریں گے تو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ صلح اس شرط پر ہو کہ مسلمان زمین کے مالک ہوں گے تو اس

---

[1] – الرافعی ، عبد الكريم بن محمد ابو القاسم القزوينی ، العزيز شرح الوجيز المعروف بالشرح الكبير ، المحقق: علي محمد عوض ، عادل أحمد عبد الموجود ، دار الكتب العلمية ، بيروت لبنان ، الطبعة الاولی، 1997 ء ، 404/6

[2]– السنيكی ، زكريا بن محمد بن زكريا الانصاري زين الدين ابو يحيى ،أسنى المطالب في شرح روض الطالب ، دار الكتاب الإسلامي ، 445/2 ۔

البُجَيرمی ، سليمان بن محمد المصری الشافعی ، حاشية البجيرمی على شرح منهج الطلاب ، الناشر: مطبعة الحلبی ،تاريخ النشر: 1950ء ، 189/3

صورت میں یہ زمین دارالاسلام کی وقف زمین ہوگی۔ دوسری یہ کہ صلح اس شرط پر ہو کہ کافر اس زمین کے مالک ہوں گے اور ان پر خراج مقرر کیا جائے گا جو وہ ادا کریں گے تو اس صورت میں یہ خراج جزیہ کے حکم میں ہوگا، اور اگر وہ لوگ مسلمان ہو جائیں تو یہ خراج ان سے ساقط ہو جائے گا۔ اس صورت میں (شوافع کے نزدیک) یہ زمین نہ دارِ اسلام ہوگی اور نہ دارِ کفر، بلکہ یہ علاقے دارِ عہد ہوں گے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ یہ زمین صلح کے ساتھ دارالاسلام بن جائے گی اور یہاں کے رہنے والے ذمی ہوں گے کہ جن سے جزیہ وصول کیا جاتا ہے۔"[1]

مذکورہ بالا تمام تفصیلات سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ شوافع کے نزدیک کسی بھی علاقے پر غلبہ کا حصول، چاہے وہ کسی بھی صورت میں حاصل ہو جائے، اس علاقے کو دارالاسلام بنا دیتا ہے، چاہے اس میں مسلمان سکونت اختیار کریں یا نہ کریں اور اس علاقے میں احکامِ اسلام اور حدود اللہ کا نفاذ ہو یا نہ ہو۔ صرف ایک صورت ہے کہ جس میں زیرِ غلبہ علاقہ شوافع کے نزدیک دارِ عہد قرار پاتا ہے اور احناف کے نزدیک دارِ اسلام اور وہ یہ کہ صلح اس شرط پر ہو کہ کافر اس زمین کے مالک ہوں گے اور ان پر خراج مقرر کیا جائے گا جو وہ ادا کریں گے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ شوافع کے نزدیک دیار ان تین قسموں پر مشتمل ہیں:

1-دارِ اسلام　　2-دارِ کفر　　3-دارِ عہد۔

مسلم ریاست فقہائے حنابلہ کی نظر میں

فقہائے حنابلہ کے نزدیک بھی کسی علاقے کے دارالاسلام ہونے میں غلبہ اور تسلط کا اعتبار ہوگا اور اس کے لیے دیکھا جائے گا کہ وہاں کس کے احکام غالب ہیں؟ کفار یا مسلمین میں سے جس کے احکام غالب ہوں گے، علاقہ کی نسبت اسی کی طرف کی جائے گی۔ اگر اسلامی احکامات غالب ہیں تو علاقہ دارِ اسلام کہلائے گا اور اگر کفر و شرک کے احکامات غالب ہیں تو ایسا علاقہ دارِ کفر قرار پائے گا۔ چنانچہ شیخ الحنابلہ قاضی ابو یعلیٰ حنبلی[2] فرماتے ہیں:

" وكل دار كانت الغلبة فيها لأحكام الاسلام دون الكفر فهي دارالإسلام وكل دار

---

[1]-دیکھیے: الماوردی، ابو الحسن علی بن محمد البصري، الاحكام السلطانية، تحقیق: احمد جاد، دار الحديث القاهرة، 2006ء، ص: 215-216

[2]- شیخ الحنابلہ قاضی ابو یعلی حنبلی محمد بن حسین ابن الفراء(990-1066م) اصول و فروع اور فنون میں اپنے زمانہ کے یکتا ماہر تھے۔ آپ دار الخلافہ اور حران و حلوان کے قاضی مقرر کیے گئے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں جو اپنے اپنے فن میں ایک مقام رکھتی ہیں۔ {الذهبي، سير أعلام النبلاء، شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد، دار الحديث القاهرة، 2006م، 326/13}

كانت الغلبة فيها لأحكام الكفر دون أحكام الإسلام فهي دارالكفر "[1]

ہر وہ ریاست جہاں کفر کی بجائے احکامِ اسلام کو بالادستی حاصل ہو گی، دار الاسلام ہو گی۔اور ہر وہ ریاست جہاں اسلامی احکام کی بجائے کفریہ احکام کو غلبہ حاصل ہو گا تو وہ دارالکفر ہو گی۔

اسی بات کو ایک اور انداز سے واضح کرتے ہوئے معروف حنبلی فقیہ ابن مفلح المقدسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" فكل دار غلب عليها أحكام المسلمين فدار الإسلام وإن غلب عليها أحكام الكفار فدار الكفر ولا دار لغيرهما "[2]

تو ہر وہ علاقہ جس پر مسلمانوں کے احکامات چلتے ہوں، دارالاسلام ہو گا۔اور اگر اس پر کافروں کے احکامات جاری ہوں تو دارالکفر قرار پائے گا،اور دار الاسلام ودارالکفر کے علاوہ کوئی تیسرا دار (یعنی دارالفسق وغیرہ) نہیں ہے۔

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ[3] فقہ حنبلی کی مشہور کتاب "زاد المستقنع فی اختصار المقنع" کی شرح "الشرح الممتع علی زاد المستقنع" میں فرماتے ہیں:

" ودار الإسلام هي التي غلب عليها الإسلام ظهوراً وشيوعاً بحيث يؤذن فيها للصلاة،

---

[1] ۔ ابو یعلی حنبلی ، محمد بن الحسین، ابن الفراء ، المعتمد فی اصول الدین ، تحقیق :د۔ ودیع زیدان حداد ،دار المشرق بیروت ، ص : 276

[2] – ابن مفلح ، محمد بن مفلح ، ابو عبد اللہ، شمس الدین المقدسی الرامینی الحنبلی ، الآداب الشرعية والمنح المرعية، المحقق: شعيب الأرناؤوط – عمر القيام ، مؤسسة الرسالة، 1999ء ، الطبعة الثالثة ، 211/1

[3] - شیخ محمد بن صالح بن محمد العثیمین ۱۳۴۷ھ میں سعودیہ کے شہر عنیزہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں ہی قرآنِ مجید حفظ کر لیا تھا اور اپنی ابتدائی تعلیم کا آغاز اپنے نانا شیخ عبدالرحمن سلیمان الدامغ سے کیا۔اس کے بعد شیخ علامہ عبدالرحمن بن ناصر سعدی ؒ کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے۔ان سے توحید، تفسیر، سیرتِ نبویہ، حدیث، نحو وصرف، فقہ ووراثت، اُصولِ فقہ اور اصولِ حدیث کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی آپ کے اساتذہ میں الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز، شیخ محمد الامین بن محمد المختار شنقیطی (مؤلف اضواء البیان) اور شیخ عبدالرحمن بن علی بن عودان رحمہم اللہ جیسے قابل اساتذہ شامل ہیں۔ جامعہ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ میں تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ہیئۃ کبار العلماء (سینئر علماء بورڈ) کے بھی موٴثر رکن رہے۔ آپ بیسیوں رسائل وکتب کے مصنف اور بلند پایہ مدرّس تھے آپ نے چالیس سے زائد کتابیں تالیف کیں۔ آپ کے فتاویٰ کئی جلدوں میں جمع کئے جاچکے ہیں۔ شیخ کو ان کی علمی کاوشوں کے اعتراف میں شاہ فیصل عالمی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ آپ کینسر کے مرض میں مبتلا ہو کر ۱۰/ جنوری ۲۰۰۱ء کو جدہ میں راہ گیر عالم بقا ہو گئے۔ إنا للہ وانا الیہ راجعون {ماہنامہ محدث، شمارہ:245، جلد:33، عدد:2، ص:19-30}

وتقام فيها الجماعات، ويصام فيها رمضان ويعلن، وتظهر فيها الشعائر "[1]

دارالاسلام وہ علاقہ ہے جہاں اسلام اپنے ظاہر ہونے اور عام ہونے کے اعتبار سے اس طرح غالب ہو کہ وہاں نماز کے لیے اذان دی جاتی ہو، باجماعت نمازوں کا ہتمام کیا جاتا ہو، رمضان کے روزے اعلانیہ رکھے جاتے ہوں اور اس میں اسلامی شعائر عام ظاہر ہوں۔

مذکورہ بالا اقوال سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ حنبلی فقہاء کے نزدیک بھی کسی علاقہ کے دارالاسلام ہونے کے لیے اہل اسلام کا غلبہ وسلطہ اور اقتدار کا حامل ہونا ضروری ہے لیکن اس کے لیے صرف حکومتی کنٹرول ہی نہیں دیکھا جائے گا کہ کس کا ہے؟ بلکہ اسلامی احکامات کا نفاذ بھی دیکھا جائے گا۔اور اس سلسلے میں کم از کم اتنا ضروری ہے کہ اس علاقہ و ریاست میں ظاہری اسلامی شعائر مثلا اذان ، نماز ،جمعہ ،عیدین اور صیام رمضان وغیرہ کا اہتمام بغیر کسی روک ٹوک، جھجک اور ہچکچاہٹ کے اعلانیہ طور پر کیا جارہا ہو۔

مسلم ریاست معاصر علماء کی نظر میں

معاصر علماء نے بھی کسی علاقہ کے دارالاسلام ہونے میں اہل اسلام کے سلطہ ،غلبہ ، قوتِ نافذہ اور اقتدار کا اعتبار کیا ہے، چنانچہ مشہور مصری مفکر شیخ محمد ابوزہرہ کے خیال میں جس ریاست میں قوت اور سلطہ مسلمانوں کے پاس ہو اور ان کے حکمران کا فیصلہ چلتا ہو تو ایسی ریاست مسلم ریاست قرار پائے گی۔وہ فرماتے ہیں:

"دارالإسلام هي الدولة التي تحكم بسلطان المسلمين، وتكون المنعة والقوة فيها للمسلمين[2]"

دار الاسلام وہ ریاست ہے جس میں مسلمانوں کے سلطان کا فیصلہ چلتا ہے اور اس میں قوت اور سلطہ مسلمانوں کا ہوتا ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے خیال میں جہاں مسلمان اپنی سیاسی حیثیت کی بنیاد پر اسلامی احکامات کے نفاذ پر قدرت رکھتے ہوں، وہ علاقہ مسلم ریاست قرار پائے گا، وہ لکھتے ہیں:

"دارالاسلام وہ مملکت ہے جہاں مسلمانوں کو ایسا سیاسی موقف حاصل ہو کہ وہ تمام احکام اسلامی کے نفاذ پر قادر ہوں۔"[3]

---

[1] – ابن العثيمين ، محمد بن صالح بن محمد العثيمين ، الشرح الممتع على زاد المستقنع ، دار ابن الجوزي ، الطبعة الاولى، 1426 ھ ، 324/10

[2] – ابوزهرة ، محمد بن احمد بن مصطفى ، العلاقات الدولية في الإسلام ، دارالفكر العربى ،1995 ء ، ص:56

[3]-رحمانی، خالد سیف اللہ مولانا، جدید فقہی مسائل، زمزم پبلشرز کراچی، جون2010، 46/4

مفتی محمد تقی عثمانی کے نزدیک مسلمانوں کے زیر قبضہ ایسا ملک مسلم ریاست کہلائے گا کہ جس پر قانون بنانے اور نافذ کرنے کے معاملہ میں ان کے پاس اختیار ہو۔ چنانچہ وہ دارالاسلام کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''دارالاسلام سے مراد وہ ملک ہے جو مسلمانوں کے قبضے میں ہو، اور اس پر ان کا مکمل تسلط اس طرح قائم ہو کہ وہاں انہی کے احکام جاری اور نافذ ہوں''[1]

مزید توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے تسلط کے باوجود اگر مسلمان حکمران وہاں شریعت نافذ نہ کر سکیں لیکن اقتدار انہی کے ہاتھوں میں ہو تو ریاست دارالاسلام ہی قرار پائے گی، فرماتے ہیں:

> ''اگرچہ مسلمانوں کے تسلط میں ہونے کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ اس ملک میں تمام احکام اسلامی شریعت کے مطابق جاری ہوں، لیکن اگر مسلمان حکمرانوں کی غفلت سے اس میں شریعت کا مکمل نفاذ نہ ہو، تب بھی اگر اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو تو اسے دارالاسلام ہی کہا جائے گا۔''[2]

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی علاقے یا ریاست پر دارالاسلام یا مسلم ریاست کا حکم لگانے میں چاروں مکاتبِ فکر کے ائمہ اور قدیم وجدید فقہائے امت کے درمیان کوئی جوہری اختلاف نہیں ہے بلکہ ان سب کی آراء کا خلاصہ یہ ہے کہ:

> ''وہ علاقہ داراسلام یا مسلم ریاست قرار پائے گا جہاں سلطہ، غلبہ اور اقتدار مسلمانوں کے پاس ہو، مسلمانوں کو ان کے اسلام کی وجہ سے کسی قسم کا خوف نہ ہو بلکہ وہ امن وامان سے زندگی بسر کر رہے ہوں، بنیادی اسلامی احکام نافذ ہوں اور اذان، نماز، جمعہ، عیدین، اور صیام رمضان جیسے ظاہری شعائر کا اہتمام بغیر کسی روک ٹوک، جھجھک اور ہچکچاہٹ کے اعلانیہ طور پر کیا جارہا ہو، نیز جہاں مسلمان حدود اللہ اور دیگر اسلامی قوانین کے نفاذ میں آزاد ہوں۔ اور یہی اوصاف ہی کسی مسلم ریاست کے بنیادی وجوہری اوصاف قرار پاتے ہیں''

یہ بات بھی بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ مذاہبِ اربعہ کے کسی بھی قابل ذکر عالم وفقیہ نے یہ شرط نہیں لگائی کہ دارالاسلام تبھی دارالاسلام قرار پائے گا جب اس میں اسلام کے تمام بڑے، چھوٹے احکامات اور حدود کا مکمل نفاذ ہو جائے گا، بلکہ اس کی صورت ان سب کے نزدیک ایسے ہی ہے جیسے کسی آدمی پر اسلام کا حکم لگانے کی ہوتی ہے کہ اس کے مسلمان ہونے کے لیے کسی عالم کے نزدیک بھی یہ شرط نہیں ہے کہ وہ اسلام کے تمام احکامات پر عمل پیرا ہو گا تو ہی

---

[1]۔اسلام اور سیاسی نظریات، ص:324

[2]۔ایضا، ص:325

مسلم قرار پائے گا ورنہ اس پر کفر کا حکم لگا دیا جائے گا۔ حتی کہ کفریہ امور اور کبائر کا مرتکب شخص بھی اہل سنت والجماعت کے نزدیک تب تک مسلم ہی شمار کیا جائے گا جب تک وہ اسلامی احکامات کا کھلے عام انکار اور اسلام سے کھلے عام براءت کا اعلان نہیں کرتا[1]۔

[1]۔اس دعوی پر مفصل و مدلل بحث زیر نظر مقالہ کے باب دوم کی فصلِ دوم میں ملاحظہ فرمائیں۔

مبحث چہارم: غیر مسلم ریاست اور اس کے بنیادی اوصاف

جس طرح اسلام کے مقابل کفر ہے اسی طرح دار الاسلام کے مقابل دار الکفر ہے یا دوسرے لفظوں میں مسلم ریاست کے مقابل غیر مسلم ریاست کی اصطلاح بولی جائے گی۔ بعض قدیم فقہاء دار الکفر کے ساتھ ساتھ دار الحرب کی اصطلاح کو بھی دار الاسلام کے مقابل استعمال کرتے ہیں۔ اگرچہ لغوی طور پر ان دونوں مصطلحات میں واضح فرق ہے لیکن بہت سے فقہاء نے انہیں بطور مترادف ہی ذکر کیا ہے۔ سابقہ بحث میں مذکور دار الاسلام کی تعریفات سے دار الکفر کی تعریف اگرچہ از خود متعین ہو جاتی ہے، لیکن پھر بھی کچھ ائمہ کے اقوال اس ضمن میں پیش کیے جاتے ہیں تاکہ مسئلہ اچھی طرح واضح ہو جائے۔ امام سرخسی حنفی رحمہ اللہ کسی علاقے میں مشرکین کے سلطہ، غلبہ اور اقتدار کی بنیاد پر اس علاقے کو دار حرب قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

" أن البقعة إنما تنسب إلينا أو إليهم باعتبار القوة والغلبة، فكل موضع ظهر فيه حكم الشرك فالقوة في ذلك الموضع للمشركين فكانت دار حرب "[1]

کوئی بھی علاقہ ہماری طرف یا ان کفار کی طرف قوت اور غلبہ کی بنیاد پر ہی منسوب کیا جائے گا، سو ہر وہ جگہ جہاں شرک کی حکومت ہو نیز مشرکین کے پاس قوت ہو تو وہ علاقہ دار حرب ہوگا۔

امام عینی حنفی رحمہ اللہ کے خیال میں جن علاقوں میں اسلامی احکام جاری ہوں وہ دار اسلام اور جن علاقوں میں کافر حکام کے احکام نافذ ہوں اور انہی کے پاس سلطہ و اقتدار ہو، وہ دار الکفر یا بلاد حرب قرار پائیں گے۔ چنانچہ وہ فقہ حنفی کی معتبر کتاب "هداية" کی شرح "البناية" میں لکھتے ہیں:

"الدار داران عندنا: دار الإسلام ودارا لحرب ۔ ۔ ۔ المراد بدار الإسلام بلاد تجري فيها أحكام الإسلام، وبلاد الحرب بلاد يجري فيها أمر عظيمهم، وتكون تحت قهره"[2]

ہمارے نزدیک ریاستیں دو قسم کی ہیں: دار الاسلام اور دار الحرب ۔۔۔ دار الاسلام سے مراد وہ علاقے ہیں جہاں اسلام کے احکام جاری ہوں اور بلادِ حرب سے مراد وہ علاقے ہیں جہاں کفار کے بڑے کا حکم کا چلتا ہو اور وہ اس کے زیرِ کنٹرول ہوں۔

امام مالک رحمہ اللہ کے خیال میں بھی جن علاقوں پر کفر و شرک اور جاہلیت کے احکام اور حکام غالب ہوں وہ دار کفر و شرک یا دار حرب کے حکم میں شامل ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ فتح مکہ سے قبل مکہ کی حیثیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] – المبسوط للسرخسی ، 114/10

[2] – العینی ، ابو محمد محمود بن احمد الغیتابی الحنفی ، البنایة شرح الهدایة ، دار الکتب العلمیة بیروت ، لبنان ، الطبعة الاولی ، 2000 ء ، 217/7

" وكانت الدار يومئذ دار الحرب لأن أحكام الجاهلية كانت ظاهرة يومئذ "[1]

مکہ ان دنوں دار الحرب تھا کیونکہ جاہلیت کے احکام وہاں پر غالب تھے۔

حنابلہ کے بہت بڑے فقیہ امام ابن مفلح حنبلی رحمہ اللہ کا موقف بھی یہی ہے کہ جہاں کفار کا سلطہ ہو اور انہی کا حکم غالب ہو تو ایسے علاقے دار حرب کے ضمن میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

''دار الحرب وہ ہے جہاں کفر کا حکم غالب ہو''[2]

امام کاسانی رحمہ اللہ کے نقطہ نظر کے مطابق اسلام یا کفر کی طرف کسی بھی علاقے کی نسبت اس علاقے میں غالب احکامات کی مناسبت سے کی جائے گی اور اسلام یا کفر کا غلبہ ان کے احکام کے غلبہ سے ہی متحقق ہو گا یعنی جب کسی علاقے میں اسلامی احکامات غالب ہوں گے تو وہ علاقہ دار الاسلام اور جہاں کفر کے احکامات غالب ہوں گے تو وہ علاقہ دار الکفر قرار پائے گا۔ وہ فرماتے ہیں:

"إنما تضاف الدار إلى الإسلام أو إلى الكفر لظهور الإسلام أو الكفر فيها، كما تسمى الجنة دار السلام والنار دار البوار، لوجود السلامة في الجنة والبوار في النار، وظهور الإسلام والكفر بظهور أحكامهما، فإذا ظهر أحكام الكفر في دار فقد صارت داركفر "[3]

کسی بھی علاقے کی اسلام یا کفر کی طرف نسبت اس علاقے میں اسلام یا کفر کے غلبہ کی مناسبت سے کی جاتی ہے جس طرح جنت کو دار السلام اس میں سلامتی کے وجود کی وجہ سے اور جہنم کو دار البوار اس میں ہلاکت کے وجود کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ اور اسلام یا کفر کا غلبہ ان کے احکام کے غلبہ سے متحقق ہو گا تو جب کسی علاقے میں کفر کے احکامات غالب ہوں گے تو وہ علاقہ دار الکفر بن جائے گا۔

معروف عرب عالم شیخ عبد الرحمن ناصر السعدی رحمہ اللہ کے مطابق دار کفر وہ علاقے ہیں جن پر کافروں کی حکومت ہو، وہاں کفر کے احکام ہی جاری ہوں اور ان میں غلبہ، سلطہ اور اقتدار کفار کے پاس ہو۔ چنانچہ وہ اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:

"بلاد الكفر هي التي يحكمها الكفار و تجري فيها أحكام الكفر ، ويكون النفوذ فيها

---

[1] – امام ، مالك بن أنس بن مالك الاصبحى المدنى ، المدونة ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الأولى، 1994ء، 511/1

[2] – ابن مفلح ، ابراهيم بن محمد أبو إسحاق برهان الدين ، المبدع في شرح المقنع ، دار الكتب العلمية بيروت ، الطبعةالاولى، 1997 ء ، 286/3

[3] – بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ، 131/7

للكفار، وهي على نوعين بلاد كفار حربيين، وبلاد كفار مهادنين بينهم وبين المسلمين صلح وهدنة "[1]

بلادِ کفار وہ ہیں جن پر کافر حکومت کرتے ہوں، ان میں کفر کے احکام جاری ہوں اور ان میں اثر ونفوذ کفار کا ہو۔ان کی دو قسمیں ہیں: 1۔حربی کفار کے علاقے، 2۔ان کفار کے علاقے کہ جن کے ساتھ مسلمانوں کی صلح اور سمجھوتہ ہو۔

مفتی محمد تقی عثمانی بھی تمام قدیم ائمہ کی طرح کا موقف پیش کرتے ہوئے دار الکفر کی تعریف میں لکھتے ہیں:

''کسی ملک کو دار الحرب یا دار الکفر قرار دینے کے لیے بنیادی اہمیت اس بات کو حاصل ہے کہ کہ اس پر اقتدار غیر مسلموں کا ہو، اور وہاں انہی کا حکم چلتا ہو''[2]

غیر مسلم ریاستوں کی اقسام

دار الکفر یا غیر مسلم ریاست کو اس کے ساکنین اور اصحابِ اقتدار طبقہ کے احوال کے لحاظ سے مزید تین قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے، اس تقسیم کی قرآن وسنت سے بھی واضح تائید ملتی ہے۔

دار الحرب

کفار کا وہ ملک جو مسلمانوں اور دار الاسلام کے خلاف آمادہ جنگ ہو، اپنے علاقہ میں مقیم مسلمانوں کو ان کے آزادانہ مذہبی تشخص کے ساتھ رہنے کی اجازت نہ دیتا ہو، بلکہ وہ وہاں پر اس قدر مجبور ہوں کہ نہ تو انہیں اپنے مذہب کی طرف دعوت دینے کی اجازت ہو اور نہ ہی اپنے مذہب پر کھل کر عمل کرنے کی، دار الحرب کہلاتا ہے۔ایسے کافروں کے متعلق قرآن مجید میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾[3]

اور اللہ کے راستے میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی مت کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

اللہ تعالی نے ایسے کافروں سے محبت ومودت پالنے اور دلی دوستی قائم کرنے سے صاف منع فرمادیا ہے کہ جو مسلمانوں کے خلاف جنگ آراء ہو یا ان کے خلاف دشمنی پر مبنی کارروائیوں میں شریک ہوں۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

---

[1] – السعدى ، عبدالرحمن ناصر ، الفتاوى السعدية ، مكتبة المعارف الرياض ،الطبعة الثانية ، 1982ء ، 92/1

[2]-اسلام اور سیاسی نظریات، ص:327

[3] -البقرة 2 : 190

﴿إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾[1]

اللہ تو تمھیں انھی لوگوں (کی محبت) سے منع کرتا ہے جنھوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا اور تمھارے نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی کہ تم ان سے دوستی کرو۔ اور جو ان سے دوستی کرے گا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

دار العہد/دار الصلح

دار الکفر قرار پانے والا وہ ملک یا ریاست جس کا مسلمانوں کے ساتھ باہمی امن وامان اور صلح کا معاہدہ ہو۔ اسے "دارالموادعة"، "دارالمعاهدة" اور "دارالمصالحة" بھی کہا جاتا ہے[2]۔ جن قوموں یا ملکوں سے مسلمانوں کا باہمی معاہدہ ہو اور وہ اپنے معاہدہ پر پوری طرح قائم ہوں تو ان کے بارے میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَى مُدَّتِهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ﴾[3]

مگر مشرکوں میں سے وہ لوگ جن سے تم نے عہد کیا، پھر انھوں نے تم سے عہد میں کچھ کمی نہیں کی اور نہ تمھارے خلاف کسی کی مدد کی تو ان کے ساتھ ان کا عہد ان کی مدت تک پورا کرو۔ بے شک اللہ متقی لوگوں سے محبت کرتا ہے۔

یعنی جن قوموں کے ساتھ اہلِ اسلام کا کوئی عہد، معاہدہ چل رہا ہے تو جب تک وہ از خود اپنے معاہدہ کو ختم نہ کر دیں یا عہد شکنی کے مرتکب نہ ہوں یا معاہدہ کی مقررہ مدت پوری نہ ہو جائے، تب تک مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ کوئی ایسا اقدام نہ اٹھائیں جو اس معاہدہ کے خلاف ہو۔ قرآن مجید نے اس سلسلہ میں اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ اگر دار العہد کے رہنے والے مسلم وہاں کے کفار کی کسی زیادتی کے باعث دارِ اسلام سے کسی مدد کی درخواست کریں تو بھی مسلمانوں کے لیے اس معاہدہ کی خلاف ورزی جائز نہیں ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾[4]

---

[1] - الممتحنة : 9

[2] - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ، 108/7

[3] - التوبة9 :4

[4] - الأنفال8 :72

اور اگر وہ (دار الکفر میں رہنے والے مسلمان) دین کے بارے میں تم سے مدد مانگیں تو تم پر مدد کرنا لازم ہے، مگر اس قوم کے خلاف (نہیں) کہ تمھارے درمیان اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ ہو اور اللہ اسے جو تم کر رہے ہو، خوب دیکھنے والا ہے۔

اہل علم کے فتوی کے مطابق دورِ حاضر میں اقوامِ متّحدہ (UNO) کے وہ رکن ممالک جنہوں نے بین الاقوامی سطح پر امن اور مذہبی آزادی کے مختلف معاہدات پر دستخط کر رکھے ہیں اور ان معاہدات کے مطابق مسلمانوں کی مذہبی آزادی کے پاسدار ہیں، وہ بنیادی طور پر دار العہد کے حکم میں شامل ہیں۔[1]

دار الامن

دار الکفر قرار پانے والا وہ ملک ہے جہاں غلبہ، سلطہ اور اقتدار غیر مسلموں کے پاس ہو، لیکن ان کا رویہ مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ ہو۔ مسلمان وہاں پر پوری طرح مامون ہوں اور انہیں خود دینی احکام پر عمل کرنے اور دوسرے لوگوں کو دین کی طرف دعوت دینے کی اجازت ہو۔ اصحمہ نجاشی رحمہ اللہ کا ملک حبشہ اس کی واضح مثال ہے۔
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" لما ضاق على المستضعفين بمكة مقامهم بها ، خرجوا مهاجرين إلى أرض الحبشة، ليأمنوا، على دينهم هناك، فوجدوا هناك خير المنزلين، أصحمة النجاشي ملك الحبشة، رحمه الله، آواهم وأيدهم بنصره "[2]

جب مکہ کے کمزور مسلمانوں پر مکہ میں رہنا تنگ اور مشکل ہو گیا تو وہ ہجرت کر کے حبشہ نکل گئے تاکہ وہاں امن وامان کے ساتھ اللہ کے دین پر قائم رہ سکیں، تو انہیں وہاں حبشہ کے بادشاہ اصحمہ نجاشی رحمہ اللہ کی شکل میں بہترین میزبان مل گیا جس نے انہیں وہاں ٹھکانہ فراہم کیا اور ان کی پوری تائید ونصرت کی۔

اس وقت کے مظلوم مسلمانوں نے حبشہ کو اس کے امن وامان اور وہاں مذہبی آزادی کے حاصل ہونے کی وجہ سے ہی دار الامن کا نام دیا تھا، اگرچہ وہ دار الایمان نہیں تھا، بلکہ ایک عیسائی ملک تھا۔ مصر کے معروف عالم علامہ محمد متولی الشعراوی اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

"والعلة في الذهاب إلى الحبشة أن هناك ملكاً لا يظلم عنده أحد- وكان العدل في ذاته

---

[1]۔دیکھیے: العلاقات الدولية فی الاسلام ، ص: 60

[2] – ابن كثير ، ابو الفداء اسماعيل بن عمر القرشی الدمشقی ، تفسير القرآن العظيم ، المحقق: سامی بن محمد سلامة ، الناشر: دار طيبة للنشر والتوزيع ، الطبعة الثانية– 1999 ء ، 290/6

وساماً لذلك الملك ، وسماها المؤمنون دار أمن، وإن لم تكن دار إيمان"[1]

حبشہ میں ہجرت کر کے جانے کی وجہ یہ تھی کہ وہاں ایسا بادشاہ برسر اقتدار تھا کہ جس کے ہاں کوئی کسی پر ظلم نہیں کرتا تھا، عدل اس بادشاہ کی شخصیت کا امتیاز تھا، اور ایمان والوں نے اس ملک کو دار امن کا نام دیا ہوا تھا، اگرچہ وہ دارِ ایمان نہ تھا۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی علاقے یا ریاست پر دار الکفر یا غیر مسلم ریاست کا حکم لگانے میں فقہائے امت کے درمیان کوئی جوہری اختلاف نہیں ہے بلکہ چاروں مکاتبِ فکر کے ائمہ کی آراء کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ علاقہ غیر مسلم ریاست یا دار کفر قرار پائے گا جہاں سلطہ، غلبہ، اقتدار اور قوت نافذہ اللہ کے دشمنوں کفار و مشرکین کے پاس ہو، کفر، شرک اور جاہلیت کے احکامات وہاں پر غالب اور بلا روک ٹوک جاری ہوں، شعائر اسلام پر پابندی ہو اور اہلِ اسلام وہاں ماتحتی، مجبوری اور محکومی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوں۔ دار الکفر کو مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کے اعتبار سے مزید تین قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے: دار الحرب، دار العہد/دار الصلح اور دار الامن۔

---

[1] – الشعراوی ، محمد متولی ، تفسیر الشعراوی– الخواطر، المراجعة والتخریج :د۔احمد عمر هاشم ، الناشر: مطابع أخبار الیوم ، عام النشر 1997 ء، 2583/4

فصل دوم: حکمران کی ضرورت واہمیت اور اس کے تقرر کی شرعی حیثیت

مبحث اول: حکمران کی ضرورت واہمیت

مبحث دوم: حکمران یا امیر مقرر کرنے کی شرعی حیثیت

فصل دوم: حکمران کی ضرورت واہمیت اور اس کے تقرر کی شرعی حیثیت

کسی بھی ریاست کے سردار، رئیس، بادشاہ یا فرمانروا کے لئے عربی زبان میں عموما حاکم کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔
"حاکم" حکم یحکم حکما سے اسم فاعل ہے۔ لسان العرب میں ہے:

''حکم، علم، فقہ اور عدل کے ساتھ فیصلہ کرنے کو کہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں: "حکمت و احکمت" یعنی میں نے روکا اور رد کیا، عربی میں جانور کی لگام کو "حکمة " کہتے ہیں کیونکہ وہ جانور کو تیز چلنے سے روکتی ہے، اسی طرح گھوڑے کی لگام میں موجود آہنی کڑے کو بھی "حکمة" کہتے ہیں کیونکہ یہ اسے اپنے سوار کی مخالفت سے منع کرتا ہے۔ لوگوں کے درمیاں فیصلہ کرنے والے کو "حاکم" اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ ظالم کو ظلم سے روکتا ہے۔ اسی طرح حکم کو نافذ کرنے والے کو بھی حاکم کہا جاتا ہے اور حاکم کی جمع حکام ہے۔''[1]

اردو لغت میں ہے:

''حاکم۔ حکومت کرنے والا۔ سردار۔ عامل۔ ناظم۔ فرماں روا۔ بادشاہ۔ آقا۔ مالک۔''[2]

حاکم کے لیے اردو زبان میں حکمران کا لفظ بھی مستعمل ہے جیسا کہ فیروز اللغات میں ہے:

''حکمراں۔۔۔ حکم چلانے والا۔۔ بادشاہ۔۔ فرماں روا۔۔''[3]

اسلامی ادب و تاریخ میں حاکم یا حکمران کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے مندرجہ ذیل اسماء و القاب بھی مستعمل ہیں[4]۔

- خلیفہ: خلیفہ اول سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ان کے دور خلافت میں پوری امت "خلیفة رسولِ الله" کہہ کر ہی پکارتی رہی۔
- امیر المومنین: یہ لقب سب سے پہلے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لیے بولا گیا۔ پھر اس کے بعد تقریبا سبھی مسلم خلفاء کے لیے یہ لقب استعمال کیا گیا۔

---

[1]-ابن منظور الأنصاري، محمد بن مكرم ،أبو الفضل جمال الدين، الرويفعى الإفريقى ، لسان العرب، الناشر: دار صادر بيروت، الطبعة الثالثة – 1414 ھ ، 141/12

[2]-فیروز اللغات، صفحہ: 561

[3]-ایضا، صفحہ: 573

[4]-ابن المِبْرَد ، يوسف بن حسن ابن عبد الهادى الصالحي الحنبلي ، إيضاح طرق الاستقامة في بيان احكام الولاية والإمامة ، بإشراف: نور الدين طالب ، دار النوادر، سوريا ، الطبعة الاولى، 2011 ء ، ص:23-27

- امام: زبان رسالتمآب ﷺ سے "إِنَّمَا الإِمَامُ جُنَّةٌ "[1] کی صورت میں اس مصطلح کا تذکرہ ملتا ہے۔
- ولی الامر: قرآن مجید میں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾[2] وغیرہ آیات میں اس مصطلح کا ذکر موجود ہے۔
- سلطان: زبان رسالتمآب ﷺ سے "السُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ"[3] کی صورت میں اس مصطلح کا تذکرہ ملتا ہے۔
- ملک / بادشاہ: حاکم یا حکمران کے لیے بولے جانے والے القاب میں یہ سب سے قدیم لقب ہے جو قبل از اسلام بھی مستعمل تھا اور آج تک استعمال ہوتا چلا آیا ہے۔ قرآن مجید میں ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي﴾[4] اور دیگر کئی آیات میں اس مصطلح کا ذکر موجود ہے۔ خیال رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں کسی بھی حاکم کے لیے سلطان یا ملک / بادشاہ کا لقب استعمال نہیں کیا گیا۔

کسی بھی مسلم حاکم کو مندرجہ بالا القاب میں سے کسی کے ساتھ یا کسی بھی مسلم علاقے میں بولی جانے والی کسی اور اصطلاح مثلاً وزیر اعظم، صدر، چیف ایگزیکٹو وغیرہ میں سے کسی کے ساتھ بلایا اور مخاطب کیا جائے تو اس میں کوئی حرج یا قباحت نہیں ہے کیونکہ احکام میں اصل اعتبار حقائق کا ہوتا ہے، اسماء والقابات کا نہیں۔ اس مقالہ میں ان مصطلحات کی ترجمانی کرتے ہوئے عموماً حاکم، حکمران یا امیر کے الفاظ استعمال کیے جائیں گے۔

---

[1] – صحيح البخارى، كتاب الجهاد والسير، باب يقاتل من وراء الإمام ويتقى به ،50/4 ، حديث :2957 ،صحيح مسلم :1841

[2] – النساء4 :59

[3] – سنن أبي داود، كتاب النكاح ، باب في الولي ،425/3 ، حديث:2083 - سنن ابن ماجه:1880 - سنن الترمذي:1102

[4] – يوسف: 54

مبحث اول: حکمران کی ضرورت واہمیت

انسان کو اللہ تعالی نے مدنی الطبع پیدا فرمایا ہے ،اجتماعی معاشرتی زندگی بسر کیے بغیر اس کی گزر بسر انتہائی دشوار ہے۔دوسری طرف عام انسانوں کی فطرت ایسی بنادی گئی ہے کہ وہ اپنے حقوق تو پورے وصول کرنا چاہتے ہیں لیکن دوسروں کے حقوق پوری طرح ادا کرنے پر بآسانی تیار نہیں ہوتے۔ مذکورہ بالا دونوں حقیقتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ضروری ہے کہ ان پر کوئی ایسا حاکم و نگران مقرر ہو جو ان کے معاملات کی دیکھ بھال کرے،انہیں منظم و مرتب کرے اور ظالم سے مظلوم کا حق اسے واپس دلوائے۔اگر کسی معاشرہ میں یہ بنیادی اقدار نہ پائی جائیں تو انسانی معاشرہ جنگل کی مثال پیش کرنے لگے کہ جہاں رواج ہوتا ہے کہ طاقتور کمزور کو کھاجائے۔

اگر اس حقیقت کا مشاہدہ کرنا ہو تو کسی ایسے چوک پر جاکر کچھ وقت گزاریے کہ جس کے اشارے خراب ہوں، پھر ہر آدمی کی تیزی، دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش، اپنا راستہ لینے اور دوسروں کو راستے سے محروم کرنے کی کاوش دیکھیے تو آپ کو واضح نظر آئے گا کہ پہلے گزرنے کی کوشش میں پڑھا لکھا اور جاہل، بوڑھا اور جوان سب برابر کے شریک ہیں۔ پھر کچھ ہی دیر میں جبکہ ٹریفک بلاک ہو جاتی ہے تو پھر گالیوں اور دشنام طرازی کا آغاز، اور بعض اوقات ہاتھا پائی تک نوبت ،اور پھر کسی ٹریفک پولیس آفیسر کی آمد اور کچھ ہی دیر میں چوک میں ٹریفک کی ایک خاص ترتیب سے روانی، یہ سب کچھ یہ حقیقت بتانے کے لیے کافی ہے کہ دنیا جتنی بھی مہذب ہو جائے معاملات سنبھالنے کے لیے کسی نہ کسی حاکم اور نگران کا وجود لازمی ہے۔اس سلسلہ میں امیر المومنین سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے اپنے وسیع علم اور تجربات کا نچوڑ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

" لا يصلح الناس إلا أمير بر أو فاجر " قالوا: يا أمير المؤمنين، هذا البر فكيف بالفاجر؟ قال: " إن الفاجر يؤمن الله عز وجل به السبل، ويجاهد به العدو، ويجبي به الفيء، وتقام به الحدود، ويحج به البيت، ويعبد الله فيه المسلم آمنا حتى يأتيه أجله " "[1]

لوگوں کی اصلاح صرف اور صرف امیر اور حکمران ہی کر سکتا ہے، چاہے وہ نیک ہو یا بد،لوگوں نے کہا: امیر المومنین! نیک تو واضح ہے لیکن بد کیسے ؟فرمایا: فاجر حکمران کے ذریعے بھی اللہ تعالی راستے مامون فرما دیتا ہے، دشمن کے خلاف اس کے ساتھ مل کر لڑائی کی جاتی ہے،اس کی وجہ سے حدیں قائم کی جاتی ہیں،بیت اللہ کا حج کیا جاتا ہے،اور مسلمان شخص اپنے آخری وقت تک بے خوف وخطر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔

---

[1] – البيهقى ، ابو بكر احمد بن الحسين الخراسانى ، شعب الإيمان ، تحقيق وتخريج : الدكتورعبدالعلى عبدالحميد حامد ، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض ، الطبعةالاولى، 2003م ،15/10، رقم : 7102

معاشرہ میں حکمران کی ضرورت واہمیت واضح کرنے کے لیے امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا فرمان بہت جامع حیثیت رکھتاہے۔انہوں نے ارشاد فرمایا:

"إن الله ليزع بالسلطان ما لا يزع بالقرآن" [1]

یقیناًاللہ حکمران کے ذریعے ایسے ایسے کاموں سے روک دیتاہے جن سے قرآن کے ذریعے بھی نہیں روکتا۔

یعنی قرآن کے امرونہی کے ڈر سے لوگ اتنے جرائم سے نہیں بچتے، جتنا حاکم اور سلطان کی گرفت اور سزا سے بچنے کے لیے جرائم سے گریز کرتے ہیں۔ معروف تابعی احنف بن قیس رحمہ اللہ کے نزدیک وہ شہر یا علاقہ جس میں مضبوط حکمران موجود نہ ہو، اس قابل ہی نہیں کہ اس میں رہائش اختیار کی جائے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"کسی عقل مند شخص کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کسی ایسے شہر میں رہائش اختیار کرے جس میں یہ پانچ خوبیاں موجود نہ ہوں: مضبوط حکمران، انصاف پرور جج، آباد کاروباری مرکز، بہنے والا دریا اور صاحب علم طبیب"[2]

اس وقت بھی دنیا کے ترقی یافتہ ممالک مختلف ممالک کی حکومتوں اور حکمرانوں کے حالات کی بنیاد پر اپنے شہریوں کے لیے وقتاً فوقتاً الرٹ جاری کرتے رہتے ہیں کہ کس کس ملک کا سفر کرنا ان کے لیے خطرناک ہو سکتا ہے اور کس کس ملک کا سفر اختیار کرنا ان کے لیے محفوظ ثابت ہو گا۔ مشہور تابعی کعب احبار رحمہ اللہ کے خیال میں اسلام کی عمارت میں مسلم حاکم کی وہی حیثیت ہے جو کسی خیمے کی تیاری میں اس کے عمود یا ڈنڈوں کو حاصل ہوتی ہے، فرماتے ہیں:

"اسلام، حاکم اور عوام کی مثال ایک خیمہ، اس کے ڈنڈوں، رسیوں اور میخوں کی ہے۔ خیمہ سے مراد اسلام ہے، ڈنڈوں سے حاکم جبکہ عوام رسیوں اور میخوں کی حیثیت رکھتے ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کے بغیر کارگر نہیں ہے۔"[3]

---

[1] -ابن كثير ، ابو الفداء إسماعيل بن عمر القرشي البصري ، البداية والنهاية ،المحقق: علي شيرى ، دار إحياء التراث العربي ، الطبعة الأولى ،1988 ء ، 12/2 ۔ ابن تيمية، تقي الدين ابو العباس احمد بن عبد الحليم الحرانى ، مجموع الفتاوى ، المحقق: عبد الرحمن بن محمد ، الناشر: مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، السعودية ، عام النشر: 1995م ، 416/11 ۔ اس اثر کی مفصل تخریج وتحقیق کیلئے دیکھیے : رسالة" إن الله يزع بالسلطان ما لا يزع بالقرآن – تخريجا وشرحا"، المؤلف: إبراهيم بن عبد الله المديهش ، المكتبة الشاملة ،النشرة الأولى، 1439 ھ

[2] – شعب الإيمان ، 101/11 ، رقم : 6993

[3] – ابن قتيبة ، ابو محمد عبدالله بن مسلم ، السلطان ، تحقيق : ايمن عبدالجابر البحيرى ، المكتبة الازهرية للتراث مصر، 2002ء

مبحث دوم: حکمران یا امیر مقرر کرنے کی شرعی حیثیت

اپنے اوپر کسی کو حکمران یا امیر کا مقرر کرنا مسلمانوں پر فرض اور واجب ہے اور اس پر اصحاب رسول ﷺ ، ائمہ دین اور پوری امت کا اجماع ہے[1]۔ قاضی ابن جماعۃ الشافعی[2] رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" ويجب نصب إمام بحراسة الدّين، وسياسة أُمُور الْمسلمين، وكف أَيدي المعتدين، وإنصاف المظلومين من الظالمين، ويأخذ الحقوق من مواقعها، ويضعها جمعا وصرفاً في مواضعها، فَإِن بذلك صلاح البلاد وَأمن الْعباد، وقطع مواد الفساد، لأَن الخلق لا تصلح أَحوالهم إِلَّا بسلطان يقوم بسياستهم، ويتجرد لحراستهم" [3]

دین کی چوکیداری، مسلمانوں کے معاملات کی دیکھ بھال، زیادتی کرنے والوں کے ہاتھ روکنے، اور ظالموں سے مظلوموں کو انصاف دلوانے کے لیے حاکم کا تقرر واجب ہے۔ اور اس لیے بھی کہ یہ حکمران کا ہی کام ہے کہ وہ حقوق کو حاصل کر کے ان کی مناسب جگہوں پر خرچ کرے یا روک رکھے، کہ اسی کے ساتھ شہروں کی بھلائی، عوام کا امن اور فساد کا خاتمہ ممکن ہے کیونکہ لوگوں کے حالات ایسے حکمران کے بغیر درست نہیں ہو سکتے جو ان کی راہنمائی و خبر گیری کے لیے مستعد ہو اور ان کی چوکیداری کے لیے فارغ ہو۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں حکمران کے تقرر کے واجب ہونے پر امت اور علمائے امت کے درمیان کچھ معتزلہ کے سوا کسی بھی قابل ذکر اختلاف کے نہ ہونے کا دعوی کیا ہے[4]۔ قاضی ابو یعلی رحمہ اللہ نے نبی ﷺ کی

---

[1] – ابو يعلى، القاضي محمد بن الحسين ابن الفراء ، الاحكام السلطانية ، تصحيح وتعليق: محمد حامد الفقى ، دار الكتب العلمية بيروت ، لبنان ، الطبعة الثانية ، 2000 ء، ص :19 ـ الماوردى ، ابو الحسن علي بن محمد البصرى البغدادى ، الاحكام السلطانية ، تحقيق : احمد جاد ، دار الحديث القاهرة ، سنة الطبع :2006م ، ص: 15

[2] - بدر الدین قاضی ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم بن سعد اللہ المعروف قاضی ابن جماعہ (1241–1333ء) حدیث اور دیگر علوم دینیہ کے ماہر عالم تھے۔ حماۃ میں پیدا ہوئے اور تحصیل علم کے بعد القدس کے حاکم و خطیب مقرر ہوئے۔ پھر مصر کے قاضی بنا دیے گئے کچھ عرصہ بعد شام کی قضاء انہیں سونپ دی گئی لیکن کچھ وقت کے بعد انہیں دوبارہ مصر کا قاضی بنا دیا گیا یہاں تک کہ وہیں بڑھاپے میں نابینا ہو گئے اور مصر میں ہی فوت ہوئے۔ اپنے علم و فن میں انتہائی ماہر تھے اور بہترین قاضی قرار دیے جاتے تھے۔ مسلکا شافعی تھے۔ آپ کی بہت ساری تصانیف ہیں۔ {الاعلام للزرکلی، 297/5}

[3] – ابن جماعة ، ابو عبد الله محمد بن إبراهيم الكنانى الحموى الشافعى، بدر الدين ، تحرير الاحكام في تدبير اهل الاسلام ، تحقيق: د. فؤاد عبد المنعم احمد ، دار الثقافة ،قطر/ الدوحة، الطبعة الثالثة ، 1988ء، ص:48-49

[4] – القرطبي ، ابو عبد الله شمس الدين محمد بن احمد الانصاري الخزرجى ، الجامع لأحكام القرآن ،تفسير القرطبي ،، تحقيق: احمد البردوني وابراهيم اطفيش ، دار الكتب المصرية، القاهرة ، الطبعةالثانية، 1964 ء،264/1

وفات کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کے حوالے سے انصار ومہاجرین کے درمیان ہونے والے مناقشہ سے حکمران کے تقرر کے واجب ہونے پر یہ کہتے ہوئے دلیل پکڑی ہے کہ اگر حاکم کا تقرر ضروری نہ ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کبھی بھی اس میں نہ الجھتے[1]۔امام قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں قاضی ابو یعلیٰ رحمہ اللہ کی بات پر مزید اضافہ کرتے ہوئے لکھاہے کہ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا تو کسی ایک شخص نے بھی یہ نہ کہا کہ خلیفہ کا تقرر آپ پر یا ہم پر کونسا فرض ہے ؟اس کا مطلب یہ ہوا کہ حاکم کا تقرر واجب اور دین کے ارکان میں سے ایک رکن ہے[2]۔ابنِ خلدون رحمہ اللہ نے بھی اپنی تاریخ کے مقدمہ میں حاکم کے تقرر کو واجب قرار دیتے ہوئے اس پر صحابہ اور تابعین کا اجماع ذکر فرمایاہے۔[3]

حاکم کے تقرر کے واجب ہونے پر دلائل

حاکم کے تقرر کے واجب ہونے پر قرآن وسنت میں بے شمار دلائل ہیں لیکن میں صرف چند ایک کے ذکر پر ہی اکتفا کروں گا۔قرآن مجید میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾[4]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے حاکم ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں پر اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کے ساتھ اولو الامر یعنی حکمرانوں کی اطاعت بھی لازم قرار دی ہے،تو حکام کی اطاعت ان کے وجود کے معدوم ہونے کی صورت میں ناممکن ہے۔اسی طرح حدود وقصاص اور جہاد واعلائے کلمۃ اللہ کے احکام پر مشتمل آیات پر عمل بھی اسی صورت میں ممکن ہو سکتاہے جب کوئی مسلم حکمران موجود ہو۔تو معلوم ہوا کہ مسلم معاشرہ میں حاکم کا وجود فرض اور لازم ہے تاکہ قرآن مجید کی ان آیات پر عمل کیا جاسکے۔شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"يجب أن يعرف أن ولاية أمر الناس من أعظم واجبات الدين بل لا قيام للدين ولاللدنيا إلا بها. فإن بني آدم لا تتم مصلحتهم إلا بالاجتماع لحاجة بعضهم إلى بعض، ولا بد

---

[1] – الاحكام السلطانية ، ص:19

[2] – تفسير القرطبي ، 265/1

[3] – ابن خلدون ، ابو زيد عبد الرحمن بن محمد ولى الدين الحضرمي الاشبيلي ، ديوان المبتداوالخبر فى تاريخ العرب والبربر ومن عاصرهم من ذوي الشان الاكبر ، المحقق: خليل شحادة ، دار الفكر، بيروت ، الطبعةالثانية، 1988 ء، 239/1

[4] – النساء4 : 59

لهم عند الاجتماع من رأس --- ولأن الله تعالى أوجب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، ولا يتم ذلك إلا بقوة وإمارة. وكذلك سائر ما أوجبه من الجهاد والعدل وإقامة الحج والجمع والأعياد ونصر المظلوم. وإقامة الحدود لا تتم إلا بالقوة والإمارة؛"[1]

یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ عوام الناس کے معاملات کا کسی ایک کو نگران بنانا دین کے عظیم ترین واجبات میں سے ہے ،بلکہ دین اور دنیا کا قیام اس کے بغیر ممکن ہی نہیں ،کیونکہ لوگوں کے معاملات ایک دوسرے کے محتاج ہونے کی وجہ سے صرف اجتماعیت کے ساتھ ہی پورے ہوتے ہیں،اور اجتماعیت کے لیے ایک سردار وحاکم کا ہونا ضروری ہے۔۔۔اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالی نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو واجب قرار دیا اور یہ قوت اور حکومت واقتدار کے بغیر ممکن نہیں۔اور اسی طرح جہاد، عدل، حج، جمعہ وعیدین کا قیام، مظلوم کی مدد اور حدود اللہ کے قیام جیسے تمام وہ فرائض، جنہیں اللہ تعالی نے واجب قرار دیا ہے، کا قیام بھی قوت اور حکومت کے بغیر ممکن نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اس معاملہ میں اپنی امت کو اس قدر سختی اور شدت سے تاکید فرمائی ہے کہ دورانِ سفر اگر تین آدمی بھی ہوں تو انہیں اپنے میں سے کسی ایک کو اپنا امیر و نگران بنانے کا حکم دیا ہے ، چنانچہ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إذا خرجَ ثلاثةٌ في سفرٍ فليُؤمِّروا أحدهم"[2]

"جب تین آدمی بھی سفر میں نکلیں تو اپنے میں سے ایک کو اپنا امیر بنالیں۔"

دوسری حدیث میں آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

" لَا يَحِلُّ لِثَلَاثَةِ نَفَرٍ يَكُونُونَ بِأَرْضِ فَلَاةٍ إِلَّا أَمَّرُوا عَلَيْهِمْ أَحَدَهُمْ "[3]

"تین بندوں کے لیے بھی حلال نہیں ہے کہ وہ کسی بیابان علاقے میں ہوں، مگر یہ کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو اپنا امیر بنالیں۔"

---

[1] – ابن تيمية، تقي الدين ابو العباس احمد بن عبد الحليم الحرانى الحنبلى الدمشقى ، السياسة الشرعية ، وزارة الشئون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد – المملكة العربية السعودية ، الطبعة الاولى، 1418ھ ، ص :129

[2] – ابو داود ، سليمان بن الاشعث السِّجِسْتانى ، سنن ابى داود ، المحقق: شعَيب الأرنؤوط و محَمَّد كامِل ، دارالرسالة العالمية ، الطبعة الاولى، 2009 ء ، كتاب الجهاد، باب في القوم يُسافِرون يؤمِّرون أحدَهم ،249/4،رقم : 2608

[3] – ابن حنبل ، ابو عبد الله احمد بن محمد الشيبانى ، مسند الإمام أحمد بن حنبل ، المحقق: شعيب الأرنؤوط – عادل مرشد، وآخرون ، مؤسسة الرسالة ، بيروت ، الطبعة الأولى، 2001 ء ، 227/11، رقم : 6647

مذکورہ بالا احادیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ امیر و حاکم کا مقرر کرنا واجبِ شرعی ہے اور اس کے بغیر زندگی گزارنا درست نہیں ہے۔ غور فرمایئے کہ جب سفر کی حالت میں، جبکہ بہت سے شرعی احکام میں تخفیف کر دی جاتی ہے، صرف تین بندوں کے اجتماع کی صورت میں بغیر امیر رہنا شرعاً درست نہیں تو حضر کی حالت میں ایک پورے معاشرے کا کسی حکمران یا امیر کے بغیر رہنا اور زندگی بسر کرنا کیونکر درست اور جائز ہوگا؟؟

فصلِ سوم: مسلم حکمران کے فرائض

مبحث اول: دینی فرائض

مبحث دوم: دنیاوی فرائض

فصلِ سوم: مسلم حکمران کے فرائض

کوئی شک نہیں کہ کسی بھی مسلم حکمران پر اس کے منصب کے اعتبار سے دینی و دنیاوی ہر دو معاملات میں بہت ساری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اسلام کے نقطہ نظر سے حکمرانی، مسئولیت اور اقتدار کی ذمہ داری بہت مشکل، بوجھل اور بڑی ذمہ داری ہے، اس کے تقاضوں کو کماحقہ پورا کرنا کسی بہت عزیمت والے کا ہی خاصہ ہے۔ یہ دیکھنے میں اگرچہ بہت مرغوب اور پھولوں کی سیج کی طرح خوبصورت نظر آتی ہے لیکن اس کو نبھانا کانٹوں کے بستر پر لیٹنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ اور دشوار ہے۔ اسی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذمہ داریوں کو کماحقہ نبھا کر عدل کرنے والے حکمران کو قیامت کے دن اللہ تعالی کے سایہ میں جگہ ملنے کی بشارت دی ہے۔

اسلام میں جہاں عدل کرنے اور اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے والے حاکم کے لیے بشارات ہیں، وہیں اس کا حق ادا نہ کرنے والوں کے لیے سخت وعید کا بھی اعلان ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق حکومت واقتدار کی حیثیت ایک امانت کی ہے، اور امانت کا حق ادا نہ کرنے والے کبھی بھی قابل ستائش نہیں ہوتے۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَلَا تَسْتَعْمِلُنِي قَالَ فَضَرَبَ بِيَدِهِ عَلَى مَنْكِبِي ثُمَّ قَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ إِنَّکَ ضَعِيفٌ وَإِنَّهَا أَمَانَةُ وَإِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَأَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا"[1]

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول کیا آپ مجھے عامل و گورنر نہ بنائیں گے؟ تو آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک میرے کندھے پر مار کر فرمایا: اے ابوذر تو کمزور ہے اور یقینا یہ ذمہ داری امانت ہے اور یہ قیامت کے دن رسوائی اور شرمندگی ہے سوائے اس شخص کے جس نے اس کے حقوق پورے کئے اور اس بارے میں جو اس کی ذمہ داری تھی اس کو ادا کیا۔

مسلم حاکم کے بنیادی فرائض

حکومت و سرداری جیسی امانت کے تقاضے اور حقوق تو بہت زیادہ ہیں، اہل علم نے خلاصہ کلام کے طور پر مسلم حاکم کے مندرجہ ذیل بنیادی فرائض گنوائے ہیں:

1. حاکم پر لازم ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی ارکان، معتقدات اور اصولوں کی حفاظت کرے، دین سے متعلقہ جن امور پر سلف صالحین کا اجماع ہے، ان کی نگہبانی کرے، اور اگر کوئی شخص دین اسلام میں کوئی نئی بات یعنی بدعت ایجاد کرے یا شکوک شبہات میں مبتلاء ہو کر کج روی اختیار کرے، تو حاکم اسے حق بات

---

[1] - صحيح مسلم ، كتاب الإمارة ، باب كراهة الامارة بغير ضرورة ،3/1457، رقم : 1825

سمجھائے اور فرائض وممنوعات کی پابندی پر اسے قائم کرے تاکہ دین میں فکری انتشار پیدا نہ ہو اور امت دینی لغزشوں سے محفوظ رہے۔

2. شرعی حدود قائم کرے اور گھر کی چار دیواری کی حفاظت کرے تاکہ حرام افعال کا کوئی ارتکاب نہ کرے اور انسانوں کے حقوق ضائع اور برباد نہ ہوں۔ جھگڑا کرنے والوں میں اسلامی شریعت کے مطابق فیصلہ کر کے مخاصمتیں دور کرے اور عدل وانصاف کے ساتھ اس انداز میں حکمرانی کرے کہ کوئی طاقتور کسی کمزور پر ظلم اور زیادتی نہ کر سکے۔

3. ملکی سرحدوں کی حفاظت کرے۔اور ایسی حالت میں امن برقرار رکھے کہ لوگ آرام وسکون سے اپنے کاروبار اور ملی خدمات میں مصروف رہیں۔ غیر ملکی دست اندازی سے ملک کو محفوظ رکھے تاکہ تمام شہریوں ،مسلمانوں اور ذمیوں کی جان ومال محفوظ رہیں۔

4. اسلام کی دعوت دے اور اللہ تعالی کے دین کو دنیا میں غالب کرنے کی کوشش کرتا رہے۔اسلام کے خلاف سرکشی اختیار کرنے اور نہ ماننے والوں سے جہاد کرے تاکہ اسلام کے دشمن یا تو اسلام قبول کر لیں، یا سر تسلیم خم کر کے ذمی بن جائیں۔

5. شرعی احکام کے مطابق لوگوں سے خراج اور صدقات وصول کرے اور اس ضمن میں کوئی ظلم وزیادتی نہ کرے اور نہ ہونے دے۔بیت المال سے مستحقین کو ان کی ضرورت کے مطابق وظائف اور تنخواہیں بلا تاخیر وقت مقررہ پر ادا کرتا رہے۔

6. دیانتدار اور قابل اعتماد اشخاص کو لوگوں پر حاکم اور عامل مقرر کرے،اور تمام امور سلطنت کی خود نگرانی کرے اور جملہ حالات وواقعات سے باخبر رہے۔یہ نہ ہو کہ دنیادار ہونے کی صورت میں خود عیش وعشرت میں پڑنے کی وجہ سے، یا دین دار ہونے کی صورت میں خود ہمہ وقت عبادت میں مصروف رہنے کی وجہ سے اپنے فرائض اور ذمہ داریاں دوسروں کے حوالے کر دے۔[1]

مندرجہ بالا ذمہ داریوں کا مختصر اخلاصہ یہ ہوگا کہ مسلم حاکم پر واجب ہے کہ اپنی رعیت کے دین ودنیا دونوں کی بھلائی کے لیے ہمہ وقت اور ہمہ جہت کام کرے۔ذیل میں ان دینی ودنیوی ذمہ داریوں کا قدرے تفصیل کے ساتھ جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

---

[1]-الاحکام السلطانیة للماوردی ، ص : 40-41 - الاحکام السلطانیة لابی یعلیٰ ، ص: 27-28

مبحث اول: دینی فرائض

کسی بھی مسلم حاکم کے بنیادی فرائض کو واضح کرتے ہوئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾[1]

وہ لوگ کہ اگر ہم انھیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور اچھے کام کا حکم دیں گے اور برے کام سے روکیں گے، اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔

اقامتِ صلاۃ کا اہتمام

اس آیت مبارکہ میں سب سے پہلی جو چیز بیان کی گئی ہے وہ اقامتِ صلاۃ کا اہتمام ہے۔ کیونکہ نماز ہی مسلم یا غیر مسلم کے درمیان امتیاز کرتی ہے۔ نماز قائم کرنے میں ہر مسلم شہری کا ادائیگی نماز کا اہتمام، مساجد میں باجماعت ادائیگی کا اہتمام، بر وقت اذان اور جماعت کا یقینی بنانے کا انتظام، جمعہ کے خطبات اور خطباء کا انتظام، عیدین، کسوف، خسوف، جنائز و دیگر نمازوں کا اہتمام، لوگوں کو نماز کی تعلیم اس کی تمام شرائط وواجبات کے ساتھ دینے کا اہتمام وغیرہ وغیرہ سب شامل ہے۔

زکوٰۃ کا نظام قائم کرنا

دوسری بنیادی ذمہ داری زکوٰۃ کا نظام قائم کرنا ہے، کیونکہ زکوٰۃ سے ہی معاشرہ معاشی طور پر مستحکم ہوتا ہے اور معاشرے کے افراد میں باہم دوری کی بجائے باہم محبت پیدا ہوتی ہے۔ زکاۃ کے ذریعے ہی کسی مسلم ریاست کے لوگ اسلامی اخوت کی مضبوط لڑی میں پروئے جاتے ہیں۔ زکوٰۃ کے نظام کے ضمن میں حاکم کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ دیکھے کہ زکوٰۃ کس کس شخص پر فرض ہو رہی ہے؟ اور کب فرض ہو رہی ہے؟ اور پھر ان تمام سے حکومتی سرپرستی میں اپنے عمال کے ذریعے زکوٰۃ کی وصولی یقینی بنائے۔ اور اس بات کا اہتمام کرے کہ زکوٰۃ کا مال غرباء ومساکین اور دیگر مستحقین میں صحیح طرح سے تقسیم کر دیا جائے تاکہ مسلم ریاست کا غریب شہری دن بدن مزید غریب ہونے کی بجائے معاشی طور پر بہتر ہوتا چلا جائے۔ نماز اور زکوٰۃ جیسے ارکانِ اسلام کے ساتھ ملتی جلتی حاکم کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ رمضان کے روزوں کا اپنی رعیت میں اہتمام کروائے اور حجِ بیت اللہ کے ضمن میں شہریوں کو ہر ممکن سہولیات میسر کرے تاکہ شہری بسہولت اس فریضہ ربانی سے سبکدوش ہو سکیں۔

---

[1] – الحج 22: 41

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

مذکورہ بالا آیت میں بیان کردہ حاکم کی بنیادی ذمہ داریوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینے والا ہو، ریاست میں اسکے لیے باقاعدہ محکمات کا قیام کرے۔ خود بھی نیکی کا حکم دے، برائی سے منع کرے۔ اور اپنے وزراء، مشیروں، عمال، ملازمین حتی کہ عوام سمیت سب کی اس حکم پر تربیت کرے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دراصل انبیاء کرام علیہم السلام کا فرض منصبی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالی نے دعوت الی اللہ کا حکم دیکر مبعوث فرمایا تھا۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿اُدْعُ إِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ﴾[1]

اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلا اور ان سے اس طریقے کے ساتھ بحث کر جو سب سے اچھا ہے۔

اور یہ صرف آپ کا ہی فریضہ نہ تھا بلکہ آپ کے تمام متبعین کا بھی یہی وتیرہ طے کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْ أَدْعُوْ إِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ﴾[2]

کہہ دے: یہی میرا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، پوری بصیرت پر، میں بھی اور وہ بھی جنھوں نے میری پیروی کی ہے۔

چونکہ امت میں حکمران کی حیثیت نبی کریم ﷺ کے نائب/خلیفہ اور تمام امت کے وکیل سی ہوتی ہے۔ تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اس حکمران کے حق میں نہ صرف زیادہ لازم ہوتا ہے، بلکہ فرض عین قرار پاتا ہے۔ جبکہ باقی عوام کے حق میں یہ فرض کفایہ کی حیثیت رکھتا ہے۔[3]

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی اسلام کی طرف دعوت کے کئی طریقے ہیں: زبان کے ساتھ، قلم کے ساتھ، مال کے ساتھ، کردار کے ساتھ اور تلوار کے ساتھ، مسلم حاکم پر لازم ہے کہ وہ حسب ضرورت ان تمام طریقوں کو استعمال میں لاتے ہوئے یہ فریضہ سرانجام دے۔ اہل اسلام کے سب سے پہلے حکمران نبی کریم ﷺ نے یہی منہج اپنایا تھا۔ آپ نے دعوت دین کے لیے ہر ممکنہ طریقہ اختیار فرمایا۔ حتی کہ دور دراز رہنے والے مختلف علاقوں کے بادشاہوں اور سرداروں کو آپ نے خطوط لکھ کر اور وفود بھیج کر اللہ کی طرف دعوت دی۔ اور نہ صرف

---

[1] – النحل 16 : 125

[2] – یوسف : 108

[3] – الدميجى، عبد الله بن عمر بن سليمان ، الامامة العظمى عند أهل السنة والجماعة ، دار طيبة للنشر والتوزيع الرياض ، الطبعة الثانية ، 1408هـ، ص : 82

زبانی دعوت دی بلکہ ان کے انکار کی صورت میں انہیں جزیہ کے عوض مسلم ریاست کی سرپرستی میں آنے کی پیشکش کی۔ جزیے سے انکار اور مسلم ریاست کے خلاف جارحیت اور دشمنی پر اصرار کی صورت میں آپ نے ان کے خلاف جنگیں بھی لڑیں، اور آپ ﷺ کے بعد اسی منہج پر چلتے ہوئے آپ کے خلفائے راشدین نے بھی اپنی زندگیاں گزار دیں۔

حدود اللہ کا قیام

اللہ تعالیٰ نے معاشرے میں امن کے قیام کے لیے قصاص، حدود اور تعزیرات کا ایک پورا ڈھانچہ مسلم امت کو عطا فرمایا ہے۔ اگر معاشرے میں قصاص اور حدود اللہ کے قوانین نافذ کر دیے جائیں تو بدامنی کا سرے سے خاتمہ کر دینا کچھ دشوار نہیں رہتا۔ حدود اللہ کا قیام صرف اور صرف حکام کی ذمہ داری ہے، عام شہریوں کی نہیں۔ کیونکہ اگر عام شہری بھی اپنے طور پر حدود قائم کرنے لگیں گے تو ریاست میں فتنے ہی فتنے کھڑے ہو جائیں گے اور داخلی امن برباد ہو کر رہ جائے گا۔ شرعی طور پر مقرر کی گئی سزاؤں کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

حدود: وہ سزائیں جنھیں شارع نے مقرر فرمادیا ہے اور ان سے سرمو انحراف بھی درست نہیں ہے۔ جیسے زنا، چوری، قتل، شراب نوشی اور تہمت وغیرہ کی سزائیں۔

قصاص: کوئی شخص کسی دوسرے مسلم کو عمداً قتل کر دے تو قصاص میں اسے بھی قتل کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر دوسرے مسلم کا کوئی عضو تلف کر دے تو بدلے میں اس کا بھی وہ عضو تلف کر دیا جائے گا۔ بعض اہل علم نے قصاص کو بھی حد میں شمار کیا ہے۔

تعزیرات: تعزیرات سے مراد وہ سزائیں ہیں جو شارع نے پورے پورے طور پر مقرر نہیں فرمائیں، بلکہ انہیں مجرم اور جرم کے حساب سے حاکم کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔ یہ سزا جرم اور مجرم کی کیفیت کے مطابق جسمانی بھی ہو سکتی ہے، مالی بھی۔ قید و بند کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے اور شہر بدری کی صورت میں بھی۔ خلاصہ یہ کہ قاضی جرم، مجرم اور حالات کے مطابق حسب ضرورت تعزیری سزائیں نافذ کر سکتا ہے

ان حدود کا تقرر اللہ تعالیٰ نے صرف اور صرف عمل کے لیے فرمایا ہے۔ اور ان حدود کا قیام ہر مجرم چاہے طاقتور ہو یا کمزور، صاحب حیثیت شخص ہو یا عام شہری، بلاامتیاز سب پر کیا جانا لازم ہے۔ حاکم کے لیے کسی صورت بھی جائز نہیں کہ وہ کسی سفارش، ہدیہ، تحفہ یا کسی دباؤ کی وجہ سے کسی مجرم کو کسی شرعی حد سے مستثنیٰ کر دے۔ نبی کریم ﷺ کا یہ

فرمان کہ ''اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ ضرور کاٹ دیتا''[1] ہر وقت حاکم کے مدِ نظر رہنا چاہیے۔آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"أَقِيمُوا حُدُودَ اللَّهِ فِي الْقَرِيبِ وَالْبَعِيدِ، وَلَا تَأْخُذْكُمْ فِي اللَّهِ لَوْمَةُ لَائِمٍ" [2]

دور اور نزدیک کے سب لوگوں میں اللہ کی حدوں کو قائم کرو۔اور تمہیں اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت رکاوٹ نہ بنے۔

حاکم کی ذمہ داری ہے کہ وہ حدود اللہ کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹ بننے والی ہر سفارش کو نہ صرف سختی کے ساتھ رد کرے بلکہ اس رجحان کی اس طرح حوصلہ شکنی کرے کہ کوئی صاحب منصب اس ضمن میں کبھی سوچ بھی نہ سکے۔کیونکہ حدود اللہ کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹ بننے والی سفارش کرنے والوں کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"مَن حَالت شفَاعَتُهُ دون حَدٍّ من حُدودِ الله، فقد ضادَّ الله "[3]

جس کی سفارش اللہ کی حدوں میں سے کسی حد کے معاملے میں رکاوٹ بنی تو گویا اس نے اللہ تعالی کے ساتھ اس کے معاملے میں ٹکرلی۔

حدود اللہ کے قیام سے معاشرے میں نہ صرف امن بحال ہوتا ہے بلکہ ہر طرف برکتوں کا سماں بندھ جاتا ہے۔جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالی نے واضح فرمادیا ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ﴾[4]

اور اگر وہ واقعی تورات اور انجیل کی پابندی کرتے اور اس کی جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے تو یقیناوہ اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے کھاتے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالی کی حدود کے نفاذ پر نازل ہونے والی برکتوں کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"حَدٌّ يُعْمَلُ بِهِ فِي الْأَرْضِ، خَيْرٌ لِأَهْلِ الْأَرْضِ مِنْ أَنْ يُمْطَرُوا أَرْبَعِينَ صَبَاحًا" [5]

---

[1] – صحيح البخارى ، كتاب الحدود ،باب إقامة الحدود على الشريف والوضيع ،160/8، رقم : 6787 – صحيح مسلم : 1315

[2] – ابن ماجه ، ابو عبد الله محمد بن يزيد القزويني ، سنن ابن ماجه ، المحقق: شعيب الأرنؤوط ، عادل مرشدوآخرون، دار الرسالة العالمية ، الطبعة الاولى، 2009 ء ، أبواب الحدود ، باب إقامة الحدود ،577/3، رقم: 2540

[3] – سنن أبي داود ،كتاب الأقضية ، باب فيمن يعين على خصومة من غير أن يعلم أمرها ،450/5، رقم: 3597

[4] – المائدة 5 : 66

[5] – سنن ابن ماجه، أبواب الحدود ، باب إقامة الحدود ، 576/3، رقم: 2538

زمین میں ایک حد لگانا زمین والوں کے لیے چالیس دن بارش برسنے سے بہتر ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" وهذا لأن المعاصي سبب لنقصان الرزق والخوف من العدو كما يدل عليه الكتاب والسنة فإذا أقيمت الحدود ظهرت طاعة الله ونقصت معصية الله تعالى فحصل الرزق والنصر "[1]

اور یہ اس لیے ہے کہ گناہ رزق کی کمی اور دشمن سے خوف کا باعث ہے۔ جیسا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول سے معلوم ہوتا ہے۔ جب حدود قائم کر دی جائیں گی، اللہ کی اطاعت عام ہو جائے گی اور اس کی نافرمانی کم ہو جائے گی تو اس کے نتیجہ میں رزق بھی وافر ہو جائے گا اور اللہ کی نصرت بھی حاصل ہو جائے گی۔

جہاد فی سبیل اللہ اور سرحدوں کی حفاظت

منکرات کے ضمن میں اس سے بڑا منکر کیا ہو گا کہ مسلم ریاست کی سرحدیں پامال کر دی جائیں۔ اور اس کے ہنستے بستے شہروں کے امن وامان کو تاراج کرنے کی کوششیں کی جائیں۔ اس لیے ایک مسلم حاکم کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی ریاست کی سرحدوں اور علاقوں کی حفاظت یقینی بنائے۔ اس سلسلے میں اپنے گھوڑے، ہتھیار اور لشکر تیار رکھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴾[2]

اور ان کے (مقابلے کے) لیے قوت سے اور گھوڑے باندھنے سے جتنی تیاری کر سکو، کرو، اس کے ساتھ تم اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو اور ان کے علاوہ کچھ دوسروں کو ڈراؤ گے، جنھیں تم نہیں جانتے، اللہ انھیں جانتا ہے اور تم جو چیز بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے وہ تمھاری طرف پوری لوٹائی جائے گی اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اسی بات کو مزید واضح کرتے ہوئے امام سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

" فمن وظائف السلطان تجنيد الجنود، وإقامة فرض الجهاد لإعلاء كلمة الله تعالى؛ فإن

---

[1] – السياسة الشرعية ، ص : 55

[2] – الأنفال8 : 60

الله تعالى لم يولِّه على المسلمين ليكون رئيسًا آكلًا شاربًا مستريحًا- بل لينصر الدين ويُعلِيَ الكلمة- فمن حقِّه ألَّا يدع الكفار يكفرون أنعُم الله ولا يؤمنون بالله ولا برسوله"-[1]

مسلم حاکم کی ذمہ داریوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ لشکروں کو تیار کرے اور اللہ تعالیٰ کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے جہاد کے فریضہ کو قائم کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے مسلمانوں پر حاکم اس لیے نہیں بنایا کہ وہ کھانے پینے اور عیش کرنے والا رئیس و سردار بن کر رہے۔ بلکہ اس لیے اسے حاکم بنایا ہے کہ وہ اللہ کے دین کی مدد کرے۔ اور اللہ کے کلمے کو بلند کرے۔ تو اس کا حق ہے کہ وہ کفار کو یوں نہ ترک کردے کہ وہ اللہ کی نعمتوں کی کفر و شرک کے ساتھ ناشکری کرتے رہیں، اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لائیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ریاست مدینہ کے تحفظ کے لیے لشکر بھی تیار کیے، اسلحہ بھی تیار کیا، خندقیں بھی کھودیں، پیٹ پر پتھر بھی باندھے، سخت گرمی میں تبوک جیسے طویل، دشوار اور مشقت سے بھرپور سفر بھی کیے اور راتوں کو اٹھ اٹھ کر سرحدوں پر پہرے بھی دیے۔ آپ کے اسوہ حسنہ کو سامنے رکھتے ہوئے ایک مسلم حاکم کو یہ کردار بدرجہ اتم نبھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

---

[1] – السبكی ، تاج الدين عبد الوهاب بن تقي الدين ، معيد النعم ومبيد النقم ، مؤسسة الكتب الثقافية، بيروت لبنان، الطبعة الأولى، 1986 ء،ص :21

مبحث دوم: دنیاوی فرائض

ایک مسلم حکمران کی تمام تر ذمہ داریاں دین کی بنیاد پر ہی ہوتی ہیں لیکن سمجھنے کی سہولت کو مد نظر رکھتے ہوئے ان ذمہ داریوں کو، کہ جن کا تعلق حقوق اللہ سے زیادہ حقوق العباد سے ہے، دنیاوی ذمہ داریوں کے ذیل میں بیان کیا جارہا ہے۔

داخلی امن کا قیام

بیرونی دشمن سے مسلم ریاست کی حفاظت کرنا جہاں ایک مسلم حاکم کی ذمہ داری ہے، وہیں ریاست کا داخلی امن برقرار رکھنا اور شہریوں کے جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کرنا بھی حاکم کی ذمہ داری ہے۔ کسی بھی علاقے میں امن کا قیام اللہ تعالی کی نعمتوں میں سے بہت بڑی نعمت ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ آباد کرتے ہوئے اہل مکہ کے لیے جو دعائیں کی تھیں، ان میں پہلی دعا ﴿رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا الۡبَلَدَ اٰمِنًا﴾[1] ہی تھی۔ امن کو برقرار رکھنے کے لیے حاکم کو ہمہ وقت ہوشیار و بیدار رہنا چاہیے۔ کوئی بھی شر پسند جو امن کے لیے خطرہ بن رہا ہو، اس کا فوری علاج کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے جیسے عکل و عرینہ کے لوگوں کو، جنھوں نے آپکے چرواہے کو شہید کیا تھا، فوری گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دی تھی، امن کے قیام کے لیے بالکل عدم برداشت کی وہ ایک شاندار مثال ہے۔

ظلم کا خاتمہ اور عدل کا رواج

اسلام کی تعلیمات میں بنیادی حیثیت رکھنے والا حکم یہ ہے کہ معاشرے میں ظلم کو کسی طرح بھی برداشت نہ کیا جائے اور ہر صورت میں عدل کو ہی لازم پکڑا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ صرف حکام کو ہی عدل کے اہتمام کا حکم نہیں دیا گیا، بلکہ مسلم ریاست کے ہر شہری کو عدل کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡإِحۡسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الۡقُرۡبَىٰ وَيَنۡهَىٰ عَنِ الۡفَحۡشَاءِ وَالۡمُنۡكَرِ وَالۡبَغۡيِ يَعِظُكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُونَ﴾[2]

بے شک اللہ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے اور قرابت والے کو دینے کا، اور بے حیائی، برائی اور سرکشی سے منع کرتا ہے، وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

اسلام ہر اس عمل کا حکم دیتا ہے جس کا عدل تقاضا کرتا ہے اور ہر اس کام سے روکتا ہے جس میں ظلم کا شائبہ تک ہو، حتی کہ بات کرتے وقت بھی انصاف کی بات کہنے کا حکم ہے، بھلے وہ کسی قرابت دار کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ فرمانِ باری تعالی ہے:

﴿وَلَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡيَتِيۡمِ اِلَّا بِالَّتِيۡ هِيَ اَحۡسَنُ حَتّٰى يَبۡلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ

[1] – إبراهيم14 :35

[2] – النحل16 : 90

وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾[1]

اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، مگر اس طریقے سے جو سب سے اچھا ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی پختگی کو پہنچ جائے اور ماپ اور تول انصاف کے ساتھ پورا کرو۔ ہم کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت کے مطابق اور جب بات کرو تو انصاف کرو خواہ رشتہ دار ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ یہ ہے جس کا تاکیدی حکم اس نے تمھیں دیا ہے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

اسلام کا مزاج یہ ہے کہ عدل کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے جو جس سلوک کا حق دار ہے، اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے اور فیصلہ کرتے وقت صرف عدل پر مبنی فیصلہ ہی کیا جائے، حکم ربانی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا﴾[2]

بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو ادا کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو، یقینا اللہ تمھیں یہ بہت ہی اچھی نصیحت کرتا ہے۔ بے شک اللہ ہمیشہ سے سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہمیشہ انصاف پر کاربند دیکھنا چاہتا ہے۔ دنیا کا اگرچہ اصول ہے کہ دشمنی اور محبت میں سب کچھ روا ہے، لیکن اسلام اس کی سختی سے مذمت کرتا ہے اور عداوت و دشمنی کو عدل نہ کرنے کی جائز وجہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ کفار مکہ نے اہل اسلام پر کس قدر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے باوجود ان کے ساتھ عدل کا معاملہ اختیار کرنے کا حکم دیا کیونکہ یہی تقویٰ کا تقاضا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾[3]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر خوب قائم رہنے والے، انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں ہر گز اس بات کا مجرم نہ بنا دے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل

---

[1] – الأنعام6 : 152

[2] – النساء4 : 58

[3] – المائدة5 : 8

کرو، یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔

اللہ تعالی نے اپنے جلیل القدر پیغمبر حضرت داوود علیہ السلام کو زمین میں اقتدار نصیب فرمایا تو انہیں اپنی رعایا کے لوگوں کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم دیا، اور فیصلہ کرتے ہوئے اپنی یا کسی اور کی خواہش کو ترجیح دینے سے واضح طور پر منع کر دیا کہ یہ روش انسان کو اللہ تعالی کے راستے سے دور کر دیتی ہے، نیز واضح کر دیا کہ دورانِ فیصلہ عدل و انصاف کو ترک کر کے خواہشِ نفس کے پیچھے چلنے والے کیلئے سخت عذاب ہے۔ ارشادِ باری تعالی ہے:

﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ﴾[1]

اے داؤد! بے شک ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے، سو تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر اور خواہش کی پیروی نہ کر، ورنہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔ یقیناً وہ لوگ جو اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں، ان کے لیے سخت عذاب ہے، اس لیے کہ وہ حساب کے دن کو بھول گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے عدل کرنے والے حاکم کو ان سات خوش نصیبوں میں شمار فرمایا ہے۔ جنھیں بروز قیامت اللہ تعالی اپنے سایہ مبارکہ میں جگہ نصیب فرمائیں گے جبکہ اسکے علاوہ اور کوئی سایہ نہ ہوگا[2]۔ اور یہ صرف حاکم کا ہی معاملہ نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ نے ان تمام لوگوں کو، جو اپنے فیصلوں میں اور اپنے ماتحت لوگوں میں حتی کہ اپنے گھر والوں میں عدل کرتے ہیں، قیامت کے دن اللہ تعالی کے دائیں جانب نورانی منبروں پر رونق افروز ہونے کی بشارت دی ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللهِ عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ عَنْ يَمِينِ الرَّحْمَنِ عَزَّ وَجَلَّ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا "[3]

انصاف کرنے والے اللہ کے نزدیک، رحمن کے دائیں جانب، نور کے منبروں پر ہوں گے اور اللہ

---

[1] - ص38 : 26

[2] - صحيح البخارى ، كتاب الأذان ، باب من جلس في المسجد ينتظر الصلاة وفضل المساجد ، 133/1، رقم : 660 - صحيح مسلم : 1031

[3] - صحيح مسلم،كتاب الإمارة ، باب فضيلة الإمام العادل وعقوبة الجائر،1458/3 ، رقم :1827

کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے فیصلوں میں، اپنی رعایا اور اہل وعیال میں عدل وانصاف کرتے ہوں گے۔

اسلام نے ظلم کی ہر صورت کو ممنوع قرار دیا اور ظلم کرنے والوں کے لیے مختلف وعیدیں قرآن سنت میں بیان کی ہیں۔ ظلم کسی بھی قوم کی ہلاکت کا بنیادی سبب ہے۔ مثل مشہور ہے کہ کفر کی حکومت چل سکتی ہے مگر ظلم کی نہیں۔ یہ تو ممکن ہے کہ اللہ تعالی ظالم کو کچھ وقت کے لیے مہلت اور ڈھیل دے دے، لیکن ظالم پر کبھی بھی اللہ کی پکڑ نہ آئے، ایسا ممکن نہیں ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" إِنَّ اللَّهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتَّى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ، قَالَ: ثُمَّ قَرَأَ: ﴿وَكَذَٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ﴾"[1]

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے، لیکن آخر کار جب اسے پکڑتا ہے تو ایسا پکڑتا ہے کہ وہ اس سے چھوٹ کر کہیں جا نہیں سکتا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ "اور تیرے رب کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے، جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے، اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والی ہوتی ہیں، بے شک اس کی پکڑ بڑی دردناک، بہت سخت ہے۔[2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" أن العدل نظام كل شيء؛ فإذا أقيم أمر الدنيا بعدل قامت وإن لم يكن لصاحبها في الآخرة من خلاق ومتى لم تقم بعدل لم تقم وإن كان لصاحبها من الإيمان ما يجزى به في الآخرة؛ "[3]

بلاشبہ عدل ہی ہر چیز کو برقرار رکھنے والا ہے۔ جب تک دنیا کے معاملات عدل پر قائم رہتے ہیں چلتے رہتے ہیں بھلے ان کے ذمہ دار کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔ اور جب عدل اٹھ جاتا ہے تو معاملات بھی بگڑ جاتے ہیں۔ چاہے انکے ذمہ دار کا ایمان ایسا ہو کہ آخرت میں کفایت کرتا ہو۔

ظلم کرنے والے شخص بالخصوص ظالم حکمران کے لیے صرف دنیا میں ہی ذلت ورسوائی اور معاملات کی خرابی مقدر نہیں بنتی، بلکہ آخرت میں بھی جہنم کی آگ اسکا مقدر ٹھہرتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

"لَيْسَ مِنْ وَالِي أُمَّةٍ، قَلَّتْ أَوْ كَثُرَتْ، لَا يَعْدِلُ فِيهَا، إِلَّا كَبَّهُ اللهُ عَلَى وَجْهِهِ فِي

---

[1] – صحيح البخارى، كتاب التفسير، باب قوله وكذلك أخذ ربك ...، 74/6، رقم: 4686۔ صحيح مسلم : 2583

[2] – ھود11: 102

[3] – مجموع الفتاوى لابن تيمية، 146/28

النَّارِ"[1]

ہر حکمران جواپنی رعیت میں عدل وانصاف نہ کرتا ہو، رعیت بھلے زیادہ ہو یا کم، اللہ تعالی اسے اس کے چہرے کے بل آگ میں پھینکے گا۔

اور یہ معاملہ اس قدر شدید ہے کہ ہر حکمران خواہ وہ عادل حکمران ہو یا ظالم، بڑا حکمران ہو یا ماتحت گورنر، حتی کہ دس بندوں پر بنایا جانے والا ذمہ دار بھی قیامت کے دن گردن میں طوق پہنا کر اور جکڑ کر اللہ تعالی کے حضور پیش کیا جائے گا۔اور عدل کی صورت کے سوا اس کا چھٹکارا کبھی ممکن نہ ہوگا۔ چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" مَامِنْ أَمِيرِعَشَرَةٍ إِلَّا يُؤْتَى بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَغْلُولًا،لَا يَفُكُّهُ إِلَّا الْعَدْلُ، أَوْ يُوبِقُهُ الْجَوْرُ"[2]

دس آدمیوں پر بھی اگر کوئی امیر ہو تو اسے قیامت کے دن طوق پہنا کر لایا جائے گا، عدل کے سوا کوئی چیز اسے نہیں چھڑوا سکے گی یا پھر اس کا ظلم اسے ہلاک کردے گا۔

عدل کی مثالی صورت یہی ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کو لازم پکڑا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے۔اور کسی پر ظلم کی کوئی صورت باقی نہیں چھوڑی۔ دوسرے لفظوں میں کسی حاکم کی طرف سے اس کی رعایا پر سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ وہ انھیں اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قوانین کے نفاذ سے محروم کرکے اپنے یا اپنی پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قوانین کا پابند بنانے کی کوشش کرے۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَمَن لَّمۡ يَحۡكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ﴾[3]

اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے، تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

اس لیے ہر مسلم حاکم کو چاہیے کہ وہ اپنے علاقہ اور ریاست میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو سامنے رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پورے اخلاص کیساتھ تنفیذ کرنے کی کوشش کرے اور اس کے ساتھ ساتھ ہر ظالم کے ہاتھ کو روک کر ظلم کا راستہ بند کرے اور مظلوم کو اس کا حق ظالم سے واپس دلائے۔ایک صاحب تقوی حاکم کے نزدیک کسی ظالم کی ہیبت، دہشت یا حیثیت کچھ معنی نہیں رکھتی۔ بلکہ مظلوم کی بد دعا اصل حیثیت رکھتی ہے کہ اس کا نشانہ کم ہی خطا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عامل معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو وقتِ رخصت نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

---

[1] – مسند الإمام أحمد بن حنبل، 410/33 ، حديث : 20291

[2] – مسند الإمام أحمد بن حنبل ، 352/15 ، حديث :9573

[3] – المائدة 5: 45

"وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ "[1]

اور مظلوم کی بد دعا سے بچنا کیونکہ اس کے اور اللہ تعالی کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔

فرقہ واریت اور تعصبات کا خاتمہ

ایک مسلم حاکم کی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ اپنی رعیت میں ہر قسم کے تعصبات اور تفرقہ بازی کی حوصلہ شکنی کرے۔ اور اپنی رعیت کو ایمان اور تقویٰ کی بنیاد پر ایک جسم کی طرح متحد ہو کر رہنے کی تربیت دے۔ اللہ تعالی کا حکم ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِھٖٓ اِخْوَانًا﴾[2]

اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو، جب تم دشمن تھے تو اس نے تمھارے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے۔

اس آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ نے فرقہ واریت کو ممنوع قرار دیا۔ کیونکہ باہمی منازعت و منافرت آپس کی محبت کو کھرچ کر دلوں سے نکال دیتی ہے اور محبت کی جگہ کدورت، بغض، حسد، کینہ اور نفرت جیسی بیماریوں کو دلوں میں بھر دیتی ہے۔ جس کا منطقی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دشمن پر امت مسلمہ کا رعب اور ہیبت ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے حکم دیا:

﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾[3]

اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں مت جھگڑو، ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمھاری ہوا چلی جائے گی اور صبر کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

نبی ﷺ نے امت کو ایک کرنے کے لیے ان تمام چیزوں سے منع کر دیا جو باہمی نفرت و کدورت کی بنیاد بن سکتی تھیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« لَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ

---

[1] – صحيح مسلم ، كِتَابُ الْإِيمَان ، باب الدعاء إلى الشهادتين وشرائع الإسلام ،50/1 ، حديث : 19

[2] – آل عمران3 : 103

[3] – الأنفال8 : 46

بَعْضٍ، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ، وَلَا يَحْقِرُهُ التَّقْوَى هَاهُنَا» وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ «بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِرْضُهُ»[1]

تم لوگ ایک دوسرے پر حسد نہ کرو،اور نہ ہی نیلامی میں صرف ریٹ بڑھانے کے لیے ایک دوسرے پر بولی بڑھاو، اور نہ ہی ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ ہی ایک دوسرے سے رو گردانی کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی بیع پر بیع نہ کرے اور اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے ،وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے ، نہ اسے ذلیل کرتا ہے اور نہ ہی اسے حقیر سمجھتا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا : تقوی یہاں ہے۔ کسی آدمی کے برا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان پر پورا پورا احرام ہے،اس کا خون بھی،اس کا مال بھی اور اس کی عزت و آبرو بھی۔

اسلام نے جاہلیت کے تمام امتیازات اور تمام جغرافیائی، لسانی، قومی، قبائلی، نسلی، معاشی اور علاقائی تعصبات کو یکسر مسترد کرتے ہوئے تقوی اور عمل صالح کو سبقت و برتری کا معیار قرار دیا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾[2]

اے لوگو! بے شک ہم نے تمھیں ایک نر اور ایک مادہ سے پیدا کیا اور ہم نے تمھیں قومیں اور قبیلے بنادیا، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، پوری خبر رکھنے والا ہے۔

عہدوں پر صرف اہل لوگوں کو ہی مقرر کرنا

چونکہ حاکم پوری رعیت کا نگران، خیر خواہ اور وکیل ہوتا ہے اس لیے اسے کسی بھی منصب پر تقرری کرتے وقت ذاتی دوستی، دشمنی یا اپنے مفادات اور تعلقات کو بنیاد بنانے کی بجائے صلاحیت و اہلیت اور رعایا کی خیر خواہی کو بنیاد

---

[1] – صحیح مسلم ، کتاب البر والصلة والآداب ،باب تحريم ظلم المسلم وخذله واحتقاره ودمه وعرضه وماله ،1986/4، حديث: 2564

[2] – الحجرات49 : 13

بنانا چاہیے۔اسے ہر وقت ذہن میں یہ بات رکھنی چاہیے کہ یہ اختیار اسکے پاس اللہ تعالی کی طرف سے سونپی گئی امانت ہے،اوراس میں کسی قسم کی خیانت اس کی آخرت کو تباہ کرسکتی ہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالی نے حکم دیا ہے کہ امانتیں ان کے اہل لوگوں کو ہی سپرد کرو اور جب تمہیں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنا ہو تو فیصلہ سو فیصد میرٹ پر کرو، ارشادِ ربانی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا ۝ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾[1]

بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو ادا کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فيجب على ولي الأمر أن يولي على كل عمل من أعمال المسلمين، أصلح من يجده لذلك العمل، قال النبي صلى الله عليه وسلم: «**مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِينَ شَيْئًا، فَوَلَّى رَجُلًا وَهُوَ يَجِدُ مَنْ هُوَ أَصْلَحُ لِلْمُسْلِمِينَ مِنْهُ فَقَدْ خَانَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ**» --- وقال عمر بن الخطاب رضي الله عنه: " من ولي من أمر المسلمين شيئا فولى رجلا لمودة أو قرابة بينهما، فقد خان الله ورسوله والمسلمين " "[2]

تو حاکم پر لازم ہے کہ وہ مسلمانوں کے کاموں میں سے ہر کام پر اس شخص کو ذمہ دار بنائے جو اس کام کے لیے دستیاب لوگوں میں سب سے زیادہ مناسب ہو، نبی ﷺ کا فرمان ہے: جو شخص مسلمانوں کے معاملات میں سے کسی کا نگران بنا، پھر اس نے کسی آدمی کو کسی عہدے پر مقرر کیا جبکہ وہ اس عہدہ کے لیے اس آدمی سے زیادہ موزوں آدمی میسر پاتا تھا، تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کی۔۔۔اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص مسلمانوں کے معاملات میں سے کسی کا نگران بنا، پھر اس نے کسی آدمی کو کسی عہدے پر اپنی محبت یا قرابت داری کی وجہ سے مقرر کیا تو اس نے اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کی خیانت کی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

"اگر حکمران کسی عہدے پر تقرری کرتے ہوئے زیادہ حق دار اور زیادہ مناسب شخص کو چھوڑ کر

---

[1] - النساء4 : 58

[2] - السياسة الشرعية لابن تيمية، ص : 7

رشتہ داری کی بنیاد پر، یا دوستی اور تعلق کی بنیاد پر، یا کسی علاقے میں اکٹھے رہنے یا کسی موقف میں ایک جیسا موقف رکھنے کی بنیاد پر، یا کسی اور قدر مشترک کی بنیاد پر، یا کسی زبان عربی، فارسی، ترکی، رومی وغیرہ کی بنیاد پر، یا کسی رشوت، فائدے یا لالچ کی بنیاد پر، یا زیادہ حقدار سے کسی کینہ یا دشمنی کی بنیاد پر کسی اور شخص کی تقرری کر دیتا ہے تو یقینی طور پر یہ اللہ، اس کے رسول اور ایمان والوں سے خیانت کا ارتکاب کرتا ہے اور اس کا یہ عمل اس آیت کے مصداق ممنوع اور حرام ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾[1] اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو، جبکہ تم جانتے ہو۔"[2]

رعایا کے معاملات کی خود دیکھ بھال کرنا

حاکم کو چاہیے کہ وہ رعایا کے تمام امور کی خود نگرانی کرے، ہر عامل اور وزیر کے معاملات کو وقتاً فوقتاً دیکھتا رہے اور حسب ضرورت ان کا احتساب کرتا رہے۔ نہ وہ اپنے کاروبار اور تجارت وغیرہ میں اتنا مصروف ہو کہ اپنے فرائض منصبی کے لیے بھی وقت نہ نکال سکے اور نہ ہی اپنی عبادات، تسبیحات اور ذکر واذکار میں۔

اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو حکومت واقتدار عطا فرمایا۔ وہ بیک وقت نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی، اس کے علاوہ انھیں اللہ تعالیٰ کی عبادت یعنی تسبیح، ذکر الٰہی، تلاوت، قیام اللیل اور روزوں کا بہت شوق تھا، اس لیے اس کے بغیر چارہ ہی نہ تھا کہ وہ تسبیح وذکر، نبوت کے فرائض اور بادشاہت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے اپنے اوقات تقسیم کریں۔ مزید یہ کہ وہ صرف اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے، جس کے لیے انھیں لوہے کی زرہیں بنانے کا مشکل اور باریک کام کرنا پڑتا تھا۔ اب نبوت، سلطنت، عبادت اور کمائی کے لیے وقت کیسے تقسیم کریں؟ اس کے لیے انھوں نے کچھ اوقات نبوت وسلطنت اور کمائی کے امور کے لیے مقرر فرما دیے اور کچھ وقت عبادت کے لیے خاص کر لیا، جس میں وہ اپنے محراب (عبادت خانے) سے نہیں نکلتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی تربیت کے لیے چاہا کہ انہیں اس بات کا پتا چل جائے کہ جب وہ عبادت کے لیے خلوت اختیار کرتے ہیں اس وقت بھی معاشرہ میں ایک دوسرے پر ایسے ظلم واقع ہوتے ہیں جن کے لیے داؤد علیہ السلام کے عدل کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دو جھگڑنے والوں کے لیے یہ آسانی پیدا فرمائی کہ دروازے بند ہونے اور پہرے داروں کی موجودگی کے باوجود وہ دیوار پھاند کر ان کے عبادت خانے میں داخل ہو گئے اور ان میں سے

---

[1] – الأنفال 8 : 27

[2] – السياسة الشرعية ، ص : 8

ایک نے اپنے پر ہونے والا ظلم بیان کیا جو اس کے بھائی نے اس پر کیا تھا۔ داؤد علیہ السلام ان کے اس طرح آنے پر پہلے گھبرائے، مگر جب حقیقت حال معلوم ہوئی تو نہ ان سے ناراض ہوئے اور نہ انھیں پھر آنے کی تاریخ دی، بلکہ ان کا مقدمہ سن کر فوراً فیصلہ فرما دیا۔ ساتھ ہی سمجھ گئے کہ عبادت والے دن بھی لوگوں کے درمیان جھگڑے اور ایک دوسرے پر ظلم ہوتے ہیں، مگر ان کے عبادت میں مصروف ہونے کی وجہ سے مظلوم ان کے پاس فریاد لے کر نہیں پہنچ سکتے، حالانکہ لوگوں کے درمیان صلح اور مظلوم کی مدد عبادت خانے کی خلوت سے افضل ہے اور انھیں یقین ہو گیا کہ ان لوگوں کے اس طرح آنے سے اللہ تعالیٰ نے میری آزمائش کی ہے کہ میں یہ بات سمجھتا ہوں یا نہیں کہ عبادت میں ایسی مصروفیت نہیں ہونی چاہیے کہ مظلوم کو عدالت تک رسائی نہ ہو سکے۔ اس لیے انھوں نے اپنی اس کوتاہی پر اپنے رب سے معافی مانگی اور اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے سجدے میں گر گئے، تو اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف کر دیا۔[1] اور ساتھ ہی انھیں حکم دیا۔

﴿يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ﴾[2]

اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہذا تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکومت کر اور خواہش نفس کی پیروی نہ کر کہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو خود ہی امور سلطنت انجام دینے کا حکم دیا ہے اور خواہشات نفسانی کے اتباع سے منع فرمایا ہے، نیز رعیت کے حقوق اور حکومت کے فرائض کی انجام دہی کی جانب متوجہ فرمایا ہے۔ اسی سلسلے میں نبی کریم ﷺ کا بھی ارشاد ہے۔ "تم میں سے ہر شخص چرواہا/ نگران ہے۔ اور ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہے"۔ اسی طرح ہمارے پیارے نبی ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَن بَعْضِ مَا أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ﴾۔[3]

آپ ان کے معاملات میں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی فیصلہ کیجئے، ان کی خواہشوں کی تابعداری نہ کیجئے اور ان سے ہوشیار رہیے کہ کہیں یہ آپ کو اللہ کے اتارے ہوئے کسی حکم سے شاذ ادھر ادھر نہ کریں۔

---

[1]۔ بھٹوی، حافظ عبدالسلام بن محمد، تفسیر القرآن الکریم، دارالاندلس لاہور، جولائی 2013، ص:26،3/825-826

[2]۔ ص 26:38

[3] - المائدۃ 5 : 49

قابل غور مقام ہے کہ جب اتنی جلیل القدر معصوم ہستیوں کو نبی ہونے کے باوجود حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ امور سلطنت وحکمرانی میں خود اپنے آپ کو مشغول کریں،امور سلطنت چلانے کے لیے اوروں پر تکیہ نہ کریں اور نہ ہی ان کی خواہشات کو پورا کرنے کی کوشش کریں،تو ایک عام حکمران کو تو بدرجہ اتم اس چیز کا خیال کرنا چاہیے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بذات خود لوگوں کے مسائل سنتے تھے۔اس میں کوئی وقت ، بے وقت کی تمیز نہیں تھی اور نہ ہی کوئی مخصوص پروٹوکولز تھے ، بس جس کو جب اور جس وقت بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوا، وہ آپ کی خدمت میں پہنچا اور اسی وقت آپ کے ہاں اسے شرف باریابی نصیب ہو گیا۔آپ ﷺ کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مزاج ،انداز اور معمول رہا۔عمر فاروق رضی اللہ عنہ تو اس پر مستزاد ،رات کو اٹھ کر خود گشت بھی کرتے تھے۔چونکہ ریاست کا رقبہ دعوت وجہاد کی برکت سے دن بدن بڑھتا چلا جا رہا تھا اور سب لوگوں تک آپ کی ہمہ وقت براہ راست رسائی ممکن نہ رہی تھی تو اس کا مداوا کرنے کے لیے آپ حج کے موقع پر اپنے سارے عمال کو جمع کرتے ، سر عام کھلی کچہری کا سماں باندھتے ، لوگوں سے ان کے عمال کی شکایتیں سنتے اور انہیں بر موقع حل فرماتے۔ابن الجوزی رحمہ اللہ نے معروف تابعی حسن بصری رحمہ اللہ کے حوالہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل فرمایا ہے کہ انھوں نے عزم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

> ”اگر میں زندہ رہا تو ایک پورا سال اپنی رعایا کا چکر لگا کر بذات خود ان کے مسائل سنوں گا، کیونکہ ان کی مجھ تک براہ راست رسائی نہیں ہے۔جبکہ ان کے گورنر مجھ تک ان کے مسائل پوری طرح پہنچاتے نہیں ہیں۔فرمانے لگے : میں شام جاؤں گا اور دو مہینے وہاں ٹھہروں گا، پھر مصر، پھر بحرین، پھر کوفہ اور پھر بصرہ۔اس ترتیب کے ساتھ ان تمام علاقوں میں دو دو مہینے رک کر لوگوں کے مسائل براہ راست دیکھوں اور سنوں گا۔پھر ان کے حل کی راہ تجویز کروں گا۔“[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہی امام بیہقی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے لوگوں سے پوچھا:

> ”تمہارا کیا خیال ہے ، اگر میں تم پر اپنے علم کے مطابق سب سے بہترین شخص کو عامل مقرر کروں، پھر اسے عدل و انصاف کرنے کا حکم دوں تو کیا میں نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی ہے ؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں ، فرمایا: نہیں، میری ذمہ داری تب تک ادا نہیں ہو گی جب تک میں اسکے معاملات کا احتسابی جائزہ نہ لے لوں کہ آیا اس نے میری نصیحت کے مطابق عمل بھی کیا ہے یا

---

[1] – ابن الجوزی ، الإمام الحافظ أبي الفرج عبدالرحمن بن علی ، مناقب أمير المؤمنين عمر بن الخطاب ، المحقق/ أ.د. عامر حسن صبري التميمی، المجلس الاعلی للشئون الاسلامية بحرين ، الطبعة الاولی ، 2013 ء ، ص : 427

نہیں؟‘‘[1]

حاکم کے لیے یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے لیے اتنے دربان مقرر کرلے یا اتنے زیادہ حصار قائم کرلے کہ اس تک رسائی مشکل یا ناممکن ہو جائے۔ اگر اس نے اپنے دربانوں اور نظاموں کے ذریعے اپنی رعایا سے اس طرح دوری اختیار کرلی اور ان سے کٹ کر رہ گیا تو رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث مبارکہ اسکی تنبیہ کے لیے کافی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَن وَلاَّهُ الله شيئاً من أمرِ المسلمين فاحتجب دون حاجتهم وخَلَّتِهم وفَقْرِهم احتجبَ اللهُ عنه دونَ حاجته وخَلَّتِه وفقرِه"[2]

اللہ تعالیٰ جس شخص کو مسلمانوں کے معاملات میں سے کسی معاملہ کا نگران بنائے اور پھر وہ ان کی ضرورت، مشکل وقت اور محتاجی میں ان سے حجاب میں رہنے کی وجہ سے ان کے کام نہ آئے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضرورت، مشکل وقت اور محتاجی میں اس کی مدد نہیں فرمائے گا۔

اس لیے ایک مسلم حاکم کو چاہیئے کہ وہ ضرور اس طرح کا نظام وضع کرے کہ رعایا میں سے جو شخص بھی اس تک رسائی حاصل کرنا چاہے، اسے کوئی شکایت پہنچانا چاہے، کوئی مشورہ دینا چاہے یا کوئی نصیحت کرنا چاہے تو اس کے لیے ایسا کرنا بآسانی ممکن ہو۔ موجودہ ٹیکنالوجی کے دور میں تو یہ امر ذرہ برابر بھی مشکل نہیں ہے۔

---

[1] – البيهقي ، أبو بكر أحمد بن الحسين الخراساني ، السنن الكبرى ، المحقق: محمد عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الثالثة، 2003 ء، جِمَاعُ أَبْوَابِ الرُّعَاةِ ، بَابُ فَضْلِ الْإِمَامِ الْعَادِلِ ، 282/8 ، حديث: 16655

[2] – سنن أبي داود ، كتاب الخراج والفيء والإمارة ، باب فيما يلزم الإمامَ من أمر الرعية ،570/4، حديث : 2948

فصلِ چہارم: مسلم حکمران کے حقوق

مبحث اول: حکم سننااوراس کی اطاعت کرنا
مبحث دوم: حکمرانوں کے ظلم پر صبر کرنا
مبحث سوم: حکمران کی عزت وتکریم کرنا
مبحث چہارم: حکمران پر طعن وتشنیع اور گالی گلوچ سے گریز کرنا
مبحث پنجم: حکمرانوں کی خیر خواہی کرنا
مبحث ششم: حکام کے لیے دعا کرنا

فصل چہارم: مسلم حکمران کے حقوق

گذشتہ فصل میں بیان کیا جا چکا ہے کہ حکمران پر رعیت کے کس قدر زیادہ حقوق واجب ہیں، اور اگر وہ ان حقوق کے ادا کرنے میں کسی قسم کے تغافل و تجاہل کا مظاہرہ کرتا ہے تو اس پر کس قدر سخت وعیدیں قرآن و سنت میں وارد ہیں۔ چونکہ اسلام اپنے تمام معاملات میں عدل و انصاف کا علمبردار رہا ہے، اس لیے جس طرح ایک حکمران پر رعیت کے حقوق واجب ہیں، بالکل اسی طرح رعیت پر بھی حکمران کے بہت سے حقوق واجب ہیں، جن کا خیال رکھنا اور انہیں پورا کرنا اللہ تعالی نے رعایا پر لازم قرار دیا ہے۔ کیونکہ جب تک حاکم اور رعایا کے درمیان مثالی محبت و مودت، احترام و شفقت اور باہم تعاون کی فضا پیدا نہ ہو تب تک ملک اور ریاستیں کبھی بھی ترقی نہیں کر سکتے اور نہ ہی معاشرے پر امن مثالی معاشرے کا درجہ حاصل کر سکتے ہیں۔ ایک مثالی معاشرہ تبھی وجود میں آسکتا ہے جب حکمران اسلامی تعلیمات کے مطابق رعایا کے حقوق پوری محنت، توجہ اور دیانت داری سے ادا کریں گے اور رعایا اپنے حکمران کے حقوق پوری محنت، توجہ اور دیانت داری سے ادا کرنے کی کوشش کرے گی۔

اسلام کی نظر میں حکمرانوں کے رعیت پر حقوق کی حیثیت و اہمیت کا اس امر سے باآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سلف صالحین نے اسے باقاعدہ طور پر عقائد کی کتابوں میں ذکر کیا ہے، اور واضح کیا ہے کہ اہل سنت والجماعت کا اس بارہ میں وہی عقیدہ اور مذہب ہے جو کتاب و سنت سے مستفاد ہے۔ کہ تنگی ہو یا ترشی، آسانی ہو یا مشکل، دل خوش ہو یا خفا، بہر صورت مسلم حکام کی اطاعت کی جائے گی، لیکن اگر حاکم اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا حکم دے تو پھر اسکی بات سننا یا ماننا درست نہیں ہو گا، کیونکہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہوتی۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ نافرمانی کا حکم دینے کی صورت میں حاکم کی اطاعت واجب نہ ہونے کا قطعی طور پر یہ مطلب نہیں کہ اس کی کسی معاملہ میں بھی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حاکم اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی پر مشتمل جو حکم جاری کر رہا ہے، اس خاص حکم کے پورا کرنے میں اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ لیکن اس کے علاوہ شریعت کے عدم مخالف جو احکام بھی حاکم جاری کرے گا، ان تمام احکامات میں اس کی اطاعت بدستور فرض رہے گی۔[1]

اہل سنت والجماعت کا یہ موقف ہے کہ حکمرانوں کی ہمیشہ خیر خواہی کی جائے گی، ان کے حق میں دعائیں جاری رکھی جائیں گی، حق اور نیکی پر لازماً ان کی مدد اور تعاون کیا جائے گا، ان کی اطاعت سے کبھی ہاتھ نہیں کھینچا جائے گا

---

[1]۔ دیکھیے: ابن سبیل ، الشیخ محمد بن عبداللہ ، الأدلة الشرعية في بيان حق الراعي والرعية ، تخريج : خالد بن قاسم الردادى ، دارالسلف للنشر والتوزيع الرياض ، الطبعة الاولى ۔1995ء، ص : 33

اور نہ ہی ان کے خلاف کسی قسم کی بغاوت اور خروج کا حصہ بنا جائے گا۔ چاہے وہ نیکی کریں یا گناہ، ظلم کریں یا عدل، بشر طیکہ وہ دائرہ اسلام سے صراحتا خروج نہ اختیار کرلیں۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک مسلم حاکم، جو ظالم ہو، کے ظلم و ستم پر بھی اس کے خلاف خروج و بغاوت کا انتہائی اقدام شرعا درست نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ نیز بغاوت و خروج کی صورت میں امت کے حق میں نقصان کا تناسب فوائد کی نسبت ہمیشہ زیادہ ہوتا ہے۔ صرف ایک صورت میں خروج و بغاوت کا انتہائی قدم اٹھانے کی اجازت ہے کہ حاکم وقت واضح طور پر کفر یعنی کفر بواح کا ارتکاب کریں۔

اسی طرح اہل سنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ حکام کے حقوق میں سے ہے کہ ان کی تعظیم و توقیر کی جائے، ان کی بے عزتی اور توہین سے اعراض کیا جائے، ان کے خلاف بد دعاؤں سے پرہیز کیا جائے، ان کی ہمیشہ خیر خواہی کی جائے اور ان کی بد عملیوں اور مظالم کی وجہ سے ان کے خلاف کسی قسم کی سازشوں کا حصہ بننے کی بجائے ان کی اور رعایا کی حتی الامکان اصلاح کی کوشش کی جائے کیونکہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں انکی ہیبت ختم ہو جائے گی، جس سے مسلم ریاست کے استحکام کو نقصان پہنچنے کا حقیقی خطرہ جنم لے گا، نیز ان کے اور رعایا کے درمیان کینہ، بغض، عداوت اور دشمنی کا نہ ختم ہونے والا ناسور پیدا ہو جائے گا جس کا نقصان مسلم ریاست اور مسلم امت کو بلا تفریق برداشت کرنا پڑے گا۔

رعایا کے حاکم پر حقوق کی طرح مسلم حکمران کے بھی اپنی رعایا پر بے شمار حقوق ہیں، آٹھویں صدی ہجری کے معروف عالم قاضی ابن الجماعہ رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز کتاب "تحریر الاحکام فی تدبیر أهل الاسلام" میں رعایا پر مسلم حکمران کے مندرجہ ذیل دس حقوق بیان کیے ہیں۔[1]

1. ظاہری و باطنی دو صورتوں میں حاکم کی اطاعت کرنا۔
2. پوشیدہ و علانیہ ہر صورت حاکم کی خیر خواہی کرنا۔
3. ظاہری و باطنی دونوں صورتوں میں حاکم کی مدد کرنا۔
4. حاکم کی تعظیم تکریم اور توقیر کا خیال کرنا۔
5. حاکم کی غلطی یا غفلت کے وقت اس کی اصلاح کرنا
6. دشمن اور حاسد کے شر سے اس کو بچانا۔
7. اس کے ماتحت عمال اور ذمہ داران کے کردار کے متعلق اسے آگاہ کرنا۔

---

[1] - تحرير الأحكام في تدبير أهل الإسلام ، ص :61 - 64

8. امت کی ذمہ داریوں کو نبھانے میں حتی الامکان اس کی مدد کرنا۔

9. لوگوں کے دلوں سے اس کی نفرت نکال کر اس کی جگہ محبت پیدا کرنا۔

10. قول، فعل، مال، جان اور اہل کے ساتھ پوشیدہ و علانیہ بہر صورت اس کا دفاع کرنا۔

اس فصل میں حکمران کے جو حقوق رعایا پر واجب ہیں، ان کا کتاب و سنت اور سلف صالحین کے آثار و اقوال کی روشنی میں جائزہ پیش کیا جائے گا۔

مبحث اول: حکم سننا اور اس کی اطاعت کرنا

رعیت پر لازم، حکام کے حقوق میں سب سے اہم اور بڑا حق یہ ہے کہ ان کی بات سنی جائے اور مانی جائے اس شرط پر کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی پر مشتمل نہ ہو۔ کیونکہ سمع وطاعت کے بغیر معاشروں اور ریاستوں کا نظام درست طریقے سے چلتے رہنا ممکن نہیں ہے۔ جیسا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

" إنه لا إسلام إلا بجماعة ولا جماعة إلا بإمارة ولا إمارة إلا بطاعة "[1]

جماعت کے بغیر اسلام نہیں ہے۔ اور حاکم وامیر کے بغیر جماعت نہیں ہے۔ اور اطاعت کے بغیر حکومت وامارت نہیں ہے۔

یہاں پر اس بات کا ذہن میں رکھنا بہت ضروری ہے کہ نیکی کی نیت کے ساتھ حکمران کی اطاعت، بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی پر مشتمل نہ ہو، حقیقت میں عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔ کیونکہ ان کی اطاعت دراصل اللہ اور اس کے رسول کی ہی اطاعت ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:[2]

" وطاعة ولاة الأمور واجبة لأمر الله بطاعتهم فمن أطاع الله ورسوله بطاعة ولاة الأمر لله فأجره على الله. ومن كان لا يطيعهم إلا لما يأخذه من الولاية والمال فإن أعطوه أطاعهم؛ وإن منعوه عصاهم: فما له في الآخرة من خلاق. "

حکام کی اطاعت فرض ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اطاعت کا حکم دیا ہے تو جس شخص نے حکام کی اطاعت کے ذریعے اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کی تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے، اور جو شخص ان کی اطاعت صرف اس لیے کرتا ہے کہ وہ ان سے کوئی عہدہ یا مال حاصل کر لے، پھر اگر وہ اسے مطلوبہ چیز دے دیں تو وہ ان کی اطاعت کر لیتا ہے اور اگر نہ دیں تو ان کی نافرمانی کرتا ہے، ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے

معروف کے کاموں میں مسلم حکام کی بات کو سننا اور ماننا اہل سنت والجماعت کے نزدیک بالاجماع واجب ہے۔ اور یہ ان اصولوں میں سے ایک ہے جن کی بنیاد پر وہ اہل بدعت سے ممتاز ہیں۔[3] اس کے قرآن وسنت میں بہت سے دلائل

---

[1] - ابن عبد البر ، ابو عمر يوسف بن عبد الله النمري القرطبي ، جامع بيان العلم وفضله ، تحقيق: أبي الأشبال الزهيري، دار ابن الجوزي، المملكة العربية السعودية ، الطبعة الأولى، 1994 ء ، 263/1

[2] - مجموع الفتاوى ، 35/16-17

[3] - ابن برجس ، د۔ عبد السلام بن برجس العبد الكريم ، معاملة الحكام فى ضوء الكتاب والسنة، مكتبة الرشد،الرياض ، الطبعة السابعة ، 2006 ء ، ص : 83 ۔

موجود ہیں۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللَّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلاً﴾[1]

اے ایمان والو! اللہ کی فرمانبرداری کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور ان لوگوں کی بھی جو تم میں سے حاکم ہوں، پھر اگر تم باہم کسی چیز میں جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہو، یہی بات سب سے اچھی اور انجام کے لحاظ سے بہت بہتر ہے۔

اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، علامہ طیبی رحمہ اللہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

"اس آیت میں ﴿أَطِيعُواْ اللَّهَ﴾ کے بعد ﴿وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ﴾ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مستقل بالطاعہ ہے۔ لیکن ﴿أَطِيعُواْ﴾ کے امر کا اولوالامر کے ضمن میں اعادہ نہیں کیا گیا۔اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اولوالامر میں ایسے حکام بھی ہوں گے کہ جن کی اطاعت واجب نہیں ہو گی۔پھر اس بات کو ﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ﴾ کہہ کر واضح کر دیا گیا کہ اگر وہ حق پر عمل پیرا نہ ہوں تو انکی اطاعت نہ کرو، اور جس معاملے میں تمہارا باہمی اختلاف ہو گیا ہے اسے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف پلٹا دو"[2]

اس آیت میں اولوالامر سے کون مراد ہیں؟ اس ضمن میں کچھ علماء کا کہنا ہے کہ اولوالامر سے علماء اور امراء وحکام دونوں مراد ہیں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اس موقف کے حاملین میں سرفہرست ہیں[3]، جبکہ سیاق وسباق کو مدنظر رکھتے ہوئے

العجمی ، د۔ دغش بن شبیب ، هيبة ولى الامر واجب شرعى و ضرورة دنيوية ، دارالخزانة ،دولة الكويت ، الطبعة الاولى ،2017ء ، ص: 45-46

[1]– النساء4 :59

[2] – ابن حجر ، أبو الفضل أحمد بن علي العسقلاني الشافعي ، فتح الباري شرح صحيح البخارى ، تصحيح: محب الدين الخطيب ، تعليقات: عبد العزيز بن عبد الله بن باز ، دار المعرفة– بيروت، 1379 هـ، 112/13

[3] – ابن تيمية، تقي الدين ابو العباس احمد بن عبد الحليم الحراني الحنبلى الدمشقى ، الاستقامة ، المحقق: د. محمد رشاد سالم ، الناشر: جامعة الإمام محمد بن سعود ، المدينة المنورة ، الطبعة الأولى، 1403 هـ، 295/2

راجح بات یہی سمجھ آتی ہے کہ یہاں اولوالامر سے حکام مراد ہیں۔امام بخاری اور امام طبری رحمہااللہ کا یہی موقف ہے[1]۔اسی طرح امت کے اکثر علماء اور جمہور فقہاء و مفسرین کا بھی یہی موقف ہے[2]۔

امراء و حکام کی اطاعت کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث بہت زیادہ ہیں۔ آپ ﷺ نے ولاۃ الامور یعنی حکام کی اطاعت کرنے پر امت کو بہت تاکید فرمائی ہے۔حکام کی اطاعت کے واجب ہونے کے حوالہ سے آپ کی احادیث بہت سارے اہل علم کے ہاں تواتر کے درجہ کو پہنچتی ہیں[3]۔آپ ﷺ کی جملہ احادیث کا خلاصہ یہی ہے کہ مسلم حاکم کی اطاعت فرض ہے بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا حکم نہ دے۔اس کی اطاعت کا فرض ہونا کفر بواح کے ظہور کے بغیر ساقط نہیں ہوتا، چاہے وہ ظلم کرے، ستم کرے، کمین ذات اور بے ڈھنگی شکل صورت والا کالا حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، دل اس کی اطاعت کرنا چاہتا ہو یا نہ چاہتا ہو، حاکم دوسروں کو ظلماً ترجیح ہی کیوں نہ دے رہا ہو، اپنی ذاتی زندگی میں فاسق و فاجر ہی کیوں نہ ہو لیکن پھر بھی جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا حکم نہ دے، اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے گی اور اس کے خلاف کسی بھی قسم کی بغاوت یا خروج کی تحریک کھڑی نہیں کی جائے گی۔اس ضمن میں اگرچہ بہت ساری احادیث آپ ﷺ سے مروی ہیں، لیکن میں چند ایک ذکر کر کے بات آگے بڑھاوں گا۔

نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق حاکم کی اطاعت کرنا پسند ناپسند ہر دو صورت میں تب تک فرض ہے، جب تک حاکم اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کا حکم نہیں دیتا۔چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«**السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى المَرْءِ المُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ، مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلاَ سَمْعَ وَلاَ طَاعَةَ**»[4]

سننا اور اطاعت کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے چاہے وہ پسند کرے یا ناپسند، جب تک اسے کسی نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے، پس جب اسے نافرمانی کا حکم دیا جائے تو پھر نہ سننا ہے اور نہ ہی اطاعت کرنا۔

اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ کسی شخص کے لیے کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی کہ وہ اپنے

---

[1] – فتح الباري شرح صحيح البخارى ، 111/13

[2] – تفصیلی دلائل کیلئے دیکھئے: الظفيرى ، خالد ضحوى فدان ، ضوابط معاملة الحاكم عند اهل السنة والجماعة واثرها على الامة ،وزارة التعليم العالى، الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة ، الطبعة الاولى -2009ء ، 145/1

[3] –دیکھیے: ضوابط معاملة الحاكم عند اهل السنة والجماعة واثرها على الامة ، 153/1

[4] – صحيح البخارى، كتاب الأحكام ،باب السمع والطاعة للامام ما لم تكن معصية ، 61/9 ،حديث : 7144 _ صحيح مسلم : 1839

حسب نسب، رنگ، قبیلے یا خاندان کی بنیاد پر اکڑتے ہوئے مسلم حکمران کی نافرمانی کرے۔ حاکم کی شکل وصورت انتہائی بھدی کیوں نہ ہو، وہ دیکھنے میں منقے کے سر والا کیوں نہ لگتا ہو، ذات برادری پنج ہونا تو دور کی بات، وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، اس کی فرمانبرداری اور طاعت کرنا تمام مسلمانوں پر شرعی فرض ہے۔ جیسا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا، وَإِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ، كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ»[1]

حاکم کی بات سنو اور اطاعت کرو، اگرچہ تم پر ایسا حبشی غلام عامل بنا دیا جائے گویا کہ اس کا سر منقے جیسا ہے۔

اطاعت کا حکم صرف مرضی کے احکام کو ماننے پر موقوف نہیں اور نہ ہی آسانی کے معاملات پر منحصر ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے کہ مشکل، آسانی، خوشی، ناخوشی، حتی کہ حکمران کی طرف سے زیادتی کا بھی سامنا ہو تو پھر بھی بہر صورت حاکم کی اطاعت کی جائے گی۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو ہر حالت میں حکمران کی اطاعت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ:

«عَلَيْكَ السَّمْعَ وَالطَّاعَةَ فِي عُسْرِكَ وَيُسْرِكَ، وَمَنْشَطِكَ وَمَكْرَهِكَ، وَأَثَرَةٍ عَلَيْكَ» [2]

تم پر {امیر کا حکم} سننا اور ماننا لازم ہے، اپنی آسانی میں بھی اور مشقت میں بھی، دل کی خوشی یا ناخوشی دونوں صورتوں میں، اور تب بھی جب تمہیں چھوڑ کر کسی اور کو ترجیح دی جا رہی ہو۔

اگر کوئی شخص خود تو نیک ہو، ایمان و تقویٰ کے اعلیٰ معیار پر فائز ہو جبکہ حکمران اس قدر فاسق و فاجر ہو کہ نہ تو قرآن مجید کی پرواہ کرے اور نہ ہی سنت نبوی پر عمل پیرا ہو۔ اس قدر گندا اور نافرمان ہو کہ گویا انسانی لبادے میں کوئی شیطان کھڑا ہے اور وہ اس نیک آدمی کو ظلم کرتے ہوئے بدنی اذیت بھی دے اور مالی زیادتی بھی کرے تو اس سب کے باوجود ان شیطانی دلوں کے حامل، فاسق و فاجر حکام کی بھی اطاعت کی جائے گی۔ جیسا کہ سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«يَكُونُ بَعْدِي أَئِمَّةٌ لَا يَهْتَدُونَ بِهُدَايَ، وَلَا يَسْتَنُّونَ بِسُنَّتِي، وَسَيَقُومُ فِيهِمْ رِجَالٌ قُلُوبُهُمْ قُلُوبُ الشَّيَاطِينِ فِي جُثْمَانِ إِنْسٍ»، قَالَ: قُلْتُ: كَيْفَ أَصْنَعُ يَا رَسُولَ اللهِ، إِنْ أَدْرَكْتُ ذَلِكَ؟ قَالَ: «تَسْمَعُ وَتُطِيعُ لِلْأَمِيرِ، وَإِنْ ضُرِبَ ظَهْرُكَ، وَأُخِذَ مَالُكَ،

---

[1] – صحيح البخارى ، كتاب الأحكام ، باب السمع والطاعة للامام ما لم تكن معصية ،61/9 ، حديث: 7142

[2] – صحيح مسلم ، كتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية وتحريمها في المعصية، 1467/3، حديث: 1836

فَاسْمَعْ وَأَطِعْ»[1]

میرے بعد ایسے حاکم آئیں گے کہ جو میری راہ پر نہیں چلیں گے اور نہ ہی میری سنت پر عمل پیرا ہوں گے۔اور ان میں ایسے لوگ بھی ہوں گے کہ جن کے بدن توانسانوں کے ہوں گے لیکن دل شیطانوں کے ہوں گے۔میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر میں اس زمانے کو پالوں تو میں ایسی صورت میں کیا کروں ؟آپ ﷺ نے جواب دیا: تو حاکم کی بات سننااور اسکی اطاعت کرنا اگرچہ تیری پیٹھ پر مار ماری جائے اور تیرا مال ضبط کر لیا جائے، پھر بھی تو اس کی بات سننااور اس کی اطاعت کرنا۔

نبوی تعلیمات کے مطابق رعایاکے حقوق غصب کرنے والے حاکم کی بھی بغاوت اختیار کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اس کی بھی اطاعت ہی کی جائے گی۔سیدنا وائل الحضرمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا سلمہ بن یزید جعفی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، فرمانے لگے:

" يَا نَبِيَّ اللهِ، أَرَأَيْتَ إِنْ قَامَتْ عَلَيْنَا أُمَرَاءُ يَسْأَلُونَا حَقَّهُمْ وَيَمْنَعُونَا حَقَّنَا، فَمَا تَأْمُرُنَا؟ --- فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:: «اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا، فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوا، وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ»[2]

اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر ایسے حاکم ہم پر مسلط ہو جائیں کہ جو ہم سے اپنا حق مانگیں، اور ہمارا حق غصب کر لیں تو ایسی صورت حال میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟---تو نبی ﷺ نے فرمایا: ان کی بات سنو اور اطاعت کرو، کیونکہ جو کام وہ کریں گے اس کی ذمہ داری ان پر ہے اور جو تم کرو گے اس کی ذمہ داری تمہارے سر ہے۔

اسلام کسی صورت بھی کسی صاحب امر سے اختیار چھیننے اور اقتدار کی خاطر رسہ کشی کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔صرف اور صرف ایک صورت ہے کہ جب حکمران کھلم کھلا اللہ تعالی کی بغاوت اور کفر بواح کا رتکاب کرنے لگے کہ جس میں کسی شک وشبہ یا تاویل کی گنجائش ہی نہ رہ جائے تو پھر اجازت ہے۔چنانچہ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

« بَايَعَنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، فِي مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا، وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا وَأَثَرَةً عَلَيْنَا، وَأَنْ لاَ نُنَازِعَ الأَمْرَ أَهْلَهُ، إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا، عِنْدَكُمْ مِنَ اللَّهِ فِيهِ بُرْهَانٌ»[3]

---

[1] – صحيح مسلم ، كتاب الإمارة، باب الأمر بلزوم الجماعة عند ظهور الفتن - - - ، 1476/3، حديث: 1847

[2] – صحيح مسلم ، كتاب الإمارة، باب في طاعة الأمراء وإن منعوا الحقوق ، 1474/3– 1475، حديث: 1846

[3] – صحيح البخارى ، كتاب الفتن ، باب قول النبي ﷺ: «سترون بعدي أمورا تنكرونها» ،47/9 ، حديث : 7056 – صحيح مسلم : 1709

ہم نے رسول اللہ ﷺ کی اس بات پر بیعت کی کہ اپنی خوشی، ناخوشی اور تنگی و آسانی میں { حاکم و امیر کی } بات سنیں گے اور مانیں گے، اور اس صورت میں بھی کہ ہم پر کسی اور کو ترجیح دی جائے، اور اس بات پر بھی کہ ہم کسی صاحب امر سے اختیار کی چھینا جھپٹی نہیں کریں گے { آپ ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا} مگر اس صورت میں کہ تم ایسا واضح کفر دیکھو کہ اس کے بارے میں تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل ہو۔

بدترین حکمران کے خلاف بھی، جب تک وہ نماز قائم کرتے رہیں، مسلح خروج اور بغاوت برپا کرنے کی آپ ﷺ نے اجازت نہیں دی۔ چنانچہ سیدنا عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ، وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ، وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ، وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ»، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ؟ فَقَالَ: «لَا، مَا أَقَامُوا فِيكُمُ الصَّلَاةَ، وَإِذَا رَأَيْتُمْ مِنْ وُلَاتِكُمْ شَيْئًا تَكْرَهُونَهُ، فَاكْرَهُوا عَمَلَهُ، وَلَا تَنْزِعُوا يَدًا مِنْ طَاعَةٍ»[1]

تمہارے حاکموں میں سے بہترین وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتے ہیں اور وہ تمہارے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں اور تم ان کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہو۔ اور تمہارے حاکموں میں سے بدترین حاکم وہ ہیں جن سے تم دشمنی رکھتے ہو اور وہ تم سے بغض رکھتے ہوں اور تم انہیں لعنت کرو اور وہ تمہیں لعنت کریں۔ عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول؛ کیا ہم ان کی تلوار کے ساتھ بغاوت نہ کر دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں، جب تک وہ تم میں نماز قائم کرتے رہیں۔ اور جب تم اپنے حاکموں میں کوئی ایسی چیز دیکھو جسے تم ناپسند کرتے ہو تو اس حاکم کے اس عمل کو ناپسند کرو اور اطاعت و فرمانبرداری سے ہاتھ مت کھینچو۔

مندرجہ بالا احادیث اس دعوی کا واضح ثبوت ہیں کہ اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کے حکم کے علاوہ ہر حکم میں مسلم حاکم کی اطاعت کی جائے گی۔ اس ضمن میں مزید احادیث صحیحہ کے لیے صحیح بخاری کی کتاب الفتن، کتاب الاحکام، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة اور صحیح مسلم کی کتاب الامارة کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

مسلم حاکم کی بات سننے اور اطاعت کرنے پر امت کا اجماع

جیسا کہ یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ حکام کی بات سننے اور ماننے کا واجب اور ضروری ہونا اہل السنة والجماعة کا اجماعی

---

[1] - صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب خيار الأئمة وشرارهم، 1481/3، حديث: 1855

موقف ہے اور اس معاملہ میں ان کے درمیان کوئی قابل ذکر اختلاف نظر نہیں آتا۔ حکام کی اطاعت کے واجب ہونے پر امت کے اس اجماع کو امام بخاری رحمہ اللہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''میں نے حجاز، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، کوفہ، بصرہ، واسط، بغداد، شام اور مصر کے اہل علم سے ملاقات کی، جن کی تعداد ایک ہزار سے بھی متجاوز ہے۔ چھیالیس سال سے زائد عرصہ کے دوران میں ان اہل علم [1] کو کئی بار وقتاً فوقتاً ملتا چلا آ رہا ہوں میں نے ان میں سے کسی کو بھی نہیں دیکھا کہ وہ ان امور کے بارہ میں اختلاف رکھتا ہو: [2] یہ تمام کے تمام اہل علم کسی گناہ کی وجہ سے اہل قبلہ میں سے کسی کو بھی کافر قرار نہیں دیتے تھے۔ اور وہ ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾ کے تحت اہل امر و اختیار سے اختیار و منصب کی چھینا جھپٹی سے منع کرتے تھے۔ اور وہ اس امت پر تلوار کے استعمال {یعنی کسی کلمہ گو کے قتل} کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔'' [3]

اسی طرح امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ کے بیٹے ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد محترم اور امام ابو زرعہ الرازی سے سوال کیا کہ دین کے بنیادی اصول و قواعد کے بارہ میں اہل سنت والجماعت اور ان تمام ائمہ و محدثین کا کیا موقف ہے جن سے آپ دونوں نے ملنے اور سیکھنے کی سعادت حاصل کی ہے؟ تو یہ دونوں فرمانے لگے:

> ''ہم نے حجاز، عراق، شام اور یمن وغیرہ کے ان تمام علاقوں کے اہلِ علم سے ملاقات کی ہے، ان سب کا مذہب اور موقف مندرجہ ذیل نکات پر مشتمل تھا [4]۔

- کبیرہ گناہوں کے مرتکبین کافر نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہیں۔ چاہے تو وہ انہیں معاف کر دے، چاہے تو انہیں ان کے گناہوں پر سزا دے۔

---

[1]- یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے ہر علاقے کے چیدہ چیدہ ان اہل علم ائمہ و محدثین کے نام بیان فرمائے ہیں کہ جن سے ان کی ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں۔

[2]- امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں پر کئی باتیں گنوائی ہیں، اور ہر ایک کے مختصر دلائل بھی بیان فرمائے ہیں، تمام امور کو ذکر کرنے کی بجائے بغرض اختصار صرف موضوع سے متعلقہ امور ہی یہاں پر ذکر کیے جا رہے ہیں۔

[3] – اللالكائي، أبو القاسم هبة الله بن الحسن الطبري الرازي ، شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة ، تحقيق: أحمد بن سعد الغامدي ، الناشر: دار طيبة ، السعودية ، الطبعة الثامنة، 2003ء ، 1/172- 176

[4]- پھر ان دونوں نے ان ائمہ و محدثین کے مذہب کے تفصیلی نکات گنوائے، تفصیل کے لیے اصل کتاب ملاحظہ فرمائیں۔

- اہل قبلہ میں سے کسی کو بھی اس کے گناہوں کی وجہ سے کافر قرار نہیں دیا جائے گا، ان کے معاملات اللہ کے سپرد ہیں۔
- ہر زمانے میں جہاد اور حج کا فریضہ مسلمانوں کے حکمران کے ساتھ مل کر ہی ادا کیا جائے گا۔
- حکام کے خلاف بغاوت اور خروج جائز نہیں ہے۔
- کسی قسم کے فتنہ میں شامل ہو کر لڑائی جائز نہیں ہے۔
- ہم ہر اس حاکم کی بات سنیں اور مانیں گے جسے اللہ تعالیٰ ہمارے معاملات کا نگران بنا دے گا۔
- ہم ان کی اطاعت سے کبھی بھی دست کش نہیں ہوں گے۔
- ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور مسلمانوں کی جماعت کی اتباع کریں گے۔ اور بہر صورت شذوذ، اختلاف اور فرقہ واریت سے اجتناب کریں گے۔"[1]

مذکورہ بالا اہل علم کے علاوہ بھی بہت سے اہل علم نے اس بات پر امت کا اجماع نقل فرمایا ہے کہ مسلم حاکم کی ہر بات سنی اور مانی جائے گی بشرطیکہ اس میں اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی نہ پائی جائے۔ ان علماء میں امام مالک بن انس، امام احمد بن حنبل، امام إسحاق بن راھویہ، امام ابو بکر الحمیدی، امام ابوالفتح المقدسی الشافعی، امام ابن حزم، امام حرب بن اسماعیل الکرمانی، امام سعید بن منصور، امام ابن ابی الزید القیروانی، امام اسماعیل بن یحییٰ المزنی، امام ابن بطہ العکبری، امام ابن بطال، امام بغوی، قاضی عیاض، امام قرطبی، امام شرف الدین النووی اور نواب صدیق حسن خان رحمہم اللہ تعالی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔[2]

مسلم حاکم کی سمع وطاعت کے بارہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا منہج اور تعامل

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت زیادہ قولی اور فعلی آثار مروی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے اوپر مقرر کردہ امیر یا حاکم کی اطاعت ضروری سمجھتے تھے، اور اس سلسلے میں ان کے ہاں کبھی جونیئر یا سینئر کا مخمصہ بھی جنم نہیں لیتا تھا۔ چنانچہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ ذات السلاسل میں انہیں امیر بنا کر بھیجا۔ دوران سفر ان کے ساتھیوں نے ان سے اجازت طلب کی کہ کیا وہ آگ جلا لیں؟ تو انہوں نے اس سے منع کر دیا۔ لوگوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ وہ ان کی سفارش کریں، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امیر لشکر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے اس ضمن میں سفارش کی تو انہوں نے ڈانٹتے ہوئے جواب دیا کہ ان میں سے جو بھی آگ جلائے گا، میں اسے اس آگ میں پھینک دوں گا۔ خیر لڑائی ہوئی، مسلمانوں نے دشمن کو شکست دے دی۔ فتح کے بعد لشکر کے لوگوں

---

[1] - ضوابط معاملة الحاكم عند أهل السنة، 1/164

[2]-مزید تفصیل اوران سب کے حوالہ جات ملاحظہ کرنے کیلئے دیکھئے: ضوابط معاملة الحاكم عند أهل السنة ، 1/160-165

نے دشمن کا پیچھا کرنا چاہا تو امیر لشکر نے انہیں اس سے بھی منع کر دیا۔ جب لشکر واپس مدینہ پہنچا تو لوگوں نے نبی کریم ﷺ کو شکایت کرتے ہوئے یہ باتیں بتائیں۔ جوابا امیر لشکر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنا موقف پیش کیا۔ تو نبی کریم ﷺ نے ان کے موقف کی حمایت کرتے ہوئے ان کی ستائش فرمائی۔[1]

اس صحیح روایت سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام کس طرح اپنے امیر یا حاکم کی اطاعت کرتے تھے، حتی کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسے بزرگ شخص اپنی بزرگی اور بلند مرتبہ کے باوجود اپنی سفارش اور رائے کے منوانے پر زور دینے کی بجائے اطاعت و فرمانبرداری کو ترجیح دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

صحابہ کرام کے دور اور خیر القرون میں حاکم و امیر کی اطاعت اس قدر اہمیت رکھتی تھی کہ بیعت لیتے ہوئے ارکان اسلام کے ساتھ ساتھ اس کا اقرار بھی لیا جاتا تھا۔ چنانچہ معروف تابعی ابن سیرین رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما نئے مسلمان ہونے والے شخص سے بیعت لیتے ہوئے فرماتے تھے:

> ''تو اللہ پر ایمان لائے گا، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے گا۔ نماز، جو اللہ تعالی نے تجھ پر فرض کی ہے اسے، اس کے وقت پر ادا کرے گا۔ اپنی دلی خوشی سے اپنے مال کی زکٰوۃ دے گا۔ رمضان کے روزے رکھے گا۔ بیت اللہ کا حج کرے گا اور جسے اللہ تعالیٰ تیرے اوپر اختیار واقتدار کا مالک بنائے گا، تو اس کی بات سنے اور مانے گا۔''[2]

مندرجہ بالا امر پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ حضرات شیخین قبول اسلام کی بیعت لیتے ہوئے جہاں اسلام کے پانچ بنیادی ارکان پر عہد لیتے تھے، وہیں امیر و حاکم کی سمع وطاعت کا بھی باقاعدہ عہد لیتے تھے۔ چونکہ بیعت کے ان کلمات پر صحابہ کرام میں سے کسی سے بھی انکار مروی نہیں ہے تو دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ بیعت کے ان کلمات پر صحابہ کرام کا اجماع سکوتی ہے۔

سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ اور حاکم کی اطاعت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے امیر اور حاکم کی اطاعت کے معاملہ میں انتہائی یکسو تھے۔ اس ضمن میں سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا عمل یقینا قابل تقلید ہے کہ وہ امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شام کے علاقے میں

---

[1] – ابن حبان ، أبو حاتم محمد بن حبان التميمي الدارمي البُستي ، صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان ، المحقق: شعيب الأرنؤوط ، مؤسسة الرسالة ،بيروت ، الطبعة الثانية، 1993 هـ، باب في الخلافة والإمارة ، ذكر الإباحة للإمام تخويف رعيته بما ليس في خلده إمضاؤه ، 10/404، حديث : 4540 ، محقق نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[2] – معمر بن راشد ، أبو عروة معمر بن أبي عمرو الأزدي البصري ، الجامع ، المحقق: حبيب الرحمن الأعظمي ، المجلس العلمي بباكستان، وتوزيع المكتب الإسلامي بيروت، الطبعة الثانية، 1403 هـ ، 330/11 ، حديث : 20683

رہائش پذیر تھے، وہاں کے گورنر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کا ایک آیت کی تفسیر پر اختلاف ہو گیا تو انہوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے بارے میں شکایتی مکتوب لکھ دیا، جس پر انہوں نے انہیں شام چھوڑ کر مدینہ واپس آنے کا حکم دے دیا۔ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ ان کی آمد کا سن کر لوگ ان کے پاس جمگھٹا بنا کر اکٹھے ہونے لگے۔ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بقول "یوں لگتا تھا کہ جیسے انہوں نے مجھے اس سے قبل دیکھا ہی نہیں"۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے یہ صورت حال حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کو بتائی، تو انھوں نے مشورہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو مدینہ سے الگ (ربذہ میں) رہائش اختیار کرلیں۔ آپ کی حیثیت اسی طرح ہی رہے گی۔ چنانچہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے بلا چون چرا ایسا ہی کیا، اور امیر المومنین کے کہنے پر شام کی طرح مدینے سے بھی نکل کر ایک دور افتادہ گاؤں ربذہ میں رہائش اختیار کرلی اور آخری دم تک وہی رہائش پذیر رہے، یہاں تک کہ ان کی قبر بھی وہیں بنی۔ معروف تابعی زید بن وھب رحمہ اللہ کے استفسار پر سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنا پورا قصہ سنایا اور آخر میں فرمایا:

"وَلَوْ أَمَّرُوا عَلَيَّ حَبَشِيًّا لَسَمِعْتُ وَأَطَعْتُ"[1]

اگر امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مجھ پر ایک عام حبشی کو بھی امیر مقرر کردیں تو میں اس کی بات سنوں گا اور اطاعت کروں گا۔

عملی اعتبار سے جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں ایسے ایسے لوگ بھی مسلمانوں کے حاکم بنے یا عامل مقرر کیے گئے جو ظلم وستم یا فسق وفجور وغیرہ کے ساتھ منسوب کیے جاتے تھے، جیسے یزید بن معاویہ، مروان بن حکم، ولید بن عقبہ اور حجاج بن یوسف وغیرہ۔ لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، کہ جن میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ جیسے اصحاب سرفہرست ہیں، نے ان کی بات سننے اور معروف میں ان کی اطاعت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کی اور نہ ہی ان کے ظلم وستم یا فسق وفجور کی وجہ سے ان کے خلاف کسی قسم کی بغاوت یا خروج کا حکم دیا اور نہ ہی معروف میں ان کی نافرمانی وحکم عدولی کے جواز کا فتویٰ صادر کیا، بلکہ وہ ان کے پیچھے جمعہ وعیدین سمیت تمام نمازیں ادا کرتے رہے اور لوگوں کو ان کی سمع وطاعت کی تلقین کرتے رہے اور ان کے ظلم وجور پر صبر کا درس دیتے رہے۔

ہر ملک کے باسیوں پر وہاں کے حکمران کی اطاعت لازم ہے

یہاں پر اس امر کی وضاحت بھی لازمی ہے کہ ایسے وقت میں جبکہ پورے عالم اسلام کی ایک مرکزی حکومت خلافت کی صورت میں منظم نہ ہو تو ہر علاقے اور ملک کے رہنے والوں پر وہاں کے صاحبِ سلطہ واقتدار حکمران کی اطاعت لازم اور فرض ہے۔ جیسا کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کے دور میں عالم اسلام میں ایک طرف امیر المومنین

---

[1] – صحیح البخاری، کتاب الزکاة، باب ما أدي زكاته فليس بكنز، 107/2، حديث : 1406

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم تھی تو دوسری طرف شام کے علاقے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت مستحکم تھی اور ہر علاقے کے لوگ اپنے اپنے حاکم کی اطاعت کرتے تھے۔ پھر اس کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی عظیم قربانی کی بدولت امت ایک جان ہو گئی لیکن 138 ھجری کے بعد سے آج تک امت اس طرح ایک لڑی میں منسلک نہیں ہو سکی۔[1] تو اب وہ ائمہ یا حکمران کہ جن کی اطاعت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے وہ موجودہ مسلم ممالک کے وہ حکمران ہیں کہ جن کے پاس وہاں کی حکومت اور تنفیذی اختیارات ہیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" أن النبي ﷺ أمر بطاعة الأئمة الموجودين المعلومين الذين لهم سلطان يقدرون به على سياسة الناس لا بطاعة معدوم ولا مجهول، ولا من ليس له سلطان، ولا قدرة على شيء أصلا "[2]

بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان حکام کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے جو موجود و معروف ہیں اور ان کے پاس ایسا غلبہ ،سلطہ اور اقتدار ہے کہ جس کے ذریعہ سے وہ لوگوں کے سیاسی معاملات پر کنٹرول کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ آپ نے ایسے ائمہ کی اطاعت کا حکم نہیں دیا کہ جو معدوم اور مجہول ہیں، اور نہ ہی ان کی اطاعت کا حکم دیا ہے کہ جن کا کسی چیز پر اصلاً کوئی اختیار واقتدار نہیں ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ کے خیال میں اسلام کے پھیلنے اور اسلامی قلمرو کے وسعت پذیر ہونے اور اس کی حدود کے پھیل جانے کے عملی طور پر ایسا ہو گیا ہے کہ کچھ علاقوں میں ایک حاکم وامیر کے پاس حکومت وسلطہ ہوتا ہے تو دوسرے علاقوں میں کسی دوسرے حاکم وامیر کے پاس، اور ان میں سے کسی ایک کا حکم دوسرے کے علاقہ میں نہیں چلتا تو ایسی صورت میں ہر ایک کے علاقے میں اس کی ہی اطاعت کی جائے گی۔ وہ فرماتے ہیں:

"فلا بأس بتعدد الأئمة والسلاطين ويجب الطاعة لكل واحد منهم بعد البيعة له على أهل القطر الذي ينفذ فيه أوامره ونواهيه وكذلك صاحب القطر الآخر فإذا قام من ينازعه في القطر الذي قد ثبتت فيه ولايته وبايعه أهله كان الحكم فيه أن يقتل إذا لم يتب ولا تجب على أهل القطر الآخر طاعته ولا الدخول تحت ولايته لتباعد الأقطار"[3]

ایسی صورت میں ائمہ اور حکام کے تعدد میں کوئی حرج نہیں ہے اور ہر حاکم کے زیر تسلط علاقہ کے رہنے والوں پر وہاں کے اس حاکم کی اطاعت وفرمانبرداری لازم ہے کہ جس کے احکامات وہاں نافذ

---

[1] – هيبة ولى الامر واجب شرعى و ضرورة دنيوية ، ص :61

[2] – ابن تيمية، تقي الدين ابو العباس احمد بن عبد الحليم الحرانى الحنبلى ، منهاج السنة النبوية في نقض كلام الشيعة القدرية ، المحقق: محمد رشاد سالم ، الناشر: جامعة الامام محمد بن سعود الإسلامية، الطبعة الأولى، 1986ء، 115/1

[3] – السيل الجرار المتدفق على حدائق الأزهار ، ص : 941

العمل ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح دوسرے علاقہ کے حاکم کا بھی حکم ہوگا۔ پھر جب کسی علاقہ کے تسلیم شدہ حاکم {کہ جس کی وہاں کے شہریوں نے بیعت کی ہو یا اطاعت کا عہد کیا ہو} کے مدمقابل کوئی شخص اس سے اختیار واقتدار چھیننے کے لیے کھڑا ہو جائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ توبہ نہ کرنے کی صورت میں اسے قتل کر دیا جائے گا اور کسی دوسرے علاقہ کے رہنے والوں پر اس علاقہ کے حاکم کی اطاعت لازم نہیں ہوگی اور نہ ہی ان کے لیے اس کی حکومت کے تحت آنا لازم ہوگا۔

جہاد بھی حکمران کی نگرانی اور اجازت سے ہوگا

کسی بھی مسلم ریاست کا حکمران کتنا ہی فاسق وفاجر اور گناہ گار کیوں نہ ہو، غلبہ اسلام یا ملکی دفاع کے لیے جہاد اسی کی نگرانی اور سالاری میں کیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے یہی بات واضح ہوتی ہے، اور اسی پر علمائے امت کا اجماع ہے کہ دشمنان اسلام کے خلاف جہاد حکمرانوں کے ساتھ مل کر ہی کیا جائے گا، چاہے وہ حکمران نیک ہوں یا بد۔ جیسا کہ سلف میں سے دو بڑے ائمہ، امام ابو حاتم الرازی اور امام ابو زرعہ الرازی رحمہا اللہ کا قول اس اجماع کی تصریح میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی موقف تھا جیسا کہ سیدنا ابو حمزہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ کیا ان حکمرانوں کے ساتھ مل کر کفار کے خلاف لڑنا جائز ہے، حالانکہ انہوں نے دین میں کئی نئی چیزیں ایجاد کر لی ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا:

«تقاتل على نصيبك من الآخرة، ويقاتلون على نصيبهم من الدنيا» [1]

ان کے ساتھ مل کر لڑو کیونکہ تم آخرت میں اپنا حصہ پانے کے لیے لڑو گے جبکہ وہ دنیا میں اپنا حصہ پانے کے لیے لڑ رہے ہوں گے۔

مشہور صحابی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی فتوی تھا، جیسا کہ ان کے شاگرد امام مجاہد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

"سألت ابن عمر عن الغزو مع أئمة الجور، وقد أحدثوا فقال: اغزوا " [2]

میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ظالم حکمرانوں کے ساتھ مل کر لڑائی کرنے کے متعلق پوچھا کہ کیا یہ درست ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کے ساتھ مل کر لڑو۔

ائمہ ومحدثین رحمہم اللہ اور اہل السنہ والجماعہ کا ہمیشہ سے یہی موقف ہے، جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] - ابن أبي شيبة ، أبو بكرعبد الله بن محمد العبسي ،المصنف في الأحاديث والآثار ، المحقق: كمال يوسف الحوت، مكتبة الرشد الرياض، الطبعة الأولى، 1409هـ ، كِتَابُ السِّيرِ، باب فى الْغزو مَعَ أئمة الجور، 508/6،حديث 33377:

[2] - ايضا ، حديث : 33382

"ويرون إقامة الحج، والجهاد، والجمع، والأعياد؛ مع الأمراء؛ أبرارا كانوا، أو فجارا. "[1]

اہل السنہ والجماعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ حج، جہاد، جمعہ اور عیدوں کا قیام امراء وحکام کے ساتھ ہی ہو گا، چاہے وہ نیک ہوں یا بد۔

یہاں پر یہ بات صاف واضح ہو رہی ہے کہ جہاد مسلم حکمران کی اجازت سے اس کی قیادت میں اس کے ساتھ مل کر ہی کیا جائے گا، اور حاکم کی اجازت کے بغیر کسی گروہ یا جماعت کا اپنے طور پر جہاد کرنا درست نہیں ہے۔ جیسا کہ الشیخ صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"کسی لشکر کے لیے کسی صورت یہ جائز نہیں ہے کہ وہ حاکم کے حکم کے بغیر جہاد کرے، کیونکہ جہاد و قتال کے شرعی حکم کے مخاطب حکمران ہی ہیں نہ کہ عوام الناس، عام لوگ انہیں حکمرانوں اور اہل حل وعقد کے تابع ہوتے ہیں۔ لہٰذا کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دفاع کی صورت کے علاوہ حاکم کی اجازت کے بغیر لڑائی کرے۔ اور جب دشمن کسی جانب اچانک حملہ کر دے تو اس وقت عوام کو اپنے دفاع میں لڑنا ہے کیونکہ ایسی صورت میں جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ ہر شخص کو اجازت کیوں نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دفاع و جہاد کے اس معاملہ کو حاکم کے سپرد کیا گیا ہے تو اس کے حکم کے بغیر جہاد و قتال درحقیقت اس کے اختیارات میں دخل اندازی ہے۔ ویسے بھی اگر ہر شخص کو اس بات کی اجازت دے دی جائے کہ وہ اپنی مرضی سے قتال کرے، اور جب چاہے وہ اپنا گھوڑا دوڑاتے ہوئے قتال شروع کر دے تو اس کے ساتھ امن وامان کی صورت حال سخت خراب ہو جائے گی، معاشرہ میں فساد، انارکی اور بے شمار قسم کے مفاسد کھڑے ہو جائیں گے۔"[2]

رمضان اور عیدین بھی حکمرانوں کے ساتھ ہی کرنا ہو گی

رمضان اور عیدین انفرادی عبادات نہیں بلکہ ان کا تعلق پورے مسلم معاشرہ کے ساتھ ہوتا ہے اس لیے حکام کی اطاعت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ رمضان کے شروع یا ختم ہونے اور عیدین وغیرہ میں انہی کی اقتداء کی جائے، اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے سے گریز کیا جائے۔ جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[1] – ابن تيمية،تقي الدين ابو العباس احمد بن عبد الحليم الحراني الحنبلي الدمشقي ، العقيدة الواسطية ، الناشر: مكتبة المعارف، الرياض ، السعودية ، ص :29

[2] – الشرح الممتع على زاد المستقنع ، 22/8

"الصَّوْمُ يَوْمَ تَصُومُونَ، وَالفِطْرُ يَوْمَ تُفْطِرُونَ، وَالأَضْحَى يَوْمَ تُضَحُّونَ " [1]

روزہ کا دن وہ ہوگا جس دن تم سب روزہ رکھوگے، اور عید الفطر کا دن وہ ہوگا جس دن تم سب عید مناؤگے، اور عید الاضحی کا دن وہی ہوگا جس دن تم سب قربانیاں کروگے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ائمہ محدثین رحمہم اللہ اور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ و منہج اور ان تمام کا اجماعی موقف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" والجهاد ماض قائم مع الأئمة بروا أو فجروا لا يبطله جور جائر ولا عدل عادل والجمعة والعيدان والحج مع السلطان وإن لم يكونوا بررة عدولا أتقياء " [2]

جہاد جاری رہے گا، حکمرانوں کے ساتھ مل کر کیا جائے گا، چاہے وہ نیک ہوں یا بد، کسی ظالم کا ظلم یا کسی عادل کا عدل اس کو ختم نہیں کرے گا۔ اور جمعۃ المبارک، دونوں عیدیں اور حج حکمران وقت کے ساتھ ادا کیے جائیں گے، اگرچہ وہ نیک، عادل اور متقی پرہیزگار نہ بھی ہوں۔

اس ضمن میں امام عبد الرزاق الصنعانی رحمہ اللہ نے اپنی مصنف میں محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا ایک واقعہ درج کیا ہے کہ اسماء بن عبید رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ:

''ایک دن ہم محمد بن سیرین رحمہ اللہ کے پاس حاضر ہوئے، اس دن کے بارے میں شک تھا کہ آج روزہ ہے یا نہیں، ہم نے پوچھا کہ ہم کس طرح کریں، روزہ رکھیں یا نہ رکھیں؟ تو ابن سیرین رحمہ اللہ نے اپنے غلام کو کہا کہ جا کر دیکھو: کیا حاکم و امیر نے روزہ رکھا ہوا ہے یا نہیں، ان دنوں عدی بن ارطاۃ امیر تھے۔ کچھ دیر بعد غلام واپس آیا اور اس نے بتایا کہ امیر صاحب نے روزہ نہیں رکھا، وہ کھا پی رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے اپنا ناشتہ منگوایا اور ان کے ساتھ مل کر ہم نے بھی ناشتہ کیا۔''[3]

اور اسی طرح جلیل القدر تابعی اور کم و بیش پانچ سو صحابہ کرام کے شاگرد عامر بن شراحیل المعروف امام شعبی رحمہ اللہ اس دن، جو لوگوں کے نزدیک رمضان کا سمجھا جارہا ہو، کے روزے کے متعلق اپنے ایک شاگرد کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

[1] – الترمذي ، ابو عيسى محمد بن عيسى ، سنن الترمذي ، المحقق: بشار عواد معروف، دار الغرب الإسلامي بيروت، 1998 م ، أبواب الصوم ، باب ما جاء في أن الفطر يوم تفطرون والأضحى يوم تضحون ، 59/2 ، حديث : 697

[2] – ابن ابى يعلى،ابو الحسين محمد بن محمد ،طبقات الحنابلة ،المحقق: محمد حامد الفقى ، دار المعرفة بيروت،26/1

[3] – الصنعانى ، ابو بكر عبد الرزاق بن همام الحميري اليماني ، المصنف ، المحقق:حبيب الرحمن الأعظمي ،الناشر: المجلس العلمي الهند ، الطبعة الثانية، 1403 هـ ، 61/4 ، رقم : 7329

«لا تصومن إلا مع الإمام، فإنما كانت أول الفرقة في مثل هذا» [1]

تم امام یعنی حکمران کے بغیر ہر گز روزہ نہ رکھنا، کیونکہ مسلمانوں میں سب سے پہلا اختلاف اسی جیسے مسائل میں پیدا ہوا تھا۔

مذکورہ بالا آثار و مرویات سے واضح ہے کہ کسی بھی شخص حتی کہ کسی بڑے سے بڑے عالم یا مفتی کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ رمضان کے شروع یا ختم ہونے اور عیدین وغیرہ میں مسلم حکام کی اقتداء سے ہاتھ کھینچے اور اپنی رویت کی بنیاد پر امت میں افتراق وانتشار کے بیج بوئے۔

[1] - مصنف ابن أبي شيبة ، 323/2 ، رقم : 9505

مبحث دوم: حکمرانوں کے ظلم پر صبر کرنا

حکمرانوں کی اطاعت پر قائم رہنا، ان کے ظلم و ستم پر صبر کرنا، معروف میں ان کی نافرمانی سے بچنا، ان سے لڑائی نہ کرنا اور ان کی جماعت کا لزوم اختیار کرنا اہل سنت والجماعت کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔ وہ اس بات کو جائز نہیں سمجھتے کہ کوئی شخص یا جماعت حکام وقت کے خلاف بغاوت کرے یا خروج کی راہ اختیار کرے، اگرچہ وہ کتنا ہی ظلم کیوں نہ کریں۔ اور نہ ہی وہ معروف میں ان کی اطاعت سے اپنا ہاتھ کھینچتے ہیں کیونکہ قتال وبغاوت سے پیدا ہونے والا فتنہ ان کے ظلم کے فتنے سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے چھوٹے فساد کے ذریعے بڑے فساد کو دفع کرنا دانشمندانہ فعل نہیں۔ اور شائد ہی کبھی ایسا ہوا ہو کہ کسی نے حاکم کے ظلم و ستم یا فسق وفجور کی وجہ سے اس کے خلاف بغاوت کی ہو اور پھر اس بغاوت سے پیدا ہونے والا فساد اس ظلم کے فساد سے زیادہ نہ ہوا ہو جسے مٹانے کے لیے وہ بغاوت برپا کی گئی ہو۔

حکمران بہر حال ایک انسان ہی ہوتا ہے، ممکن نہیں کہ وہ غلطیوں سے مبرا بالکل معصوم ہو۔ اگر ایک چھوٹے سے گھرانے کا سربراہ اپنا یہ حق سمجھتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کے برے بھلے کو بہتر جانتا ہے اس لیے اس کے گھر والوں کو چاہیے کہ وہ ہر معاملہ میں اس کے فیصلہ کو تسلیم کریں، حالانکہ بہت دفعہ وہ سراسر ظلم کر رہا ہوتا ہے لیکن گھر کے نظام کو قائم رکھنے کے لیے اس کی بات ماننے میں ہی بہتری سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح کسی ملک کے حکمران کی مثال ہے کہ پورے ملک کو بغاوت کی آگ میں جھونک کر جلانے سے بہتر ہے کہ اس حاکم کی ناانصافی اور ظلم وجور پر صبر کر لیا جائے اور اللہ تعالی سے اس آزمائش پر مدد طلب کی جائے۔ حکمرانوں کے ظلم و ستم اور ان کے ناپسندیدہ کاموں پر صبر کرنا اسلام کے بڑے اصولوں میں سے ایک ہے۔ نبی ﷺ نے اپنی امت کو یہی تعلیم دی ہے، جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا فَكَرِهَهُ فَلْيَصْبِرْ، فَإِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ يُفَارِقُ الجَمَاعَةَ شِبْرًا فَيَمُوتُ، إِلَّا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً»[1]

جو شخص اپنے حکمران میں کوئی ایسی چیز دیکھے کہ جو اس کو ناپسند ہو تو وہ اس پر صبر کرے، کیونکہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھی جدائی اختیار کرنے کی حالت میں مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

اگر کوئی حاکم کسی شخص پر ظلم و ستم کرتے ہوئے اسے اس کے جائز حق سے بھی محروم کر دیتا ہے تو پھر بھی اس کے لیے

[1] – صحيح البخاری، كتاب الأحكام ، باب السمع والطاعة للإمام مالم تكن معصية ،62/9،حديث : 7143 ۔ صحيح مسلم : 1849

معروف میں اس کی نافرمانی اختیار کرنایااس کے خلاف بغاوت کاعلم بلند کرنادرست نہیں ہے بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ حاکم کاحق جواس کے ذمہ واجب ہے،یعنی اس کی اطاعت ونصرت وغیرہ، حتی الامکان ادا کرے اوراپنے حق کااللہ تعالی سے سوال کرے۔جیساکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«سَتَكُونُ أَثَرَةٌ وَأُمُورٌ تُنْكِرُونَهَا، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: تُؤَدُّونَ الحَقَّ الَّذِي عَلَيْكُمْ، وَتَسْأَلُونَ اللَّهَ الَّذِي لَكُمْ» [1]

عنقریب حق دار لوگوں پر دوسروں یعنی غیر مستحق لوگوں کو ترجیح دی جائے گی اور حکمرانوں کے ایسے ایسے معاملات سامنے آئیں گے کہ جنہیں تم برا سمجھو گے۔صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ایسی صورت حال میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم ان کے وہ حق جو تمھارے ذمہ واجب ہیں،وہ انہیں ادا کرتے رہنا،اور اپنے حقوق کا اللہ تعالی سے سوال کرنا۔

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار صحابہ کوایسی صورت میں صبر کی نصیحت کرتے ہوئے اس کے بدلہ میں حوض کوثر پر ملاقات کی بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«إِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي عَلَى الحَوْضِ»[2]

بے شک میرے بعد تم پر غیروں کو ترجیح دی جائے گی،ایسی صورت میں تم صبر کرنا یہاں تک کہ تم میرے ساتھ حوض پر آملو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اپنے شاگردوں یعنی تابعین عظام کو یہی نصیحت کرتے رہے کہ بہر صورت اپنے حاکم کی اطاعت کرناہےاوراس کی طرف سے پیش آمدہ ظلم وستم پر صبر کرناہے۔چنانچہ سوید بن غفلہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

" يا أبا أمية , إني لا أدري لعلي أن لا ألقاك بعد عامي هذا , فاسمع وأطع وإن أمر عليك عبد حبشي مجدع , إن ضربك فاصبر , وإن حرمك فاصبر , وإن أراد أمرا ينتقص دينك فقل: سمع وطاعة , ودمي دون ديني , فلا تفارق الجماعة " "[3]

---

[1] – صحيح البخارى ،كتاب المناقب ،باب علامات النبوة فى الإسلام ،199/4، حديث : 3603 ۔ صحيح مسلم : 1843

[2] – صحيح البخارى ، كتاب مناقب الأنصار، باب قول النبي ﷺ للأنصار: اصبروا حتى تلقوني على الحوض،33/5، حديث : 3792 ۔ صحيح مسلم : 1845

[3] – مُصنف ابن أبي شيبة،كِتاب السِّير، في إمام السرية يأمرهم بالمعصية --- ، 544/6 ، حديث : 33711

اے ابو امیہ ! میں نہیں جانتا کہ میں اس سال کے بعد تجھ سے مل سکوں گا یا نہیں۔ سو میری یہ نصیحت یاد رکھنا: اگر تجھ پر کسی ناک کٹے، حبشی غلام کو بھی امیر بنادیا جائے تو اس کی بات سننا اور اطاعت کرنا، اگر وہ تجھے مارے تو اس پر صبر کرنا، اور اگر وہ تجھے تیرے حق سے محروم کردے تو بھی صبر کرنا اور اگر وہ ارادہ کرے کہ وہ تیرے دین میں کمی پیدا کرے، یعنی تجھے کسی گناہ کا حکم دے، تو تو اسے کہنا کہ میں نے آپ کی بات سنی اور مانی، لیکن میرا خون میرے دین کے بدلے حاضر ہے، یعنی کسی صورت بھی گناہ کا ارتکاب نہ کرنا، اور مسلمانوں کی جماعت سے الگ نہ ہونا۔

مذکورہ بالا تمام احادیث و آثار سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حکمران کتنا ہی ظالم کیوں نہ ہو، جب تک اقامت صلاۃ پر کاربند ہے اور کھلم کھلا کفر، کہ جس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ ہو، کا مرتکب نہیں ہے، اس کے خلاف بغاوت کھڑی کرنا اسلام کی تعلیمات کے بالکل منافی ہے[1]۔ کیونکہ اس میں مسلمانوں کے شیرازہ کے منتشر ہونے، شہروں کے امن کے برباد ہونے اور حاکم کے پہلے ظلم وستم سے کہیں بڑھ کر ظلم وستم کے واقع ہونے اور دشمنوں کی سازشوں کے کارگر ہونے کا حقیقی خطرہ موجود ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اول الذکر حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وقد أجمع الفقهاء على وجوب طاعة السلطان المتغلب والجهاد معه وأن طاعته خير من الخروج عليه لما في ذلك من حقن الدماء وتسكين الدهماء " [2]

اس بات پر فقہاء کا اجماع ہے کہ ایسے حکمران کی اطاعت کرنا اور اس کے ساتھ مل کر جہاد کرنا بھی فرض ہے جو بزور طاقت حکمران بن گیا ہو، اور اس کی اطاعت کرنا اس کے خلاف خروج سے کہیں بہتر ہے، کیونکہ خروج کی بجائے صبر کرنے کی صورت میں ہی انسانی خون کا تحفظ اور بہت بڑی مصیبت سے بچاؤ ممکن ہے۔

ظالم حکمران کے ظلم پر اس کی مدد کرنا حرام ہے

اسلام کی تعلیمات کے مطابق اگر ظالم حکمران کے خلاف بغاوت اور خروج کرنا جائز نہیں ہے تو اس کے ظلم میں اس کا تعاون کرنا اور مددگار بننا بھی قرآنی حکم ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾[3] کے تحت جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایسے شخص کے لیے لاتعلقی اور حوض کوثر سے محرومی کا اعلان ہے جو کسی ظالم حکمران کے ساتھ اس کے ظلم میں معاونت کرتا ہے۔ جیسا کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول

---

[1]-اس ضمن میں احادیث اسی فصل کے مبحث اول کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

[2] – فتح الباري شرح صحيح البخارى ، 7/13

[3] – المائدة5 : 2

اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" سَيَكُونُ بَعْدِي أُمَرَاءُ؟ فَمَنْ دَخَلَ عَلَيْهِمْ فَصَدَّقَهُمْ بِكَذِبِهِمْ وَأَعَانَهُمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ فَلَيْسَ مِنِّي وَلَسْتُ مِنْهُ وَلَيْسَ بِوَارِدٍ عَلَيَّ الحَوْضَ، وَمَنْ لَمْ يَدْخُلْ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يُعِنْهُمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ وَلَمْ يُصَدِّقْهُمْ بِكَذِبِهِمْ فَهُوَ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ وَهُوَ وَارِدٌ عَلَيَّ الحَوْضَ " [1]

میرے بعد ظالم حاکم اور امراء آئیں گے تو جو شخص ان کے دربار میں جائے گا اور ان کے جھوٹے ہونے کے باوجود ان کی تصدیق کرے گا اور ان کے ظلم پر ان کی مدد کرے گا تو نہ اس کا مجھ سے کوئی تعلق ہے اور نہ میرا اس سے، اور نہ ہی وہ میرے حوض پر آسکے گا۔ اور جو شخص ایسے حکام کے پاس نہیں جائے گا، نہ ان کے ظلم پر ان کی اعانت کرے گا، اور نہ ہی ان کے جھوٹے ہونے کے باوجود ان کی تصدیق کرے گا، تو ایسا شخص مجھ سے اور میں اس سے وابستہ ہوں اور وہ شخص حوض کوثر پر میرے پاس آئے گا۔

یہ حدیث اس مسئلہ میں بالکل واضح ہے کہ کسی بھی شخص کے لیے جائز نہیں وہ حکمران کی اطاعت کی احادیث کو دلیل بنا کر ان کے ہر غلط سلط کو درست قرار دیتا پھرے، ان کے ظلم وستم میں ان کا مددگار بنے، یا معصیت ونافرمانی میں ان کی کاسہ لیسی کرے۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کا رشتہ پیغمبر دوعالم ﷺ سے یقینا منقطع ہو جائے گا۔

---

[1] – سنن الترمذی ، أَبْوَابُ الْفِتَنِ ، باب ---- ، 54/9 ، حدیث : 2259 – سنن النسائی :4207

مبحث سوم: حکمران کی عزت وتکریم کرنا

حکمرانوں کو اللہ تعالی نے ایک بلند منصب اور محترم مقام عطا فرمایا ہے۔ ان کا منصب دراصل دین کی حفاظت اور دنیا کی سیاست کے حوالے سے انبیاء علیہم السلام کی نیابت کا منصب ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالی نے انہیں اطاعت و احترام کا عظیم مقام بخشا ہے اور لوگوں پر لازم کیا ہے کہ وہ ان کی فرمانبرداری کریں، ان کی مدد کریں، ان کے احترام و اکرام کا بہر صورت خیال کریں کہ انہی کے ساتھ علاقوں کا امن قائم ہوتا ہے، شہروں کی رونق بڑھتی ہے، منڈیوں کا کاروبار چلتا ہے، ظلم و ستم کا چکر تھمتا ہے، ظالم کو کٹہرے میں کھڑا کیا جاتا ہے اور مظلوم کی دادرسی کی جاتی ہے۔ سرحدوں کی حفاظت اور عزتوں کی حفاظت ایک مظبوط سلطان کے بغیر ایک خیال پریشان کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لاَ نَبِيَّ بَعْدِي، وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ» قَالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: «فُوا بِبَيْعَةِ الأَوَّلِ فَالأَوَّلِ، أَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ، فَإِنَّ اللَّهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ»[1]

بنی اسرائیل کی سیاست و حکومت انبیاء کیا کرتے تھے، جب کبھی ایک نبی فوت ہو جاتا تو اس کے بعد ایک دوسرا نبی آجاتا اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ البتہ خُلفاء و حکام ہوں گے اور کثیر تعداد میں ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کیا: آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم یکے بعد دیگرے ان سے بیعت (اطاعت کا عہد) پوری کرو، اور انہیں ان کا حق دو، یقینی طور پر اللہ اُن سے اُن پر عائد ذمہ داریوں کے بارے میں سوال کرے گا۔

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو کسی بھی شخص کو ظلم و زیادتی سے روکنے والی چار چیزیں ہیں: عقل و شعور، دین داری، حکمران و حکومت اور ظلم کرنے کی طاقت کا نہ ہونا۔ ان چاروں میں سب سے مظبوط چیز حاکم و سلطان کا وجود ہے۔ کیونکہ عقل و شعور اور دین داری کے جذبات اکثر اوقات خواہش نفس کے ہاتھوں مغلوب ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

"إن الله ليزع بالسلطان ما لا يزع بالقرآن" [2]

یقیناً اللہ عزوجل حکمران کے ذریعے ایسے ایسے کاموں سے روک دیتا ہے جن سے قرآن کے

---

[1] - صحيح البخارى ،كتاب أحاديث الأنبياء ، باب ما ذكر عن بني إسرائيل ،169/4،حديث:3455 ـ صحيح مسلم :1842

[2] - مجموع الفتاوى لابن تيمية ، 416/11 ـ البداية والنهاية ، 12/2

ذریعے بھی نہیں روکتا۔

یعنی قرآن کے امر و نہی کے ڈر سے لوگ اتنے جرائم سے نہیں بچتے، جتنا حاکم اور سلطان کی گرفت اور سزا سے بچنے کے لیے جرائم سے گریز کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اسلام نے حکمران کی عزت و توقیر کو بڑے شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور عوام الناس کو کسی صورت بھی اجازت نہیں دی کہ وہ اپنے حاکم کی توہین کا ارتکاب کریں۔ ذیل میں اس حوالے سے چند ایک دلائل ذکر کرتا ہوں تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ حاکم کی تکریم ایک مسلمان کی دنیا کے لئے ہی نہیں بلکہ اس کی آخرت کی کامیابی کے لیے بھی ایک حیثیت و مرتبہ رکھتی ہے۔ اور اگر اس کو شرعی حکم سمجھ کر بجالایا جائے تو یقیناً یہ عبادت کا درجہ اختیار کر جاتی ہے۔

زیاد بن کسیب عدوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ گورنر عبداللہ بن عامر کا خطبہ سن رہا تھا جبکہ انہوں نے باریک لباس پہن رکھا تھا۔ تو ابو بلال نامی ایک خارجی کہنے لگا: ہمارے امیر کی طرف دیکھو کہ اس نے فاسقوں والا لباس پہنا ہوا ہے، یہ سن کر سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے اسے ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا: چپ کر، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا، آپ فرما رہے تھے:

"مَنْ أَهَانَ سُلْطَانَ اللهِ فِي الأَرْضِ أَهَانَهُ اللَّهُ "[1]

جس نے زمین میں اللہ تعالی کے مقرر کردہ حکمران کی توہین کی تو اللہ تعالی اس کو ذلیل کر دے گا۔

مسند احمد کی روایت کے الفاظ میں نسبتاً تفصیل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" مَنْ أَكْرَمَ سُلْطَانَ اللهِ فِي الدُّنْيَا ، أَكْرَمَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ أَهَانَ سُلْطَانَ اللهِ فِي الدُّنْيَا ، أَهَانَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ " [2]

جس شخص نے اللہ تعالی کے مقرر کردہ حکمران کی دنیا میں تکریم کی، اللہ تعالی قیامت کے دن اس کو عزت بخشے گا اور جس نے اللہ تعالی کے مقرر کردہ حکمران کی دنیا میں توہین کی تو اللہ تعالی اس کو قیامت کے دن ذلیل کر دے گا۔

یعنی جس شخص نے اللہ تعالی کو راضی کرنے کے لیے مسلم حکمران کی اطاعت کی، اس کی تکریم کی، اس کی عزت افزائی

---

[1] - سنن الترمذي ، أَبْوَابُ الْفِتَنِ ، بَابٌ برقم : 47، 72/4 ،حديث :2224- شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ دیکھیے: الألباني ، أبو عبد الرحمن محمد ناصر الدين بن الحاج نوح الأشقودري ، سلسلة الأحاديث الصحيحة وشيء من فقهها وفوائدها ، مكتبة المعارف للنشر والتوزيع ، الرياض ، الطبعة الأولى، 376/5

[2] - مسند احمد ، 79/34 ، حديث : 20433 - شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ دیکھیے : سلسلة الأحاديث الصحيحة وشيء من فقهها وفوائدها ، 375/5 ، حديث : 2296

کی،اس کا دفاع کیا اور معروف کے معاملے میں اس کے کسی امر کی نافرمانی نہ کی تو اللہ تعالی اسے اس کے اس عمل کی جزا دیتے ہوئے دنیا اور آخرت میں اس کو عزتوں سے سرفراز کردے گا۔اور جس شخص نے مسلم حکمران کو اپنے کسی قول یا فعل کے ساتھ ذلیل کرنے کی کوشش کی اور اس کی محترم حیثیت کو ختم کرنے میں کردار ادا کیا تو اللہ تعالی بدلے میں اسے بھی ذلیل فرمادے گا۔

ایک روایت میں نبی ﷺ نے حکمران کو اللہ تعالی کا سایہ قرار دیا ہے۔یعنی جس طرح سایہ کے ذریعے انسان دھوپ کی تپش اور حدت واذیت سے محفوظ ہو جاتا ہے،اسی طرح حکمران کے ذریعے اللہ تعالی لوگوں کو ظلم و ستم اور فتنہ وفساد سے بچالیتا ہے۔چنانچہ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"السُّلْطَانُ ظِلُّ اللهِ فِي الأَرْضِ فَمَنْ أَكْرَمَهُ أَكْرَمَ اللهَ وَمَنْ أَهَانَهُ أَهَانَهُ الله"[1]

حکمران زمین میں اللہ تعالی کا سایہ ہے جس شخص نے اس کی تکریم کی، گویا کہ اس نے اللہ تعالی کی تکریم کی اور جس نے اس کی توہین کی تو اللہ تعالی اس کو ذلیل کردے گا۔

اسی طرح نبی ﷺ نے مسلم حکمران کی عزت وتکریم کا حکم دیا اور اس کو ذلیل ورسوا کرنے کی کوشش کرنے والے کو شدید ڈانٹ پلاتے ہوئے اس کے اس عمل کو اسلام کے قلعے میں سوراخ کرنے کے مترادف قرار دیتے ہوئے تب تک اس کی توبہ قبول نہ ہونے کی وعید سنائی جب تک وہ اپنی غلطی کا ازالہ نہیں کرتا۔سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو جب امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ربذہ رہائش اختیار کرنے کا حکم دیا تو عراق سے ایک وفد ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے ہمدردی کا اظہار کرنے کے بعد اہل وفد نے ان سے درخواست کی کہ آپ اپنا جھنڈا گاڑ دیں آپ کے پاس جتنے لوگ آپ چاہیں گے،اکٹھے ہو جائیں گے تو انہوں نے اس وفد کو ڈانٹ کے انداز میں جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا، آپ ارشاد فرمارہے تھے:

" سَيَكُونُ بَعْدِي سُلْطَانٌ فأعزوه ، مَنِ الْتَمَسَ ذُلَّهُ ثَغَرَ ثُغْرَةً فِي الإِسْلامِ ، وَلَمْ يُقْبَلْ مِنْهُ تَوْبَةٌ حَتَّى يُعِيدَهَا كَمَا كَانَتْ "[2]

عنقریب میرے بعد حکمران ہوں گے تو تم ان کی عزت کرنا، جس شخص نے اس کو ذلیل کرنا چاہا تو گویا کہ اس نے اسلام کے قلعے میں سوراخ کر دیا،اور اس کی توبہ تب تک قبول نہیں ہو گی جب تک

---

[1] - ابن أبي عاصم ، أبو بكر أحمد بن عمرو الشيباني ، كتاب السنة ، تخريج : محمد ناصر الدين الألباني باسم ظلال الجنة في السنة ، المكتب الإسلامي ، الطبعة الأولى، 1980م ، باب في ذكر فضل تعزيز الأَمِيرِ وَتَوْقِيرِهِ ، 492/2 ، حديث : 1024 ، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

[2] - أيضا ، 513/2 ، حديث :1079، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

کہ وہ اس سوراخ کو اسی طرح دوبارہ بھر نہ دے۔

حکمران کی توہین وتذلیل پر اس قدر سخت وعید اور سزا اس وجہ سے رکھی گئی ہے کہ حکمران کی توہین کا راستہ کھول دینے سے مجرم پیشہ لوگ اور دشمنانِ دین و وطن کو اپنا کھل کھیلنے اور مسلم ریاست کے امن کو تاخت وتاراج کرنے کا آسانی موقع مل جاتا ہے۔

حکمران کی تعظیم و تکریم کی حکمت اور فوائد

حکمران کی تعظیم و تکریم کا حکم صرف اس لئے نہیں کہ ایک فرد واحد کو اکرام و اعزاز سے نواز دیا جائے بلکہ حکمران کی تعظیم در حقیقت اس کی پوری قوم کی تعظیم ہے اور اس کی توہین پوری قوم کی توہین ہے۔ اس بات کو مزید سمجھنا ہو تو سفارتی آداب کے کسی ماہر سے پروٹوکولز کے حوالے سے معلومات لیکر سمجھا جاسکتا ہے۔ کسی بھی ملک کے حاکم کو دوسرے ملک میں اسی معیار کا احترام آداب اور استقبالیہ و پروٹوکول پیش کیا جاتا ہے، جس معیار کا میزبان ملک کے ہاں اس کا مقام اور تعلق ہوتا ہے۔ نیز اگر کسی حکمران کی کسی جگہ سبکی ہو تو پوری قوم اس کو اپنی سبکی سمجھتی ہے اور اگر کسی فورم پر اسکی عزت افزائی ہو تو پوری قوم اس عزت افزائی پر فخر محسوس کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ بھی اس چیز کا بہت خیال فرماتے تھے۔ چنانچہ جب آپ نے کافر حکمرانوں کو بھی خط لکھے تو اس چیز کا پورا پورا خیال فرمایا اور انہیں ان کے مناسب حال القابات سے مخاطب فرمایا۔ داخلی طور پر کسی بھی ملک کے امن و امان اور قانون کی حکمرانی کی صورتحال کا اس ملک کے شہریوں کے ہاں ان کے حکمران کے مقام و مرتبہ اور عزت و تکریم کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ ذیل میں کسی حکمران کے وقار اور ہیبت کا شہری زندگی کے مختلف پہلوؤں کے ساتھ تعلق کا بالاجمال جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

حکمران کی تعظیم وتوقیر اور دین کا تحفظ

حاکم کی ہیبت و مقام اور تکریم و توقیر کے ساتھ مسلم ریاست کے شہریوں کا دین محفوظ ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی ہیبت اور رعب و دبدبہ کی وجہ سے فاسق وفاجر اور کافر اپنے فاسد خیالات اور باطل اعتقادات کو عام کرنے سے گھبراتا ہے۔ اور اگر انہیں کہیں بھی تھوڑا سا موقع مل جائے تو وہ اپنے گندے عقائد اور باطل خیالات کے ساتھ لوگوں کے ایمان واعتقاد کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ دوسرے لفظوں میں اگر حاکم کی ہیبت و رعب نہ ہو تو مسلمانوں کے لیے اپنا دین بچانا انتہائی مشکل ہو کر رہ جائے۔ اس وقت بھی جائزہ لیا جاسکتا ہے کہ جن ملکوں میں حکام کی گرفت کمزور اور انکی ہیبت ختم ہوئی، وہاں ایسے ایسے فتنہ پرداز لوگ اٹھے کہ جنھوں نے مسلمانوں پر ہی کفر کے فتوے لگا کر انہیں ان کی عصمتوں، عزتوں، مال، جان اور کاروبار سے محروم کر کے رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ ایسے شر سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

حکمران کی تعظیم وتوقیر اور شہروں کا امن

حاکم کی ہیبت، رعب ودبدبہ اور تکریم وتوقیر کے ساتھ ہی شہروں کا امن قائم رہتاہے۔رعیت کے سامنے رعب ودبدبہ اور عزت وتکریم کے حامل حکمران کی مثال ایسے ہے جیسے سورج ہوتاہے کہ اسکی روشنی میں ہر شخص اپنا اپنا کام بآسانی کررہاہوتاہے، جونہی سورج غروب ہوتاہے لوگوں کے کام کاج رک جاتے ہیں، شریر اور جرائم پیشہ لوگ اپنی اپنی خباثتوں کے ساتھ دندناتے ہوئے نکل آتے ہیں، لٹیرے قافلوں کو لوٹنے کے لئے گھات لگالیتے ہیں۔انسان تو انسان، درندے، سانپ، بچھو حتی کہ چوہے بھی اپنے بلوں سے دلیر ہوکر نکل آتے ہیں جبکہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں محصور ہوکر دبک جاتے ہیں۔اسی طرح ایک حکمران کی مثال ہے، اگر وہ اور اس کے لشکر مضبوط ہوں تو رعیت کی جانیں، مال، کاروبار اور عزتیں، غرضیکہ ہر چیز محفوظ ہوتی ہے اور شہر وبازار آباد ہوتے ہیں۔اور جونہی اس کا کنٹرول کمزور پڑتاہے توہر طرف شرہی شر اور ظلم وفساد اور فتنہ کا دور دورہ ہوتاہے، قاتل، چور، ڈاکو، زانی اور لٹیرے سب دلیر ہوکر اپنے شرارتوں اور خباثتوں میں لگے ہوتے ہیں اور کوئی کسی کا پرسان حال نہیں ہوتا۔

اگر پوری دیانت داری کے ساتھ تجزیہ کرتے ہوئے حاکم نے سال بھر میں جو ظلم کیاہو، اسے ایک پلڑے میں ڈال دیاجائے اور ایک گھنٹہ کے لیے اعلان کردیاجائے کہ اس گھنٹے میں کوئی قانون نہیں اور کسی سے کسی بات پر کوئی بازپرس نہیں ہوگی، جس کاجو جی چاہے کر گزرے۔توصحیح بات یہ ہے کہ اس ایک گھنٹہ میں ہونے والا ظلم حاکم کے سال بھر کے ظلم کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہوگا۔

حکمران کی تعظیم وتوقیر اور دشمن سے دفاع

حکمران کی تعظیم وتوقیر اور رعب ودبدبہ ملک اور قوم کو دشمنوں کی شرارتوں اور سازشوں سے بچانے کا کام بھی کرتاہے۔کیونکہ دشمن ہمیشہ قوم اور حکمران کے درمیان نفرت ڈال کر اور قوم کے دلوں سے حاکم کا وقار اور رعب ختم کرکے اپنا وار کرتاہے۔اس لئے لازم ہے کہ حکمران کی تعظیم وتوقیر کے ذریعے دشمن کو ایسی ہر چال کو ناکام بنادیا جائے۔حدیبیہ کے موقع پر کفار کے سفیر عروہ بن مسعود ثقفی، جو بڑے جہاندیدہ قسم کے سفارت کار تھے، نے نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب کے باہمی تعلق کو بڑی باریکی سے نوٹ کیا۔اور واپس قریش کے پاس جاکر اپنا تجزیہ ان الفاظ میں پیش کیا:

" أي قوم والله لقد وفدت على الملوك: وفدت على قيصر، وكسرى، والنجاشي، والله إن رأيت ملكا قط يعظمه أصحابه ما يعظم أصحاب محمد محمدا "[1]

---

[1] – البيهقي ، أبو بكر أحمد بن الحسين الخُسْرَوْجِردي الخراساني ، دلائل النبوة ، المحقق: د. عبد المعطي قلعجي ، الناشر: دار الكتب العلمية ، الطبعة الأولى – 1988 م ، 99/4

اے میری قوم اللہ کی قسم میں بہت زیادہ بادشاہوں سے ملا ہوں۔ میں قیصر، کسریٰ اور نجاشی کے پاس بھی گیا ہوں۔ اللہ کی قسم: میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے لوگ اس کی وہ تعظیم کرتے ہوں جو محمد ﷺ کے ساتھی ان کی تعظیم کرتے ہیں۔

تو رعایا کے دلوں میں حاکم کی تعظیم اور محبت مسلم علاقے پر دشمن کو کسی قسم کی جرأت سے محروم کر دیتی ہے جبکہ حاکم کے لیے رعایا کے دلوں میں دشمنی اور نفرت کے نتیجے میں دشمن مسلم ریاست پر دلیر ہو جاتا ہے۔ اور اپنی سازشیں بروئے کار لانے لگتا ہے۔ اس لئے اسلام نے کسی صورت بھی حاکم کی تحقیر و توہین کی اجازت نہیں دی۔

الصوياني ، أبو عمر، محمد بن حمد ، الصحيح من أحاديث السّيرة النبوية ، الناشر: مدار الوطن للنشر ، الطبعة الأولى، 2011 م ، ص:345

الطبري ، أبو جعفر محمد بن جرير، تاريخ الطبري ، تاريخ الرسل والملوك ، الناشر: دار التراث ،بيروت ، الطبعة الثانية – 1387هـ ، 627/2

مبحث چہارم: حکمران پر طعن و تشنیع اور گالی گلوچ سے گریز کرنا

اسلام نے مطلق طور پر طعنہ زنی اور گالی گلوچ سے منع کیا ہے لیکن حاکم کی غلطیوں کو اچھال کر لوگوں کو اس کے خلاف بھڑکانا اور ان کے دلوں میں اس سے نفرت پیدا کرنا تو عمومی فساد اور فتنے کی جڑ ہے، یہی وہ پہلی چنگاڑی ہے جس سے خروج، بغاوت اور فتنے کی آگ بھڑکتی ہے اس لیے اس کی کسی صورت بھی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ خادم رسول سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

" نهانا كبراؤنا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:لا تسبوا أمراءكم ولا تغشوهم ولا تبغضوهم واتقوا الله واصبروا فإن الأمر قريب " [1]

اصحاب رسول ﷺ میں سے ہمارے بزرگ ہمیں ان باتوں سے منع کیا کرتے تھے، فرماتے تھے: تم اپنے حکام کو گالی نہ دو، نہ انہیں دھوکا دو، اور نہ ان سے بغض رکھو، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور صبر کرو، بے شک قیامت بہت قریب ہے۔

جبکہ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کسی شخص کے اپنے حکمران پر طعن و تشنیع کرنے کو اس کے نفاق کی ابتدائی نشانی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

" إن أول نفاق المرء طعنه على إمامه "[2]

بے شک آدمی کے نفاق کی ابتداء اس کا اپنے حکمران کے بارے میں زبان درازی اور طعن و تشنیع کرنا ہے۔

حکمرانوں کے بارے میں یہ وصیتیں ان بزرگ ہستیوں کی ہیں جو دن رات نبی ﷺ م کی تربیت سے فیضیاب ہوتے تھے۔ جبکہ اسلام کی عمارت میں اولین رخنہ ڈالنے والے ابن سبا یہودی کا طریق واردات یہ تھا کہ وہ نصیحت، خیر خواہی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لبادے میں مسلم امراء و عمال کے خلاف طعن و تشنیع اور غیبت کی مجلسیں گرم کرتا تھا۔ اصلاح کے نام پر لوگوں کے سامنے عمال کی غلطیوں، کوتاہیوں اور مظالم کو پیش کرتا اور یوں لوگوں کے سینوں میں انکے بارے میں احتقار، نفرت اور عداوت کے جذبات بھڑکاتا۔ چھوٹے درجے کے امراء سے لیکر اس طرح کرتے کرتے اس نے امیر المومنین، خلیفہ راشد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خلاف اس قدر مظبوط بغاوت برپا کردی کہ اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مظلومانہ شہید کردیے گئے۔ وہ اپنے نمائندوں کو اس حوالے سے ہدایات جاری کرتے ہوئے

---

[1] – كتا ب السنة مع ظلال الجنة ، باب: في ذكر قول النبي ﷺ: "ليس المؤمن بالطعان ولا اللعان". ، 488/2 ، حديث : 1015

[2] – شعب الإيمان ، 29/12 ، حديث :8959

بالخصوص یہ وصیت کرتا تھا:

" وابدءوا بالطعن على أمرائكم، وأظهروا الأمر بالمعروف، والنهي عن المنكر، تستميلوا الناس، وادعوهم إلى هذا الأمر. "[1]

تم اپنے حکام کے خلاف طعن و تشنیع سے ابتداء کرو،اور لوگوں کے سامنے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عزم،ارادہ اور نیت ظاہر کرو،اس کے ساتھ تم لوگوں کو اپنی طرف مائل کر لوگے،اور پھر ان لوگوں کو ان حکمرانوں کے خلاف بغاوت کی طرف بلاو۔

اس کے بالمقابل حکام کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے کے حوالے سے اہل سنت والجماعت کا منہج یہ نہ تھا کہ حکام کے عیوب کو سر عام نشر کیا جائے اور لوگوں کو ان کے خلاف اکسایا جائے کیونکہ اس سے انتشار پیدا ہوتا ہے،لوگوں کے دلوں میں اپنے حکام کی ناقدری نفرت اور توہین کے جذبات جنم لیتے ہیں اور نتیجہ کے طور پر ان کی اطاعت کرنے کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف حاکم کی اصلاح کے حوالے سے بھی مطلوبہ فوائد حاصل نہیں ہوتے۔اس لیے بہتر یہ ہے کہ نام لیے بغیر منکر کا انکار کیا جائے اور اس سے ڈرایا جائے۔

یاد رہے کہ جس طرح فسق وفجور اور گناہ پر خاموشی اختیار کرنا غلط ہے، بالکل اسی طرح کسی گناہ کی تشہیر کرنا بھی غلط ہے،درست طریقہ اعتدال والا ہی ہے۔تاریخ شاہد ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل تک پہنچنے والے اور بغاوت برپا کرنے والے بھی نیکی اور امر بالمعروف کی نیت سے یہ سب کچھ کر رہے تھے اور سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے خارجی بھی اسی نیت سے یہاں تک پہنچے تھے۔

اس وقت بھی کفار جہاں جہاں مسلمان ملکوں میں بغاوت کھڑی کرنا چاہتے ہیں،وہاں اپنے زر خرید الیکٹرانک میڈیا اور سوشل میڈیا پر حکمرانوں اور اداروں کے خلاف رائے عامہ ہموار کرتے ہیں اور جب عوامی رائے ان کے حق میں ہو جاتی ہے، پھر وہ جو چاہیں کرتے ہیں۔ کبھی وہ حکام کو بلیک میل کر کے اپنے اہداف حاصل کرتے ہیں، کبھی فوجی بغاوت یا سول بغاوت کے ذریعے اور بعض اوقات مسلح حملے کے ذریعے اپنے اہداف تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

---

[1] - تاريخ الطبري ، 341/4

التَّمِيمي ، سيف بن عمر الأسدي ، الفتنة ووقعة الجمل ، المحقق: أحمد راتب عرموش ، الناشر: دار النفائس ، الطبعة السابعة 1993ء، ص :49

ابن الأثير ، أبو الحسن عز الدين علي بن أبي الكرم محمد الشيباني الجزري ، الكامل في التاريخ ، تحقيق: عبد الله القاضي، دار الكتب العلمية بيروت – 1415ھ ، 46/3

مبحث پنجم: حکمرانوں کی خیر خواہی کرنا

جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ حاکم کی عزت وتوقیر لازم رکھی جائے گی، اس کی بات سنی اور مانی جائے گی، اس کے ظلم وستم پر بغاوت کی بجائے صبر کیا جائے گا، اس پر طعن وتشنیع، گالی گلوچ اور اس کی غیبت سے گریز کیا جائے گا اور اس کے خلاف یا اس کے فسق وفجور پر مشتمل اعمال کے خلاف عوامی فورم پر زبان نہیں کھولی جائے گی۔ لیکن ان تمام باتوں کا یہ قطعی مطلب نہیں ہے کہ حاکم کی ہر بات اور ہر غلط فعل بھی ایک تقدس رکھتا ہے بلکہ اسلام کی نگاہ میں حکمران کی جس قدر بھی حیثیت واہمیت ہو، وہ بہر حال ایک انسان ہی ہوتا ہے، عام انسانوں کی طرح اسے بھی شہوات وخواہشات لاحق ہوتی ہیں، خطاء اور غلطی کا بھی اس سے صدور ہوتا ہے اور بھول چوک ونسیان کا بھی۔ اسی لیے اسلام نے حاکم کے حقوق میں یہ چیز شامل کر دی ہے کہ اسے نصیحت کی جائے، سمجھایا جائے، نیکی کا حکم دیا جائے اور گناہ سے روکا جائے۔

ایک حاکم کا گناہ کرنا اور فاسق وفاجر ہونا کسی عام شہری کے فاسق وفاجر ہونے سے زیادہ خطرناک اور نقصان دہ ہے کیونکہ حاکم کے گناہ کے اثرات صرف اس کی ذات پر واضح نہیں ہوتے، بلکہ پوری رعایا پر واضح ہوتے ہیں۔ لوگ ہر اچھے برے کام میں شعوری ولاشعوری طور پر اپنے حاکم کی اقتداء کرتے ہیں۔ نیز جب حاکم کسی غلط کام کا ارتکاب کرتا ہے تو پھر اس گناہ کے لیے اس کی غیرت فطری طور پر کم ہو جاتی ہے اور وہ اخلاقی طور پر اس کے خلاف ایکشن لینے کے قابل نہیں رہتا۔ اس لیے حکمران اگر فسق وفجور پر مشتمل کوئی کام کرتا ہے تو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے بنیادی شرعی حکم کے تحت اسے نصیحت کی جائے گی۔ جیسا کہ سیدنا تمیم الداری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«الدِّينُ النَّصِيحَةُ، قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: لِلَّهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ»[1]

دین خیر خواہی ہے، ہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کن کے لئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: اللہ کے لئے، اور اس کے رسول کے لیے، اور مسلمانوں کے حکمرانوں کے لیے، اور عام مسلمانوں کے لیے۔

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" ثَلَاثُ خِصَالٍ لَا يَغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مُسْلِمٍ أَبَدًا: إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلَّهِ، وَمُنَاصَحَةُ وُلَاةِ

---

[1] – صحيح مسلم ، كِتَابُ الْإِيمَانِ ، بَابُ بَيَانِ أَنَّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ ، 74/1 ، حديث : 55

الْأَمْرِ، وَلُزُومُ الْجَمَاعَةِ، فَإِنَّ دَعْوَتَهُمْ تُحِيطُ مِنْ وَرَائِهِمْ " [1]

تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے بارے میں ایک مسلم آدمی کا دل کبھی بھی خیانت نہیں کرتا۔اللہ کے لیے عمل میں اخلاص، حکمرانوں کی خیر خواہی اور انہیں نصیحت کرنا اور جماعت کو لازم پکڑنا، کیونکہ ان کی دعاان کا بھی احاطہ کرتی ہے جوان سے پیچھے ہیں۔

ان احادیث مبارکہ کی روشنی میں حکام کو نصیحت کرنا،انہیں نیکی کا حکم دینااور برائی سے منع کرنا مسلم حکام کاان کی رعایا پر بنیادی حق ہے۔ لیکن انہیں نصیحت کرتے ہوئے ان کے منصب اور حیثیت کا خیال رکھنا انتہائی ضروری ہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالی نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو مطلق طور پر دعوت اور نصیحت کا حکم دیتے ہوئے نصیحت کا طریق کار یوں سمجھایا:

﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾[2]

"اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلااور ان سے اس طریقے کے ساتھ بحث کر جو سب سے اچھا ہے۔"

اس آیت کی تفسیر میں مولانا عبد الرحمن کیلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"اس آیت میں تبلیغ دین کے متعلق تین ہدایات دی گئی ہیں۔ پہلی ہدایت حکمت ہے۔حکمت کا مطلب یہ ہے کہ ایک تو موقع محل دیکھ کر دعوت دی جائے۔یعنی اس وقت دعوت دی جائے جب مخاطب کے دل میں سننے کی خواہش ہو اور وہ سننے کو تیار ہو اور دوسرے جو بات کہی جائے وہ مخاطب کے عقل و فہم کو ملحوظ رکھ کر کی جائے۔ عمدہ نصیحت سے مراد یہ ہے کہ جو بات آپ کہیں میٹھے اور دلنشیں انداز میں کہیں جو مخاطب کے دل میں اتر جائے۔ عقلی دلیل کے ساتھ ترغیب و ترہیب اور جذبات کو اپیل کرنے والی باتوں کی طرف بھی توجہ دلائیں آپ کے دل میں اس کے لیے تڑپ ہونی چاہیے۔ حتیٰ کہ مخاطب یہ سمجھے کہ آپ فی الواقع اس کے ہمدرد ہیں۔ ایسا نہ ہونا چاہیے کہ آپ مخاطب پر اپنی علمی برتری جتلانے اور اسے مرعوب کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔اور تیسری بات یہ ہے کہ اگر آپس میں دلائل سے بات کرنے کی نوبت آئے تو اس کی بات غور سے سنیں اور اپنی دلیل بھی شائستہ زبان میں پیش کریں اور اس کا مقصد افہام و تفہیم ہو۔ایک

---

[1] – مسند احمد، 467/35، حدیث: 21590
سلسلة الأحاديث الصحيحة ، 761/1-762 ، حديث :405

[2] – النحل16 : 125

دوسرے کو مات کرنا مقصود نہ ہو۔اور اگر کج بحثی تک نوبت پہنچ جائے تو پھر بحث کو بند کر دیں۔ کیونکہ اس صورت میں عین ممکن ہے مخاطب ضد میں آکر پہلے سے بھی زیادہ گمراہی میں مبتلا ہو جائے۔‘‘[1]

اس آیت میں ﴿وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے حافظ عبدالسلام بن محمد حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

’’اچھی نصیحت سے مراد ایسی بات ہے جو مخاطب کے دل کو نیکی کے عمل کے لیے نرم کرے، یا بدی کے خلاف ابھار دے، ترغیب کے ذریعے سے یا ترہیب کے ساتھ، جیسا کہ فرمایا: ﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا﴾ سو توان سے دھیان ہٹا لے اور انھیں وعظ و نصیحت کر اور ان سے ایسی بات کہہ جو ان کے دلوں میں بہت اثر کرنے والی ہو۔ اسے دلیل خطابی کہتے ہیں۔ دعوت کے اس اسلوب میں حسن و خوبی اور نرمی و ملائمت کو ملحوظ رکھنا اور بدزبانی و سخت کلامی سے پرہیز لازم ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو حکم دیا: ﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى﴾ پس اس سے بات کرو، نرم بات، اس امید پر کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر جائے۔‘‘[2]

غور فرمایئے جب عام لوگوں کو دعوت دینے کے لیے امام کائنات حضرت محمد ﷺ جیسے نرم دل، نرم زبان اور محبت و حکمت سے بھرپور ہستی کو یہ ہدایات دی جا رہی ہیں تو ہمیں ایک حکمران، کہ جس کے پاس قوت، طاقت، سلطہ اور بے پناہ اختیارات ہیں، کو دعوت و نصیحت کرتے ہوئے ان ہدایات پر بالاولی عمل پیرا ہونا ہوگا، تبھی ہم منزل حاصل کر سکیں گے ورنہ ’’ ایں خیال است و محال است و جنوں‘‘

نبی ﷺ نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ حاکم کو اعلانیہ، سب لوگوں کے سامنے ڈانٹتے ہوئے اور برا بھلا کہتے ہوئے نصیحت نہ کی جائے بلکہ اسے علیحدگی میں نصیحت کی جائے۔ تاکہ نہ تو اس کی ہیبت اور وقار متاثر ہو اور نہ ہی اس کے لیے نصیحت کو قبول کرنا دشوار ہو۔ جیسا کہ صحابی رسول سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" مَنْ أَرَادَ أَنْ يَنْصَحَ لِسُلْطَانٍ بِأَمْرٍ، فَلَا يُبْدِ لَهُ عَلَانِيَةً، وَلَكِنْ لِيَأْخُذْ بِيَدِهِ، فَيَخْلُوَ بِهِ، فَإِنْ قَبِلَ مِنْهُ فَذَاكَ، وَإِلَّا كَانَ قَدْ أَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ لَهُ " [3]

---

[1]۔ کیلانی، مولانا عبدالرحمن، تیسیر القرآن، مکتبۃ السلام لاہور، محرم الحرام 1432ھ، ص:559

[2]۔ تفسیر القرآن الکریم، 2/437-438

[3] – مسند أحمد بن حنبل ، 49/24 ، حديث : 15333

تم میں سے جو شخص کسی معاملے میں حکمران کو نصیحت کرنے کا ارادہ کرے تو وہ سب کے سامنے اس سے بات نہ کرے بلکہ وہ اس کا ہاتھ پکڑے اور علیحدہ ہو کر اسے نصیحت کرے۔ پھر اگر اس نے اس کی نصیحت مان لی تو بہت خوب، ورنہ اس نے اپنے اوپر عائد ذمہ داری ادا کر دی۔

ان احادیث سے یہ بات وضح ہوتی ہے کہ حکام کے منکرات کی کھلے عام مخالفت کرنا نبوی طریقہ نہیں ہے جب تک کہ وہ کفر بواح کا ارتکاب نہ کر گزریں۔اس کی بجائے انہیں حکمت و دانائی کے ساتھ ان کے منصب کا خیال رکھتے ہوئے اس طرح سمجھایا جائے گا کہ اس میں ان کی تعظیم کا پہلو بھی واضح ہو، ناصح کی ان کے ساتھ محبت، وفاداری اور خیر خواہی بھی چھلک رہی ہو اور اس نصیحت کے قبول کرنے کی صورت میں حاصل ہونے والے دنیاوی اور اخروی فوائد کا بھی ذکر ہو، اور یہ نصیحت حاکم کو بالکل خلوت میں کی جائے، اور حاکم کے نصیحت قبول کرنے یا نہ قبول کرنے ہر دو صورتوں میں اپنے اور حاکم کے درمیان اس ضمن میں ہونے والی گفتگو کو کسی مجلس میں بیان نہ کیا جائے۔ نیز نصیحت کے ساتھ ساتھ حاکم کی ہدایت کے لئے اللہ تعالی سے سر بسجود ہو کر دعائیں کی جائیں۔

حاکم ، أبو عبد الله محمد بن عبد الله النيسابوري ، المستدرك على الصحيحين ، تحقيق: مصطفى عبد القادر عطا ، الناشر: دار الكتب العلمية – بيروت ، الطبعة الأولى، 1990ء ، 329/3 ، حديث : 5269 - شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھیے: ظلال الجنة في تخريج السنة ، 522/2 ، حديث : 1097

مبحث ششم: حکام کے لیے دعا کرنا

ہر درد دل رکھنے والے دین دوست مسلمان کی دلی خواہش اور تمنا یہ ہوتی ہے کہ معاشرے میں ہر طرف عدل اور امن کا دور دورہ ہو اور جو بھی حکمران یا ذمہ دار ہو، وہ نیک، صالح، عادل اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو۔ کیونکہ حاکم کے نیک اور صالح ہونے کے ساتھ لوگوں، معاشروں اور شہروں کی اصلاح ہوتی ہے۔ حاکم کا عدل، تقویٰ اور اخلاص ہمیشہ شہروں اور شہریوں پر برکتوں اور رحمتوں کے نزول کا باعث ہوتا ہے۔ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری وقت ارشاد فرمایا تھا:

" إن الناس لم يزالوا بخير ما استقامت لهم ولاتهم و هداتهم " [1]

لوگ تب تک خیر و بھلائی کے ساتھ رہیں گے جب تک ان کے حکمران اور راہنما لوگ درست رہیں گے۔

اس بات میں بھی کوئی دوسری رائے نہیں ہے کہ ہدایت اور اصلاح کے خزانے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾[2] کے موجب وہ جسے چاہے، ہدایت سے نواز دیتا ہے اور نیکی کی توفیق دے دیتا ہے۔ اس لیے ایک صاحب ایمان ویقین شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے حاکم کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے، اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے نیکی، عدل اور توبہ کی توفیق طلب کرے۔ کیونکہ جب حاکم کی اصلاح ہو جائے گی تو اللہ کے فضل و کرم کے ساتھ اس کی وجہ سے سارے معاشرہ کی اصلاح آسان ہو جائے گی اور اس کے ظلم و گناہ سے تائب ہونے کی صورت میں معاشرہ کے لوگوں سے اس کے شر اور گناہ کی نحوست اٹھ جائے گی۔ اسی بات کو واضح کرتے ہوئے امام فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" لو أن لي دعوة مستجابة ما جعلتها إلا في السلطان- قيل له: يا أبا علي فسر لنا هذا-قال: إذا جعلتها في نفسي لم تعدني، وإذا جعلتها في السلطان صلح، فصلح بصلاحه العباد والبلاد-"[3]

اگر مجھے صرف ایک دعا ایسی مل جائے کہ جو لازماً قبول کی جائے گی تو میں وہ دعا حکمران کے علاوہ کسی اور کے حق میں نہ کروں۔ کہا گیا کہ اس بات کی وضاحت کیجئے تو فرمانے لگے: اگر میں وہ دعا

---

[1] – السنن الكبرى للبيهقي ، 281/8 ، حديث : 16651

[2] – القصص28 : 56

[3] – برهاري ، أبو محمد الحسن بن علي ، شرح السنة ، تحقيق : عبد الرحمن بن احمد الجميزى ، مكتبة دارالمنهاج الرياض ،الطبعة الاولى، 1426ھ ، ص : 113-114

اپنے لئے کروں گا تو اس کا فائدہ صرف اور صرف میری ذات کو ہو گا۔ اور جب میں وہ دعا حکمران کے لیے کروں گا تو اس کی اصلاح ہو جائے گی اور جب اس کی اصلاح ہو جائے گی تو اس کی اصلاح کے ساتھ بندوں اور شہروں یعنی پورے معاشرے کی بھی اصلاح ہو جائے گی۔

اہل سنت والجماعت کا ہمیشہ یہ وتیرہ رہا ہے کہ وہ اپنے حکمرانوں کے لیے خود دعا کرتے ہیں، لوگوں سے دعا کرواتے ہیں، اور ان کے لیے دعا کرنے کی تاکید کرتے ہیں اور اس عمل کو اہل سنت والجماعت کے شعار کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ امام حسن بن علی ابو محمد بربہاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" إذا رأيت الرجل يدعو على السلطان فاعلم أنه صاحب هوى، وإذا رأيت الرجل يدعو للسلطان بالصلاح فاعلم أنه صاحب سنة إن شاء الله "[1]

جب تم کسی آدمی کو دیکھو کہ سلطان کے خلاف دعا مانگ رہا ہے تو جان لو کہ وہ خواہشات کا پیروکار ہے اور اگر کسی آدمی کو دیکھو کہ وہ سلطان کی اصلاح کی دعا مانگ رہا ہے تو جان لو کہ اگر اللہ نے چاہا تو وہ سنت پر گامزن ہے۔

مزید فرماتے ہیں:

" فأمرنا أن ندعو لهم بالصلاح ، ولم نؤمر أن ندعو عليهم وإن ظلموا، وإن جاروا؛ لأن ظلمهم وجورهم على أنفسهم، وصلاحهم لأنفسهم وللمسلمين "[2]

ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ان حکمرانوں کے لئے اصلاح کی دعا کیا کریں، اور ہمیں اس بات کا حکم نہیں دیا گیا کہ ہم ان کے لئے بددعا کریں، اگرچہ وہ ظلم کریں اور زیادتی کریں۔ کیونکہ ان کے ظلم وستم کا وبال ان کے اپنے اوپر ہے، اور ان کی اصلاح ان کے اپنے نفسوں کے لئے بھی ہے اور تمام مسلمانوں کے لئے بھی۔

امام ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ ایک صاحب کو اس کے حکمران کے متعلق نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

« إنه مؤمر عليك مثلك، فإن اهتدى فاحمد الله، وإن عمل بغير ذلك فادع له بالهدى، ولا تخالفه فتضل »[3]

تجھ پر تیرے جیسا ایک انسان ہی حکمران بنا دیا گیا ہے، تو اگر وہ سیدھے راستے پر چلے تو اللہ کی حمد

---

[1] - شرح السنة ، ص : 113

[2] - ايضا ، ص : 114

[3] - الخَلّال ، أبو بكر أحمد بن محمد بن هارون البغدادي الحنبلي ، السنة ، المحقق: د. عطية الزهراني ، الناشر: دار الراية الرياض ، الطبعة الأولى، 1989م ، 86/1 ، رقم : 20

بیان کر۔اور اگر اس کے سوا عمل کرے تو اس کے لیے ہدایت کی دعا کر۔اور اس کی مخالفت نہ کر کہ تو گمراہ ہو جائے گا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہ جن پر حکمرانوں کی طرف سے آنے والی آزمائشیں اور ظلم وستم کی داستانیں ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہیں، لیکن وہ حکمران وقت کے بارے میں فرماتے ہیں:

« وإني لأدعو له بالتسديد، والتوفيق، في الليل والنهار، والتأييد، وأرى له ذلك واجبا علي »[1]

میں دن رات اس کے لئے اصلاح اور نیک اعمال کی توفیق اور مدد کی دعا مانگتا ہوں،اور میں اسے اپنے آپ پر واجب سمجھتا ہوں۔

مذکورہ بالا تفصیل کو سامنے رکھتے ہوئے ہر درد دل رکھنے والے مخلص صاحب ایمان شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے حکمران کی قول، فعل، عمل اور دعا، غرضیکہ ہر طریقے سے اصلاح کی کوشش کرے اور اسے بد دعائیں دینے اور لعن طعن کرنے کی بجائے اپنی خاص دعاؤں میں یاد رکھے، کیونکہ اس کی اصلاح میں لوگوں اور علاقوں کی اصلاح ہے اور اس کی خرابی میں معاشروں اور شہروں کی خرابی کا خطرہ ہے۔ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

[1] - السنة للخَلّال ، 1 /83 ، رقم : 14

بابِ دوم: شریعت کے تناظر میں مسلم ریاستوں اور حکام کی تکفیر

فصل اول: کفر و تکفیر، معنی و مفہوم اور شرعی حکم

فصل دوم: مسلم ریاستوں کی تکفیر شریعت کی روشنی میں

فصل سوم: مسلم حکام کی تکفیر کے اصول و ضوابط

فصل چہارم: مسلم حکام کی تکفیر کی شرائط

فصل اول: کفر و تکفیر، معنیٰ و مفہوم اور شرعی حکم

مبحث اول:　　کفر اور اس کی اقسام

مبحث دوم:　　تکفیر کی تعریف، اقسام اور شرعی حکم

فصل اول: کفر وتکفیر، معنی ومفہوم اور شرعی حکم

لغت عرب میں کفر کے بنیادی معنی چھپانے اور ڈھانپنے کے ہیں[1]۔امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" الكُفْرُ في اللّغة: ستر الشيء، ووصف الليل بِالْكَافِرِ لستره الأشخاص، والزّرّاع لستره البذر في الأرض، وليس ذلك باسم لهما كما قال بعض أهل اللّغة ------ والْكَافُورُ: اسم أكمام الثّمرة التي تَكْفُرُهَا، ------ وكُفْرُ النّعمة وكُفْرَانُهَا: سترها بترك أداء شكرها"[2]

کفر لغت میں کسی چیز کے ڈھانپنے اور چھپانے کو کہتے ہیں، رات کو کافر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کو چھپا لیتی ہے اور کاشتکار کو اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ زمین میں بیج کو چھپا دیتا ہے۔ کافر رات یا کاشتکار کا لغوی نام نہیں ہے جیسا کہ بعض اہل لغہ نے کہا ہے۔ کافور کھجور کے شگوفے کے اس غلاف کو کہتے ہیں جو پھل کو چھپا لیتا ہے۔ نعمت کے کفر یا کفران کا مطلب نعمت کو شکر ادا نہ کرنے کے ساتھ چھپا دینا ہے۔

علامہ ابن فارس رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" (كَفَرَ) الكاف والفاء والراء أصل صحيح يدل على معنى واحد، وهو الستر والتغطية. يقال لمن غطى درعه بثوب: قد كفر درعه - - - ويقال للزارع كافر، لأنه يغطي الحب بتراب الأرض - - - والكفر: ضد الإيمان، سمي لأنه تغطية الحق "[3]

ک،ف،ر، ایک ہی معنی پر دلالت کرتا ہے اور وہ ہے چھپانا اور ڈھانپنا۔ جس شخص نے اپنی زرہ کو کپڑے سے چھپایا ہو، اسے کہتے ہیں "قَدْ كَفَرَ دِرْعَهُ" کسان کو بھی اسی لئے کافر کہا جاتا ہے کہ وہ دانے کو زمین کی مٹی کے ساتھ چھپا دیتا ہے۔ اور لفظ کفر ایمان کی ضد ہے اور اسے کفر اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ حق کو چھپانے کا نام ہے۔

جرم کی شرعی سزا کو اسی لئے کفارہ کہتے ہیں کہ وہ گناہ کو مٹا دیتا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ إِن تَجْتَنِبُوا۟ كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُم

---

[1] – لسان العرب ، 144/5

[2] – الأصفهانى ، أبو القاسم الحسين بن محمد المعروف بالراغب ، المفردات في غريب القرآن ، المحقق: صفوان عدنان الداودي ، الناشر: دار القلم، الدار الشامية دمشق بيروت ، الطبعة: الأولى - 1412 هـ ، ص :714 ، امام اصفہانی نے یہاں بہت مفصل بحث کی ہے جو قابل مطالعہ ہے۔ دیکھیے صفحات:714-717

[3] – ابن فارس ، أبو الحسين أحمد القزويني الرازي ، معجم مقاييس اللغة ، المحقق: عبد السلام محمد هارون ، الناشر: دار الفكر ، عام النشر: 1979م. ، 191/5

مُّدۡخَلًا كَرِيۡمًا﴾[1]

اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچو گے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے تو ہم تم سے تمھاری چھوٹی برائیاں مٹادیں گے اور تمھیں باعزت داخلے کی جگہ میں داخل کریں گے۔

[1] – النساء4 :31

مبحث اول: کفر اور اس کی اقسام

دین اسلام میں داخل ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان تسلیم و رضا اور پورے یقین کے ساتھ اللہ تعالی کی وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار کرے اور اس کے ظاہری و باطنی تقاضوں کو پورا کرنے کا عہد کرے۔اس قسم کے عہد وپیماں کے ساتھ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اسلام سے خارج ہونے کی صرف یہی صورت ہو گی کہ انسان کھلے بندوں توحید ورسالت اور اسکے تقاضوں سے منکر ہو جائے، یا ایسے کسی قول و عمل کا ارتکاب کرے جس سے بغیر کسی شک وشبہ وتاویل کے یہ واضح ہو کہ اس نے اپنے توحید ورسالت کے اقرار کو ختم کر دیا ہے۔یوں انسان جس دروازے سے اسلام میں داخل ہوا تھا اسی دروازے سے باہر چلا جائے یعنی ایمان کے نور سے کفر کے اندھیروں میں داخل ہو جائے۔کفر کی اصطلاحی تعریف میں اہل علم کے کئی اقوال ہیں جن میں سے چند ایک ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

قاضی ابو بکر باقلانی رحمہ اللہ کے خیال میں کفر اللہ تعالی سے جہالت اور اس کو جھٹلانے کا نام ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

" الْكفْر--- هو ضد الإيمان وهو الجهل بالله عز وجل والتكذيب به "[1]

کفر ایمان کے الٹ ہے اور یہ اللہ عزوجل سے جہالت ولاعلمی اور اس کی تکذیب کا نام ہے۔

امام رغب اصفہانی رحمہ اللہ کے نزدیک وہ شخص کافر ہے جو اللہ تعالی کی وحدانیت، نبی ﷺ کی نبوت اور آپ کی لائی ہوئی شریعت میں سے کسی ایک کا، یا ان تینوں کا انکار کرتا ہے، فرماتے ہیں:

" والكافر على الإطلاق متعارف فيمن يجحد الوحدانية أو النبوة أو الشريعة أو ثلاثتها"[2]

کافر کا لفظ اس شخص پر بولا جاتا ہے جو اللہ تعالی کی وحدانیت، نبی ﷺ کی نبوت، یا آپ کی لائی ہوئی شریعت میں سے کسی ایک کا، یا ان تینوں کا انکار کرتا ہے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ کے خیال میں کفر کا حامل وہ شخص ہے کہ جس تک حق پہنچنے کے ساتھ حجت قائم ہو چکی ہے اور وہ پھر بھی حق کا اپنے دل کے ساتھ، یا زبان کے ساتھ، یا دل و زبان دونوں کے ساتھ انکار کرتا ہے، یا کسی ایسے عمل کا ارتکاب کرتا ہے کہ جس کے متعلق واضح نص موجود ہے کہ اس کے ارتکاب سے آدمی ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

" والكفر أصله في اللغة التغطية - - - وهو في الدين صفة من جحد شيئا مما افترض الله

---

[1] – الباقلانى ، القاضي أبو بكر محمد بن الطيب المالكي ، تمهيد الأوائل في تلخيص الدلائل ، المحقق: عماد الدين أحمد حيدر ، الناشر: مؤسسة الكتب الثقافية لبنان ، الطبعة الأولى، 1987ء ، ص : 394

[2] – المفردات فى غريب القرآن ، ص : 715

تعالی الإیمان به بعد قیام الحجة علیه ببلوغ الحق إلیه بقلبه دون لسانه أو بلسانه دون قلبه أو بهما معا أو عمل جاء النص بأنه مخرج له بذلك عن اسم الإیمان " [1]

لغت کے اعتبار سے کفر کی اصل ڈھانپنا ہے۔۔۔اور دین کے اعتبار سے یہ اس شخص کی صفت ہے کہ جس تک حق پہنچنے کے ساتھ حجت قائم ہو چکی ہے اور یہ پھر بھی ان چیزوں میں سے کسی ایک چیز کا اپنے دل کے ساتھ، یا زبان کے ساتھ، یا دل و زبان دونوں کے ساتھ انکار کرتا ہے کہ جن پر ایمان لانا اللہ تعالی نے لازم کر دیا ہے۔یا کوئی ایسا عمل کرتا ہے کہ جس کے متعلق واضح نص موجود ہے کہ وہ عمل اسے ایمان سے خارج کر دیتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے خیال میں اللہ تعالی اور اس کے رسولوں پر ایمان نہ لانے کا نام کفر ہے، چاہے وہ صرف شک و شبہ کی وجہ سے ہو، یا حسد، تکبر اور اپنی کچھ خواہشات کی وجہ سے۔چنانچہ آپ کفر کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فإن الکفر عدم الإیمان بالله ورسله سواء کان معه تکذیب أو لم یکن معه تکذیب بل شك وریب أو إعراض عن هذا کله حسدا أو کبرا أو اتباعا لبعض الأهواء الصارفة عن اتباع الرسالة "[2]

بلاشبہ کفر اللہ تعالی اور اس کے رسولوں پر ایمان نہ لانے کو کہتے ہیں، چاہے اس کے ساتھ جھٹلانا بھی شامل ہو، یا جھٹلانا تو نہ ہو بلکہ صرف شک و شبہ ہو، یا حسد، تکبر یا اتباع رسالت سے روکنے والی اپنی کچھ خواہشات کی وجہ سے اس تمام سے اعراض ہو۔

مزید فرماتے ہیں:

" والکفر إنما یکون بإنکار ما علم من الدین ضرورة أو بإنکار الأحکام المتواترة والمجمع علیها ونحو ذلك "[3]

کفر دین سے متعلق اس چیز سے انکار کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جس کا جاننا لازمی ہو، یا جو متواتر درجہ کے ہوں، یا ان پر امت کا اجماع ہو۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

---

[1] – ابن حزم الأندلسي، أبو محمد علي بن أحمد القرطبي الظاهري ، الإحكام في أصول الأحكام ، المحقق: الشيخ أحمد محمد شاكر ، الناشر: دار الآفاق الجديدة ، بيروت ، 50/1

[2] – مجموع الفتاوى لابن تيمية، 335/12

[3] – ايضا ، 106/1

"وإنما الكفر يكون بتكذيب الرسول صلى الله عليهم وسلم فيما أخبر به أو الامتناع عن متابعته مع العلم بصدقه، مثل كفر فرعون واليهود ونحوهم-" [1]

کفر کا ارتکاب تو رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی باتوں کے جھٹلانے کے ساتھ ہوتا ہے، یا آپ کی سچائی کا علم ہونے کے باوجود آپ کی اتباع سے رک جانے کی وجہ سے ہوتا ہے، جیسے فرعون اور یہود اور ان جیسے لوگوں کا کفر ہے۔

مذکورہ بالا تمام کی تمام تعریفات اگرچہ اپنے اپنے الفاظ میں ایک دوسرے سے کچھ مختلف ہیں لیکن اپنے مدلول اور معنی میں تقریبا ایک ہی مفہوم کو واضح کر رہی ہیں کہ کفر ایمان کی ضد ہے۔ اور یہ اللہ تعالی کی وحدانیت، انبیاء کی نبوت و رسالت اور اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت کے جانتے بوجھتے اور سوچ سمجھے قولی یا فعلی انکار کا نام ہے۔

کفر کی اقسام

کفر ہمیشہ ایک ہی طرح کا نہیں ہوتا، نہ ہی اس کا حکم ہمیشہ ایک سا ہوتا ہے، بلکہ کفر کی کئی اقسام ہیں۔ اہلِ علم نے قرآن وسنت کی نصوص کو سامنے رکھتے ہوئے کفر کو مندرجہ ذیل دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا ہے: [2]

- کفر اکبر: وہ کفر جو بندے کو اسلام سے خارج کر دیتا ہے، اور اس کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج، مرتد قرار پاتا ہے۔
- کفر اصغر: وہ کفر کہ جو اپنے فاعل کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتا، بلکہ وہ کبیرہ گناہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اسے "کفر دون کفر" بھی کہا جاتا ہے۔

کفر کی اقسام پر مبنی یہ تقسیم علماء کی خود ساختہ تقسیم نہیں ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ سے اس کا واضح ثبوت ملتا ہے، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"أُرِيتُ النَّارَ فَإِذَا أَكْثَرُ أَهْلِهَا النِّسَاءُ، يَكْفُرْنَ» قِيلَ: أَيَكْفُرْنَ بِاللَّهِ؟ قَالَ: " يَكْفُرْنَ العَشِيرَ، وَيَكْفُرْنَ الإِحْسَانَ"[3]

مجھے جہنم دکھلائی گئی تو اس میں زیادہ تر عورتیں تھیں جو کفر کرتی ہیں۔ کہا گیا یا رسول اللہ! کیا وہ اللہ

---

[1] – ابن تيمية، تقي الدين ابو العباس أحمد بن عبد الحليم الحراني ، درء تعارض العقل والنقل ، تحقيق: الدكتور محمد رشاد سالم ، الناشر: جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية، السعودية، الطبعة الثانية، 1991 م ، 242/1

[2] – دیکھیے: الرحيلى ، ابراهيم بن عامر، التكفير وضوابطه ، دار الامام احمد ، الطبعة الثانية ، ص : 93 – 95 بازمول ، دكتور محمد بن عمر بازمول ، مذكرة التكفير وضوابطه ، ص : 15 - 24

[3] – صحيح البخارى ،كِتَابُ الإِيمَانِ ، باب كفران العشير، وكفر دون كفر، 15/1، حديث: 29 – صحيح مسلم: 907

کے ساتھ کفر کرتی ہیں ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ خاوند کی ناشکری کرتی ہیں۔ اور احسان کا انکار کرتی ہیں۔

اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ کفر کی دو قسمیں ہیں: کفر اکبر، یعنی اللہ کے ساتھ کفر کہ جس کے ساتھ آدمی ملت سے خارج ہو جاتا ہے اور کفر اصغر، یعنی احسان کا انکار اور خاوند کی ناشکری۔ اسی وجہ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر باب منعقد کیا ہے: " بَابُ كُفْرَانِ العَشِيرِ، وَكُفْرٍ دُونَ كُفْرٍ " یعنی شوہر کی ناشکری کا بیان اور اس بات کا بیان کہ ایک کفر دوسرے کفر سے کم ہوتا ہے۔ اسی تقسیم کی وضاحت کرتے ہوئے امام محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" قالوا: فكما كان الظلم ظلمين، والفسوق فسقين، كذلك الكفر كفران: أحدهما ينقل عن الملة، والآخر لا ينقل عنها فكذلك الشرك شركان شرك في التوحيد ينقل عن الملة، وشرك في العمل لا ينقل عن الملة وهو الرياء "[1]

علماء نے فرمایا ہے: جس طرح ظلم دو قسم کا ہوتا ہے، فسق دو قسم کا ہوتا ہے، اسی طرح کفر دو قسم کا ہوتا ہے: ایک وہ کفر جو اسلام سے خارج کر دیتا ہے اور دوسرا وہ جو اسلام سے خارج نہیں کرتا۔ اسی طرح شرک بھی دو قسم کا ہوتا ہے: ایک توحید میں شرک کہ جو دین سے خارج کر دیتا ہے اور دوسرا عمل میں شرک جو دین سے خارج نہیں کرتا اور وہ ریاکاری ہے۔

امام ابن اثیر جزری رحمہ اللہ اس تقسیم کو مزید نکھارتے ہوئے فرماتے ہیں:

"والكفر صنفان: أحدهما الكفر بأصل الإيمان وهو ضده، والآخر الكفر بفرع من فروع الإسلام، فلا يخرج به عن أصل الإيمان." [2]

اور کفر دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک اصلِ ایمان کا انکار کرنا ہے اور یہ کفر بالکل ایمان کے الٹ ہے۔ اور دوسرا اسلام کی فروع میں سے کسی فرع کا انکار کرنا ہے، اس کی وجہ سے آدمی دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔

امام ابن قیم الجوزی رحمہ اللہ دونوں قسم کے کفر کا حکم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" فأما الكفر فنوعان: كفر أكبر، وكفر أصغر. فالكفر الأكبر هو الموجب للخلود في

---

[1] – المرْوَزِي ، أبو عبد الله محمد بن نصر بن الحجاج ، تعظيم قدر الصلاة ، المحقق: د. عبد الرحمن عبد الجبار الفريوائي، الناشر: مكتبة الدار المدينة المنورة ، الطبعة الأولى، 1406 ، 2/526-527

[2] – ابن الأثير الجزري ، مجد الدين أبو السعادات المبارك بن محمد ، النهاية في غريب الحديث والأثر ، تحقيق: طاهر أحمد الزاوى – محمود محمد الطناحي ، الناشر: المكتبة العلمية بيروت، 1979ء ، 4/186

النار.والأصغر موجب لاستحقاق الوعيد دون الخلود، " [1]

کفر دو قسم کا ہوتا ہے: کفر اکبر اور کفر اصغر۔ کفر اکبر وہ ہے جو جہنم میں ہمیشہ رہنے کا باعث ہے، جبکہ کفر اصغر پر سزا کی وعید تو ہے لیکن وہ جہنم میں ہمیشہ رہنے کا موجب نہیں ہوتا۔

مذکورہ بالا پوری بحث اور علمائے امت کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ کفر اصغر اور کفر اکبر میں واضح فرق ہے۔ کفر اصغر سے وہ کفر مراد نہیں ہے کہ جس کا مرتکب ایمان سے خارج یعنی دین سے مرتد قرار پاتا ہو، بلکہ اس سے کم تر کفر مراد ہوتا ہے۔ جیسے بعض احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے کسی مسلمان سے لڑنے کو کفر اور لڑنے والوں کو کافر قرار دیا ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«سِبَابُ المُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ»[2]

مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔

اسی طرح عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لاَ تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا، يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ»[3]

میرے بعد پھر کافر نہ ہو جانا کہ دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

لیکن آپ ﷺ کے ان واضح ارشادات کے باوجود دو مسلمانوں کی باہمی لڑائی انہیں دین اسلام سے خارج کر کے حقیقی کافر نہیں بنا دیتی، بلکہ وہ اس کے باوجود بھی قرآن مجید کی نظر میں مومن ہی رہتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (9) إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ﴾[4]

اور اگر ایمان والوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو دونوں کے درمیان صلح کرا دو، پھر اگر دونوں

---

[1] - ابن قيم الجوزية ، شمس الدين محمد بن أبي بكر بن أيوب، مدارج السالكين بين منازل إياك نعبد وإياك نستعين ، المحقق: محمد المعتصم بالله البغدادی ، الناشر: دار الكتاب العربي بيروت ، الطبعة الثالثة، 1996ء ، 344/1

[2] - صحيح البخاری، كِتَابُ الأَدَبِ، بَابُ مَا يُنْهَى مِنَ السِّبَابِ وَاللَّعْنِ، 15/8، حديث : 6044 – صحيح مسلم : 116

[3] - صحيح البخاری ، كِتَابُ الفِتَنِ، بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لاَ تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا،50/9، حديث : 7077 – صحيح مسلم : 118

[4] - الحجرات49 : 9-10

میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس (گروہ) سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے، پھر اگر وہ پلٹ آئے تو دونوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف کرو، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کروادو۔

امام بخاری اور دوسرے ائمہ کرام و مفسرین رحمہم اللہ کے خیال میں یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے لڑنے کے باوجود مسلمان ہی رہتے ہیں، اسلام سے خارج یا مرتد نہیں ہو جاتے، کیونکہ اللہ تعالی نے یہاں آپس میں لڑنے والے دونوں فریقوں کو نہ صرف مومن قرار دیا ہے بلکہ انہیں آپس میں بھائی بھائی بھی قرار دیا ہے۔ اسی طرح آیت قصاص[1] میں اللہ تعالی نے قاتل کو مقتول کے وارث کا بھائی قرار دیا ہے۔ ان احادیث میں کسی مسلمان سے لڑائی کو کفر قرار دینے سے مراد کفر اکبر سے کم تر درجے کا کفر یعنی کفر اصغر ہے، کیونکہ گناہ کے تمام کام کفر اور جاہلیت ہوتے ہیں اور ایسے عمل کے مرتکب شخص کو کافر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے کفر کے کام کا ارتکاب کیا ہے، اس کا ایمان کامل نہیں رہا بلکہ وہ ناقص الایمان مومن ہے، یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ وہ شخص ملت اسلام سے خارج ہو گیا۔ دلیل اس کی زیر تفسیر آیت اور دوسری بہت سی آیات و احادیث ہیں جو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی "کتاب الایمان" میں اور دوسرے ائمہ و مفسرین نے اپنی اپنی تصانیف میں بیان فرمائی ہیں۔ اس آیت سے ان لوگوں کے عقیدے کی صریحا نفی ہوتی ہے جو کسی بھی کبیرہ گناہ کے مرتکب کو، جس نے توبہ نہ کی ہو، کافر اور ابدی جہنمی قرار دیتے ہیں اور ان لوگوں کے عقیدے کی بھی، جن کے خیال میں کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ مومن ہے نہ کافر۔ خیال رہے کہ کفر اصغر کے برعکس کفر اکبر ایمان کے نقیض اور متضاد ہے اور کفر اکبر کا مرتکب نہ صرف دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے بلکہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنے کا مستحق بن جاتا ہے۔

کفر اکبر کی اقسام

کفر اکبر کی بڑی بڑی چند اقسام مندرجہ ذیل ہیں:[2]

کفر انکار و تکذیب: یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بالکل نہ جانتا ہو اور نہ مانتا ہو، بلکہ اللہ تعالی کا دل اور زبان سے صاف صاف انکار کرتا ہو۔ اسے کفر تکذیب بھی کہتے ہیں۔

کفر جحود: اس کا مرتکب اللہ تعالیٰ کا دل سے تو اعتراف کرتا ہے لیکن زبان سے اقرار نہیں کرتا جیسے فرعون کا موسی علیہ السلام کے ساتھ کفر اور یہود کا محمد ﷺ کے ساتھ کفر

---

[1] - البقرة 2: 188

[2]۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں: التكفير وضوابطه للرحيلى ، ص 98 - 106

کفر عناد و استکبار: اسلام کو دل سے حق سمجھتا ہو، زبان سے اس کے حق ہونے کا اقرار بھی کر لیتا ہو لیکن اپنے عناد اور تکبر کی وجہ سے اسے قبول کرنے لیے تیار نہ ہو جیسے ابلیس لعین کا کفر

کفر نفاق: اسلام کا اپنی زبان سے تو اقرار کرتا ہو لیکن دل سے اس کے بر حق ہونے کا اعتقاد نہ رکھتا ہو، اسے نفاق اعتقادی اور نفاق اکبر بھی کہتے ہیں۔ جیسے عبد اللہ بن ابی اور اس جیسے دوسرے منافقین کا کفر

کفر اعراض: اس کا مرتکب اپنے کان دل اور زبان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ اور آپ کی تعلیمات سے اس طرح اعراض کرتا ہے کہ نہ تصدیق کرتا ہے نہ تکذیب اور نہ ہی آپ کی بات پر توجہ دینا اور غور و فکر کرنا پسند کرتا ہے۔ جیسے طائف کے ایک سردار ابن عبد یالیل نے نبی ﷺ کو جواب دیا تھا۔

کفر اصغر کی اقسام

کفر اصغر کی بہت زیادہ اقسام ہیں، مثلاً اللہ تعالی کی عطا کردہ نعمتوں کی ناشکری کرنا، عورت کا اپنے خاوند یا کسی بھی انسان کا اپنے محسن کی ناشکری کرنا، ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے لڑائی کرنا، کسی کے حسب نسب میں طعن کرنا، میت پر نوحہ اور بین کرنا، اپنی نسبت اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ کفر اصغر کی چند ایک اقسام ہیں، جبکہ ان کے علاوہ بھی کفر اصغر کی کئی اقسام قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔

مبحث دوم: تکفیر کی تعریف، اقسام اور شرعی حکم

لغوی اعتبار سے تکفیر لفظ "کفر" (بالتشدید، باب تفعیل) کا مصدر ہے، جس کا معنی ہے: کسی کی کفر کی طرف نسبت کرنا، کسی کو کافر قرار دینا۔ لسان العرب میں ہے:

"وأكفرت الرجل: دعوته كافرا- يقال: لا تكفر أحدا من أهل قبلتك أي لا تنسبهم إلي الكفر أي لا تدعهم كفارا ولا تجعلهم كفارا بقولك وزعمك- وكفر الرجل: نسبه إلى الكفر "[1]

"اكفرت الرجل "میں نے اسے کافر کہہ کر بلایا، کہا جاتا ہے: اپنے اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہ کر یعنی کفر کی طرف ان کی نسبت نہ کر، مطلب یہ ہے کہ انہیں کافر کہہ کر نہ بلا، اور نہ ہی اپنے قول میں یا خیال میں کافر سمجھ، اور اس نے آدمی کی تکفیر کی یعنی اسے کفر کی طرف منسوب کیا۔

امام زبیدی رحمہ اللہ نے لفظ تکفیر کی وضاحت میں یہی بات تاج العروس[2] میں لکھی ہے۔ جبکہ اصطلاحی طور پر تکفیر یہ ہے کہ کسی کلمہ پڑھنے والے اور مسلمان ہونے کا دعوی رکھنے والے شخص کو کافر قرار دے دیا جائے۔ اس کی تکفیر چاہے خبر دینے کے انداز میں کی جائے جیسا کہ کہا جائے کہ فلاں کافر ہے، یا بلانے کے انداز میں کی جائے یعنی اسے مخاطب کرتے وقت اے کافر! کہہ کر پکارا جائے یا کسی کے بارے میں یہ نظریہ بنالیا جائے کہ وہ کافر ہے۔ دوسرے لفظوں میں کسی بھی مسلمان کو کسی بھی انداز میں دین اسلام سے خارج قرار دینا تکفیر کہلاتا ہے۔ "معجم لغة الفقهاء" میں تکفیر کی اصطلاحی تعریف یوں کی گئی ہے:

"التكفير هو الحكم على المسلم بالردة" [3]

تکفیر مسلمان پر ارتداد کا حکم لگانے کو کہتے ہیں۔

تکفیر کی اقسام

اہل علم کی تقسیم کے مطابق تکفیر کی بنیادی طور پر دو اقسام ہیں: اول تکفیر مطلق اور دوم تکفیر معین۔

---

[1] – لسان العرب ، 146/5 – نیز دیکھیے : الجوهري ، أبو نصر إسماعيل بن حماد الفارابي، الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية ، تحقيق: أحمد عبد الغفور عطار ، دار العلم للملايين بيروت، الطبعة الرابعة – 1987 م ، 808/2

[2] – الزَّبيدي ، أبو الفيض محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني ، تاج العروس من جواهر القاموس ،مجموعة من المحققين ، الناشر: دار الهداية ، التراث العربى الكويت ، 1974 ء، 62/14

[3] – قلعجي، محمد رواس – حامد صادق قنيبي ، معجم لغة الفقهاء ، دار النفائس للطباعة والنشر والتوزيع ، الطبعة الثانية، 1988 ء ، ص : 85

تکفیر مطلق

کسی بھی ایسے قول یا فعل کہ جو اسلام کے منافی اور اس کو ختم کرنے والا ہو، اور اسے کتاب وسنت میں کفر قرار دیا گیا ہو، کی اصولی تکفیر کرتے ہوئے اس پر مطلقا کفر کا حکم لگانا کہ جس نے بھی یہ کام کیا وہ کافر ہے، تکفیر مطلق کہلاتا ہے۔ تکفیر مطلق میں اس فعل کے فاعل یا اس قول کے قائل کا نام لے کر اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جاتا۔ یعنی یہ کہنا کہ جس نے یہ بات کہی، اس نے کفر کیا، یا یہ کہنا کہ جس نے یہ فعل سرانجام دیا، اس نے کفر کیا، یا یہ کہنا کہ جس نے یہ عقیدہ رکھا اس نے کفر کیا، تکفیر مطلق کے قبیل سے ہے۔ ایسی تکفیر کی صورت میں جن افراد پر یہ تکفیر صادق آتی ہے ان سے کفار والا معاملہ نہیں کیا جاتا اور نہ ہی انہیں مرتد قرار دیا جاتا ہے۔ تکفیر کی اس قسم کے بارے میں اہل علم سے کوئی اختلاف منقول نہیں ہے اور سب کا متفقہ خیال ہے کہ ایسی تکفیر ہر مسلم کر سکتا ہے[1]، بلکہ ایسی تکفیر ہر وہ شخص کر رہا ہوتا ہے جو قرآن مجید یا احادیث نبویہ کا مطالعہ کر رہا ہوتا ہے۔[2] شیخ ابراہیم بن عامر الرحیلی 3 نے تکفیر مطلق کی بڑی جامع اور مختصر تعریف کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"التكفير المطلق هو تعليق الكفر علىٰ وصف عام لا يختص بفرد معين"[4]

تکفیر مطلق سے مراد یہ ہے کہ ایک عام وصف پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے، لیکن کسی معین شخص کو خاص نہ کیا جائے۔

تکفیر مطلق کی صورتیں

اہل علم نے تکفیر مطلق یا لعن مطلق کی دو صورتیں بیان کی ہیں[5]۔ پہلی صورت یہ ہے کہ کسی قول، فعل یا اعتقاد پر مطلقا کفر کا حکم لگا دیا جائے کہ جس شخص نے یہ بات کہی، اس نے کفر کیا، یا جس نے یہ عمل کیا اس نے کفر کیا، یا عیسی و عزیر علیہما السلام کو اللہ تعالی کا بیٹا ماننے والے کافر ہیں وغیرہ وغیرہ۔ قرآن مجید میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

---

[1]- محمد زبیر، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر، عصر حاضر میں تکفیر، خروج، جہاد اور نفاذ شریعت کا منہج، مکتبہ رحمۃ للعالمین، لاہور، طبع اول۔ 2013، صفحہ:52

[2]-مزید تفصیل کے لئے دیکھیے: ایضا، صفحہ:54

3- موصوف جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کے کلیۃ الدعوۃ واصول الدین میں قسم العقیدہ کے استاذ ہیں۔

[4] -التكفير وضوابطه للرحيلى، ص:117

[5]-الغزالي ، أبو حامد محمد بن محمد الطوسي ، إحياء علوم الدين ، دار المعرفة بيروت ، 1982 ء ، 123/3، التكفير وضوابطه للرحيلى ، ص : 117-118

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾[1]

بے شک ان لوگوں نے کفر کیا کہ جنہوں نے کیا اللہ تو مسیح ابن مریم ہے۔

سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ منافقین کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ﴾[2]

اور اگر آپ ان سے دریافت کریں تو کہیں گے کہ ہم یونہی بات چیت اور دل لگی کر رہے تھے، کہہ دو: کیا اللہ سے اور اس کی آیتوں سے اور اس کے رسول سے تم مذاق کرتے تھے۔ بہانے مت بناؤ ایمان لانے کے بعد تم نے کفر کا ارتکاب کیا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی خاص مذہب، گروہ، جماعت یا فریق کا نام لے کر مطلقا اس پورے گروہ پر کفر کا حکم صادر کر دیا جائے۔ جیسے کہا جائے کہ یہودی کافر ہیں، عیسائی کافر ہیں یا ہندو کافر ہیں وغیرہ وغیرہ۔ قرآن مجید میں اس کی بھی کئی مثالیں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾[3]

اور سلیمان نے کفر نہیں کیا اور لیکن شیطانوں نے کفر کیا کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔

سورہ ہود میں اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کا نام لے کر ارشاد فرمایا:

﴿اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ﴾[۴]

بے شک قوم ثمود نے اپنے رب سے کفر کیا۔ سن لو! ثمود کے لیے ہلاکت ہے۔

تکفیر معین

تکفیر معین یہ ہے کہ کسی ایسے شخص پر اسے نامزد کرتے ہوئے کفر کا فتویٰ لگا دیا جائے جو اسلام کے منافی کوئی عمل کرتا ہے یا ایسی بات کہتا ہے کہ جو اسلام کو ختم کرنے کا موجب بنتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں کسی بھی ایسے کام، کہ جس کا کفر یا شرک ہونا کتاب وسنت سے ثابت ہے، کے مرتکب کسی شخص کا نام لے کر اسے خاص کرتے ہوئے اس پر کفر کا حکم لگانا تکفیر معین کہلاتا ہے۔ یعنی یہ کہنا کہ فلاں شخص کافر ہے، تکفیر معین ہے۔ اس کی متعدد مثالیں قرآن

---

1 – المائدة5 : 17

2 – التوبة9 : 65-66

[3] – البقرة 2: 102

[4] – هود11 : 68

وسنت میں مذکور ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ﴾[1]

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس کہ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

تو یہاں اللہ تعالیٰ نے ابلیس کا نام لے کر اس کو کافر قرار دیا۔ اسی طرح سورہ التحریم میں اللہ تعالیٰ نے لوط اور نوح علیہما السلام کی بیویوں کو مخصوص کر کے کافر قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتَ نُوحٍ وَامْرَأَتَ لُوطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا﴾[2]

اللہ کافروں کے لیے ایک مثال بیان کرتا ہے نوح اور لوط کی بیوی کی، وہ ہمارے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں پھر ان دونوں نے ان کی خیانت کی۔

اگر کسی شخص یا گروہ پر کافر ہونے یا کسی قول یا فعل پر لفظ کفر کا اطلاق کتاب وسنت سے ثابت ہو تو ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس شخص یا گروہ کو کافر کہے یا اس قول یا فعل پر کفر کا حکم لگا دے، لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو پھر کسی معین شخص یا گروہ پر کافر ہونے کا حکم لگانا ہر شخص کے لیے جائز نہیں ہے بلکہ یہ کام صرف اور صرف اہل علم شروط وضوابط اور تکفیر کے موانع سے متعلقہ پوری تحقیق کے بعد سرانجام دے سکتے ہیں۔ اس بات کو مزید واضح طور پر سمجھنے کے لیے نبی ﷺ کے مبارک دور کی ایک مثال پر غور کیجیے۔ یہ بات معروف ہے کہ شراب ایسی ملعون چیز ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے متعلق دس افراد پر لعنت فرمائی ہے، جیسا کہ خادم رسول سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

" لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي الخَمْرِ عَشَرَةً: عَاصِرَهَا، وَمُعْتَصِرَهَا ، وَشَارِبَهَا، وَحَامِلَهَا، وَالمَحْمُولَةُ إِلَيْهِ، وَسَاقِيَهَا، وَبَائِعَهَا، وَآكِلَ ثَمَنِهَا، وَالمُشْتَرِي لَهَا، وَالمُشْتَرَاةُ لَهُ"[3]

رسول اللہ ﷺ نے شراب کی وجہ سے دس آدمیوں پر لعنت فرمائی ہے: اس کے نکالنے والے پر، نکلوانے والے پر، اس کے پینے والے پر، اس کے لے جانے والے پر، جس کے لیے لے جائی جائے اس پر، اس کے پلانے والے پر، اور اس کے بیچنے والے پر، اس کی قیمت کھانے والے پر، اس کو

1- البقرة 2 :34

2- التحريم66 :10

[3] – سنن الترمذي ، أَبْوَابُ الْبُيُوعِ، بَابُ النَّهْيِ أَنْ يُتَّخَذَ الخَمْرُ خَلًّا ، 580/2 ،حديث : 1295 – سنن ابن ماجه : 3380 ، 3381 – سنن ابی داود : 3674

خریدنے والے پر اور جس کے لیے خریدی گئی ہو اس پر۔

لیکن اس مطلق لعنت کا کسی معین فرد پر اطلاق کرنا کسی عام شخص کو تو کجا، صحابی رسول کو بھی اس کی اجازت نہیں ہے۔ جیسا کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص، جن کا نام عبداللہ تھا، اور وہ "حمار" کے لقب سے پکارے جاتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہنسایا کرتے تھے، شراب نوشی کے عادی مجرم تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں شراب پینے پر کئی بار کوڑے مارے تھے۔ ایک دن انہیں پھر اسی جرم میں آپ کے پاس لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے حکم دیا اور انہیں کوڑے مارے گئے۔ حاضرین مجلس میں سے ایک صاحب نے کہا: اللہ اس پر لعنت کرے! کس قدر کثرت کے ساتھ اسے اس جرم میں لایا جاتا ہے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ڈانٹتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«لاَ تَلْعَنُوهُ، فَوَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ إِنَّهُ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ» [1]

اس پر لعنت نہ کرو، اللہ کی قسم! میں تو اس کے متعلق یہی جانتا ہوں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

تکفیر مطلق کا شرعی حکم

پچھلی بحث سے تکفیر مطلق اور تکفیر معین کے درمیان فرق کی بنیاد واضح طور پر سمجھی جا سکتی ہے۔ اس فرق کی طرح شرعی احکام میں حکم مطلق اور حکم علی المعین کے درمیان فرق کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم بالکل عموم کے پیرائے میں دیا گیا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ﴾[2]

چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، تاکہ ان کو اپنے کیے کا بدلہ ملے، اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہو۔

تو اگر اس آیت کے ظاہر کو دیکھا جائے تو یہ حکم عام ہے کہ جس میں ہر چوری کرنے والا مرد اور عورت شامل ہیں۔ لیکن کیا ہر وہ شخص کہ جس پر چوری کا الزام ہو، اس آیت کی روشنی میں بغیر کسی مزید کارروائی کے قطع ید کا مستحق ہے؟؟ یقینا نہیں بلکہ جب بھی کسی معین شخص کو چوری کا الزام لگا کر عدالت میں پیش کیا جائے گا تو اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دینے سے پہلے دیکھا جائے گا کہ آیا اس معین شخص کے معاملہ میں چوری کی حد کے نفاذ کی تمام شرائط موجود ہیں؟ اور وہ تمام

---

[1] – صحيح البخارى ، كِتَابُ الحُدُودِ، بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ لَعْنِ شَارِبِ الخَمْرِ، وَإِنَّهُ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنَ المِلَّةِ، 158/8 ـ حديث نمبر : 6780

[2] – المائدة5 : 38

موانع، کہ جو ملزم پر حد کے نفاذ سے روکتے ہیں، ختم ہو چکے ہیں؟ یعنی چور بالغ و عاقل ہے کہ نہیں؟ اور مال چوری کی حد نصاب کو پہنچ رہا ہے یا کم ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح دیگر تمام شرعی حدود اور احکام ہیں کہ ان میں کسی معین شخص کے لیے حکم جاری کرتے وقت پوری تسلی سے تمام پہلوؤں کو دیکھا جاتا ہے اور متعلقہ شروط کے پورے ہونے، اصول و ضوابط کے منطبق ہونے اور موانع کے منتفی ہونے کی صورت میں ہی حکم جاری کیا جاتا ہے۔ اسی طرح مطلق تکفیر کا حکم تو شریعت نے کئی افعال پر صادر کیا ہے لیکن جب کسی معین شخص پر تکفیر کا حکم لگانا ہو گا تو پھر تفصیل سے دیکھا جائے گا اور تکفیر جیسے شرعی حکم کے تمام تقاضے پورے کر کے ہی کسی کی تکفیر کا حکم جاری کیا جائے گا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أن التكفير له شروط وموانع قد تنتقي في حق المعين وأن تكفير المطلق لا يستلزم تكفير المعين إلا إذا وجدت الشروط وانتفت الموانع " [1]

تکفیر کا حکم لاگو کرنے کی کئی شرطیں اور موانع ہیں، جو بعض اوقات کسی خاص فرد کے حق میں ثابت نہیں ہوتے۔ اور تکفیر مطلق کے حکم سے تکفیر معین ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ تمام شرائط موجود نہ ہوں اور تمام موانع ختم نہ ہو جائیں۔

بیٹا باپ کا وارث بنے گا، یہ وہ عام شرعی حکم ہے کہ جس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ لیکن جب کسی معین بیٹے کی بات آئے گی تو پھر اس کے وارث بننے کا فیصلہ دینے سے پہلے دیکھا جائے گا کہ آیا توریث کی شرائط پوری ہو رہی ہیں یا نہیں؟ اور کیا توریث کے موانع میں سے کوئی مانع تو موجود نہیں؟ دوسرے لفظوں میں اس کے وارث ہونے کا حکم دینے سے پہلے دیکھا جائے گا کہ کیا باپ کی وفات کے وقت یہ بیٹا زندہ تھا یا اس کے فوت ہونے سے قبل وفات ہو چکا تھا؟ کیا باپ کا دین اور بیٹے کا دین ایک ہی تھا یا مختلف؟ اور کہیں بیٹا اپنے باپ کا قاتل تو نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ تو جب اس معین بیٹے میں توریث کی سب شرائط پوری ہو جائیں گی اور سب موانع ختم ہو جائیں گے تو پھر اس بیٹے کو وراثت میں سے حصہ دے دیا جائے گا۔[2]

مندرجہ بالا ساری تفصیل سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ تکفیر کے حکم سمیت کسی بھی مطلق حکم کو کسی معین شخص پر من و عن نافذ نہیں کر دیا جاتا، یہاں تک کہ خوب اچھی طرح تحقیق کر کے اس میں تمام شرائط کا ثبوت اور تمام موانع کا انتقاء معلوم نہ کر لیا جائے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] - مجموع الفتاوی ، 12/487-488

[2]-رسلان، دكتور محمد بن سعيد ، ضوابط تكفير المعين ، دار اضواء السلف القاهرة ، الطبعة الاولى ،2009 م، ص: 17-19

" أن التكفير العام – كالوعيد العام – يجب القول بإطلاقه وعمومه. وأما الحكم على المعين بأنه كافر أو مشهود له بالنار: فهذا يقف على الدليل المعين فإن الحكم يقف على ثبوت شروطه وانتفاء موانعه. " [1]

تکفیر مطلق وعید مطلق کی طرح ہی ہے کہ اس کے اطلاق اور عموم کے مطابق بات کرنا لازمی اور ضروری ہے، جبکہ کسی معین شخص پر حکم لگانا کہ وہ کافر ہے یا وہ جہنمی ہے تو یہ معین دلیل کا محتاج ہے۔ کیونکہ حکم اپنی شروط کے ثابت ہونے اور تمام موانع کے ختم ہونے پر موقوف ہوتا ہے۔

یعنی وعید سے متعلق وہ تمام نصوص جو قرآن وسنت میں وارد ہیں اور صحابہ کرام ائمہ دین اور سلف صالحین کے تکفیر و تفسیق پر مشتمل وہ تمام فرامین کسی معین پر تبھی لاگو کیے جا سکتے ہیں جب تحقیق کے بعد اس ضمن میں عائد کردہ تمام شرائط ثابت ہو جائیں اور تمام موانع منتفی ہو جائیں۔ اور یہ کام کسی عام شخص کا نہیں ہے، بلکہ کسی مضبوط عالم، مجتھد، قاضی اور فقیہ کا ہے جو اس سے متعلقہ تمام باریکیوں سے خوب اچھی طرح واقف ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مطلقا تکفیر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ ہر شخص تکفیرِ مطلق کرتے ہوئے کہہ سکتا ہے کہ جس نے یہ کلمہ کہا، اس نے کفر کیا، یا جس نے یہ کام کیا، اس نے کفر کیا۔ لیکن کسی خاص شخص پر کافر ہونے کا حکم شرعی حجت قائم کیے اور شروط و موانع کا خیال کیے بغیر صادر نہیں کیا جائے گا۔ دوسرے لفظوں میں کسی فعل کی تکفیر میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ شریعت اسکی اجازت دیتی ہے۔ جبکہ کسی فعل کے فاعل کی تکفیر کے لیے شریعت نے شروط وضوابط اور موانع مقرر کیے ہیں کہ جن کا خیال رکھنا لازم اور ضروری ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس ضمن میں کس قدر خوبصورت بات فرمائی ہے کہ جس شخص کا ایمان بالیقین معلوم ہو تو کسی شک وشبہ کی وجہ سے وہ خواہ مخواہ ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کے ختم ہونے کی بھی کچھ شرائط ہیں۔ فرماتے ہیں:

" فليس لأحدٍ أن يُكفر أحداً من المسلمين وإن أخطأ وغلِط حتى تقام عليه الحجة وتبين له المحجة - ومن ثبت إيمانه بيقين لم يَزُلْ ذلك عنه بالشك بل لا يزول إلا بعد إقامة الحجة وإزالة الشبهة"[2]

تو کسی شخص کے لیے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں میں سے کسی کو بھی کافر قرار دے بھلے وہ گناہوں اور غلط کاریوں کا ارتکاب کرے، یہاں تک کہ اس پر حجت قائم کر دی جائے اور اس کے لیے بات واضح ہو جائے۔ اور جس شخص کا ایمان بالیقین ثابت ہو جائے تو وہ کسی شک وشبہ کی وجہ

---

[1] - مجموع الفتاوی ، 498/12

[2] - مجموع الفتاوی ، 501/12

سے ختم نہیں ہو جاتا بلکہ وہ تب تک ختم نہیں ہو گا جب تک اس پر حجت قائم نہ کر دی جائے اور جس شبہ اور خام خیالی کی وجہ سے وہ گناہ کر رہا ہے اس کی وہ خام خیالی ختم نہ کر دی جائے۔

تکفیر معین کا شرعی حکم

یہ بات تفصیل سے واضح کی جا چکی ہے کہ مطلقاً کسی شخص و گروہ یا قول و فعل، کہ جس کے متعلق کفر ہونے یا کافر ہونے کا حکم قرآن وسنت میں موجود ہو، پر کفر ہونے یا اس کے کافر ہونے کا حکم لگانا شرعاً جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن یہی حکم کسی خاص و معین شخص یا جماعت پر لگانا تب تک صریحاً حرام ہے جب تک اس حکم کے لاگو کرنے کی تمام شرائط اور قواعد وضوابط پورے نہ کر لیے جائیں اور جتنے اعذار اور موانع اس حکم کے لاگو کرنے سے روکتے ہیں، ان سب کو ختم نہ کر دیا جائے۔ اسلام تو اس سلسلہ میں اس قدر احتیاط کا حکم دیتا ہے کہ سر راہ ملنے والا شخص، جس کا کافر ہونا تو پہلے سے معلوم ہے لیکن مسلم ہونا معلوم نہیں، اگر سلام کہہ دے تو اس کو مسلمان سمجھنے کا حکم ہے۔ اور اسے پوری طرح تحقیق کیے بغیر یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہے اور مجاہدین کے ڈر کے مارے یا اپنی جان بچانے کے لیے سلام کہہ رہا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾[1]

اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں نکلو تو خوب تحقیق کر لیا کرو، اور جو تم پر سلام کہے تو اسے مت کہو کہ تو ایمان والا نہیں ہے۔

اس آیت مبارکہ سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اللہ تعالی نے جب کسی ایسے شخص، کہ جس کے ایمان لانے کا علم ہی نہیں لیکن وہ ایک اسلامی شعار کو ظاہر کر رہا ہے، کو کافر قرار دینے سے منع کیا ہے، تو کسی ایسے مسلم کو کہ جس کا مسلمان ہونا سب کو معلوم ہو، کافر کہنا تو بالاولی منع ہے۔

اسلام کا دعوی کرنے کے بعد کسی کو کافر قرار دینا یا اسے قتل کر دینا کتنا بڑا جرم ہے اس کا اندازہ مقداد بن اسود کی اس حدیث سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے بتائیے کہ اگر کافروں میں سے کسی شخص سے میرا سامنا ہو، وہ مجھ سے جنگ کرے اور میرے ایک ہاتھ پر تلوار کی ضرب لگائے اور اسے کاٹ ڈالے، پھر مجھ سے بچاؤ کے لیے کسی درخت کی آڑ لے لے اور کہے: میں نے اللہ کے لیے اسلام قبول کر لیا تو اے اللہ کے رسول! کیا پھر میں اسے قتل کر دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اسے قتل نہ کرو۔ مقداد بیان فرماتے ہیں کہ میں نے دوبارہ عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس نے میرا ہاتھ کاٹ دیا، اور پھر اسے

---

[1] – النساء4 :94

کاٹ ڈالنے کے بعد یہ کلمہ کہہ رہاہے تو کیا میں اسے قتل کر دوں ؟اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" لَا تَقْتُلْهُ فَإِنْ قَتَلْتَهُ فَإِنَّهُ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ أَنْ تَقْتُلَهُ ، وَإِنَّكَ بِمَنْزِلَتِهِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ كَلِمَتَهُ الَّتِي قَالَ "[1]

تم اسے قتل نہ کرو، اگر تم نے اسے پھر بھی قتل کر دیا تو یقیناوہ تمہارے اس مقام {اسلام} پر ہو گا جس پر تم اسے قتل کرنے سے پہلے تھے اور تم اس جگہ {کفر} پر ہو گے جہاں وہ یہ کلمہ کہنے سے پہلے تھا۔

اور اگر کوئی شخص یا گروہ پوری تحقیق اور تکفیر معین کی شرائط ،ضوابط اور موانع کا خیال کیے بغیر کسی خاص فرد پر کافر ہونے کا فتوی صادر کرتا ہے تو اس کا شرعی حکم واضح کرتے ہوئے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" مَنْ دَعَا رَجُلاً بِالْكُفْرِ أَوْ قَالَ عَدُوَّ اللهِ وَلَيْسَ كَذَلِكَ إِلاَّ حَارَ عَلَيْهِ"[2]

جس نے کسی شخص کو کافر کہہ کر یا اللہ کا دشمن کہہ کر بلایا، مگر وہ ایسا نہیں ہے تو یہ حکم اسی پر واپس لوٹ جائے گا۔

دوسری روایت میں اس کی مزید وضاحت موجود ہے۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" أَيُّمَا امْرِئٍ قَالَ لِأَخِيهِ: يَا كَافِرُ، فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا، إِنْ كَانَ كَمَا قَالَ ، وَإِلَّا رَجَعَتْ عَلَيْهِ"[3]

جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو پکارتے ہوئے کہے: اے کافر، تو ان دونوں میں سے ایک کافر ہو گیا۔ اگر اس نے جیسا کہا ہے وہ ویسا ہی ہے تو ٹھیک، ورنہ یہ کافر ہونے کا حکم اس کے اپنے اوپر لوٹ آئے گا۔

اس مفہوم کی حامل احادیث کو ذکر کرنے کے بعد ان کی توجیہہ بیان کرتے ہوئے امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" فتأملنا ما في هذا الحديث طلبا منا للمراد به ما هو؟ فوجدنا من قال لصاحبه: يا كافر معناه أنه كافر؛ لأن الذي هو عليه الكفر فإذا كان الذي عليه ليس بكفر، وكان إيمانا كان جاعله كافرا جاعل الإيمان كفرا، وكان بذلك كافرا بالله تعالى؛ لأن من كفر بإيمان الله تعالى فقد كفر بالله، ومنه قول الله: ﴿وَمَن يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ

---

[1] – صحيح البخاري ، كتاب المغازي ، باب - - - ، 85/5، حديث: 4019 – صحيح مسلم : 95

2– صحيح مسلم ،كتاب الايمان،باب بَيَانِ حَالِ إِيمَانِ مَنْ رَغِبَ عَنْ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُ،79/1، حديث : 61

3۔ ايضا ،كتاب الايمان،باب بَيَانِ حَالِ إِيمَانِ مَنْ قَالَ لأَخِيهِ الْمُسْلِمِ يَا كَافِرُ، 79/1، حديث : 60

﴿فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ فهذا أحسن ما وقفنا عليه من تأويل هذا الحديث "[1]

ہم نے اس حدیث کے اصل مطلوب و مراد کو سمجھنے کے لیے غور کیا تو یہ بات سمجھ آئی کہ جس شخص نے اپنے ساتھی کو کافر کہا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس دین پر وہ قائم ہے، وہ کفر ہے۔ تو اگر جس دین پر وہ قائم ہے، وہ کفر کی بجائے ایمان ہوا، تو اس کا منطقی نتیجہ لا محالہ یہی نکلے گا کہ دوسرے کو کافر قرار دینے والے کے نزدیک ایمان ہی دراصل کفر ہے، تو اس اعتبار سے یہ خود اللہ تعالی کے ساتھ کفر کرنے والا ٹھہرا۔ اور اسی بارے میں اللہ تعالی کا فرمان ہے: "اور جو ایمان سے انکار کرے تو یقینا اس کا عمل ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں سے ہے۔" ہمارے علم کے مطابق یہ اس حدیث کی سب سے اچھی تشریح ہے۔

کسی مسلمان کو کافر کہنا کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مرتد ہو گیا ہے اور مرتد کی سزا شریعت اسلامی میں قتل ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے کسی مسلمان پر کفر کی تہمت لگانے کو اس کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

" مَنْ لَعَنَ مُؤْمِنًا فَهُوَ كَقَتْلِهِ، وَمَنْ قَذَفَ مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهِ " [2]

جس شخص نے کسی مومن پر لعنت کی تو وہ جرم میں اس کے قتل کی طرح ہے۔ جس شخص نے کسی مومن پر کفر کا بہتان لگایا، تو وہ بھی جرم میں اس کے قتل کی طرح ہے۔

مذکورہ بالا احادیث صحیحہ سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ کسی بھی کلمہ پڑھنے والے شخص پر کفر کا فتوی تب تک نہیں لگانا چاہئے جب تک اسے کافر قرار دینے کی تمام شرائط وضوابط پورے نہیں ہو جاتے اور تمام موانع منتفی نہیں ہو جاتے۔ دوسرے لفظوں میں جب تک اس حکم سے متعلقہ تمام تقاضے پورے نہ کر لیے جائیں، تب تک اس کے بارے میں اچھا گمان کرتے ہوئے اور اس کے گناہوں کے سلسلے میں اسے شک کا فائدہ دیتے ہوئے مسلم ہی شمار کرنا چاہیے، جیسا کہ شارح عقیدہ طحاویہ علامہ ابن ابی العز الحنفی رحمہ اللہ تکفیر معین پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" الشخص المعين يمكن أن يكون مجتهدا مخطئا مغفورا له ، أو يمكن أن يكون ممن لم يبلغه ما وراء ذلك من النصوص ، ويمكن أن يكون له إيمان عظيم وحسنات أوجبت له

---

[1] – الطحاوي ، أبو جعفر أحمد بن محمد الحجري المصري ، شرح مشكل الآثار ، تحقيق: شعيب الأرنؤوط ، مؤسسة الرسالة ، الطبعة: الأولى – 1994 م ، باب بيان مشكل ما روي عنه عليه السلام فيمن قال لأخيه: يا كافر ، 325/2

2- صحيح البخارى، كتاب الادب، باب ما ينهى من السباب واللعن، 15/8، حديث: 6047 – صحيح مسلم: 110

رحمة الله"[1]

ایک معین شخص، کہ جس کے کسی قول یا فعل کی وجہ سے اس پر کفر کا حکم لگایا جا رہا ہے، ممکن ہے کہ وہ اجتہاد کرنے میں ایسی غلطی کا شکار مجتہد ہو کہ جس اجتہادی غلطی پر شریعت اسے معافی دیتی ہے۔ ممکن ہے کہ اسے اس قول و فعل کے ضمن میں وارد نصوص کا علم ہی نہ ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے پاس اس کا مضبوط ایمان اور بڑے بڑے اعمال ایسے ہوں کہ وہ اس کے لیے اللہ کی رحمت کا موجب بن رہے ہوں۔

[1] – الحنفی ، صدر الدین علی بن علی ابن ابی العز ، شرح الطحاویة فی العقیدة السلفیة، تحقیق : احمد محمد شاکر،دار طیبة الخضراء، مکة المکرمة ، الطبعة الاولی– 2015م ، ص : 315

فصل دوم: مسلم ریاستوں کی تکفیر شریعت کی روشنی میں

مبحث اول: دار الاسلام کا دار الکفر میں تبدیل ہونا

مبحث دوم: موجودہ مسلم ممالک کا دار الاسلام یا دار الکفر ہونے کے حوالہ سے شرعی حکم

فصل دوم: مسلم ریاستوں کی تکفیر شریعت کی روشنی میں

اسلام اللہ تعالی کا نازل کردہ ہر قسم کی افراط و تفریط سے پاک ایک معتدل اور متوازن ضابطہ حیات ہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شیطان بندوں کو غلو اور انتہا پسندی کے ذریعے بڑی آسانی سے اپنا شکار بنا لیتا ہے۔ اسی لیے انسانوں میں اعتدال کے ساتھ ساتھ دو طرح کی انتہائیں بھی ہمیشہ نظر آتی ہیں اور حق ہر دور میں ان ہی دو انتہاؤں کے درمیان جاری و ساری رہا۔ خیر القرون میں ایک دوسرے کے بالمقابل دو انتہائیں ارجاء اور خارجیت کے نام سے پیدا ہوئیں۔ ارجاء کی تحریک سے مرجئہ کا وجود ہوا جنہوں نے ایمان سے اعمال کو موخر کر دیا اور کہا کہ اخروی نجات کے لیے صرف ایمان کافی ہے، اعمال ضروری نہیں۔ دوسری طرف انتہا پسندانہ رویے نے خوارج کو جنم دیا۔ انہوں نے کبیرہ گناہوں کے مرتکب کلمہ گو مسلمان شخص کو کافر قرار دیا اور ان کے قتل کا فتوی جاری کرتے ہوئے عملی طور پر ان کے خلاف باقاعدہ لڑائی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یوں انہوں نے مسلمانوں کے خون کو اپنے لیے مباح قرار دے دیا اور ان کے مال کو اپنے لیے مال غنیمت سمجھ کر لوٹا۔ خوارج کی اس تحریک نے امت مسلمہ کو بے پناہ نقصان سے دوچار کیا۔ فکری اور نظریاتی اعتبار سے بھی اور جانی و مالی اعتبار سے بھی۔

اس کے مد مقابل اہل سنت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ جس شخص میں اسلام قبول کرنے کی یہ ظاہری علامات واضح ہوں کہ وہ مسلمانوں کی طرح نماز ادا کرتا ہو، ان کے قبلہ کی طرف رخ کرتا ہو، اور اہل اسلام کا ذبیحہ کھاتا ہو تو اسے مسلمان خیال کرتے ہوئے اس کے مال و جان اور عزت و آبرو کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی امان میں سمجھا جائے گا۔ گویا کہ کسی مسلمان کو اس کے گناہوں اور بدعملیوں کی وجہ سے کافر قرار دے کر ملت سے خارج قرار نہیں دیا جا سکتا۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ صَلَّى صَلاَتَنَا، وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا، وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا فَذَلِكَ المُسْلِمُ الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللَّهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ، فَلاَ تُخْفِرُوا اللَّهَ فِي ذِمَّتِهِ»[1]

جو کوئی ہمارے جیسی نماز پڑھے، ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھالے، تو یہ وہی مسلمان ہے، جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذمہ ہے، تو تم اللہ کی ذمہ داری میں خیانت اور بدعہدی نہ کرو۔

اس حدیث میں صرف ظاہر کا اعتبار کرتے ہوئے اسلام کا حکم لگایا گیا ہے۔ یعنی ہر وہ شخص مسلم ہے جو اسلام کے ظاہری شعار پر عمل پیرا ہے۔ ہم کسی کے دل کے اندر جھانکنے کے مکلف نہیں ہیں بلکہ اس کے دل اور اس کے اعمال کا معاملہ

[1] - صحيح البخارى ، كِتَابُ الصَّلاَةِ ، بَابُ فَضْلِ اسْتِقْبَالِ القِبْلَةِ ، 87/1 ، حديث : 391

اس کے رب کے ساتھ ہے۔

ایک عام آدمی کی طرح مسلم حکمران اور ریاست کا بھی یہی حکم ہے۔یعنی کسی بھی مسلم حکمران کو کسی کبیرہ گناہ کی وجہ سے اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جائے گا اور نہ ہی معروف میں اس کی اطاعت اور مدد سے ہاتھ کھینچا جائے گا یہاں تک کہ وہ کھلم کھلا واضح کفر کا ارتکاب کرے کہ جس کے کفر ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہ ہو،اسی طرح کوئی بھی مسلم ریاست تب تک دار اسلام ہی قرار پائے گی جب تک وہاں کا سلطہ، قوت نافذہ اور اختیار واقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوگا اور ایسی ریاست کو اس کے کچھ وضعی قوانین یا غیر اسلامی پالیسیوں کی وجہ سے کسی بھی صورت دار الکفر یا دار الحرب قرار نہیں دیا جائے گا۔

کسی بھی ریاست کا اسلامی یا غیر اسلامی ہونا کوئی ایسا وصف نہیں ہے کہ جو کسی ریاست کے ساتھ وصف لازم کی حیثیت اختیار کرلے اور کبھی تبدیل نہ ہو سکے بلکہ یہ ایسا وصف ہے جو کسی بھی ریاست ومملکت کے احوال وصفات کے تبدیل ہونے کے ساتھ تبدیل ہو سکتا ہے جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فإن كون الأرض "دار كفر" أو "دار إسلام أو إيمان " أو "دار سلم " أو "حرب " أو "دار طاعة " أو معصية " أو "دار المؤمنين " أو "الفاسقين " أوصاف عارضة؛ لا لازمة. فقد تنتقل من وصف إلى وصف كما ينتقل الرجل بنفسه من الكفر إلى الإيمان والعلم وكذلك بالعكس. وأما الفضيلة الدائمة في كل وقت ومكان ففي الإيمان والعمل الصالح"[1]

بلاشبہ کسی زمین، علاقہ یا ریاست کا دار کفر، دار اسلام، دار ایمان، دار صلح، دار حرب، دار اطاعت، دار معصیت، دار مومنین یا دار فاسقین ہونا اس ریاست کے عارضی اوصاف ہیں نہ کہ لازمی، جو اسی طرح ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہوتے رہتے ہیں جس طرح آدمی بذات خود کفر سے ایمان اور علم کی طرف یا ایمان سے کفر وجہالت کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ مکان وزمان کی قید سے آزاد دائمی فضیلت تو صرف ایمان اور عمل صالح کو حاصل ہے۔

باب اول کی دوسری فصل میں تفصیلا یہ بحث گزر چکی ہے کہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے نزدیک کوئی بھی ریاست اس وقت دار الاسلام قرار پائے گی جب وہ اہل اسلام کے زیر تسلط آجائے گی اور وہ وہاں پر اللہ تعالی کا حکم اور شریعت کا قانون نافذ کرنے میں آزاد ہوں گے۔ دار الاسلام یا کوئی مسلم ریاست کب اور کیسے دار الکفر، دار الحرب یا کافر ریاست میں تبدیل ہوتی ہے؟ اس پر اہل علم کے ہاں لمبی تفصیل ہے اور کسی مسلم ریاست پر یہ حکم یا فتوی صادر کرنا کسی عام شخص

---

[1] - مجموع الفتاوى ، 45/27

کا کام نہیں ہے۔ بالکل اس طرح کہ جیسے کوئی بھی انسان اللہ تعالی کی توحید کا اقرار کرنے اور کلمہ پڑھنے سے مسلمان ہو جاتا ہے، اب اسے کب اور کن امور کی بنیاد پر کافر قرار دیا جاسکتا ہے ؟اس میں بہت سی بنیادی شرائط اور بہت سے اصول وضوابط ہیں کہ جن کو دیکھتے ہوئے انتہائی ماہر علماء وفقہاء ہی اس کے کفر کا فیصلہ صادر کر سکتے ہیں۔

مبحث اول: دارالاسلام کا دارالکفر میں تبدیل ہونا

اس مبحث میں زیر غور مسئلہ کہ جس پر تفصیلی بحث از حد ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ایک مسلم ریاست یا دوسرے لفظوں میں دار اسلام کن صورتوں میں دار کفر میں بدل جاتا ہے؟ چونکہ یہ مسئلہ انتہائی دقیق اور علمی ہے اس لیے اس پر سب سے پہلے علمائے امت کے مذاہب ذکر کیے جائیں گے، اور اس کے بعد بتوفیق اللہ تعالی تمام مذاہب کا سرسری تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے راجح موقف کی وضاحت عرض کی جائے گی۔ اہل علم کی آراء کو سامنے رکھتے ہوئے دارالاسلام کے دارالکفر میں تبدیل ہونے کے مسئلہ کو مندرجہ ذیل پانچ مواقف میں تقسیم کیا گیا ہے[1]:

1. دارالاسلام کبھی بھی دارالکفر میں تبدیل نہیں ہوتا۔
2. کبائر کے ارتکاب کی نتیجہ میں دارالاسلام دارالکفر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔
3. کفار اور ان کے احکام دارالاسلام پر غالب آ جائیں تو وہ دارالکفر میں تبدیل ہو جائے گا۔
4. کفار دارالاسلام پر پورے تسلط اور قوت کے ساتھ غالب آ جائیں تو وہ دارالکفر میں تبدیل ہو جائے گا۔
5. دارالاسلام میں جب تک شعائر اسلام قائم ہیں، تب تک وہ صرف کفار کے غلبہ کی وجہ سے دارالکفر میں تبدیل نہیں ہو گا

ذیل میں ان تمام مواقف اور ان کے دلائل کو بالاختصار ذکر کیا جاتا ہے تاکہ اس انتہائی اہم مسئلہ کے تمام پہلو علمی انداز سے واضح ہو سکیں۔ آخر میں ان شاءاللہ تمام مواقف کا تنقیدی جائزہ لینے کے بعد راجح موقف کی نشاندہی بھی کی جائے گی۔

پہلا موقف

اس موقف کے مطابق کوئی بھی علاقہ اگر ایک دفعہ اہل اسلام کے زیر نگیں آ جائے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دارالاسلام بن جاتا ہے، کفار کے غلبہ کی صورت میں ظاہرا بھلے وہ دارالحرب قرار پا جائے، لیکن حقیقتا وہ دارالاسلام ہی رہے گا۔ اس موقف کو شافعی مکتب فکر کے عالم شیخ ابن حجر الھیتمی[2] اپنے اصحاب شوافع کے حوالہ سے ذکر کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

---

[1]-العنبری ، الدکتور خالد بن علی ،تکفیر الحکام والدول بین البحث العلمی والارھاب الفکری ، دار منارۃ الاسلام القاھرۃ ، الطبعۃ الاولی-2014ء ، ص : 171-185

[2]-ابن حجر الھیتمي، شہاب الدین، شیخ الِاسلام، ابوالعباس احمد بن محمد السعدی الانصاری۔ شافعی مکتب فکر کے بہت بڑے محقق عالم تھے۔ 909ھ–1504ء کو مصر کے علاقہ "ابی الھیتم" میں پیدا ہوئے اور اسی کی نسبت سے معروف ہوئے۔ جامعہ ازہر سے اپنی تعلیم مکمل کی، تصنیف وتالیف کے میدان میں بہت کام کیا اور 974ھ-1567ء کو مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔ {الاعلام، 234/1}

" أن كل محل قدر أهله فيه على الامتناع من الحربيين صار دار إسلام وحينئذ الظاهر أنه يتعذر عوده دار كفر وإن استولوا عليه كما صرح به الخبر الصحيح «**الْإِسْلَامُ يَعْلُو وَلَا يُعْلَى عَلَيْهِ**» فقولهم لصار دار حرب المراد به صيرورته كذلك صورة لا حكما وإلا لزم أن ما استولوا عليه من دار الإسلام يصير دار حرب ولا أظن أصحابنا يسمحون بذلك " [1]

ہر وہ علاقہ کہ جہاں کے رہنے والے مسلمان حربی کفار سے اپنا دفاع کر سکتے ہوں، دارالاسلام قرار پائے گا اور اس صورت میں اس کا دوبارہ سے دارالکفر بننا دشوار ہو گا، چاہے کفار اس پر غلبہ ہی کیوں نہ حاصل کر لیں جیسا کہ صحیح حدیث میں آپ ﷺ نے صراحت فرمائی ہے کہ اسلام بلند ہوتا ہے، پست نہیں۔ تو علماء کا دار اسلام کو کفار کے غلبہ کی صورت میں دار حرب قرار دینا ظاہر کے اعتبار سے ہو گا نہ کہ حقیقت کے اعتبار سے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ جب بھی کافر دارالاسلام پر غلبہ حاصل کر لیں تو وہ دار حرب قرار پائے، اور میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے اصحاب اس کی اجازت دیں گے۔

ابن حجر الھیتمی، امام الرافعی[2] رحمہ اللہ کے حوالہ سے مزید لکھتے ہیں کہ شافعی علماء نے دارالاسلام کی تین قسموں میں اس قسم کے علاقے کو بھی شامل کیا ہے کہ جہاں مسلمان بستے ہوں اور بعد میں کفار اس علاقہ پر غالب آگئے ہوں کیونکہ مسلمانوں کا قدیم غلبہ دارالاسلام کے حکم کے استمرار کے لیے کافی ہو گا لیکن بعض متاخرین کے خیال میں یہ تب ہو گا جب کفار غالب آنے کے باوجود مسلمانوں پر روک ٹوک نہیں کریں گے بصورت دیگر وہ علاقہ دارالکفر میں منتقل ہو جائے گا[3]۔ ابن حجر اس پر تعلیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" وما ذكره عن بعض المتأخرين بعيد نقلا ومدركا كما هو واضح وحينئذ فكلامهم صريح

---

[1] – ابن حجر الهيتمي ، أحمد بن محمد بن علي بن حجر الهيتمي ، تحفة المحتاج في شرح المنهاج ، المراجعة: لجنة من العلماء ، الناشر: المكتبة التجارية الكبرى بمصر ، عام النشر: 1983 ء ، 269/9

[2] ۔الرافعي، عبدالکریم بن محمد بن عبدالکریم، أبوالقاسم الرافعي القزوینی، قزوین میں 557ھ-1162ء میں پیدا ہوئے، فقہ شافعی کے بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے، رافع بن خدیج کی نسبت سے رافعی کہلائے، قزوین میں ان کی تفسیر وحدیث کی بھرپور مجلس ہوتی تھی۔ مُسْنَد الشَّافعيّ کی شرح سمیت بہت سی تصنیفات کے مصنف تھے۔ قزوین میں ہی 623ھ - 1226ء میں وفات پائی۔ {الاعلام ،55/4}

[3] – تحفة المحتاج في شرح المنهاج ، 269/9

فيما ذكرته أن ما حكم بأنه دار إسلام لا يصير بعد ذلك دار كفر مطلقا "[1]

شیخ رافعی نے بعض متاخرین کے حوالہ سے جو نقل فرمایا ہے، وہ جیسا کہ واضح ہے، نقل و عقل دونوں کے اعتبار سے بعید ہے۔ کیونکہ اہل علم کا کلام، جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے، واضح ہے کہ جس علاقہ پر ایک دفعہ دارالاسلام کا حکم لگ گیا، وہ اس کے بعد کبھی بھی دارالکفر نہیں بنے گا۔

اس مذہب و موقف پر اگرچہ بعض شافعی علماء کی طرف سے اعتراض بھی کیے گئے ہیں[2]، لیکن بہر حال اس ضمن میں پیش کیے جانے والے مذاہب میں سے یہ بھی ایک مذہب ہے، اس لیے اسے نقل کر دیا گیا ہے۔

دوسرا موقف

یہ موقف پہلے موقف کے بالکل برعکس خوارج میں سے کچھ لوگوں کا موقف ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں کے مرتکبین کی ریاست کو دار کفر قرار دیتے ہوئے ان کی عورتوں اور بچوں کے قتل تک کو جائز سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ خطیب الشربینی[3] رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" الْخَوَارِج وهم قوم من المبتدعة يكفرون من ارتكب كبيرة ويطعنون بذلك في الأئمة لا يحضرون معهم الجمعة والجماعات --- ااعتقادهم أن من أتى كبيرة كفر وحبط عمله وخلد في النار، وأن دار الإمام صارت بظهور الكبائر فيها دار كفر وإباحة، فلذلك طعنوا في الأئمة ولم يصلوا خلفهم وتجنبوا الجمعة والجماعة، "[4]

خوارج مبتدعین میں سے ایسے لوگ ہیں جو کبیرہ گناہوں کے کے مرتکب کو کافر قرار دیتے ہیں اور ان کے ارتکاب کی بنیاد پر حکمرانوں پر طعن کرتے ہیں اور ان کے ساتھ جمعہ اور جماعات میں شامل نہیں ہوتے۔۔۔ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ جو شخص کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، وہ کفر کرتا ہے، اس کا

---

[1] – تحفة المحتاج في شرح المنهاج ، 269/9

[2]۔تفصیل کیلئے دیکھیے: حاشية الإمام عبد الحميد الشرواني مع حاشية الإمام أحمد بن قاسم العبادي المطبوعة فى ذيل تحفة المحتاج في شرح المنهاج ، 269/9

تكفير الحكام والدول بين البحث العلمى والارهاب الفكرى ، ص : 173-174

[3]۔الخطيب الشربيني، شمس الدين، محمد بن أحمد الخطيب الشربيني الشافعي، فقہ شافعی کے بہت ماہر عالم اور فقیہ تھے، قاہرہ کے رہنے والے تھے، چار جلدوں پر مشتمل تفسیر السراج المنیر سمیت بہت ساری تصنیفات کے مصنف ہیں، 977ھ - 1570ء کو وفات پائی۔ {الاعلام، 6/6}

[4] – الشربيني ، شمس الدين، محمد بن أحمد الخطيب الشافعي ، مغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج ، الناشر: دار الكتب العلمية ،الطبعة الأولى، 1994ء ، 401/5

عمل ضائع ہو جاتا ہے اور وہ آگ میں ہمیشہ رہے گا۔ جبکہ کبائر کے عام ہونے کی وجہ سے مسلم ریاست دارلکفر اور دارالاباحت بن گئی ہے۔اسی وجہ سے وہ حکام پر طعن کرتے ہیں اوران کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اور جمعہ و باجماعت نماز سے اجتناب کرتے ہیں۔

چونکہ اس ضمن میں خوارج کے دلائل اور قرآن وسنت کی روشنی میں ان کا جائزہ تفصیلی طور پر مقالہ میں ذکر کیا جائے گا،اس لیے مزید تفصیل یہاں پیش نہیں کی جارہی ہے۔

تیسرا موقف

امت کے بہت سے اہل علم کا خیال ہے کہ جب کفار دارالاسلام پر اس طرح غلبہ پالیں کہ ان کے احکامات وہاں نافذ ہوں تو دارالاسلام دارالکفر میں تبدیل ہو جائے گا۔ چنانچہ علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" وقال أبو يوسف ومحمد رحمهما الله: إنما تصير دار الكفر بظهور أحكام الكفر فيها. "[1]

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہا اللہ نے فرمایا: دارالاسلام کفریہ احکام کے غلبہ کی وجہ سے دارالکفر بن جاتا ہے۔

صاحبین کے اس قول کی توضیح کچھ اس طرح ہے کہ دارالاسلام اور دارالکفر دراصل اسلام یا کفر کی طرف دار کی نسبت قائم کرنے سے وجود میں آتے ہیں اور اس نسبت کے قیام کی بنیاد احکام کے غلبہ پر ہے یعنی جہاں اسلام کے احکام غالب ہوں گے اسے دارالاسلام کہا جائے گا اور جہاں کفر کے احکامات غالب حیثیت اختیار کرلیں گے تو اسے لا محالہ دارالکفر قرار دیا جائے گا[2]۔امام ابو جعفر الطحاوی رحمہ اللہ کا موقف اس بات کو مزید واضح کرنے کے لیے کافی ہے، فرماتے ہیں:

" والواجب أن تصير دار الحرب لغلبة الكفار وجريان حكمهم فيها "[3]

لازم ہے کہ دارالاسلام اس وقت دارالحرب قرار پائے جب وہاں کفار کا غلبہ ہو اور ان کے احکامات نافذ ہوں۔

یعنی کوئی بھی مسلم ریاست اس وقت کافر ریاست کی حیثیت اختیار کرلیتی ہے جب کفار اس پر پوری طرح غالب آجائیں، مسلمانوں کا اختیار عملی طور پر زندگی کے ہر میدان میں ختم ہو جائے اور کفار کے احکامات کلیتا نافذ ہو

---

[1] – بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ، 130/7

[2] – بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ، 130/7

[3] – الطحاوي ، أبو جعفر أحمد بن محمد الأزدي الحجري المصري، مختصر اختلاف العلماء ، المحقق: د. عبد الله نذير أحمد ، الناشر: دار البشائر الإسلامية بيروت ، الطبعة الثانية، 1417 هـ ، 471/3

جائیں۔اگر کسی ریاست میں کچھ احکام اسلامیہ نافذ ہوں اور کچھ کفریہ تو پھر اس ریاست کو کافر ریاست قرار نہیں دیا جائے گا جیسا کہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

" لو أجريت أحكام المسلمين، وأحكام أهل الشرك لا تكون دار حرب "[1]

اگر کسی ریاست میں مسلمانوں اور اہل شرک دونوں کے احکامات چلتے ہوں تو وہ دار حرب قرار نہیں پائے گا۔

اسی طرح عصر حاضر کے معروف حنفی عالم دین مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی دارالاسلام اور دارالحرب پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''درحقیقت کسی ملک کے دارالاسلام قرار پانے کے لیے اصل بات یہ ہے کہ اس پر مکمل اقتدار مسلمانوں کو حاصل ہو،اورانہیں اپنے احکام جاری کرنے کی مکمل قدرت حاصل ہو۔پھر اگر وہ اپنی غفلت یا کوتاہی سے اسلام کے تمام احکام جاری نہ کریں تو یہ ان کے لیے شدید گناہ ہے،اور ان پر واجب ہے کہ تمام احکام شریعت کو نافذ کریں، لیکن ان کی اس مجرمانہ غفلت کی وجہ سے ملک دارالاسلام کی تعریف سے خارج نہیں ہوتا۔''[2]

چوتھا موقف

اس موقف کے مطابق جب تک کافر مسلم ریاست پر پورے تسلط اور قہر و قوت کے ساتھ یوں غالب نہ آجائیں کہ غلبہ اسلام کے آثار میں سے کوئی چیز باقی نہ رہے اور بظاہر مسلمانوں کے دوبارہ غلبہ کی صورت انتہائی مشکل نظر آئے،تب تک مسلم ریاست کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اسی چیز کو سامنے رکھتے ہوئے دارالاسلام کے دارالکفر بننے کی تین شرائط بیان کی ہیں،جیسا کہ بدائع الصنائع میں ہے:

" لا خلاف بين أصحابنا في أن دار الكفر تصير دار إسلام بظهور أحكام الإسلام فيها واختلفوا في دار الإسلام، إنها بماذا تصير دار الكفر؟ قال أبو حنيفة: إنها لا تصير دار الكفر إلا بثلاث شرائط، أحدها: ظهور أحكام الكفر فيها، والثاني: أن تكون متاخمة لدار الكفر، والثالث: أن لا يبقى فيها مسلم ولا ذمي آمنا بالأمان الأول، وهو أمان المسلمين."[3]

---

[1] – ابن عابدين ، محمد أمين بن عمر الدمشقي الحنفي ، رد المحتار على الدر المختار ، الناشر: دار الفكر بيروت ، الطبعة الثانية، 1412ھ – 1992م ، 175/4

[2]-اسلام اور سیاسی نظریات،ص::325

[3] – بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ، 130/7

ہمارے اصحاب کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ دارالکفر میں اسلامی احکام کے غلبہ کے نتیجہ میں وہ دارالاسلام بن جائے گا۔ لیکن انہوں نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ دارالاسلام کس صورت میں دارالکفر قرار پائے گا؟ ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: دارالاسلام تین شرطوں کے پائے جانے کے بغیر دارالکفر میں تبدیل نہیں ہوگا۔ پہلی یہ کہ وہاں اہل کفر کے احکام غالب ہوں، دوسری یہ کہ وہ ریاست دارالکفر سے متصل ہو اور تیسری یہ کہ وہاں کوئی مسلمان یا ذمی پہلی امان یعنی مسلمانوں کی دی گئی امان کی وجہ سے مامون نہ رہے۔

یعنی کوئی بھی مسلم ریاست اس صورت میں دارالکفر قرار دی جاسکتی ہے جب وہاں اہل کفر کے غلبہ اور قبضہ کے نتیجہ میں ان کے احکام علی الاعلان بلاروک ٹوک جاری ہوں، احکام اسلامیہ اور شعائر اسلامیہ کا قیام وہاں بالکل مفقود ہو جائے، اور وہ ریاست چاروں جانب سے مسلم ریاستوں میں گھری ہونے کی بجائے کسی جانب سے دارالکفر کے ساتھ اس طرح متصل بھی ہو کہ دونوں ریاستوں کے درمیان دارالاسلام کا کوئی اور علاقہ، ملک یا شہر حائل نہ ہو، نیز مسلمانوں اور مسلم ریاست میں بسنے والے ذمیوں کو حاصل پہلی امان ختم ہو جائے یعنی مسلمانوں کو اسلام کے سبب اور ذمی کو عہدِ ذمہ کے سبب کفار کے غلبے سے پہلے جو امن حاصل تھا، وہ امن کفار و مرتدین کے غلبہ کے بعد مسلمان اور ذمی دونوں کے لئے باقی نہ رہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں[1] کہ اسلام یا کفر کی طرف دار کی نسبت کرنے سے عین اسلام یا کفر مراد نہیں ہے بلکہ امن اور خوف مراد ہے یعنی اگر کسی ریاست میں مطلق طور پر مسلمانوں کو امن حاصل ہو اور کفار ڈر اور ماتحتی کی زندگی بسر کر رہے ہوں تو وہ دارالاسلام کہلائے گی جبکہ اس کے برعکس کیفیت میں کوئی بھی ریاست دارالکفر قرار پائے گی۔ یوں کسی ریاست پر حکم لگانے میں امان اور خوف کا اعتبار ہوگا نہ کہ اسلام اور کفر کا۔ یہی وجہ ہے کہ دارالکفر قرار دینے میں امام صاحب نے یہ شرط لگائی ہے کہ مغلوبہ مسلم ریاست کسی کافر ریاست کے ساتھ جغرافیائی و سرحدی طور پر ملی ہوئی ہو کیونکہ ایسی ریاست جس کے چہار اطراف مسلم علاقے ہوں، اس میں رہنے والے مسلمانوں کو حاصل امن کبھی بھی کلی طور پر زائل نہیں ہوتا۔ اسی ضمن میں علامہ سرخسی رحمہ اللہ[2] فرماتے ہیں:

---

[1]۔ دیکھیے: بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ، 131/7

[2]۔ سرخسی، شمس الائمہ محمد بن احمد بن ابی سھل، خراسان کے شہر سرخس کی نسبت سے سرخسی معروف ہوئے، فقہ حنفی کے بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے، شمس الائمہ حلوانی کے شاگرد رشید ہیں، عالم باعمل ہونے کے ساتھ ساتھ حکام کو نصیحت بھی کرتے رہتے تھے

" ولكن أبو حنيفة رحمه الله تعالى يعتبر تمام القهر والقوة؛ ---- وذلك باستجماع الشرائط الثلاث؛ لأنها إذا لم تكن متصلة بالشرك فأهلها مقهورون بإحاطة المسلمين بهم من كل جانب، فكذلك إن بقي فيها مسلم أو ذمي آمن فذلك دليل عدم تمام القهر منهم ---- وهذه الدار كانت دار إسلام في الأصل فإذا بقي فيها مسلم أو ذمي فقد بقي أثر من آثار الأصل فيبقى ذلك الحكم " [1]

لیکن ابو حنیفہ رحمہ اللہ غلبہ اور قوت کے انتہائی ہونے کو معتبر گردانتے ہیں۔۔۔اور یہ ان تینوں شرائط کے اکٹھاہونے کے ساتھ ہی ممکن ہے کیونکہ اگر یہ مغلوبہ علاقہ کفار کی سرزمین سے متصل نہ ہوا تو اس کے رہنے والے ہر طرف سے مسلمانوں کے گھیراو کی وجہ سے مقہور ہوں گے ،اسی طرح اگر وہاں کوئی مسلم یا ذمی امن وامان میں رہے تو یہ بھی ان کے غلبہ کے ناقص ہونے کی دلیل ہو گی ۔۔۔اور یہ ریاست اصل میں دارالاسلام تھی تو جب تک یہاں کوئی مسلم یا ذمی موجود رہے گا،تب تک اصل کا اثر باقی رہے گا، سو اس کا حکم بھی موجود رہے گا۔

پانچواں موقف

اس موقف کے مطابق اگر کسی مسلم ریاست پر کافر غالب آجائیں اور اپنے احکامات نافذ کردیں لیکن شعائر اسلامیہ اذان، نماز، جمعہ ، عیدین اور روزہ وغیرہ کو قائم رہنے دیں تو اسے دارالکفر قرار نہیں دیا جائے گا، چنانچہ مالکی فقہ کے بہت بڑے عالم علامہ دسوقی[2] رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" لأن بلاد الإسلام لا تصير دار حرب بمجرد استيلائهم عليها بل حتى تنقطع إقامة شعائر الإسلام عنها، وأما ما دامت شعائر الإسلام أو غالبها قائمة فيها فلا تصير دار حرب. "[3]

اسی وجہ سے انہیں جیل جاناپڑا، قید کی حالت میں انہوں نے تیس جلدوں پر مشتمل فقہ حنفی کی سب سے بڑی کتاب "المبسوط" املا کروائی۔ علم وفقہ کی خدمت کرتے کرتے فقہ کا یہ امام 483ھ-1090ء میں اپنے رب سے جاملا{ الاعلام،315/5}

[1] - السرخسي، شمس الأئمة محمد بن أحمد بن أبي سهل ، المبسوط ، الناشر: دار المعرفة بيروت ، تاريخ النشر: 1993ء ، 114/10

[2]*-الدسوقي، محمد بن احمد بن عرفہ الدسوقی المالکی، مالکی فقہ کے بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے، مصر کے علاقہ دسوق کے رہنے والے تھے، قاہرہ میں پلے بڑھے، تعلیم پائی، جامعہ الازہر میں تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے، اپنی کتب تصنیف کرنے کے ساتھ مختلف اہم کتب پر حواشی لکھے، قاہرہ میں 1230ھ-1815ء کو وفات پائی۔{الاعلام للزرکلی،17/6}*

[3] - الدسوقي، محمد بن أحمد المالكي ، حاشية الدسوقي على الشرح الكبير ، الناشر: دار الفكر ، 188/2

بلاد اسلام صرف کفار کے غالب آجانے کی بنیاد پر دار الحرب نہیں بن جاتے یہاں تک کہ ان میں شعائر اسلامیہ کا قیام منقطع ہو جائے۔ جب تک ان بلاد میں تمام شعائر اسلامیہ یا ان میں سے اکثر قائم رہیں تب تک انہیں دار حرب یا دار کفر قرار نہیں دیا جائے گا۔

پانچوں مواقف کا سرسری تنقیدی جائزہ

مذکورہ بالا پانچوں مواقف میں سے راجح موقف کون سا ہے؟ یہ فیصلہ کرنے سے قبل ان مواقف کا سرسری تنقیدی جائزہ لینا ضروری ہے۔ پہلا موقف کہ "دار الاسلام کبھی بھی دار الکفر میں تبدیل نہیں ہوتا" دعوی کی حد تک تو خوش نما ہے لیکن عملاً ناممکن ہے۔ اب اگر کفار کسی مسلم ریاست پر غلبہ پاتے ہوئے اس پر قابض ہو جائیں، مسلمانوں میں سے کچھ کو شہید کر دیں اور کچھ کو قیدی بنا لیں، اپنے تسلط کے زور پر شعائر اسلامیہ کو ختم کر دیں، اہل اسلام کے آزادانہ اذان، نماز اور جمعہ و جماعت کے اہتمام کو جرم قرار دے دیں تو ایسی ریاست کو دار الاسلام قرار دینا قطعی طور پر ناممکن ہو گا۔ دنیا میں کیا کوئی ایسا مسلمان بستا ہے جو سقوط اندلس کے بعد اندلس یا سپین کو مسلم ریاست قرار دیتا ہو؟ کوئی اور تو دور کی بات خود تمام شوافع کا بھی یہ موقف نہیں ہے۔ چنانچہ شافعی فقہ کے بہت بڑے عالم امام ابو الحسن ماوردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" وأما الأرضون إذا استولى عليها المسلمون فتقسم ثلاثة أقسام:أحدها: ما ملكت عنوة وقهرا حتى فارقوها بقتل أو أسر أو جلاء؛ ـ ـ ـ وتصير هذه الأرض دار إسلام، سواء سكنها المسلمون أو أعيد إليها المشركون لملك المسلمين لها، ولا يجوز أن يستنزل عنها للمشركين لئلا تصير دار حرب. "[1]

جن علاقوں پر مسلمان غلبہ پا لیں، انہیں تین قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پہلی قسم وہ جنہیں لڑ کر بالجبر فتح کیا گیا ہو اور اس کے رہنے والے قتل، قید یا جلاوطنی کے نتیجہ میں اس سے الگ ہو گئے ہوں ـــ۔ یہ زمین دار اسلام قرار پائے گی خواہ اس میں مسلمان سکونت اختیار کریں یا مشرکوں کو پلٹا دی جائے، کیونکہ اس کی ملکیت مسلمانوں کے پاس ہے۔ اور یہ جائز نہیں ہے کہ اس زمین سے مشرکین کے حق میں دستبردار ہوا جائے کہ کہیں یہ پھر سے دار حرب نہ بن جائے۔

عبارت مذکورہ بالا سے یہ واضح ہے کہ امام ماوردی رحمہ اللہ بھی یہی موقف رکھتے ہیں کہ دار الاسلام کفار کے ہاتھ لگ جانے اور ان کے دوبارہ سے غالب آجانے کی صورت میں دار حرب یا دار کفر بن سکتا ہے۔

دوسرا موقف "کبائر کے ارتکاب کی نتیجہ میں دار الاسلام دار الکفر میں تبدیل ہو جاتا ہے" حقیقت میں ان

---

[1] ـ الاحكام السلطانية ، ص : 215

لوگوں کا موقف ہے کہ جنہیں اپنے بزعم خود تقوی وپرہیزگاری کے افراط اور دین میں تشدد و تنفر کے سبب اسلام کے منہج اعتدال و توسط اور اللہ تعالی کے عفو و درگزر سے دور کا بھی واسطہ نہیں رہا۔ایسے لوگ وہی ہیں کہ جن کی نظر میں ان کے اپنے سوا کوئی اور مسلمانی کے منصب پر فائز نہیں ہوتا اور یہ لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے کی بجائے اسلام سے خارج کرنے پر ساری قوت صرف کر رہے ہوتے ہیں۔ان کے خود ساختہ معیار کے مطابق ان کے اپنے مقبوضہ علاقوں کے سواد نیا میں دار الاسلام کا کہیں وجود نہیں ہوتا۔انہی کے متعلق سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنْ أُمَّتِي يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ، لَيْسَ قِرَاءَتُكُمْ إِلَى قِرَاءَتِهِمْ بِشَيْءٍ، وَلَا صَلَاتُكُمْ إِلَى صَلَاتِهِمْ بِشَيْءٍ، وَلَا صِيَامُكُمْ إِلَى صِيَامِهِمْ بِشَيْءٍ، يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ يَحْسَبُونَ أَنَّهُ لَهُمْ وَهُوَ عَلَيْهِمْ، لَا تُجَاوِزُ صَلَاتُهُمْ تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ»"[1]

میری امت میں سے ایک قوم ظاہر ہو گی، وہ قرآن اس طرح پڑھیں گے کہ ان کے پڑھنے کے مقابل تمہارے قرآن پڑھنے کی کوئی حیثیت نہ ہو گی، نہ ان کی نمازوں کے سامنے تمہاری نمازوں کی کچھ حیثیت ہو گی اور نہ ہی ان کے روزوں کے سامنے تمہارے روزوں کی کوئی حیثیت ہو گی۔وہ یہ سمجھ کر قرآن پڑھیں گے کہ وہ ان کے حق میں ہے لیکن درحقیقت وہ ان کے خلاف ہو گا، نماز ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گی اور وہ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

باقی تینوں مواقف کو اگر غور سے دیکھیں تو واضح ہوتا ہے کہ یہ تینوں باہم کوئی جوہری قسم کا اختلاف نہیں رکھتے۔تینوں کا ماحصل یہ ہے کہ کسی علاقے پر کفار اور ان کے احکام غالب آجائیں تو وہ دار الکفر میں تبدیل ہو جائے گا۔فرق صرف اور صرف یہ ہے کہ کچھ کے خیال میں صرف کفار کے احکام کے غلبہ و تسلط کے ساتھ دار الاسلام اپنی حیثیت کھو کر دار کفر میں تبدیل ہو جائے گا۔کچھ کے خیال میں جب تک کفار دار الاسلام پر پورے تسلط اور قہر و قوت کے ساتھ غالب نہ آجائیں اور مسلمانوں کے دوبارہ غلبہ پانے کی امید ختم نہیں ہو جاتی تب تک اسے دار کفر قرار نہیں دیا جا سکتا۔جبکہ کچھ کا موقف یہ ہے کہ جب تک کسی مسلم ریاست پر کفار کا اس حد تک تسلط اور غلبہ قائم نہیں ہو جاتا کہ وہ مسلمانوں کو شعائر اسلامیہ اذان، نماز اور جمعہ و جماعت قائم کرنے سے روک دیں، تب تک اس ریاست کو دار کفر قرار نہیں دیا جا سکتا۔

[1] - صحیح مسلم، كتاب الزكاة ، باب التحريض على قتل الخوارج ، 748/2، حديث نمبر : 1066

راجح موقف

ان تینوں مواقف میں سے جو موقف راجح اور توسط واعتدال کا حامل ہے، وہ پانچواں موقف ہے جس کے مطابق دار الاسلام صرف کفار کے غلبہ کی وجہ سے اس وقت تک دار الکفر میں تبدیل نہیں ہوگا جب تک وہاں شعائر اسلام قائم ہیں۔اس موقف کو ترجیح دینے کے مندرجہ ذیل اسباب ہیں:

- شریعت میں اصل یہ ہے کہ جو چیز جو ہے اسے اسی پر قائم سمجھا جائے گا جب تک اس کا تبدیل ہونا یا ختم ہونا یقینی دلائل سے ثابت نہ ہو جائے جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے: "الیقین لایزول بالشک"۔اس بنیاد پر وہ ملک جس کا مسلم ریاست اور دار اسلام ہونا اس پر مسلمانوں کے غلبہ اور تسلط سے ثابت ہو، کسی واضح اور شک وشبہ سے پاک یقینی جوہری تبدیلی کے بغیر دار کفر میں تبدیل نہیں ہوگا۔ چنانچہ بلاد اندلس پر عیسائیوں کے واضح غلبہ وتسلط اور وہاں سے مسلمانوں کی جلاوطنی اور شعائر اسلام کے خاتمہ کے بعد کسی کو بھی اس کے دار اسلام ہونے پر نہ اصرار ہے اور نہ ہی اس کے دار کفر ہونے سے انکار۔
- جب کسی ریاست میں مظاہر اسلام اور شعائر اسلام بلاخوف وخطر قائم ہوں تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس ریاست کے دار اسلام ہونے کی وجوہات اور اسباب میں سے کچھ اسباب اور علتیں قائم ہیں، اور یہ اصول ہے کہ جب تک کسی حکم کی علت میں سے کچھ باقی ہو تب تک وہ حکم باقی رہتا ہے۔
- کسی بھی مسلم ریاست کو غیر مسلم یا کافر ریاست قرار دینے کے لیے بھی اسی طرح قواعد وضوابط اور شرائط ہیں جیسا کہ کسی کلمہ گو مسلمان کو کافر قرار دینے کے ہیں۔ جس طرح صرف کبائر کے ارتکاب کی وجہ سے کسی بھی کلمہ گو پر کافر ومرتد ہونے کا حکم تب تک صادر نہیں کیا جائے گا جب تک اس پر تکفیر کے تمام قواعد وضوابط کا انطباق اور تکفیر مسلم کی تمام شرائط پوری نہ ہو جائیں نیز اس سے تمام موانع تکفیر منتفی نہ ہو جائیں، اسی طرح کسی مسلم ریاست کو اس کے وضعی قوانین یا دیگر وجوہات کی بنا پر تب تک دار کفر قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک اس پر تمام قواعد تکفیر کا اطلاق، شرائط تکفیر کا تحقق اور موانع تکفیر کا انتفاء ثابت نہ ہو جائے۔
- وہ مسلم ریاستیں جہاں پر اللہ تعالی کی شریعت کے مطلق نفاذ کی بجائے وضعی قوانین نافذ ہوں لیکن شعائر اسلام اور مظاہر اسلام بھی قائم ہوں اور ان پر کسی قسم کی کوئی قدغن یا پابندی عائد نہ ہو تو انہیں دار کفر قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ ایک تو ان کے دار اسلام سے دار کفر میں منتقل ہونے کی کوئی یقینی دلیل موجود نہیں ہے۔دوسرے نمبر پر "**الاسلام یعلو ولایعلی علیہ**" کی بنیاد پر جانبِ کفر کی بجائے جانبِ اسلام کو ہی ترجیح دی جائے گی۔
- اس موقف کی موافقت میں حنفی، مالکی اور شافعی مکاتب فکر کے علماء کی آراء ملتی ہیں۔ چنانچہ مالکی فقہ کے بہت

بڑے عالم علامہ دسوقی رحمہ اللہ کا موقف اس موقف کے بیان میں ذکر کیا جا چکا ہے، ساتویں صدی ہجری کے حنفی فقیہ قاضی ابو نصر الاسبیجابی رحمہ اللہ کا موقف بھی یہی ہے اور فقہ شافعی کے بہت بڑے عالم شیخ شہاب الدین الرملی رحمہ اللہ نے بھی اسی موقف کو اختیار کیا ہے [1]۔ جبکہ حنبلی فقہ کے عالم امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایسی ریاست کو نہ تو معروف معنوں میں دار اسلام قرار دیتے ہیں اور نہ ہی دار حرب، بلکہ وہ ایسی ریاست کو دار مرکبہ کا ایک تیسرا نام دیتے ہیں کہ جہاں کافر سے اس کے کفر کی بنیاد پر تعامل کیا جائے گا اور مسلم سے اس کے اسلام کی بنیاد پر۔[2]

[1] - الرملي، شهاب الدين أحمد بن حمزة الأنصاري الشافعي ، فتاوى الرملي ، جمع و ترتيب: شمس الدين محمد بن أحمد الرملي ، الناشر: المكتبة الإسلامية ، 54/4

[2] - مجموع الفتاوى ، 28/241-242

مبحث دوم: موجودہ مسلم ممالک کا دار الاسلام یا دار الکفر ہونے کے حوالہ سے شرعی حکم

سابقہ مبحث میں بڑی تفصیل سے کسی مسلم ریاست یا دار الاسلام کے دار کفر میں تبدیل ہونے سے متعلق علماء کے مواقف ذکر کیے گئے ہیں۔ اس مبحث میں موجودہ مسلم ممالک، ان کے حکام اور قوانین کو سامنے رکھتے ہوئے شریعت اسلامی کی روشنی میں یہ دیکھنے کی کوشش کی جائے گی کہ یہ ممالک اپنے موجودہ قانونی وانتظامی ڈھانچے کی بنیاد پر دار اسلام ہیں یا دار کفر؟

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ مسلم ممالک میں رائج جمہوریت یا ملوکیت کے نظام، وضعی قوانین کے نفاذ، حدود اللہ کے قیام میں تعطل یا سستی، غیر مسلم ممالک کے ساتھ انتہائی قریبی دوستانہ تعلقات ۔۔۔ یہ وہ بنیادی نکات ہیں کہ جو ان لوگوں کی بڑی دلیل کی حیثیت رکھتے ہیں جو ان ممالک کو دار کفر قرار دیتے ہیں اور اس بنیاد پر ان ممالک کے خلاف جہاد کے نام پر قتل وغارت اور دہشت گردی کی انتہائی ظالمانہ کارروائیاں سرانجام دیتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن وسنت اور فہم سلف صالحین کی روشنی میں اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح واضح کیا جائے تاکہ مسلمانوں کا باہمی قتال اور فتنہ رک سکے۔ اس وقت موجود مسلم ممالک کے دار اسلام یا دار کفر ہونے کے حوالہ سے امت میں مندرجہ ذیل تین مواقف پائے جاتے ہیں:

1. اس وقت موجود مسلم ممالک دار کفر کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔
2. موجودہ مسلم ممالک نہ دار اسلام ہیں اور نہ دار کفر، بلکہ یہ دار مرکبہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔
3. موجودہ مسلم ممالک اپنے رائج نظاموں اور قوانین کے باوجود دار اسلام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ذیل میں ان تینوں مواقف کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ آخر میں راجح موقف کی نشاندہی اور اس کی ترجیح کے اسباب بھی پیش کیے جائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالی

پہلا موقف

اس موقف کے قائلین کے نزدیک اس وقت موجود مسلم ممالک چونکہ وضعی قوانین کے تحت اپنا نظام حکومت چلا رہے ہیں اس لیے وہ دیار کفر ہیں، یہ لوگ اپنے موقف میں اس حد تک غلو اور تشدد کا شکار ہیں کہ ان کے خیال میں نائن الیون سے قبل افغانستان میں قائم طالبان کی امارت اسلامی، جو کہ اسلام کو اپنا دستور ومنشور قرار دیتی تھی اور اس نے پوری دنیا کی مخالفت مول لے کر افغانستان میں حدود اللہ کا باقاعدہ نفاذ کر رکھا تھا، چونکہ دیگر ممالک کے ساتھ خارجی تعلقات کے ضمن میں پوری طرح اسلامی احکام کی پاسداری نہیں کر رہی تھی اور ان کے امیر ملا محمد عمر کو اجماع امت کی تائید اور اعیان امت کی بیعت حاصل نہ تھی، اس لیے وہ امیر المومنین کے لقب کے مستحق نہ تھے اور ان کے

زیر قبضہ و تسلط افغانستان دار اسلام نہیں بلکہ دار کفر تھا۔[1] اسی مذہب کی حامل جماعت حزب التحریر کے تعارفی رسالہ میں تمام مسلم ممالک کے بارے میں برملا لکھا ہوا ہے:

" وبلاد المسلمین الیوم لا یوجد فیها بلد ولا دولة تطبق أحکام الاسلام فی الحکم وشئون الحیاة لذلك فإنها کلها تعتبر دار کفر ولوکان أهلها مسلمین "[2]

اس وقت موجود مسلمانوں کے ممالک میں کوئی ایسا ملک یا ریاست نہیں ہے جو اپنی حکومت اور زندگی کے تمام معاملات میں اسلامی احکام کو نافذ کیے ہوئے ہو ،اس لیے وہ تمام کے تمام کافر ممالک ہی تصور کیے جائیں گے ،چاہے ان کے رہنے والے مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔

اس موقف کے قائلین دین کے معاملہ میں انتہادرجہ کے غلو میں مبتلااور تشدد وانتہا پسندی کے مریض ہونے کے ساتھ ساتھ فکری طور پر خوارج کے پیروکار ہیں۔ان کے دلائل کا تفصیلی ذکر اور کتاب وسنت کی روشنی میں ان کا تنقیدی جائزہ اس مقالہ کے باب سوم کی فصل سوم میں پیش کیا جائے گا۔ان شاءاللہ تعالی

دوسرا موقف

اس موقف کے حاملین کی فکری بنیاد شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ایک فتوی ہے جو انہوں نے ایک سوال کے جواب میں ماردین[3] نامی شہر کے رہنے والوں کے متعلق اس وقت دیا تھا، جب ماردین پر تاتاریوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ تاتاریوں کے قبضہ وتسلط کے بعد کیا ماردین دار حرب ہے یا دار اسلام ؟اور کیا وہاں رہنے والوں پر بلاد اسلام کی طرف ہجرت کرنا واجب ہے یا نہیں ؟ توانہوں نے جواب دیتے ہوئے جہاں مسلمانوں کی جانوں اور اموال کو حرام قرار دیا وہیں اسلام سے خارج دشمنوں کی مدد کو بھی حرام قرار دیا۔انہوں نے وہاں سے بلاد اسلام کی طرف ہجرت کے بارے میں یہ فتوی دیا کہ اگر وہاں کا رہائشی اپنے دین پر عمل سے عاجز ہو تو اس پر ہجرت لازم ہو گی اور اگر ایسا نہیں تو ہجرت کرنا مستحب ہو گا، نیز یہ کہ مسلمانوں کے دشمنوں کی جانی یا مالی مدد کرنا حرام ہے اور اس سے بچنا بہر صورت واجب ہے اور اگر ان کی مدد سے بچنے کی ہجرت کے سوا کوئی اور صورت ممکن نہ ہو تو ہجرت کرنا لازم ہے۔ماردین کے دار حرب یا دار اسلام ہونے کے متعلق انہوں نے فرمایا:

" وأما کونها دار حرب أو سلم فهي مرکبة: فیها المعنیان؛ لیست بمنزلة دار السلم التي

---

[1] – مجلة " الشرق الاوسط "، عدد 2 ،اغسطس 2001ء ، أنظر: تکفیر الحکام والدول --- ص : 191

[2] –دیکھیے: تکفیر الحکام والدول --- ص : 192

[3]-ماردین-ترکی میں موجود انتہائی پر فضا شہر، جسے عیاض بن غنم نے 19ھ یا 20ھ میں فتح کیا تھا-{ الحموي ،شهاب الدین أبو عبد الله یاقوت بن عبد الله الرومي ، معجم البلدان ، الناشر: دار صادر بیروت ، الطبعة الثانیة، 1995 م ، 39/5}

تجري عليها أحكام الإسلام؛ لكون جندها مسلمين؛ ولا بمنزلة دار الحرب التي أهلها كفار؛ بل هي قسم ثالث يعامل المسلم فيها بما يستحقه ويقاتل الخارج عن شريعة الإسلام بما يستحقه. "[1]

رہامار دین کادار حرب یادار اسلام ہوناتو وہ دار مرکب ہے۔اس میں دو باتیں ہیں: وہ اپنے لشکر کے مسلمان ہونے کی وجہ سے نہ تو دار اسلام ہے کہ جہاں اسلام کے احکام نافذ ہوتے ہیں اور نہ ہی دار حرب کہ جہاں کے رہنے والے کافر ہوتے ہیں، بلکہ وہ ایک تیسری قسم کا علاقہ ہے کہ جہاں مسلمان کے ساتھ ویسا معاملہ کیا جائے گا جس کا وہ حقدار ہوگا،اور شریعت اسلام سے خارج یعنی کفار کے ساتھ قتال کے مستحق ہونے کی وجہ سے لڑائی لڑی جائے گی۔

مذکورہ بالا فتوی کو بنیاد بناتے ہوئے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جس طرح موجودہ مسلم ممالک اپنے حکمرانوں اور رہنے والوں کے مسلمان ہونے کی وجہ سے دار کفر کے حکم میں داخل نہیں ہیں،اسی طرح وہ اپنے انتظامی ڈھانچوں،وضعی قوانین اور دیگر معاملات کی وجہ سے دار اسلام کے حکم میں بھی داخل نہیں ہیں۔اس لیے ان میں سے ہر ایک ملک کو ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے زمانہ کے ماردین کی طرح ایک ایسا ملک قرار دیا جاسکتا ہے جو نہ دار اسلام ہے نہ دار کفر، بلکہ وہ کفر واسلام ہر دو سے مرکب ایک تیسری قسم کا دار ہے۔[2]

حق یہ ہے کہ اس موقف کے قائلین کا موجودہ زمانے کے مسلم ممالک کو ماردین پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے،اور ایسا قیاس باطل ہوتا ہے۔کیونکہ ماردین پر کفار قابض ومتغلب تھے،اور انہی کا حکم چلتا تھا۔ شعائر اسلامیہ کا قیام اور مسلمانوں کو ملی ہوئی مذہبی آزادی ان کے حکم کے تحت تھی اور وہ جب چاہتے،اسے واپس لے سکتے تھے۔جبکہ موجودہ مسلم ممالک پر کفار کا قبضہ وتسلط نہیں ہے بلکہ غلبہ وسیادت کلمہ توحید کا اقرار کرنے والے مسلمانوں کے پاس ہے اور ان ممالک میں اسلام کے بہت سارے احکام نافذ ہیں اور جو کفریہ قوانین نافذ العمل ہیں،وہ کفار کے غلبہ اور تسلط کی وجہ سے نہیں بلکہ ان مسلم حکام کی ایمانی کمزوری کی وجہ سے ان کی اپنی مرضی کے ساتھ ہیں۔

تیسرا موقف

موجودہ مسلم ممالک کے دار اسلام یا دار کفر ہونے کے حوالہ سے تیسرا موقف تمام مسلم ممالک کا اپنے رائج نظاموں اور وضعی قوانین کے نفاذ کے باوجود دار اسلام ہونے کا ہے۔اس موقف کے قائلین کے مطابق اس وقت موجود مسلم ممالک اپنے رائج نظاموں اور بعض وضعی قوانین کے نفاذ کے باوجود دار اسلام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

---

[1] - مجموع الفتاوی ، 28/241-242

2- تکفیر الحکام والدول بین البحث العلمی والارهاب الفکری ، ص :199

راجح موقف

موجودہ مسلم ممالک کے دار اسلام یا دار کفر ہونے کے بارہ میں پیش کردہ تینوں مواقف میں سے راجح موقف تیسرا ہے کہ اس وقت موجود مسلم ممالک اپنے رائج نظاموں اور وضعی قوانین کے نفاذ کے باوجود "دار اسلام" کی حیثیت رکھتے ہیں اور انہیں دار کفر قرار دینا غلط ہے کیونکہ :

- اہل علم میں بلا اختلاف تسلیم شدہ قاعدہ ہے "بقاء ما کان علی ما کان" کہ جو چیز جو ہے اسے اسی پر قائم سمجھا جائے گا جب تک اس کا تبدیل ہونا یا ختم ہونا یقینی دلائل سے ثابت نہ ہو جائے۔ اس بنیاد پر موجودہ مسلم ممالک، کہ جن کا مسلم ریاست اور دار اسلام ہونا اس پر مسلمانوں کے غلبہ اور تسلط سے ثابت ہے اور وہاں پر مسلمانوں کی حکومت اور شعائر اسلامیہ کا قیام کسی شک وشبہ سے پاک ایک مسلم حقیقت ہے، دار اسلام کی ہی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ ان سے اسلام کا زائل ہونا ایسے کسی قطعی ثبوت اور دلیل کے ساتھ ثابت نہیں ہے کہ جو اپنی قوت کے اعتبار سے ان کے دار اسلام ہونے کے مقابل ہو۔
- کسی بھی مسلم ریاست کو غیر مسلم یا کافر ریاست قرار دینے کے لیے بھی اسی طرح قواعد وضوابط اور شرائط ہیں جیسا کہ کسی کلمہ گو مسلمان کو کافر قرار دینے کے ہیں۔ چنانچہ کسی بھی مسلم ریاست کو اس کے وضعی قوانین یا دیگر وجوہات کی بنا پر تب تک دار کفر قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک اس پر تمام قواعد تکفیر کا اطلاق، شرائط تکفیر کا تحقق اور موانع تکفیر کا انتفاء ثابت نہ ہو جائے۔ اور یہ بات حقیقت ہے کہ ان مسلم ممالک میں سے کسی پر بھی تمام قواعد تکفیر کا اطلاق، شرائط تکفیر کا تحقق اور موانع تکفیر کا انتفاء ثابت نہیں ہے۔
- چونکہ ان تمام مسلم ممالک میں شعائر اسلام اور مظاہر اسلام بلا خوف وخطر قائم ہیں اور ان پر کسی قسم کی کوئی قدغن یا پابندی عائد نہیں ہے اس لیے انہیں ان میں نافذ وضعی قوانین کی وجہ سے دار کفر قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ :
    - ان وضعی قوانین کا نفاذ ان ممالک کے مسلم حکام کی ایمانی کمزوری کی وجہ سے ان کی اپنی مرضی کے ساتھ ہے۔ اور اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ کوئی کلمہ پڑھنے والا شخص اگر کلمہ پڑھنے اور کچھ ایمانی شعائر کے اہتمام کے ساتھ کبیرہ گناہوں کا بھی ارتکاب کرتا ہے تو اسے کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔
    - جب کسی شخص یا ریاست میں کفر واسلام دونوں کے احتمالات موجود ہوں تو "**الاسلام یعلو ولا یعلی علیہ**" کی بنیاد پر جانبِ کفر کی بجائے جانبِ اسلام کو ہی ترجیح حاصل ہو گی۔

فصل سوم: مسلم حکام کی تکفیر کے اصول وضوابط

مبحث اول: تکفیر کرنے والے کے متعلق ضوابط

مبحث دوم: تکفیر کے شکار شخص یعنی مکفَّر سے متعلقہ ضوابط

فصل سوم: مسلم حکام کی تکفیر کے اصول وضوابط

اس باب کی پہلی فصل میں یہ بات تفصیل سے بیان کی جاچکی ہے کہ کسی بھی مسلم کو تب تک مسلم ہی شمار کیا جائے گا جب تک شرعی دلائل کی روشنی میں بغیر کسی شک وشبہ کے اس کا اسلام سے مرتد ہونا ثابت نہ ہو جائے۔ یہ اصول حاکم اور محکوم سب کے لیے یکساں ہے۔ کسی کلمہ گو مسلمان کو تبھی کافر قرار دیا جاسکتا ہے، جب تمام مسلمان اس پر اتمام حجت کرنے کے بعد اس کے کافر ہونے پر متفق ہو جائیں اور اس کے کافر ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے۔

کسی مسلمان پر کافر کا فتویٰ لگانے کی خرابی اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب اس فتویٰ کا شکار شخص مسلمانوں کے امور مملکت وریاست کا سربراہ بھی ہو اور مسلمانوں کی سیادت وقیادت اس کے ہاتھ میں ہوں۔ یہ خرابی تب اور زیادہ شدت اختیار کر جاتی ہے، جب مسلمانوں کی ریاست کو ہی دار الکفر یعنی غیر مسلم ریاست قرار دیا جائے۔ ان فتووں کی زد کہاں کہاں پڑتی ہے؟ اس بحث کو باب چہارم میں تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔ لیکن اس فصل میں سرِ دست یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ کسی بھی مسلم حاکم کو کافر قرار دینے کے کیا اصول وضوابط ہیں جو اہلِ علم نے قرآن وسنت کی روشنی میں واضح فرمائے ہیں، تاکہ بات بات پر مسلم حکام پر کفر کے فتوے لگانے والے کم علم مسلمانوں پر واضح کیا جاسکے کہ ان کی یہ روش کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔ مسلم حکمران بھی چونکہ ایک معین شخص ہی ہوتا ہے اس لئے اس ضمن میں تکفیر معین کے قواعد وضوابط اور شرائط وموانع ہی ذکر کیے جائیں گے۔

مبحث اول: تکفیر کرنے والے کے متعلق ضوابط

اس بات سے قطع نظر، کہ جس کو کافر قرار دیا جارہا ہے وہ حکمران ہے یا معاشرہ کا ایک عام فرد، تکفیرِ معین کے قواعد وضوابط کو تکفیر کرنے والے یعنی مکفِّر اور جس کی تکفیر کی جارہی ہے یعنی مکفَّر کے حوالہ سے دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس مبحث میں اول الذکر یعنی مکفِّر سے متعلقہ قواعد وضوابط ذکر کیے جائیں گے۔

پہلا ضابطہ: تکفیر کا حکم ایک شرعی حکم ہے

کسی خاص شخص کو کافر قرار دینے کا فیصلہ ایک شرعی فیصلہ ہے۔ اور شریعت اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے فرامین کا نام ہے۔ شریعت کی بنیادی تعلیمات کے مطابق کسی کمیٹی، جماعت، ادارے یا فرد کو حق حاصل نہیں ہے کہ وہ محض اپنی عقل وشعور، قیافہ، مزاج، غیرت، سیاست یا دشمنی کی وجہ سے یا کسی کے ظلم وستم اور فسق وفجور کی وجہ سے اسے کافر قرار دے دے۔ حتی کہ اگر کوئی شخص کسی کو ناحق کافر قرار دیتا ہے تو اس کے لیے بدلے میں بھی اسے کافر کہنا تب تک درست نہیں ہے جب تک کہ ایسی دلیل شرعی کے ساتھ اس کا کافر ہونا ثابت ہو جائے کہ اس کا کوئی معارض یا مقابل نہیں ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" فلهذا كان أهل العلم والسنة لا يكفّرون من خالفهم، وإن كان ذلك المخالف يكفرهم،

لأن الكفر حكم شرعي فليس للإنسان أن يعاقب بمثله، كمن كذب عليك وزنى بأهلك؛ ليس لك أن تكذب عليه وتزني بأهله، لأن الكذب والزنا حرام لحق الله - وكذلك التكفير حق لله فلا يكفر إلا من كفره الله ورسوله "[1]

اسی وجہ سے اہل علم اور اہل سنت اپنے مخالفین کو کافر قرار نہیں دیتے تھے اگرچہ وہ مخالف انہیں کافر قرار دیتے تھے۔ کیونکہ کفر ایک شرعی حکم ہے تو کسی انسان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس کے بدلے میں اسی کی مثل کا ارتکاب کرے۔ جیسے کوئی شخص کسی کے خلاف جھوٹ بولے یا کسی کے گھر والوں کے ساتھ زنا کرے تو اس کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ وہ بھی اس پر جھوٹ بولے یا اس کی بیوی کے ساتھ زنا کرے۔ کیونکہ جھوٹ اور زنا اللہ کے حق کی وجہ سے حرام ہیں۔ اسی طرح کسی کو کافر قرار دینا بھی اللہ کا حق ہے تو ایسے شخص کے علاوہ کسی کو بھی کافر قرار نہیں دیا جائے گا، جس کو اللہ اور اس کا رسول کافر قرار دے دیں۔

یہ صرف اور صرف اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کا حق ہے کہ وہ کسی کو کافر قرار دیں، امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ اپنے مشہور عالم قصیدہ نونیہ میں یہی بات واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" الكفر حق الله ثم رسوله   بالنص يثبت لا بقول فلان

من كان رب العالمين وعبده   قد كفراه فذاك ذو الكفران"[2]

کسی پارسا سے پارسا شخص کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کے گناہوں، بدعملیوں، فسق وفجور اور مظالم کو دیکھ کر یہ اعلان کردے کہ فلاں کافر ہے، یا اس کی کبھی بخشش نہیں ہوگی۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اللہ تعالی پر بہت آسان ہے کہ اس کی تمام نیکیاں رائیگاں قرار دے کر اسے جہنم میں پھینک دے، جیسا کہ حدیث میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ارشاد فرما رہے تھے:

" بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے جو آپس میں بھائی بنے ہوئے تھے ان میں سے ایک بہت گنہگار تھا، جبکہ دوسرا عبادت میں بہت محنت اور مشقت کرنے والا تھا تو وہ بہت زیادہ عبادت گذار دوسرے کو ہمیشہ گناہ یا نافرمانی کرتے ہوئے دیکھتا تو اسے کہتا کہ باز آجا۔ ایک دن اس نے اسے کسی بڑے گناہ پر دیکھا تو اسے کہنے لگا: باز آجا، تو اس نے جواب دیا کہ مجھے اور میرے رب کے معاملے کو

---

[1] – ابن تيمية ، شيخ الإسلام أحمد الحراني ،الاستغاثة في الرد على البكري ، دراسة وتحقيق: د. عبد الله بن دجين السهلي، الناشر: مكتبة دار المنهاج للنشر والتوزيع، الرياض ، السعودية ، الطبعة: الأولى، 1426 هـ ، ص : 252

[2] – ابن قيم الجوزية، شمس الدين محمد بن أبي بكر ، شرح القصيدة النونية ، الشارح: الدكتور محمد خليل هراس ، الناشر: دار الكتب العلمية بيروت ، الطبعة الثانية /1415 هـ ، 267/2

آپس میں چھوڑ دے، کیا تمھیں مجھ پر نگران بنا کے بھیجا گیا ہے ؟ اس پر وہ شخص، جو نیک تھا، غصے میں آکر کہنے لگا: اللہ کی قسم، اللہ تعالی تجھے معاف نہیں کرے گا یا یہ کہ اللہ تعالی تجھے جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اللہ تعالی نے ان دونوں کی روح کو قبض کر لیا، دونوں رب العالمین کے پاس اکٹھے ہوئے تو اللہ تعالی نے بہت زیادہ عبادت گذار سے فرمایا: کیا تو میرے متعلق سب جانتا تھا؟ یا یہ فرمایا: جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے، کیا تو اس پر قدرت رکھتا تھا؟ اور اس گنہگار سے فرمایا: جا میری رحمت کے ساتھ جنت میں داخل ہو جا، اور اس نیک کے متعلق حکم ارشاد فرمایا: اس کو جہنم میں لے جاؤ۔ ابو ہریرہ اس حدیث کو بیان کر کے فرماتے ہیں: اس ذات کی قسم کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس شخص نے صرف ایک بات کہی، جس نے اس کی دنیا اور آخرت دونوں کو تباہ کر کے رکھ دیا۔"[1]

اسی مفہوم کی حدیث صحیح مسلم میں سیدنا جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" أَنَّ رَجُلًا قَالَ: وَاللهِ لَا يَغْفِرُ اللهُ لِفُلَانٍ، وَإِنَّ اللهَ تَعَالَى قَالَ: مَنْ ذَا الَّذِي يَتَأَلَّى عَلَيَّ أَنْ لَا أَغْفِرَ لِفُلَانٍ، فَإِنِّي قَدْ غَفَرْتُ لِفُلَانٍ، وَأَحْبَطْتُ عَمَلَكَ "[2]

ایک آدمی نے کہا: اللہ کی قسم، اللہ تعالی فلاں شخص کو معاف نہیں کرے گا، تو اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: کون ہے جو مجھ پر قسم ڈالتا ہے کہ میں فلاں کو معاف نہیں کروں گا، یقیناً میں نے اس فلاں کو معاف کر دیا، اور تیرے عملوں کو برباد کر دیا۔

مذکورہ بالا تمام تفصیل سے یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ کفر اور فسق کے فیصلے خالصتاً شرعی احکام ہیں، یہ ایسے معاملات نہیں ہیں کہ جو صرف عقل، شعور، وجدان یا قیاس سے سمجھے جا سکتے ہوں۔ کافر وہ ہے، جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کافر قرار دیں۔ اور مومن وہ ہے، جسے اللہ اور اس کا رسول ﷺ مومن قرار دیں۔ اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کا فیصلہ یہ ہے کہ کلمہ پڑھنے والے کو اس کی غلطیوں، خطاؤں اور فسق و فجور کی وجہ سے نہ کافر قرار دیا جائے گا اور نہ ہی دائرہ اسلام سے نکالا جائے گا۔ جیسا کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" ثلاث من أصلِ الإيمان: الكفُّ عمَّن قال: لا إله إلا اللهُ، ولا نكفِّره بذنبٍ، ولا

---

[1] – سنن ابی داود ، کتاب الأدب ، باب النهي عن البغي ، 262/7 ، حديث :4901

[2] – صحيح مسلم ، کتاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ ، بَابُ النَّهْيِ عَنْ تَقْنِيطِ الْإِنْسَانِ مِنْ رَحْمَةِ اللهِ تَعَالَى ، 2023/4 ، حديث : 2621

نُخرجُه من الإسلام بعملٍ ۔-۔ " [1]

تین باتیں ایمان کی بنیاد میں سے ہیں: جو شخص "لاالہ الااللہ" کا اقرار کرلے، اس سے ہاتھ اور زبان کو روک لینا، نہ تو ہم اس کے کسی گناہ کی وجہ سے اسے کافر قرار دیں گے اور نہ ہی کسی عمل کی وجہ سے اسے دائرہ اسلام سے خارج کریں گے۔۔۔[2]

دوسرا ضابطہ: کفر اکبر و کفر اصغر کے درمیان فرق کیا جائے گا

اس حوالہ سے قرآن وسنت کے دلائل کی روشنی میں مفصل بحث اس باب کی پہلی فصل میں "کفر کی اقسام" کے عنوان کے تحت گزر چکی ہے۔ طوالت اور تکرار کے خوف سے اسے یہاں دوبارہ ذکر نہیں کیا جارہا۔

تیسرا ضابطہ: کلمہ گو شخص کو کسی شک وشبہ کی بناپر کافر قرار نہیں دیا جائے گا

تکفیر کے اصول وضوابط میں سے دوسرا نکتہ یہ ہے کہ جو شخص کلمہ پڑھتا ہے اور اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو کسی شک وشبہ یا اس کے فسق وفجور کی وجہ سے اسے تب تک کافر قرار نہیں دیا جائے گا، جب تک اس کے اسلام کے خاتمہ اور اس کے ارتداد کا شریعت کے تقاضوں کے مطابق یقینی ثبوت نہ مل جائے۔ اسلام تو اس سلسلہ میں اس قدر احتیاط کا حکم دیتا ہے کہ سر راہ ملنے والا شخص، جس کا کافر ہونا تو پہلے سے معلوم ہے، اگر سلام کہہ دے تو اس کو مسلمان سمجھنے کا حکم ہے۔ اور اسے پوری طرح تحقیق کیے بغیر یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہے اور مجاہدین کے ڈر کے مارے یا اپنی جان بچانے کے لیے سلام کہہ رہا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوۡا وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ اَلۡقٰۤى اِلَيۡكُمُ السَّلٰمَ لَسۡتَ مُؤۡمِنًا‌ۚ﴾[3]

اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں نکلو تو خوب تحقیق کرلیا کرو، اور جو تم پر سلام کہے تو اسے مت کہو کہ تو ایمان والا نہیں ہے۔

شریعت اسلامی ظواہر پر فیصلہ کرنے کا حکم دیتی ہے، کسی کے باطن میں جھانک کر فیصلہ کرنے کا نہیں۔ جیسا کہ امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" فإن أصل الحكم بالظاهر مقطوع به في الأحكام خصوصا، وبالنسبة إلى الاعتقاد في

---

[1] – سنن ابي داوود ، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجَوْر ، 184/4 ، حديث : 2532

[2]-اس ضابطہ کی مزید تفصیلات کیلئے ملاحظہ فرمائیں: التحرير فى بيان احكام التكفير ، ص : 51- 53
تكفير الحكام والدول بين البحث العلمى والارهاب الفكرى ، ص : 238- 240

[3] – النساء4 :94

الغير عموما أيضا، فإن سيد البشر صلى الله عليه وسلم مع إعلامه بالوحي يجري الأمور على ظواهرها في المنافقين وغيرهم، وإن علم بواطن أحوالهم، ولم يكن ذلك بمخرجه عن جريان الظواهر على ما جرت عليه. -"[1]

احکام میں بالخصوص اصل یہ ہے کہ ظاہر کے مطابق حکم لگایا جائے گا، جبکہ اعتقاد میں بھی بالعموم یہی اصول ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ منافقین وغیرہ کے تمام معاملات میں ان کے ظاہر پر ہی فیصلہ کرتے تھے حالانکہ آپ کو وحی کے ذریعے ان کے دل کی اصل حقیقت معلوم ہو جاتی تھی اور آپ ان کی باطنی کیفیات سے آگاہ ہو جاتے تھے۔ لیکن آپ کو ان کی باطنی کیفیت کا علم ان کے ظاہر کے مطابق فیصلہ کرنے سے نہیں روکتا تھا۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منافقین کو ان کے نفاق کے باوجود مسلمانوں سے الگ قرار نہیں دیا اور نہ ہی ان کو مسلمانوں سے الگ شناخت دی اور نہ ہی انہیں ان کے اعتقادی نفاق کی وجہ سے کافر قرار دیا، حالانکہ قرآن مجید میں اللہ تعالی نے واضح طور پر ان کے کفر کے متعلق بتا دیا تھا۔ ان کے ساتھ مسلمان باہم رشتہ داریاں قائم کرتے تھے اور ان کے وارث بنتے تھے جبکہ شریعت میں کافر کے ساتھ رشتہ داری قائم کرنا یا اس کا وارث بننا یا اسے وارث بنانا قطعی طور پر جائز نہیں ہے۔ دیکھیں عبد اللہ بن ابی ابن سلول جو نفاق میں مشہور ترین ہونے کے ساتھ ساتھ رئیس المنافقین بھی ہے اور اس کے نفاق میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے، لیکن جب وہ فوت ہوا تو اس کے بیٹے عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی رضی اللہ عنہ، جو انتہائی مخلص صحابی تھے، اس کے وارث بنے۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق کسی شخص پر کوئی بھی حکم اس کے ظاہر کو دیکھ کر لگایا جائے گا، کیونکہ باطن صرف اللہ تعالی جانتا ہے۔ چنانچہ کسی بھی شخص کا کسی دوسرے کے متعلق یہ کہنا کہ "وہ تو اندر سے کافر ہے" یا یہ کہنا کہ "فلاں تو اپنے مفادات کے لیے مسلمان ہوا ہے" یا یہ کہنا کہ "ہمارا حکمران تو مجبوری کی وجہ سے اسلام کا نام لیتا ہے" سراسر غلط ہے۔ نبی ﷺ نے اس قسم کے رویہ پر شدید غیض وغضب کا اظہار فرمایا ہے۔ جیسا کہ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حرقہ قبیلہ کی طرف روانہ کیا۔ ہم نے اس قوم پر صبح کے وقت حملہ کیا اور انہیں شکست سے دوچار کر دیا۔ اس دوران میرا اور ایک انصاری صحابی کا کفار کے ایک شخص سے ٹاکرا ہو گیا، تو جب ہم نے اس پر غلبہ پا لیا تو وہ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنے لگا۔ انصاری تو فوراً رک گیا، لیکن میں نے اسے نیزہ مار کر قتل کر دیا۔ جب ہم مدینہ طیبہ واپس آئے اور نبی ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

---

[1] - الشاطبي ، إبراهيم بن موسى بن محمد اللخمي الغرناطي ، الموافقات ، المحقق: أبو عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان ، الناشر: دار ابن عفان ، الطبعة الأولى 1997م ، 467/2

«يَا أُسَامَةُ، أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ» قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّمَا كَانَ مُتَعَوِّذًا، قَالَ: «أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ» قَالَ: فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا عَلَيَّ، حَتَّى تَمَنَّيْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ أَسْلَمْتُ قَبْلَ ذَلِكَ اليَوْمِ "

اے اسامہ! کیا تونے اسے لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھنے کے بعد قتل کر دیا؟" میں نے عرض کی: وہ تو قتل سے بچنے کی کوشش میں تھا، اسی لیے اس نے کلمہ پڑھا تھا۔ آپ نے پھر فرمایا: کیا تونے اسے لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھنے کے بعد قتل کر دیا؟ پھر آپ ﷺ اپنی اس بات کو مسلسل دہراتے رہے، یہاں تک کہ میرے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ کاش! میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا۔[1]

سنن ابوداود کی روایت میں ہے کہ آپ نے اسامہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا تم نے اس کا دل پھاڑ کر دیکھ لیا تھا کہ وہ خالص نیت سے مسلمان ہوا ہے کہ نہیں؟ حدیث کے الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"«مَنْ لَكَ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟» فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّمَا قَالَهَا مَخَافَةَ السِّلَاحِ.قَالَ: «أَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتَّى تَعْلَمَ مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ قَالَهَا أَمْ لَا؟ مَنْ لَكَ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟» فَمَا زَالَ يَقُولُهَا حَتَّى وَدِدْتُ أَنِّي لَمْ أُسْلِمْ إِلَّا يَوْمَئِذٍ "[2]

اے اسامہ! قیامت کے دن لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے سامنے تیری مدد کون کرے گا؟" میں نے کہا: اللہ کے رسول! اس نے یہ بات تلوار کے ڈر سے کہی تھی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم نے اس کا دل پھاڑ کر دیکھ کیوں نہیں لیا کہ اس نے کلمہ تلوار کے ڈر سے پڑھا ہے یا نہیں؟ قیامت کے دن لاَإِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے سامنے تیری مدد کون کرے گا؟ آپ ﷺ مسلسل یہی بات فرماتے رہے، یہاں تک کہ میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ کاش! میں آج ہی اسلام لایا ہوتا۔

اس حدیث سے یہ بات صراحتاً معلوم ہو رہی ہے کہ زبان سے کلمہ پڑھنے والے کا شمار مسلمانوں میں ہوگا اور اس کے ساتھ دنیا میں وہی سلوک کیا جائے گا جو کسی مسلم و مومن کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس کے کلمہ پڑھنے اور دین دار بننے کا سبب کیا ہے؟ اس طرف نہیں دیکھا جائے گا۔ کیونکہ کلمہ کا تعلق ظاہر سے ہے نہ کہ باطن سے، اور باطن کا علم صرف اللہ کو ہے۔ اس اصول کو مزید تقویت ذوالخویصرہ کے واقعہ سے بھی ملتی ہے جب اس نے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کی تو سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل کی اجازت طلب کی جس پر آپ نے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

---

[1] – صحيح البخاري ، كِتَابُ الدِّيَاتِ ، بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿ وَمَنْ أَحْيَاهَا ﴾ ، 4/9 ، حديث: 6872 – صحيح مسلم : 96

[2] – سنن ابي داوود ، كتاب الجهاد ، باب، على ما يقاتَل المشركون؟ ، 278/4-279 ، حديث : 2643

«لاَ، لَعَلَّهُ أَنْ يَكُونَ يُصَلِّي، فَقَالَ خَالِدٌ: وَكَمْ مِنْ مُصَلٍّ يَقُولُ بِلِسَانِهِ مَا لَيْسَ فِي قَلْبِهِ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّي لَمْ أُومَرْ أَنْ أَنْقُبَ عَنْ قُلُوبِ النَّاسِ وَلاَ أَشُقَّ بُطُونَهُمْ»[1]

نہیں، شاید وہ نماز پڑھتا ہو، تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ بہت سے نمازی ایسے ہوتے ہیں کہ جو منہ سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے لوگوں کے دل ٹٹولنے یا پیٹ چیرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

چوتھا ضابطہ: تکفیر مطلق و معین کے درمیان فرق کیا جائے گا

تکفیر مطلق کے برعکس کسی معین شخص کو کافر قرار دینے کے لئے شریعت میں بہت سے قواعد وضوابط اور شرائط ہیں جن کا خیال رکھنا اور کسی معین فرد کو کافر قرار دینے کے لیے ان کا پورا ہونا ضروری ہے تکفیر مطلق اور تکفیر معین کے درمیان فرق اور تکفیر مطلق کے شرعی حکم پر مفصل بحث اس باب کی پہلی فصل میں تکفیر کی اقسام کے عنوان کے تحت گزر چکی ہے۔ طوالت اور تکرار کے خوف سے اسے یہاں دوبارہ ذکر نہیں کیا جا رہا۔

پانچواں ضابطہ: اتمام حجت کے بغیر کسی کلمہ گو کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا

کسی کلمہ پڑھنے والے شخص کو اس کے کسی کفریہ قول، فعل یا اعتقاد کی وجہ سے اس وقت تک کافر قرار نہیں دیا جائے گا، جب تک دلائل کے ساتھ اس پر اس کی غلطی واضح کر کے حجت قائم نہ کر دی جائے اور اس کے تمام شبہات کو دور نہ کر لیا جائے۔ اللہ تعالی نے اپنا یہی اصول بتایا ہے کہ وہ تب تک کسی قوم کو عذاب نہیں دیتا جب تک اسے سمجھانے کے لیے کسی رسول کو نہ بھیج دے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولاً﴾[2]

اور ہم کبھی عذاب دینے والے نہیں، یہاں تک کہ کوئی پیغام پہنچانے والا نہ بھیجیں۔

رسول کے بھیجنے سے مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی قوم کو حق اور باطل واضح کر کے سمجھا دیتا ہے اور ان پر حلال و حرام واضح کر دیتا ہے۔ فرمان ربانی ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ﴾[3]

اور اللہ کبھی ایسا نہیں کہ کسی قوم کو اس کے بعد گمراہ کر دے کہ انھیں ہدایت دے چکا ہو، یہاں

---

[1] – صحيح البخارى ، كِتَابُ المَغَازِي ، بَابُ بَعْثِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَلَيْهِ السَّلاَمُ ، وَخَالِدِ بْنِ الوَلِيدِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، إِلَى اليَمَنِ قَبْلَ حَجَّةِ الوَدَاعِ ، 163/5 ، حديث : 4351 – صحيح مسلم : 1064

[2] – الاسراء17 :15

[3] – التوبة9 :115

تک کہ ان کے لیے وہ چیزیں واضح کر دے جن سے وہ پرہیز کریں۔

اللہ تعالی اتمام حجت فرمانے کے لیے رسولوں کو اس لیے بھیجتا ہے کہ کسی قوم کو یہ عذر پیش کرنے کا موقع نہ مل سکے کہ اے ہمارے رب! اگر تو ہماری طرف کسی نبی کو بھیجتا تو یقینا ہم تیری نافرمانی نہ کرتے۔ اب چونکہ تو نے ہماری طرف کسی رسول کو بھیجا ہی نہیں تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ فرمان باری تعالی ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّآ أَهْلَكْنَٰهُم بِعَذَابٍ مِّن قَبْلِهِۦ لَقَالُوا۟ رَبَّنَا لَوْلَآ أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ ءَايَٰتِكَ مِن قَبْلِ أَن نَّذِلَّ وَنَخْزَىٰ﴾[1]

اور اگر ہم واقعی انھیں اس سے پہلے کسی عذاب کے ساتھ ہلاک کر دیتے تو یہ لوگ ضرور کہتے: اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے، اس سے پہلے کہ ہم ذلیل ہوں اور رسوا ہوں۔

چونکہ اللہ تعالی ظلم کو اپنے اور اپنے بندوں پر حرام قرار دے چکا ہے، اس لیے جہنم کے داروغے جہنمیوں کو جہنم میں پھینکتے ہوئے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس اللہ تعالی کی طرف سے حق اور باطل کو واضح کرنے اور اللہ کے عذاب سے ڈرانے کے لیے کوئی رسول نہیں آیا تھا؟ جس پر جہنمی اعتراف کریں گے کہ کیوں نہیں؟ رسول تو آیا تھا، لیکن ہم نے اس کی بات ماننے کی بجائے اسے جھٹلا دیا تھا۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿كُلَّمَآ أُلْقِىَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۝ قَالُوا۟ بَلَىٰ قَدْ جَآءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ ٱللَّهُ مِن شَىْءٍ﴾[2]

جب بھی کوئی گروہ اس میں ڈالا جائے گا، اس کے نگران ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں؟ یقینا ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تو ہم نے جھٹلا دیا اور ہم نے کہا اللہ نے کوئی چیز نہیں اتاری۔

اللہ تعالی کا اصول ہے کہ وہ جہنم میں اس کو ڈالتا ہے جو ہدایت کے واضح ہونے کے بعد بھی رسول کی دشمنی پر کمر باندھے رکھتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ ٱلرَّسُولَ مِنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ ٱلْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ ٱلْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِۦ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِۦ جَهَنَّمَ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيرًا﴾[3]

---

[1] – طٰہٰ 20 : 134

[2] – الملك 67: 8-9

[3] – النساء 4 : 115

اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے، اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت خوب واضح ہو چکی اور مومنوں کے راستے کے سوا (کسی اور) کی پیروی کرے ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرے گا اور ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے۔

مذکورہ بالا تمام آیات اور ان جیسی دیگر بہت ساری قرآنی آیات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ کسی بھی شخص کو کافر قرار دینے کے لئے ضروری اور لازمی ہے کہ پہلے اس پر حجت تمام کر لی جائے، اسے اس کی غلطی صحیح طرح سے واضح کر کے سمجھا دی جائے اور اس کے ذہن کے اندر جو شبہات ہیں، ان کا ازالہ کر دیا جائے۔ کیونکہ بعض اوقات ہو سکتا ہے کہ غلط بات کہنے والا، یا غلط کام کرنے والا، یا غلط عقیدہ رکھنے والا نیا نیا مسلمان ہوا ہو، یا دینی علم سے نابلد بہت دور دراز کے علاقے کا رہنے والا ہو، اور اسے اس بات کا علم ہی نہ ہو کہ اس کی یہ بات یا عمل یا عقیدہ قرآن وسنت کے خلاف ہے۔

غزوہ حنین کے موقع پر نئے نئے مسلمان ہونے والے صحابہ سے ایسی ہی ایک حرکت کا صدور ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی لاعلمی کی وجہ سے ان کو صرف سمجھانے پر ہی اکتفا کیا۔ چنانچہ سیدنا ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے حنین کے لیے نکلے، فرماتے ہیں: کفار کی ایک بیری تھی جہاں وہ جا کر اعتکاف کرتے تھے اور اس کے ساتھ اپنا اسلحہ لٹکایا کرتے تھے، اسے ذات انواط کہا جاتا تھا۔ راستے میں جب ہم لوگ ایک سرسبز وشاداب بیری کے بہت بڑے درخت کے پاس سے گذرے، تو ہم نے عرض کیا:

"يَا رَسُولَ اللهِ، اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ أَنْوَاطٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سُبْحَانَ اللهِ هَذَا كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسَى ﴿اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ﴾ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَرْكَبُنَّ سُنَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ۔"[1]

یارسول اللہ! ہمارے لیے بھی اس طرح کوئی ذات انواط مقرر کر دیجئے جس طرح ان کے لیے ذات انواط ہے۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ! یہ تو وہی بات ہے، جس طرح کی بات موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہی تھی کہ ہمارے لیے بھی کوئی معبود بنا دیجیے، جیسے ان مشرکوں کے معبود ہیں، تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بے شک تم ایسے لوگ ہو جو نادانی کرتے ہو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم اپنے سے پہلے لوگوں کی کی پوری پوری پیروی کرو گے۔

اس حدیث پر غور کرنے سے واضح معلوم ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ان کے نئے نئے مسلمان ہونے کی

---

[1] – سنن الترمذی ، أَبْوَابُ الْفِتَنِ ، بَابُ مَا جَاءَ لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ ، 45/4 ، حدیث : 2180 – مسند احمد ، 225/36 ، حدیث : 21897

وجہ سے معذور جانااور نصیحت فرمائی لیکن کافر قرار دے کر دوبارہ کلمہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا،اسی طرح موسی علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کی لاعلمی کی وجہ سے انہیں نادان توقرار دیا لیکن کافر نہیں۔

کفریہ قول، فعل یا اعتقاد کے حامل شخص کے بارہ میں یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے اپنے قول، فعل یا اعتقاد کے کفریہ ہونے کے بارے میں سنا تو ہو لیکن بات کو سمجھ ہی نہ سکا ہو یا اس کے خیال میں اس کا قول، فعل یا اعتقاد اسلام کی بنیادی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ جیسا کہ عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ شام سے واپس آئے توانہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجدہ کیا۔ آپ نے فرمایا: معاذ! یہ کیا؟ انہوں نے کہا: میں شام گیا تو میں نے وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے پادریوں اور سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں۔ مجھے اپنے دل میں یہ بات اچھی لگی کہ ہم لوگ آپ کے ساتھ تعظیم اور احترام کا یہ طریقہ اختیار کریں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر ارشاد فرمایا:

" فَلَا تَفْعَلُوا، فَإِنِّي لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِغَيْرِ اللَّهِ ، لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا "[1]

تم مجھے سجدہ مت کرو۔ اگر میں کسی کو اللہ کے سوا کسی کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

غیر اللہ کو سجدہ کرنے کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا کسی ایک صحابی نے بھی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ پر کفر یا شرک کا فتوی نہیں لگایا تو اس سے معلوم ہوا کہ نادانی اور جہالت کی وجہ سے کیے جانے والے کفریہ عمل کا فاعل کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ ان تمام احتمالات کو سامنے رکھتے ہوئے کسی بھی فتوی دینے والے کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ کسی پر کفر کا فتویٰ لگانے سے پہلے اس پر اس کے قول، فعل یا اعتقاد کی حقیقت کو دلائل کی روشنی میں خوب اچھی طرح واضح کر دیا جائے۔ مسئلہ کے تمام پہلو واضح کرنے، تکفیر کی شرائط پوری کرنے اور تکفیر کے موانع کے اٹھ جانے کا یقین ہونے کے بعد بھی اگر کوئی شخص تسلیم نہیں کرتا، جبکہ اس کا قول، فعل یا اعتقاد شرعی نصوص کی روشنی میں صریحا کفر ہو، تو پھر ایسے شخص، چاہے وہ حاکم ہو یا محکوم، کی تکفیر میں کوئی حرج نہیں ہے۔

---

[1] – سنن ابن ماجه ، أَبْوَابُ النِّكَاحِ ، بَابُ حَقِّ الزَّوْجِ عَلَى الْمَرْأَةِ ، 59/3 ، حديث : 1853

مبحث دوم: تکفیر کے شکار شخص یعنی مکفَّر سے متعلقہ ضوابط

شرعی احکام کی روشنی میں بہت سی ایسی شرائط ہیں کہ کسی بھی شخص پر کفر کا حکم عائد کرنے سے پہلے اس شخص کے حوالہ سے ان کا خیال کرنا ضروری اور لازمی ہے۔اس مبحث میں انہی شرائط و ضوابط کا تذکرہ کیا جائے گا۔

پہلا ضابطہ: جہالت ایک معقول عذر ہے

اس امر میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ جانتے بوجھتے قانون توڑنے والا شخص اور لاعلمی میں غلطی کر جانے والا شخص جرم کی سنگینی کے اعتبار سے برابر نہیں ہوتے۔اسلامی شریعت بھی اس فرق کو تسلیم کرتی ہے،ارشاد باری تعالی ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾[1]

اللہ تعالی کسی بھی شخص پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔

یعنی اللہ رب العزت کسی شخص کو ایسی بات کا مکلف نہیں فرماتا جو اس کی طاقت سے باہر ہو،کیونکہ ایسا کرنا اس کی شان رحمت کے خلاف ہے۔اس لیے تو شریعت میں مریض کو بیٹھ کر،لیٹ کر نماز پڑھنے کی اور وضو نہ کر سکنے کی صورت میں تیمم کی اجازت دی گئی ہے۔مسافر و مریض کو روزہ چھوڑنے اور بعد میں اس کی قضا کرنے کی سہولت دی گئی،ہاتھ پاؤں زخمی ہوں تو وضو میں انہیں دھونے کی بجائے پٹی پر مسح کی اجازت دی گئی ہے۔اللہ تعالی انسان کو اس چیز کا ہی مکلف ٹھہراتا ہے جو وہ اسے عطا کرتا ہے چنانچہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا﴾[2]

وسعت والا اپنی وسعت میں سے خرچ کرے اور جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا ہو تو وہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی کی جو اس نے اسے دیا ہے۔

علم کے حوالے سے بھی اسلام کا یہی اصول ہے کہ جس شخص کو جس چیز کا علم ہے وہ اسی کا مکلف ہے اور قیامت کے دن اسے اسی کا حساب دینا پڑے گا،جیساکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

" لاَ تَزُولُ قَدَمُ ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ، عَنْ عُمُرِهِ فِيمَ أَفْنَاهُ، وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَ أَبْلاَهُ، وَمَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ، وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ-"[3]

---

[1] – البقرة 2: 286

[2] – الطلاق65 : 7

[3] – سنن الترمذی ، أَبْوَابُ صِفَةِ الْقِيَامَةِ وَالرَّقَائِقِ وَالْوَرَعِ ، بَابٌ فِي الْقِيَامَةِ ، 190/4 ، حدیث : 2416

آدمی کا پاؤں قیامت کے دن اس کے رب کے پاس سے نہیں ہٹے گا یہاں تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے پوچھ لیا جائے: اس کی عمر کے بارے میں کہ اسے کہاں صرف کیا؟ اس کی جوانی کے بارے میں کہ اسے کہاں کھپایا؟ اس کے مال کے بارے میں کہ اسے کہاں سے کمایا اور کس چیز میں خرچ کیا؟ اور اس کے علم کے سلسلے میں کہ اس پر کہاں تک عمل کیا؟

اسلام نے تو علم کے ساتھ ساتھ زمان و مکان کو بھی ایک عذر کے طور پر تسلیم کیا ہے کیونکہ وقت بدل جانے یا علاقہ بدل جانے سے انسان کے عمل کرنے کا جذبہ بھی بدل جاتا ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

" **إِنَّكُمْ فِي زَمَانٍ مَنْ تَرَكَ مِنْكُمْ عُشْرَ مَا أُمِرَ بِهِ هَلَكَ ثُمَّ يَأْتِي زَمَانٌ مَنْ عَمِلَ مِنْهُمْ بِعُشْرِ مَا أُمِرَ بِهِ نَجَا۔**"[1]

تم اس وقت ایسے زمانے میں ہو کہ اگر تم میں سے کوئی اس کام کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دے جس کے کرنے کا حکم ہے، تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔ پھر ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ اگر کوئی حکم کئے گئے کام کا دسواں حصہ بھی ادا کرے گا، نجات پا جائے گا۔

بعض علاقوں میں اسلام اپنی اصل صورت کی بجائے مسخ شدہ صورت میں پہنچا ہے۔ اُن لوگوں کو اسلام کی اصلیت کا علم ہی نہیں۔ دنیا میں کئی علاقے ایسے ہیں جہاں کے لوگ نسلاً مسلمان ہیں لیکن طویل غلامی و محکومی کی وجہ سے اُنہیں کلمہ توحید سے آگے اسلام کے تقاضوں کا علم ہی نہیں، وہ صرف اس لئے مسلمان ہیں کہ مسلمان گھر میں پیدا ہوئے اور اُنہیں کلمہ یاد کرا دیا گیا اُس کے بعد اُن کے اعمال، لباس، چال ڈھال غرض یہ کہ ہر چیز میں یہودی اور عیسائی ثقافت نظر آتی ہے۔ ایسے وقت میں ایسی جگہوں پر انسانوں کے پاس ایمان اور علم میں سے جو کچھ ہے وہ اس پر ہی عمل کے مکلّف ہیں اور انہیں اس کی وجہ سے مسلم تسلیم کیا جائے گا اور انہیں اس پر ہی قیامت کے دن اللہ کے حکم سے نجات مل جائے گی۔ لیکن یہ امر واضح رہے کہ یہ اُس کے لیے ہے جس تک علم نہ پہنچنے کی وجہ سے حجت کا قیام نہ ہو۔ جیسا کہ سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" **يَدْرُسُ الْإِسْلَامُ كَمَا يَدْرُسُ وَشْيُ الثَّوْبِ، حَتَّى لَا يُدْرَى مَا صِيَامٌ وَلَا صَلَاةٌ وَلَا نُسُكٌ وَلَا صَدَقَةٌ - وَلَيُسْرَى عَلَى كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي لَيْلَةٍ، فَلَا يَبْقَى فِي الْأَرْضِ مِنْهُ آيَةٌ، وَتَبْقَى طَوَائِفُ مِنْ النَّاسِ، الشَّيْخُ الْكَبِيرُ وَالْعَجُوزُ، يَقُولُونَ: أَدْرَكْنَا آبَاءَنَا عَلَى هَذِهِ الْكَلِمَةِ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَنَحْنُ نَقُولُهَا۔ فَقَالَ لَهُ صِلَةُ : مَا تُغْنِي عَنْهُمْ لَا**

---

[1] ۔ سنن الترمذی ، أَبْوَابُ الْفِتَنِ ، بَابٌ رقم: 79 ، 100/4 ، حدیث : 2267

إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَهُمْ لَا يَدْرُونَ مَا صَلَاةٌ وَلَا صِيَامٌ وَلَا نُسُكٌ وَلَا صَدَقَةٌ؟ فَأَعْرَضَ عَنْهُ حُذَيْفَةُ، ثُمَّ رَدَّهَا عَلَيْهِ ثَلَاثًا، كُلَّ ذَلِكَ يُعْرِضُ عَنْهُ حُذَيْفَةُ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْهِ فِي الثَّالِثَةِ، فَقَالَ: يَا صِلَةُ، تُنْجِيهِمْ مِنَ النَّارِ، ثَلَاثًا "[1]

اسلام اس طرح محو ہو جائے گا جس طرح کپڑے کے نقوش مٹ جاتے ہیں حتی کہ لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں رہے گا کہ روزے کیا ہوتے ہیں؟ یا نماز یا قربانی یا صدقہ کیا ہوتا ہے؟ اللہ کی کتاب کو ایک ہی رات میں اٹھا لیا جائے گا اور زمین میں اس کی ایک آیت بھی نہیں رہے گی۔ لوگوں میں کچھ بوڑھے مرد اور عورتیں رہ جائیں گی جو کہیں گے: ہم نے اپنے بزرگوں کو اس کلمہ لا الہ الا اللہ پر دیکھا تھا، تو ہم بھی یہی کلمہ کہتے ہیں۔ {حذیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد} صلہ کہنے لگے: انہیں لا الہ الا اللہ سے کیا فائدہ ہو گا جبکہ انہیں نماز، روزے، قربانی اور صدقے تک کا علم نہیں ہو گا؟ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان سے منہ پھیر لیا۔ انہوں نے تین بار یہ سوال کیا اور ہر دفعہ حذیفہ ان سے منہ پھیرتے رہے۔ پھر تیسری بار ان کی طرف متوجہ ہو کر تین بار فرمایا: اے صلہ! یہی کلمہ انہیں جہنم سے بچا لے گا۔

مذکورہ بالا حدیث میں جن لوگوں کا ذکر ہے یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں اسلام کے بنیادی شعائر یعنی نماز، روزے، زکوۃ، حج، قربانی اور صدقے وغیرہ کا بھی علم نہیں ہے لیکن اس کے باوجود صرف لا الہ الا اللہ انہیں جہنم سے نجات دلا دے گا۔ وجہ یہ نہیں ہے کہ ان شعائر اسلامیہ کا علم اور ان پر عمل لازمی اور ضروری نہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ ان تک یہ علم پہنچ نہیں پایا اور اللہ تعالی کا اصول ہے:

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا﴾[2]

ہم کبھی عذاب دینے والے نہیں، یہاں تک کہ کوئی پیغام پہنچانے والا نہ بھیجیں۔

یعنی جب تک کسی قوم کو حق اور باطل واضح کر کے سمجھا نہ دیا جائے اور ان پر اتمام حجت کر کے ان کا امتحان نہ لے لیا جائے اللہ تعالی ان پر عذاب نہیں بھیجتا۔ اور اتمام حجت کا طریقہ یا حجت کا قائم ہونا مختلف زمانوں، علاقوں اور لوگوں کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ جیسے کسی جگہ اگر جہالت کو دور کر کے توحید و رسالت کے علم کو روشناس کروانے والا کوئی بھی موجود نہیں ہے تو یہاں حجت کی نوعیت اور ہو گی، کسی جگہ دعوت و ارشاد کا کام کرنے والے لوگ موجود ہوں تو وہاں حجت کی نوعیت اور ہو گی اور اگر کسی جگہ دعوت و ارشاد کے منصب پر فائز لوگوں کو بھی دین کی صحیح فقاہت حاصل

---

[1] – سنن ابن ماجه ، أَبْوَابُ الْفِتَنِ ، بَابُ ذَهَابِ الْقُرْآنِ وَالْعِلْمِ ، 173/5 ، حديث : 4049

[2] – الاسراء17 :15

نہ ہو اور وہ لوگوں کو دین کے نام پر بدعات ورسومات میں الجھائے رکھیں تو وہاں حجت کی نوعیت اور ہو گی۔ مختصرا جہاں کے لوگوں تک دین کا پیغام نہ پہنچا ہو، وہاں حکم لگانے سے قبل ان تک دین پہنچانا لازم ہے۔اسی طرح جہاں دین صحیح شکل میں نہ پہنچا ہو وہاں ان تک اصل دین پہنچائے بغیر اتمام حجت نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ اصول یہ ہے کہ جو جتنا جانتا ہے وہ اُتنا ہی مکلّف ہے۔اس لیے کسی پر بھی کفر کا فتوی لگانے سے قبل اس کے احوال کا انفرادی و تفصیلی طور پر جائزہ لینا ضروری ہوتا ہے۔

دوسرا ضابطہ: علم کے حصول یا عمل کرنے سے عاجز کا عذر قابلِ قبول ہو گا

پچھلے ضابطہ کی تفصیل میں بیان کیا جا چکا کہ اللہ تعالی کسی شخص کو اس کی وسعت سے بڑھ کر مکلف نہیں ٹھہراتا قطع نظر اس بات کے کہ اس وسعت کا تعلق اس کے علم کے ساتھ ہے یا عمل کے ساتھ۔یعنی جس شخص کے پاس کسی معاملہ میں علم نہیں پہنچا وہ بھی معذور ہے اور جس کے پاس علم تو پہنچا لیکن وہ عمل کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، وہ بھی معذور ہی تصور کیا جائے گا۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (97) إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا (98) فَأُولَئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا﴾[1]

بیشک وہ لوگ جنھیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں، کہتے ہیں تم کس کام میں تھے؟ وہ کہتے ہیں ہم اس سرزمین میں نہایت کمزور تھے۔وہ کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ تو یہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے۔ مگر وہ نہایت کمزور مرد اور عورتیں اور بچے جو نہ کسی تدبیر کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ کوئی راستہ پاتے ہیں۔تو یہ لوگ، اللہ قریب ہے کہ انھیں معاف کر دے اور اللہ ہمیشہ سے بے حد معاف کرنے والا، نہایت بخشنے والا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالی نے ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے انہیں ظالم قرار دیا ہے اور ان کا ٹھکانا جہنم بتلایا ہے جو مکہ اور اس کے قرب وجوار میں مسلمان تو ہو چکے تھے لیکن انھوں نے کسی قسم کی رکاوٹ موجود نہ ہونے کے باوجود اپنے آبائی علاقے اور خاندان کو چھوڑ کر ہجرت کرنے سے گریز کیا، جب کہ مسلمانوں کی قوت کو ایک جگہ مجتمع کرنے کے لیے

---

[1] – النساء4 : 97-99

ہجرت کا نہایت تاکیدی حکم دیا جا چکا تھا۔ اور ان لوگوں کو یہاں اس وعید سے مستثنی قرار دیا گیا ہے جو واقعی بے بس اور معذور تھے اور ہجرت نہیں کر سکتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص واقعی ہجرت نہیں کر سکتا، وہ کفار کی قید میں ہے، یا اسے راستے کا علم نہیں، یا اس کے پاس زاد راہ نہیں، غرض کوئی بھی صحیح عذر ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادے گا۔

اہلِ علم کے خیال میں انسانوں پر حجت دو چیزوں کے بیک وقت موجود ہونے سے قائم ہوتی ہے: پہلی چیز کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اُس کے سمجھنے کی قدرت رکھتا ہو۔ اور دوسری چیز یہ کہ جو کچھ جانتا ہو اُس پر عمل کی قدرت رکھتا ہو۔ جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" والحجة على العباد إنما تقوم بشيئين: بشرط التمكن من العلم بما أنزل الله والقدرة على العمل به. فأما العاجز عن العلم كالمجنون أو العاجز عن العمل فلا أمر عليه ولا نهي وإذا انقطع العلم ببعض الدين أو حصل العجز عن بعضه: كان ذلك في حق العاجز عن العلم أو العمل بقوله كمن انقطع عن العلم بجميع الدين أو عجز عن جميعه كالجنون مثلا "[1]

بندوں پر حجت دو چیزوں کے ساتھ قائم ہوتی ہے ایک یہ کہ اس چیز کا علم حاصل کرنے پر قادر ہونا، جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے، اور دوسرا اس پر عمل کرنے کی قدرت کا حاصل ہونا۔ جو شخص علم حاصل کرنے سے عاجز ہے جیسے وہ مجنوں اور دیوانہ ہے، یا عمل کرنے سے عاجز ہے کہ عمل کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ کوئی امر ہے اور نہ ہی کوئی نہی ہے۔ اور جب کسی شخص کو دین کے کسی حصے کا علم نہ ہو یا دین کے کسی حصے پر عمل کرنے کی اس کے پاس طاقت نہ ہو تو اتنی چیز کے معاملے میں یہ اس شخص کی طرح معذور ہے جسے دین کی کوئی بات نہیں پہنچی یا وہ تمام دین پر عمل کرنے سے عاجز ہو جیسے دیوانہ اور پاگل شخص ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا تمام تفصیلات سے معلوم ہوا کہ کسی کو اس کے کسی عمل یا جرم پر مجرم قرار دیتے ہوئے اس کے حوالہ سے دو بنیادی امور کو مد نظر رکھنا لازم ہے:

- اس تک اس عمل یا جرم کے متعلق قرآن وسنت کا علم پہنچا ہے یا نہیں؟
- کیا وہ اُس پر عمل کی قدرت رکھتا ہے یا نہیں؟

جس شخص نے ایمان کے بعض واجبات کو ان دونوں وجوہات میں سے کسی ایک کی بنیاد پر چھوڑا تو وہ مجرم نہ ہوگا اور اس

---

[1] - مجموع الفتاوى ، 59/20

پر اس ضمن میں حکم عائد نہ کیا جائے گا۔ لیکن یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ ہم تو ظاہر پر فیصلہ کرنے کے مکلف ہیں لیکن اللہ تعالی اس بات سے بخوبی آگاہ ہے کہ کون طاقت رکھتا ہے اور کون معذور ہے؟ اور وہ قیامت کے دن فیصلہ اسی بنیاد پر فرمائے گا۔

تیسرا ضابطہ: لاعلمی کو اصولی اور فروعی تمام مسائل میں بطورِ عذر قبول کیا جائے گا

یہ دعوی درست نہیں ہے کہ اصولی یعنی اعتقادی مسائل میں جہالت یا لاعلمی کا عذر قبول نہیں کیا جائے گا جبکہ فروعی یعنی فقہی مسائل میں یہ عذر قابل قبول ہو گا۔ نبی کریم ﷺ، آپ کے اصحاب اور جمہور اہل اسلام کے ہاں ایسی کوئی تقسیم نہیں ملتی کہ فروعی مسائل کے برعکس اصولی یا اعتقادی مسائل میں انکار یا غلطی کا ارتکاب کرنے والے کی تکفیر کی جائے گی۔ کیونکہ اس دعوی کی قران مجید، احادیث صحیحہ اور ائمہ اربعہ و دیگر سلف صالحین کے آثار سے کوئی دلیل نہیں ملتی، بلکہ یہ اہل بدعت کا موقف ہے جو کم علمی کی وجہ سے عام مسلمانوں میں بھی سرایت کر گیا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" أن المتأول الذي قصده متابعة الرسول لا يكفر، بل ولا يفسق إذا اجتهد فأخطأ. وهذا مشهور عند الناس في المسائل العملية. وأما مسائل العقائد فكثير من الناس كفر المخطئين فيها.وهذا القول لا يعرف عن أحد من الصحابة والتابعين لهم بإحسان، ولا عن أحد من أئمة المسلمين، وإنما هو في الأصل من أقوال أهل البدع، الذين يبتدعون بدعة ويكفرون من خالفهم، كالخوارج والمعتزلة والجهمية "[1]

ایسا تاویل کرنے والا کہ جس کا ارادہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنا ہے، اجتہادی خطا کی صورت میں نہ وہ کفر کا ارتکاب کر رہا ہوتا ہے اور نہ فسق کا۔ اور یہ بات عملی و فقہی مسائل میں لوگوں کے ہاں مشہور ہے جبکہ ایسے مسائل کہ جن کا تعلق عقائد کے ساتھ ہے تو بہت سارے لوگوں نے عقائد کے معاملے میں خطا کرنے والوں کی تکفیر کی ہے حالانکہ یہ بات صحابہ، تابعین اور ائمہ مسلمین میں سے کسی ایک سے بھی منقول نہیں ہے۔ اصل میں یہ خوارج، معتزلہ اور جہمیہ جیسے ان لوگوں کی بات ہے جو بدعت ایجاد کرتے اور اپنے مخالفین کی تکفیر کرتے ہیں۔

صحابہ، تابعین اور ائمہ دین رحمہم اللہ تعالی کا موقف واضح کرتے ہوئے شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

" هذا هو القول المعروف عن الصحابة والتابعين لهم بإحسان وأئمة الدين: إنهم لا يكفرون ولا يفسقون ولا يؤثمون أحدا من المجتهدين المخطئين، لا في مسألة عملية ولا

---

[1] - منهاج السنة ، 5/239-240

علمية.قالوا: والفرق بين مسائل الأصول والفروع إنما هو من أقوال أهل البدع من أهل الكلام من المعتزلة والجهمية ومن سلك سبيلهم. وانتقل هذا القول إلى أقوام تكلموا بذلك في أصول الفقه. ولم يعرفوا حقيقة هذا القول ولا غوره -"[1]

صحابہ، تابعین اور ائمہ دین سے یہی قول معروف ہے کہ وہ علمی یا عملی کسی بھی مسئلہ میں خطا کرنے والے کسی مجتہد کو نہ کافر قرار دیتے تھے، نہ فاسق اور نہ ہی گناہ گار۔ اور ان کا یہ کہنا تھا کہ اصولی اور فروعی مسائل کے درمیان فرق کا موقف اہل کلام سے متاثر معتزلہ، جہمیہ اور ان کے ہمنوا اہلِ بدعت کا موقف ہے اور انہی سے یہ قول اصول فقہ میں فلسفیانہ بات کرنے والے لوگوں کو منتقل ہوا، اور وہ اس قول کی حقیقت اور گہرائی کو نہ پہچان پائے۔

جیسا کہ تفصیلی بحث گزر چکی ہے کہ اگر کوئی مسلمان شخص لاعلمی کی بنا پر جہالت کی وجہ سے کوئی کفریہ کام کر لے تو اسے اس بنا پر نہ تو کافر کہا جائے گا، اور نہ ہی اسے اس وقت تک دائرہ اسلام سے خارج کیا جائے گا جب تک اس پر حجت قائم نہ کر لی جائے اور اس پر اس کی غلطی شرعی دلائل کے ساتھ خوب کھول کر واضح نہ کر دی جائے۔ جہالت کی بنا پر عذر قبول کرنے کا اصول تمام کے تمام شرعی مسائل میں ہے، چاہے ان کا تعلق بنیادی عقائد سے ہو یا فقہی احکام سے۔ عقائد کے ضمن میں غلطی کرنے والے مسلمان کا جہالت کی بنا پر عذر قبول کرنے کے قرآن وسنت میں بہت سے دلائل ملتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ کے آخر میں اللہ تعالی نے اہل ایمان کی دعاوں میں یہ دعا ذکر فرمائی ہے کہ وہ کہتے ہیں:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا﴾[2]

اے ہمارے پروردگار! اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر بیٹھیں تو ہمارا مواخذہ مت فرمانا۔

اور اس آیت کے متعلق صحیح مسلم میں واضح صراحت موجود ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالی نے فرمایا:

" قَدْ فَعَلْتُ "[3]

میں نے ایسا کر دیا یعنی تمہاری دعا قبول فرمالی ہے۔

قرآن مجید میں اس طرح کی کئی نصوص ہیں جن میں خطاکار کا عذر قبول کرنے کا کہا گیا ہے، فرمانِ باری تعالی ہے:

﴿وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُم بِهِ وَلَكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ وَكَانَ اللَّهُ

---

[1] - منهاج السنة ، 5/87-88

[2] -البقرة 2: 286

[3] - صحيح مسلم ، كِتَابُ الْإِيمَانَ ، بَابُ بَيَانِ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ﴾ ، 116/1 ، حديث : 126

غَفُورًا رَحِيمًا﴾[1]

جن امور میں تم سے خطا ہو جائے اس میں تم پر گناہ نہیں ہے، تاہم جن میں تمہارے دل عمداً خطا کریں [ان میں گناہ ہے] اور اللہ تعالی بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اسی اصول کو نبی کریم ﷺ نے مزید کھول کر واضح فرمادیا ہے، جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ اللَّهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ" [2]

بے شک اللہ تعالی نے میری امت کو خطا و نسیان یعنی بھول چوک اور زبردستی کروائے گئے کام معاف فرمادیے ہیں۔

مذکورہ بالا تمام نصوص سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ بھول کر یا لاعلمی کی وجہ سے کسی شرعی حکم، قطع نظر اس بات کے کہ اس کا تعلق اصول کے ساتھ ہے یا فروع کے ساتھ، کی مخالفت کر گزرنے والا عنداللہ معذور تصور کیا جائے گا اور اس پر مواخذہ نہیں ہوگا۔ جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" وقول الله تعالى في القرآن: ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ قال الله تعالى: **"قد فعلت"** ولم يفرق بين الخطأ القطعي في مسألة قطعية أو ظنية. --- فمن قال: إن المخطئ في مسألة قطعية أو ظنية يأثم فقد خالف الكتاب والسنة والإجماع القديم ـ"[3]

اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمایا: اے ہمارے پروردگار! اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر بیٹھیں تو ہمارا مواخذہ مت فرمانا۔ اس آیت کے بعد اللہ تعالی نے فرمایا: میں نے تمہاری دعا قبول فرما لی ہے۔ یہاں پر اللہ تعالی نے کسی قطعی یا ظنی مسئلے میں یقینی خطا کی تفریق نہیں فرمائی۔۔۔ تو جو شخص یہ کہے کہ کسی بھی قطعی یا ظنی مسئلے میں خطا کھانے والا شخص گناہ گار ہو گا تو ایسا شخص یقینی طور پر کتاب وسنت اور قدیم اجماع کی مخالفت کر رہا ہے۔

علامہ جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں قاضی ابو بکر ابن العربی رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

" أن الطاعات، كما تسمى إيمانا، كذلك المعاصي تسمى كفرا - لكن حيث يطلق عليها الكفر لا يراد عليه الكفر المخرج عن الملة - فالجاهل والمخطئ من هذه الأمة، ولو عمل

---

[1] – الأحزاب33 :5

[2] – سنن ابن ماجه ، أَبْوَابُ الطَّلَاقِ ، بَابُ طَلَاقِ الْمُكْرَهِ وَالنَّاسِي ، 201/3 ، حديث : 2045

[3] – مجموع الفتاوى ، 210/19

من الكفر والشرك ما يكون صاحبه مشركا أو كافرا، فإنه يعذر بالجهل والخطأ، حتى تتبين له الحجة، الذي يكفر تاركها، بيانا واضحا ما يلتبس على مثله" [1]

نیکیوں کو جس طرح ایمان کا نام دیا جاتا ہے،اسی طرح گناہوں کو کفر کہا جاتا ہے، لیکن جہاں کسی گناہ پر کفر کا لفظ بولا جائے گا تو اس سے مراد اسلام سے خارج کر دینے والا کفر نہیں ہو گا۔اس امت کا جاہل اور خطاکار شخص اگر کفر یا شرک کا کوئی ایسا عمل بھی کرلیتا ہے جس کا مرتکب کافر و مشرک قرار پاتا ہے تو وہ پھر بھی کافر یا مشرک نہیں ہو گا، بلکہ اس شخص کی لاعلمی اور بھول چوک اس وقت تک بطور عذر قبول کی جائے گی جب تک وہ حجت اس کیلیے بالکل واضح طور پر عیاں نہیں ہو جاتی کہ جس کا تارک کافر قرار پاتا ہے۔

دوسری مسلمہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کا اس وقت تک مواخذہ نہیں کرتا اور انہیں اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک ان پر اپنی حجت قائم نہ فرمالے اور اللہ تعالی کی جانب سے بندوں پر حجت ان تک علم پہنچنے کے بعد ہی قائم ہوتی ہے اس بارے میں ضابطہ نمبر 3 کے تحت کتاب وسنت اور سلف صالحین کے آثار کی روشنی میں مفصل بحث گزر چکی ہے۔

تیسری حقیقت یہ ہے کہ قرآن وسنت میں بے شمار ایسی مثالیں موجود ہیں جن میں اصول یعنی اعتقاد کے باب میں تقصیر پر یا دوسرے لفظوں میں شرک یا کفر سرزد ہونے پر بھی جہالت ولاعلمی کا عذر قبول کیا گیا، جیسا کہ بنی اسرائیل کو جب اللہ تعالی نے فرعون کی غلامی سے نجات دی اور سمند سے پار اتارا تو وہ ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے کہ جو بت پرست تھے اور اپنے بتوں پر مجاور بن کر بیٹھتے تھے۔اپنی کم علمی کی وجہ سے انہیں یہ انداز اچھا لگا تو انہوں نے موسی علیہ السلام کے سامنے مطالبہ رکھ دیا کہ اے موسی ہمارے لیے بھی ایسے ہی کوئی معبود مقرر کردو۔اللہ تعالی نے اس واقعے کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَى قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَى أَصْنَامٍ لَهُمْ قَالُوا يَا مُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ * إِنَّ هَؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَا هُمْ فِيهِ وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ * قَالَ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِيكُمْ إِلَهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ [2]

---

[1] – القاسمي، محمد جمال الدين بن محمد سعيد الحلاق ، محاسن التأويل ، المحقق: محمد باسل عيون السود ، الناشر: دار الكتب العلميه بيروت ، الطبعة الأولى – 1418 ، 161/3

[2] – الأعراف7 :138 - 141

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار اتارا تو وہ ایسے لوگوں پر آئے جو اپنے کچھ بتوں پر جمے بیٹھے تھے، کہنے لگے اے موسیٰ! ہمارے لیے کوئی معبود بنادے، جیسے ان کے کچھ معبود ہیں؟ اس نے کہا بیشک تم ایسے لوگ ہو جو نادانی کرتے ہو۔ بیشک یہ لوگ، تباہ کیا جانے والا ہے وہ کام جس میں وہ لگے ہوئے ہیں اور باطل ہے جو کچھ وہ کرتے چلے آرہے ہیں۔ کہا: کیا میں اللہ کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود تلاش کروں؟ حالانکہ اس نے تمہیں جہانوں پر فضیلت بخشی ہے۔

اس آیت میں واضح ہے کہ انہوں نے موسی علیہ السلام سے عبادت کے لیے ایک بت بنانے کا مطالبہ کیا تھا جس پر وہ مجاور بن کر بیٹھ سکیں اور اس کی عبادت کے ذریعے وہ اللہ کا قرب حاصل کر سکیں۔ لیکن موسی علیہ السلام نے نہ تو انہیں کافر و مشرک قرار دے کر ان سے لاتعلقی کا اظہار فرمایا اور نہ ہی ان کی فضیلت کے ختم ہونے کی بات کی، بلکہ ان کی جہالت دور کرنے کے لیے انہیں سمجھایا۔ اس آیت کریمہ کے ضمن میں شیخ عبدالرحمن معلمی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"يظهر من جواب موسى عليه السلام أنه وإن أنكر عليهم وجَهَّلَهُمْ لم يجعل طلبهم ارتدادًا عن الدين- ويشهد لذلك أنهم لم يؤاخذوا هنا بنحو ما أوخذوا به عند اتخاذهم العجل، فكأنهم هنا – والله أعلم – عُذِرُوا بقرب عهدهم-" [1]

موسی علیہ السلام کے جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ انہوں نے اپنی قوم کی مذمت فرمائی اور انہیں جاہل قرار دیا لیکن ان کے اس مطالبے کو ارتداد شمار نہیں کیا، اس کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ یہاں ان کا اس طرح مواخذہ نہیں کیا گیا جیسے کہ بچھڑا بنانے پر ان کا مواخذہ کیا گیا تھا، تو گویا کہ اس موقع پر انہیں نئے نئے ہونے کی وجہ سے معذور سمجھا گیا۔ واللہ اعلم۔

خود ہمارے نبی ﷺ سے فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین کے موقع پر نئے نئے مسلمان ہونے لوگوں نے ایسا مطالبہ کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی لاعلمی کی وجہ سے ان کو صرف سمجھانے پر ہی اکتفا کیا۔ چنانچہ سیدنا ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے حنین کے لیے نکلے، فرماتے ہیں: کفار کی ایک بیری تھی جہاں وہ جا کر اعتکاف کرتے تھے اور اس کے ساتھ اپنا اسلحہ لٹکایا کرتے تھے، اسے ذات انواط کہا جاتا تھا۔ راستے میں جب ہم لوگ ایک سرسبز و شاداب بیری کے بہت بڑے درخت کے پاس سے گذرے، تو ہم نے عرض کیا:

"يَا رَسُولَ اللهِ، اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ أَنْوَاطٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ

---

[1] – المعَلّمِيّ ، آثَار الشّيخ العَلاّمَة عَبْد الرّحمن بْن يحْيَي اليَماني ، اعتنى به: مجموعة من الباحثين وفق المنهج المعتمد من الشيخ بكر بن عبد الله أبو زيد ، الناشر: دار عالم الفوائد للنشر والتوزيع ، الطبعة الأولى، 1434 هـ ، 142/2

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سُبْحَانَ اللهِ هَذَا كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسَى ﴿اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ﴾ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَرْكَبُنَّ سُنَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ-"[1]

یارسول اللہ ! ہمارے لیے بھی اس طرح کوئی ذات انواط مقرر کر دیجئے جس طرح ان کے لیے ذات انواط ہے۔تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "سبحان اللہ ! یہ تو وہی بات ہے، جس طرح کی بات موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہی تھی کہ "ہمارے لیے بھی کوئی معبود بنا دیجیے، جیسے ان مشرکوں کے معبود ہیں، تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بے شک تم ایسے لوگ ہو جو نادانی کرتے ہو" اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ! تم اپنے سے پہلے لوگوں کی پوری پوری پیروی کرو گے۔

اس حدیث پر غور کرنے سے واضح معلوم ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ان کے نئے نئے مسلمان ہونے کی وجہ سے اس قدر بڑی اعتقادی غلطی کے باوجود معذور جانا اور نصیحت فرمائی لیکن کافر قرار دے کر دوبارہ کلمہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔

یہ تو ان لوگوں کی زندگی کی مثالیں ہیں جنہیں ان کی موت سے پہلے سمجھا دیا گیا اور ان کی موت اس جہالت پر نہیں ہوئی۔اسلامی تعلیمات سے تو یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کی موت بھی اس حالت میں واقع ہو گئی کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے اللہ پر اس کا ایمان تو تھا لیکن اپنی جہالت و کم علمی کی وجہ سے اللہ تعالی کی قدرت کو نہیں جانتا تھا تو اللہ تعالی اپنی رحمت کاملہ سے اسے بھی معاف فرما دیتا ہے۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"كَانَ رَجُلٌ يُسْرِفُ عَلَى نَفْسِهِ فَلَمَّا حَضَرَهُ المَوْتُ قَالَ لِبَنِيهِ: إِذَا أَنَا مُتُّ فَأَحْرِقُونِي، ثُمَّ اطْحَنُونِي، ثُمَّ ذَرُّونِي فِي الرِّيحِ، فَوَاللَّهِ لَئِنْ قَدَرَ عَلَيَّ رَبِّي لَيُعَذِّبَنِّي عَذَابًا مَا عَذَّبَهُ أَحَدًا، فَلَمَّا مَاتَ فُعِلَ بِهِ ذَلِكَ، فَأَمَرَ اللَّهُ الأَرْضَ فَقَالَ: اجْمَعِي مَا فِيكِ مِنْهُ، فَفَعَلَتْ، فَإِذَا هُوَ قَائِمٌ، فَقَالَ: مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا صَنَعْتَ؟ قَالَ: يَا رَبِّ خَشْيَتُكَ، فَغَفَرَ لَهُ"[2]

ایک شخص بہت گناہ کیا کرتا تھا جب اس کے مرنے کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا: جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا کر پیس ڈالنا، اس کے بعد مجھے یعنی میری راکھ کو ہوا میں اڑا دینا۔اللہ کی قسم! اگر میرے رب نے مجھ پر قابو پالیا تو وہ مجھے ایسا عذاب دے گا جو اس نے کسی کو نہ دیا ہو گا۔ چنانچہ وہ

---

[1] – سنن الترمذی ، أَبْوَابُ الْفِتَنِ ، بَابُ مَا جَاءَ لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ ، 45/4 ، حدیث : 2180 – مسند احمد ، 225/36 ، حدیث : 21897

[2] – صحیح البخاری، كِتَابُ أَحَادِيثِ الأَنْبِيَاءِ، بَابُ حَدِيثِ الغَارِ، 176/4،حدیث:3481–صحیح مسلم : 2756

جب وہ مر گیا تو اس کے ساتھ (اس کی وصیت کے موافق) ایسا ہی کیا گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اس شخص کے جس قدر ذرات تجھ میں ہیں، جمع کر۔ تو زمین نے وہ سارے ذرات جمع کر دیئے۔ اچانک وہ شخص صحیح سالم کھڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تجھے اس حرکت پر جو تو نے کی، کس چیز نے آمادہ کیا؟ اس نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! تیرے خوف نے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔

دوسری حدیث کے الفاظ میں اس شخص کا تعارف یوں مذکور ہے کہ اس نے زندگی بھر کبھی نیکی کا کام نہ کیا تھا[1]۔ اب اس آدمی سے جو غلطی صادر ہوئی تھی، نہ تو وہ کوئی فقہی اجتہادی غلطی تھی اور نہ ہی کوئی معمولی اعتقادی غلط فہمی۔ بلکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے اس انداز سے مرنے اور ریزہ ریزہ ہونے کے بعد نہ دوبارہ زندہ کر پائے گا اور نہ ہی اس پر قدرت حاصل کر سکے گا۔ دیکھا جائے تو یہ کفر اکبر ہے کہ جس کا جانتے بوجھتے انکار کرنے یا اس میں شک کرنے سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ شخص اتنے بڑے جرم اور اتنی اہم صفت کا انکار کرنے کے بعد بھی کافر قرار نہیں پایا، نہ ہی اسے خلود فی النار کی سزا دی گئی کیونکہ اس کا اللہ پر ایمان تھا، اللہ تعالیٰ کا ڈر بھی اس کے دل میں موجزن تھا لیکن اپنی لاعلمی کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے بے بہرہ تھا تو اس انتہائی مہربان رب نے اس کا عذر قبول کر کے اسے معاف فرما دیا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" فهذا رجل شك في قدرة الله وفي إعادته إذا ذري، بل اعتقد أنه لا يعاد، وهذا كفر باتفاق المسلمين، لكن كان جاهلا لا يعلم ذلك وكان مؤمنا يخاف الله أن يعاقبه فغفر له بذلك. "[2]

اس شخص کو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک ہوا تھا کہ اگر اسے پیس کر اڑا دیا گیا تو اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ زندہ نہیں کر سکے گا، بلکہ اس کا عقیدہ بن گیا کہ وہ دوبارہ زندہ ہی نہیں کیا جائے گا۔ یہ بات تمام مسلمانوں کے ہاں متفقہ طور پر کفر ہے؛ لیکن چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے نابلد تھا، اسے جانتا نہ تھا اور ساتھ میں صاحب ایمان تھا، اللہ کے عذاب سے ڈرتا تھا کہ وہ اسے سزا دے گا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اسی خوف کی بنا پر بخش دیا۔"

مذکورہ بالا تمام تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جہالت ولاعلمی کا عذر اسلام کی نظر میں ایک معقول اور قابل قبول عذر ہے۔ جہالت ولاعلمی اعتقادی مسائل میں ہو یا اجتہادی مسائل میں، اصولی معاملات میں ہو یا فروعی معاملات میں

---

[1] - صحيح البخارى : 7506 - صحيح مسلم : 2756

[2] - مجموع الفتاوى ، 231/3

اور حاکم میں ہو یا محکوم میں اس کو ایک معتبر عذر شمار کیا جائے گا اور کسی کے کفریہ قول، فعل یا اعتقاد کی صورت میں اس پر کفر کا فتوی لگانے سے قبل اس کے سامنے مسئلہ کی حقیقی نوعیت اور دلائل کی روشنی میں اس کے موقف کی غلطی واضح کی جائے گی اور یوں تکفیر کی شرائط کو پورا کرنے اور موانع کو دور کرنے کے بعد ہی اس کے خلاف کوئی انتہائی قدم اٹھایا جا سکے گا۔

چوتھا ضابطہ: ایک آدمی میں کفر اور ایمان اکٹھے ہو سکتے ہیں

خوارج اور مرجئہ کی گمراہی کی بنیادی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ انہیں ایمان کی حقیقت کو سمجھنے میں غلطی لگی ہے، جس کی وجہ سے انہوں نے ایمان کو ایک جامد چیز قرار دے دیا ہے کہ جس کے اندر اضافہ یا نقصان ممکن نہیں ہے۔ خوارج کے نزدیک تمام واجبات کو بروئے کار لانا اور تمام کبیرہ گناہوں کو ترک کرنا ایمان کہلاتا ہے۔ ان کے خیال میں ایمان کی لازمی شاخوں میں سے کوئی ایک بھی معدوم ہوئی یا کفر کی شاخوں میں سے کوئی ایک بھی موجود ہوئی تو ایمان چلا جائے گا اور کفر آ جائے گا۔ نتیجے کے طور پر خوارج نے شفاعت سے متعلقہ نصوص اور ان تمام متواتر نصوص کو فراموش کر دیا کہ جن میں ایسے مجرم، گنہگار و نافرمان کو بالآخر جنت میں جانے کی بشارت دی گئی ہے جو عقیدہ توحید پر قائم رہا اور اسی پر اسے موت آئی۔ جیسے قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالی شرک کو تو کبھی بھی معاف نہیں فرمائے گا لیکن اس کے علاوہ جس قدر بھی گناہ ہیں وہ اپنے فضل و کرم سے جسے چاہے گا، معاف فرما دے گا۔ چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا﴾[1]

بیشک اللہ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، اور اس سے کمتر ہر بات کو جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے وہ ایسا بہتان باندھتا ہے جو بڑا زبردست گناہ ہے۔

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ مَاتَ عَلَى ذَلِکَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ، قُلْتُ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ، قُلْتُ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ، قُلْتُ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ ـ "[2]

---

[1] – النساء4 : 48

[2] – صحیح البخاری ، كِتَابُ اللِّبَاسِ ، بَابُ الثِّيَابِ البِيضِ ، 149/7 ، حدیث : 5827 – صحیح مسلم : 94

جس بندہ نے بھی کلمہ "لا إله إلا الله" کا اقرار کر لیا اور پھر اسی پر وہ مرا تو وہ جنت میں جائے گا۔ میں نے پوچھا: چاہے اس نے زنا کیا ہو، چاہے اس نے چوری کی ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: چاہے اس نے زنا کیا ہو، چاہے اس نے چوری کی ہو، میں نے کہا: چاہے اس نے زنا کیا ہو، چاہے اس نے چوری کی ہو؟ آپ نے جوابا فرمایا: چاہے اس نے زنا کیا ہو، چاہے اس نے چوری کی ہو۔ میں نے {تیسری بار} پھر عرض کیا: چاہے اس زنا کیا ہو یا اس نے چوری کی ہو؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: چاہے اس نے زنا کیا ہو، چاہے اس نے چوری کی ہو۔

اسی طرح سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

" **يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَفِي قَلْبِهِ وَزْنُ شَعِيرَةٍ مِنْ خَيْرٍ، وَيَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَفِي قَلْبِهِ وَزْنُ بُرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ، وَيَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَفِي قَلْبِهِ وَزْنُ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ**"[1]

جس نے " لا الہ الا اللہ " کہا اور اس کے دل میں ایک جَو کے برابر نیکی (ایمان) ہو، وہ دوزخ سے نکل آئے گا۔ اور جس نے " لا الہ الا اللہ " کہا اور اس کے دل میں گیہوں کے دانے کے برابر بھلائی (ایمان) ہو، وہ دوزخ سے نکل آئے گا۔ اور جس نے " لا الہ الا اللہ " کہا اور اس کے دل میں ایک ذرہ برابر نیکی (ایمان) ہو، وہ بھی دوزخ سے نکل آئے گا۔

جبکہ مرجئہ کے نزدیک ایمان صرف دل کی معرفت یا تصدیق یا قلبی اعتقاد اور زبانی اقرار کا نام ہے، جبکہ کفر اس معرفت یا تصدیق یا اعتقاد کے خاتمے سے عبارت ہے۔ باقی ایمان کی کسی شاخ کا وجود یا عدم ان کے نزدیک کوئی خاص حیثیت نہیں رکھتا۔ یعنی ان کے نزدیک ایمان اگر ہو گا تو کامل ہو گا، اور اگر نہیں ہو گا تو مکمل ہی ختم ہو جائے گا، کیونکہ ان کے ہاں ایمان نہ تو بڑھتا ہے اور نہ ہی گھٹتا ہے۔ اور چونکہ ان کے نزدیک کفر و ایمان ایک دوسرے کی ضد ہیں، اس لیے ان کی شاخوں کا باہم مجتمع ہونا بھی ناممکن ہے۔ دوسرے لفظوں میں مرجئہ کے خیال میں جو مسلمان ہے، وہ جو مرضی کرتا پھرے مسلمان ہی رہے گا۔ اس کے اعمال کی وجہ سے اس کے ایمان پر کوئی اثر مرتب نہیں ہو گا۔

اسی فاسد اصول کی وجہ سے ان گمراہ فرقوں کے ہاں کوئی شخص یا تو کامل مومن ہو گا یا پکا کافر۔ رہ گیا وہ فاسق و فاجر اور گنہگار شخص جو ایمان کے اقرار کے بعد کفریہ کاموں اور کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے تو مرجئہ کے نزدیک تو وہ کامل ایمان والا ہو گا اور کبھی بھی جہنم میں نہیں جائے گا، جبکہ خوارج کے نزدیک یہ پکا کافر ہو گا اور کبھی جہنم سے نجات

---

[1] - صحيح البخارى ، كِتَابُ الإِيمَانِ ، بَابُ زِيَادَةِ الإِيمَانِ وَنُقْصَانِهِ ، 1/17-18 ، حديث :44 - صحيح مسلم : 193

حاصل نہیں کر پائے گا۔ اپنے اسی خود ساختہ اصول کی بنیاد پر یہ دونوں فرقے قیامت کے دن شفاعت کی مطلق نفی کرتے ہیں۔

اس معاملے میں اہل سنت والجماعت کا موقف قرآن و سنت کی تعلیمات کے عین مطابق، افراط و تفریط سے پاک اور اعتدال و توسط پر مبنی ہے۔ ان کے خیال میں کچھ کفریہ کاموں کا ارتکاب کسی بھی مسلمان کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتا۔ ان کے نزدیک جس طرح ایمان کی کئی شاخیں ہیں اسی طرح کفر کی بھی کئی شاخیں ہیں۔ کچھ کفریہ کام کفر اکبر کی زد میں آتے ہیں کہ جو اپنے مرتکب کو اسلام سے خارج کر دیتے ہیں جبکہ کچھ کفر اصغر کے ضمن میں مندرج ہیں کہ وہ اپنے مرتکب کے ایمان کو ناقص تو کرتے ہیں لیکن اسے مسلمانی کے دائرہ سے خارج نہیں کرتے۔

اہل سنت کے نزدیک نیکی اور اطاعت بجالانے سے ایمان بڑھتا ہے جبکہ نافرمانی اور گناہ سے ایمان کم ہوتا ہے۔ فاسق شخص وہ ہے کہ جس میں کفر کی کچھ شاخیں ایمان کے ساتھ اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ کچھ حالات میں اس فاسق کے پاس ایمان کی اصل کی علاوہ کچھ بھی نہیں بچتا، کیونکہ ایمان کے کامل نہ ہونے کا مطلب قطعی طور پر یہ نہیں ہے کہ ایمان کی بنیاد ہی ختم ہو گئی ہے۔ اسی بنیاد پر اہل سنت والجماعت زانی، چور اور شرابی وغیرہ کے لئے ایمان کا وجود ان نصوص سے استدلال کرتے ہوئے ثابت کرتے ہیں جن کے ساتھ مرجئہ ہر کلمہ گو شخص کے جنتی ہونے کا ثبوت دیتے ہیں اور خوارج انہیں باطل قرار دیتے ہیں۔ مزید برآں اہل سنت والجماعت زانی، چور اور شرابی وغیرہ کے کامل الایمان ہونے کی ان نصوص کے ساتھ نفی کرتے ہیں جو نصوص خوارج اپنے موقف کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں جبکہ مرجئہ انہیں باطل قرار دیتے ہیں۔

اہل سنت کے نزدیک ایمان جامد نہیں ہے بلکہ ایمان بڑھتا ہے اور کم ہوتا ہے۔ یعنی جو ایمان کے جتنے شعبہ جات اور تقاضوں کی تکمیل کرتا ہے اُس کے ایمان میں اُسی قدر اضافہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ایمان کے شعبہ جات کو چھوڑنے سے ایمان میں کمی واقع ہو گی۔ یوں ممکن ہے کہ کسی بندے میں کفر اور ایمان، شرک اور توحید، فسق وفجور اور تقویٰ یا نفاق اور ایمان اکٹھے ہو جائیں۔[1]

پانچواں ضابطہ: کفر کی چند ایک شاخوں کے وجود پر کسی کلمہ گو کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا

ایمان کی اصل کلمہ طیبہ " لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ "ہے کہ جس کے اقرار کے بغیر ایمان کا تصور ہی نہیں۔ ایمان کی متعدد شاخیں ہیں اور ہر شاخ کو ایمان کہہ دیا جاتا ہے۔ کچھ ظاہری شاخیں ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور جہاد وغیرہ اور کچھ باطنی جیسے حیاء، توکل، خشیت الٰہی اور انابت الی اللہ وغیرہ وغیرہ۔ ان شاخوں میں سے کمترین شاخ

---

[1]۔ تفصیل کیلئے دیکھیے: تکفیر الحکام والدول بین البحث العلمی والارھاب الفکری ، ص : 278 - 282 - التحریر فی بیان احکام التکفیر ، ص : 97 - 109

راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے۔ یہ سب ایمان کی شاخیں ہیں۔اور ان میں سے کچھ شاخیں ایسی ہیں کہ ان کے ختم ہو جانے سے ایمان بالکل ہی ختم ہو جاتا ہے، جیسے کلمہ طیبہ یعنی شہادتین کا اقرار۔اور بعض شاخیں ایسی ہیں کہ ان کے زائل ہونے سے ایمان ختم نہیں ہوتا، اگرچہ اس کا کمال رخصت ہو جاتا ہے، جیسے تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹا دینا۔ایمان کی باقی شاخوں میں سے کوئی شاخ اپنے درجے کے اعتبار سے شہادتین کے زیادہ قریب ہے تو کوئی راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹا دینے کے۔یعنی کسی شاخ کے معدوم ہونے سے ایمان زیادہ متاثر ہوتا ہے اور کسی کے ختم ہونے سے کم۔

ایمان کی طرح کفر بھی متعدد شاخوں پر مشتمل ہے، جس طرح ایمان کی شاخوں پر ایمان کا لفظ بولا جاتا ہے،اسی طرح کفر کی شاخوں پر کفر کے لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ جیسے حیاء ایمان کی ایک شاخ ہے تو حیاء کا نہ ہونا کفر کا ایک شعبہ ہے۔ صداقت و سچائی اگر ایمان کا ایک شعبہ ہے تو جھوٹ اور کذب بیانی کفر کا شعبہ ہے۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کا اہتمام یہ سب ایمان کے شعبے ہیں، تو ان کا چھوڑنا لازمی طور پر کفر کے شعبے قرار پائے گا۔اسی طرح اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے کرنا ایمان کا حصہ ہے تو شریعت کو چھوڑ کر اس کے علاوہ کسی قانون پر فیصلہ یقیناً کفر ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ تمام نیکیاں ایمان کی شاخیں ہیں اور تمام قسم کی نافرمانیاں کفر کے شعبہ جات میں سے ہیں۔

ایمان کے شعبہ جات یا شاخوں کو قولی اور فعلی دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے،اسی طرح کفر کے شعبہ جات یا شاخوں کو بھی قولی اور فعلی دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ایمان کی قولی شاخوں میں سے بعض ایسی شاخیں ہیں کہ جن کے زوال سے ایمان مکمل زائل ہو جاتا ہے اسی طرح فعلی شعبہ جات میں بھی ایسا ہے۔کفر کے شعبہ جات کی صورتحال بھی ایسی ہی ہے کہ کچھ اقوال یا افعال کو پوری طرح سوچ سمجھ کر کہنے یا کرنے سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔[1]

یہاں یہ بات سمجھنا بہت ضروری ہے کہ جیسے کوئی انسان کسی علم مثلاً میڈیکل، انجینئرنگ وغیرہ کے کچھ متعلقات کو سمجھ لینے کے بعد ڈاکٹر یا انجینئر نہیں بن جاتا اور کوئی شخص اسلام لائے بغیر ایمان کے کسی شعبہ، مثلاً حیاء، صدقہ وخیرات یا راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا، کو قائم کرنے سے مومن یا مسلمان نہیں بن جاتا، بالکل اسی طرح کوئی مومن اسلام سے ارتداد اختیار کیے بغیر کفر کے کسی شعبے یا کسی کفریہ فعل کا مرتکب ہونے کے ساتھ ہی کافر نہیں بن جاتا۔

---

[1]۔دیکھیے:ابن قیم الجوزیة ، أبو عبد الله شمس الدین محمد بن أبي بکر بن أیوب ، کتاب الصلاة ، المحقق: عدنان بن صفاخان البخاری ، الناشر: مجمع الفقه الإسلامي بجدة ، ص : 85 - 86

اس بات سے بھی کسی کو انکار نہیں ہے کہ ایمان کے کسی شعبے کو ایمان کہا جائے یا نفاق کے کسی شعبے و علامت کو نفاق سے موسوم کیا جائے اور کفر کی کسی شاخ کو کو کفر کی طرف منسوب کر دیا جائے کیونکہ اس کا احادیث نبویہ سے ثبوت ملتا ہے۔ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"العَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلاَةُ، فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ۔"[1]

ہمارے اور ان کے درمیان عہد نماز ہے تو جس نے اسے چھوڑ دیا پس اُس نے کفر کیا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ "[2]

جس نے غیر اللہ کے لیے قسم کھائی اُس نے کفر کیا یا {آپ نے فرمایا} اس نے شرک کیا۔

مذکورہ بالا تمام بحث سے معلوم ہوا کہ جس مسلمان سے کفر کا کوئی عمل یا حصہ صادر ہو، تو ہم اس کی وجہ سے اُسے مطلقاً کافر نہیں کہہ سکتے بالکل ایسے ہی جیسے کوئی کافر شخص کوئی اچھا کام، یعنی ایمان کا کوئی عمل یا شعبہ، سرانجام دیتا ہے تو ہم اسے مسلمان نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے کسی کفریہ فعل یا حرام عمل کے مرتکب شخص کے بارے میں یہ تو کہا جائے گا کہ وہ کفریہ اور حرام فعل کا مرتکب ہوا ہے، لیکن اُس کو کافر کہنا درست نہیں ہو گا۔

---

[1] - سنن الترمذی ، أَبْوَابُ الْإِيمَانِ ، بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الصَّلاَةِ ، 310/4 ، حديث : 2621 – سنن ابن ماجه : 1079

[2] - سنن الترمذی ، أَبْوَابُ النُّذُورِ وَالأَيْمَانِ ، بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الحَلِفِ بِغَيْرِ اللَّهِ ، 162/3 ، حديث : 1535 – سنن ابی داوود : 3251

فصل چہارم: مسلم حکام کی تکفیر کی شرائط

مبحث اول: تکفیر کے شکار شخص کی ذات سے متعلقہ شرائط

مبحث دوم: تکفیر کے شکار شخص کے علم سے متعلقہ شرائط

مبحث سوم: تکفیر کے شکار شخص سے کفر کے ثبوت سے متعلقہ شرائط

فصل چہارم: مسلم حکام کی تکفیر کی شرائط

کسی بھی شخص کو کافر قرار دینے کے لیے اہل علم نے قرآن وسنت کی روشنی میں کچھ شرائط مقرر فرمائی ہیں کہ جب تک یہ تمام شرائط کسی شخص میں متحقق نہ ہو جائیں، قطع نظر اس بات کے کہ وہ حاکم ہے یا معاشرے کا عام فرد، تب تک اس پر کافر ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ ان شرائط کو بالتفصیل بیان کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ شرط کی تعریف ذکر کر دی جائے۔ شرط کی تعریف کرتے ہوئے امام قرافی رحمہ اللہ[1] فرماتے ہیں:

"وهو الذي يتوقف عليه تأثير المؤثر- ويلزم من عدمه العدم ولا يلزم وجوده وجود ولا عدم لذاته" [2]

شرط وہ ہے کہ جو کسی فعل کے ساتھ اس طرح خاص ہوتی ہے کہ اسی پر حکم کی تاثیر کا دار و مدار ہوتا ہے اور اس کے نہ ہونے سے فعل کا نہ ہونا لازم آتا ہے جبکہ اس کے ہونے سے فعل کا وجود یا عدم لازم نہیں ہوتا۔

یعنی اگر شرط موجود نہ ہوگی تو اس کے ساتھ مشروط فعل کا وجود ناممکن ہوگا لیکن شرط کے موجود ہونے کے ساتھ ضروری نہیں کہ فعل بھی لازمی موجود ہو۔ جیسے نماز کے لیے وضو شرط ہے کہ وضو کے بغیر نماز نہیں ہوتی لیکن اگر کوئی آدمی وضو کرلے تو ضروری نہیں کہ وہ نماز بھی پڑھے۔ تکفیر کی شرائط سے مراد وہ بنیادی امور ہیں کہ کسی شخص کو معین کر کے کافر قرار دینے کے لیے ان کی موجودگی لازمی اور ضروری ہے۔ لیکن ان شرائط میں سے کسی ایک کی موجودگی کی وجہ سے لازم نہیں ہے کہ اسے کافر قرار دے دیا جائے۔

اہل علم نے کسی بھی معین شخص کو کافر قرار دینے کے لئے مندرجہ ذیل شرطیں بیان کی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک شرط کی غیر موجودگی کی صورت میں بھی اس شخص کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔

1. کفریہ عمل کی وجہ سے کافر قرار دیا جانے والا شخص عاقل و بالغ ہو۔
2. وہ کفریہ عمل کا ارتکاب بلا جبر و اکراہ اپنی مرضی اور اختیار سے کر رہا ہو۔
3. کفریہ قول و فعل کا ارتکاب قصداً و عمداً کیا گیا ہو، بھول چوک اور غلطی کی بنیاد پر نہ ہو۔

---

[1]-القرافی ((المتوفی: 684ھ)، احمد بن ادریس بن عبد الرحمن، ابو العباس، شہاب الدین الصنہاجی القرافی: مغرب کے بربر قبیلہ صنہاجہ کے چشم و چراغ تھے۔ بہت بڑے مالکی عالم اور فقیہ تھے۔ مصر میں ہی پیدا ہوئے، وہیں پلے، بڑھے اور وہیں وفات پائی۔ فقہ اور اصول میں ان کی گرانقدر تالیفات ہیں۔ {الأعلام للزركلي، 1/94-95}

[2] – القرافي ، أبو العباس شهاب الدين أحمد بن إدريس المالكي ، شرح تنقيح الفصول ، المحقق: طه عبد الرؤوف سعد، الناشر: شركة الطباعة الفنية المتحدة ، الطبعة الأولى، 1973 ء، ص : 82

4. اس تک اس کے عمل کے کفریہ ہونے کی دلیل وحجت واضح کر کے پہنچادی گئی ہو اور اسے اس عمل کے کفریہ ہونے کا علم ہو۔
5. وہ اپنے اس کفریہ عمل کے جائز ہونے کے سلسلے میں کسی قسم کی تاویل یا غلط فہمی کا شکار نہ ہو۔
6. جو شخص کسی کفریہ قول وفعل کا ارتکاب کر رہا ہے یا جس کام کی بناء پر اسے کافر قرار دیا جارہا ہے اس کام کا کفر ہونا شریعت اسلامیہ کے واضح دلائل و براہین سے ثابت ہو۔
7. کسی کفریہ قول وفعل کا ارتکاب کرنے والے شخص کے حق میں کافر ہونے کا فتویٰ صادر کرنے میں جتنے شرعی موانع ہیں وہ سب کے سب ختم کر دیے جائیں۔

ذیل میں ان تمام شرائط کو تکفیر کے شکار شخص یعنی مکفَّر کی ذات، علم اور ثبوت کے حوالہ سے تین مباحث میں تقسیم کرتے ہوئے قرآن وسنت اور ائمہ دین رحمہم اللہ کے فرامین کی روشنی میں زیر بحث لایا گیا ہے۔

مبحث اول: تکفیر کے شکار شخص کی ذات سے متعلقہ شرائط

شریعت کا مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی شخص پر کفر سمیت کوئی بھی فتوی لگانے سے قبل اس شخص کی ذات سے متعلقہ مندرجہ ذیل شرائط کا اس میں موجود ہونا ضروری ہے۔

عقل و بلوغت

تکفیر کی شرائط میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ شخص عاقل اور بالغ ہو، پاگل، مجنون، دیوانہ یا بچہ نہ ہو۔ چنانچہ اگر کوئی پاگل، مجنون، دیوانہ یا بچہ کوئی کفریہ کام کرتا یا کفریہ بات کہتا ہے تو اس کو روکا اور سمجھایا جائے گا لیکن اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ اس شرط کی دلیل ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنْ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنْ الصَّغِيرِ حَتَّى يَكْبَرَ، وَعَنْ الْمَجْنُونِ حَتَّى يَعْقِلَ، أَوْ يُفِيقَ"[1]

تین لوگوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے: سوئے ہوئے سے یہاں تک کہ وہ جاگ جائے، چھوٹے بچے سے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے اور پاگل سے یہاں تک کہ وہ بات سمجھنے لگے یا ٹھیک ہو جائے۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہے کہ عقل و شعور سے بے بہرہ پاگل و دیوانہ اور نابالغ بچہ شرعا مکلف نہیں ہیں اور ان پر ان کے غیر شرعی اقوال و افعال کا اس طرح مواخذہ نہیں ہے جس طرح کسی عاقل و بالغ پر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اہل علم نے پاگل و مجنون اور چھوٹے بچے کے ارتداد کو شرعا معتبر شمار نہیں کیا ہے جیسا کہ امام ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" أن الردة لا تصح إلا من عاقل، فأما من لا عقل له، كالطفل الذي لا عقل له، والمجنون، ومن زال عقله بإغماء، أو نوم، أو مرض، أو شرب دواء يباح شربه، فلا تصح ردته، ولا حكم لكلامه، بغير خلاف "[2]

شرعی طور پر عاقل کا ارتداد ہی معتبر ہو گا، جس شخص کی عقل نہیں ہے جیسے ناسمجھ بچہ، دیوانہ اور وہ شخص کہ جس کی عقل بے ہوشی، نیند، بیماری یا کسی حلال دوا کے پینے کی وجہ سے جاتی رہے تو بغیر کسی اختلاف کے نہ تو اس کا مرتد ہونا معتبر ہو گا اور نہ ہی اس کی کسی بات کی وجہ سے اس پر کوئی حکم

---

[1] - سنن ابن ماجه ، أَبْوَابُ الطَّلَاقِ ، بَابُ طَلَاقِ الْمَعْتُوهِ وَالصَّغِيرِ وَالنَّائِمِ ، 198/3،حديث : 2041 ، سنن ابی داوود : 4398 ، سنن النسائی : 3432

[2] - ابن قدامة ، أبو محمد موفق الدين عبد الله بن أحمد المقدسي الحنبلي ، المغني شرح مختصر الخرقي ، الناشر: دار إحيار التراث العربي ، الطبعة الأولى ، سنة النشر: 1985ء ، 17/9

لاگو کیا جائے گا۔

یہاں ایک بات ملحوظ خاطر رہے کہ جس شخص کو کبھی کبھی دیوانگی کا دورہ پڑتا ہے اور وہ اس کے درمیان کوئی اول فول بکتا ہے تو اس پر بھی کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جائے گا، بلکہ اسے مسلم ہی شمار کیا جائے گا۔ جیسا کہ امام ابن منذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" أجمع كل من يحفظ قوله من العلماء على أن المجنون في حال جنونه إذا تكلم بالكفر، أنه مسلم كما كان قبل ذلك "[1]

تمام قابل ذکر علماء نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ اگر مجنون شخص پاگل پن کی حالت میں کوئی کفریہ بات بھی کہتا ہے تو وہ مسلمان ہی رہتا ہے، جس طرح وہ پاگل پن سے پہلے تھا۔

مرضی واختیار

تکفیر کی شرائط میں سے دوسری شرط یہ ہے کہ کفریہ عمل کا مرتکب شخص اس کفریہ عمل کا ارتکاب بلا جبر واکراہ اپنی مرضی اور اختیار سے کر رہا ہو۔ اگر کسی شخص سے زبردستی مجبور کر کے کوئی کفریہ کلمہ کہلوالیا جائے یا کسی کفریہ کام کا ارتکاب کروالیا جائے تو اس سے وہ کافر قرار نہیں پائے گا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾[2]

جو شخص اللہ کے ساتھ کفر کرے اپنے ایمان کے بعد، سوائے اس کے جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو اور لیکن جو کفر کے لیے سینہ کھول دے تو ان لوگوں پر اللہ کا بڑا غضب ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

یعنی اگر جان بوجھ کر، اپنے اختیار کے ساتھ، جبر واکراہ کے بغیر، وہ کوئی کفریہ کلمہ کہتا ہے، یا کوئی کفریہ کام کرتا ہے تو وہ قابل مؤاخذہ ہے۔ لیکن اگر کسی کے جبر اور اکراہ کی وجہ سے وہ کفریہ کام سرانجام دیتا ہے تو ایسا شخص قابل مؤاخذہ نہیں ہے۔ جیسا کہ امام طبری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں ترجمان قرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل فرمایا ہے، وہ فرماتے ہیں:

" فأخبر الله سبحانه أنه من كفر من بعد إيمانه، فعليه غضب من الله، وله عذاب عظيم،

---

[1] – ابن المنذر ، أبو بكر محمد بن إبراهيم النيسابوري ، الإقناع ، تحقيق: الدكتور عبد الله بن عبد العزيز الجبرين ، الطبعة الأولى، 1408 ھ ، 582/2

[2] – النحل16 :106

فأما من أكره فتكلم به لسانه، وخالفه قلبه بالإيمان، لينجو بذلك من عدوه، فلا حرج عليه، لأن الله سبحانه إنما يأخذ العباد بما عقدت عليه قلوبهم " " [1]

اللہ تعالی نے خبر دار فرمادیا ہے کہ جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کرے اس پر اللہ تعالی کا بھاری غضب ہے اور اس کے لیے عذاب عظیم ہے، لیکن جسے مجبور کر دیا جائے اور وہ زبان سے کوئی بات کہہ دے، جب کہ اس کا دل ایمان کی وجہ سے اس کے خلاف ہو، تاکہ اس کے ساتھ اپنے دشمن سے جان بچالے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، کیونکہ اللہ سبحانہ بندوں کو صرف اس چیز پر پکڑتا ہے جو ان کے دلوں کا پکا عقیدہ ہو۔

اس آیت کے شان نزول کے بارہ میں سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن عمار فرماتے ہیں:

"أَخَذَ الْمُشْرِكُونَ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ فَلَمْ يَتْرُكُوهُ حَتَّى سَبَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَذَكَرَ آلِهَتَهُمْ بِخَيْرٍ ، ثُمَّ تَرَكُوهُ، فَلَمَّا أَتَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَا وَرَاءَكَ؟» قَالَ: شَرٌّ يَا رَسُولَ اللهِ، مَا تُرِكْتُ حَتَّى نِلْتُ مِنْكَ، وَذَكَرْتُ آلِهَتَهُمْ بِخَيْرٍ قَالَ: «كَيْفَ تَجِدُ قَلْبَكَ؟» قَالَ: مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ قَالَ: «إِنْ عَادُوا فَعُدْ» [2]

مشرکوں نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا اور اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا بھلا نہیں کہا اور انکے معبودان باطلہ کا ذکر خیر نہیں کیا۔ جب انہوں نے ایسا کر لیا تو مشرکین نے انہیں چھوڑ دیا، پھر جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لائے تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کیا خبر ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول خبر تو بری ہے، مجھے اس وقت تک نہیں چھوڑا گیا جب تک میں نے آپ کے بارہ میں برا بھلا نہیں کہا اور ان کے معبودوں کا اچھا تذکرہ نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: تم اپنے دل کو کیسا محسوس کرتے تھے؟ تو وہ کہنے لگے کہ دل تو ایمان پر ہی مطمئن تھا۔ فرمایا: اگر وہ دوبارہ ایسا کریں تو تم دوبارہ ایسا کہہ دینا۔

اس حدیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو حالت اکراہ میں کلمہ کفر کہنے کی رخصت دینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص مجبوراً کلمہ کفر کہہ لے جبکہ اس کے دل میں کوئی کھوٹ یا شک وشبہ نہ ہو تو وہ کافر نہیں ہو جائے گا۔ بلکہ جبر واکراہ کی بناء پر وہ معذور سمجھا جائے گا۔

---

[1] - الطبري ، أبو جعفر محمد بن جرير الآملي، جامع البيان عن تأويل آي القرآن ، تفسير الطبري ، تحقيق: الدكتور عبد الله بن عبد المحسن التركي ،دار هجر للطباعة والنشر والتوزيع والإعلان ، الطبعة الأولى، 2001 ء ، 376/14

[2] - المستدرك على الصحيحين للحاكم ، 389/2 ، حديث : 3362 ۔ تفسير الطبرى، 374/14

عمد و قصد

تکفیر کی شرائط میں سے تیسری شرط یہ ہے کہ کسی کفریہ قول یا عمل کی وجہ سے کسی شخص کو تبھی کافر قرار دیا جا سکتا ہے جب اس قول یا فعل کا مرتکب آدمی اس فعل کا ارتکاب سوچ سمجھ کر جانتے بوجھتے ہوئے کرے، اس سے کفریہ قول و فعل کا صدور انجانے میں غلطی اور خطا کی بنیاد پر نہ ہو۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے کوئی کفریہ فعل بلا ارادہ و قصد غلطی سے کر لیا تو اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جائے گا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُم بِهِ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾[1]

اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جس میں تم نے خطا کی اور لیکن جو تمہارے دلوں نے ارادے سے کیا اور اللہ ہمیشہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔

اس آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی انسان دل کے ارادہ کے ساتھ معصیت پر مبنی کسی قول و فعل کا ارتکاب کرے گا تو وہ بلاشبہ مجرم قرار پائے گا، لیکن جب اس سے معصیت پر مبنی کسی کفریہ فعل یا قول کا بلا سوچے سمجھے، بلا ارادہ، غلطی سے ارتکاب ہو جاتا ہے تو اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو غلطی اور بھول چوک میں ہونے والے گناہ معاف فرما دیے ہیں۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ اللَّهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ" [2]

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے غلطی، بھول اور وہ گناہ معاف فرما دیے ہیں، جن پر انہیں مجبور کیا گیا ہو۔

غلطی، بھول چوک یا خوشی، غم یا دکھ کی شدت میں بعض اوقات آدمی ایسی بات کہہ جاتا ہے کہ جو بقائمی ہوش و حواس کہی جائے تو ایمان کا بیڑہ غرق کر دے لیکن ان مخصوص کیفیات کی وجہ سے شریعت ایسے شخص پر کوئی فتوی صادر کرنے کی بجائے اسے رعایت دیتی ہے۔ اس بات کو مزید وضاحت سے سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل حدیث پر غور فرمائیے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" لَلَّهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ حِينَ يَتُوبُ إِلَيْهِ، مِنْ أَحَدِكُمْ كَانَ عَلَى رَاحِلَتِهِ بِأَرْضِ فَلَاةٍ، فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ، فَأَيِسَ مِنْهَا، فَأَتَى شَجَرَةً، فَاضْطَجَعَ فِي

---

[1] - الاحزاب 33: 5

[2] - سنن ابن ماجه ، كتاب الطلاق ، باب طلاق المكره والناسى ، 201/3 ، حديث :2045

ظِلِّهَا، قَدْ أَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهِ، فَبَيْنَا هُوَ كَذَلِكَ إِذَا هُوَ بِهَا، قَائِمَةً عِنْدَهُ، فَأَخَذَ بِخِطَامِهَا، ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ: اللهُمَّ أَنْتَ عَبْدِي وَأَنَا رَبُّكَ، أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ "[1]

جب بندہ اللہ سے توبہ کرتا ہے تو اللہ کو تمہارے اس آدمی سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے جو بے آب وگیاہ صحرا میں اپنی سواری پر ہو، اور وہ اس سے نکل بھاگے جبکہ اس کا کھانا پینا بھی اسی سواری پر ہو۔ تو وہ اس کے ملنے سے ناامید ہو کر ایک درخت کے سایہ میں آکر لیٹ جائے۔ جس وقت وہ اپنی سواری سے ناامید ہو کر لیٹے، اچانک اس کی سواری اس کے پاس آکر کھڑی ہو جائے تو وہ اس کی لگام پکڑلے اور فرطِ مسرت سے کہہ اٹھے: اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں۔ خوشی کے جذبات کی شدت کی وجہ سے الفاظ میں غلطی کر جائے۔

اب یہ کلمہ "اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں" واضح طور پر بلا شک وشبہ کفریہ کلمہ ہے، لیکن چونکہ اس شخص نے یہ جملہ جان بوجھ کر بقائمی ہوش وحواس نہیں کہا، بلکہ یہ کفریہ کلمات فرط مسرت میں بلااختیار اسکے منہ سے نکل گئے تو نہ اللہ تعالی نے اس پر پکڑ فرمائی اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ نے اس پر نکیر فرمائی بلکہ آپ ﷺ نے "أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ" کہہ کر اس کا عذر پیش فرمادیا۔

[1] – صحيح مسلم ،كتاب التوبة ، باب فى الحض على التوبة والفرح بها ، 2104/4 ،حديث : 2747

مبحث دوم: تکفیر کے شکار شخص کے علم سے متعلقہ شرائط

تکفیر کے شکار شخص یعنی مُکفَّر کے علم اور معلومات سے متعلقہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

علم کے ذریعے حجت کا تمام ہونا

تکفیر کی شرائط میں سے چوتھی شرط یہ ہے کہ کفریہ قول یا فعل کے مرتکب کو واضح طور پر علم ہو کہ یہ قول یا فعل کفریہ ہے اور اگر اسے علم نہیں ہے تو اس تک قرآن وسنت کی روشنی میں یہ بات واضح کر کے پہنچادی جائے اور اس پر ابلاغ کے ذریعے حجت تمام کر دی جائے۔ اگر حجت پوری ہو جانے اور اس قول یا فعل کے کفریہ ہونے کی وضاحت کے بعد بھی وہ اپنے اس قول یا فعل پر ڈٹا رہتا ہے تو پھر بلاشبہ اس پر کفر کا فتویٰ عائد کیا جائے گا۔ لیکن اگر کسی آدمی کو یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ جو کام میں کر رہا ہوں وہ کام کرنے سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے تو اس آدمی کو کفریہ کام کا ارتکاب کر لینے کے باوجود کافر نہیں کہا جائے گا۔

جہالت ولاعلمی کی بنیاد پر اگر کوئی شخص کسی کفریہ قول وفعل کا ارتکاب کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیتا ہے۔ اس لیے ہم دنیا میں جب تک اس کی جہالت رفع کر کے اس پر حجت تمام نہ کر لیں، اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگا سکتے۔ جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے واضح ہوتا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> ”ایک شخص بہت گناہ کیا کرتا تھا اور زندگی بھر اس نے کبھی نیکی کا کام نہ کیا تھا، جب اس کے مرنے کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا: جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا کر پیس ڈالنا، اس کے بعد مجھے یعنی میری راکھ کو ہوا میں اڑا دینا۔ اللہ کی قسم! اگر میرے رب نے مجھ پر قابو پالیا تو وہ مجھے ایسا عذاب دے گا جو اس نے کسی کو نہ دیا ہو گا۔ چنانچہ وہ جب وہ مر گیا تو اس کے ساتھ (اس کی وصیت کے موافق) ایسا ہی کیا گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اس شخص کے جس قدر ذرات تجھ میں ہیں، جمع کر۔ تو زمین نے وہ سارے ذرات جمع کر دیئے۔ اچانک وہ شخص صحیح سالم کھڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تجھے اس حرکت پر جو تو نے کی، کس چیز نے آمادہ کیا؟ اس نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! تیرے خوف نے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔[1]

اب اس آدمی سے جو غلطی صادر ہوئی تھی، نہ تو وہ کوئی فقہی اجتہادی غلطی تھی اور نہ ہی کوئی معمولی اعتقادی غلط فہمی۔ بلکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا انکار کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے مرنے اور اس انداز سے ریزہ ریزہ ہونے کے بعد نہ دوبارہ زندہ کر پائے گا اور نہ ہی اس پر قدرت حاصل کر سکے گا۔ دیکھا جائے تو یہ عقیدہ یا سوچ کفر اکبر ہے کہ جس کا

---

[1]۔ اس حدیث کا متن اور تخریج تکفیر کے چوتھے ضابطہ کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

ارتکاب کرنے سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ شخص اتنے بڑے جرم اور اتنی اہم صفت کا انکار کرنے کے بعد بھی کافر قرار نہیں پایا، نہ ہی اسے خلود فی النار کی سزا دی گئی کیونکہ اس کا اللہ پر ایمان تھا، اللہ تعالی کا ڈر بھی اس کے دل میں موجزن تھا لیکن اپنی لاعلمی کی بنا پر اللہ تعالی کی قدرت کاملہ سے بے بہرہ تھا تو اس انتہائی مہربان رب نے اس کا عذر قبول کر کے اسے معاف فرما دیا۔ اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" فهذا إنسان جهل إلى أن مات أن الله عز وجل يقدر على جمع رماده وإحيائه وقد غفر له لإقراره وخوفه وجهله " [1]

یہ وہ انسان ہے جو اپنے مرنے تک اس بات سے جاہل اور ناواقف رہا کہ اللہ تعالی اس کی راکھ جمع کرنے اور اس کو زندہ کرنے پر قادر ہے اور اللہ نے اس کے اقرار، خوف اور جہالت کی وجہ سے اسے معاف کر دیا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالی نے سیدنا عیسی علیہ السلام کے اصحاب و حواریین کا متعدد بار توصیفی تذکرہ فرمایا ہے لیکن وہ اپنی کم علمی اور نادانی کی وجہ سے عیسی علیہ السلام سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا اللہ تعالی اس امر کی طاقت رکھتا ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک دستر خوان اتارے؟ جواب میں عیسی علیہ السلام ان پر کفر کا فتوی لگانے کی بجائے انہیں اللہ تعالی سے ڈراتے ہوئے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ ۖ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ [2]

جب حواریوں نے کہا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تیرا رب طاقت رکھتا ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک دستر خوان اتارے؟ اس نے کہا اللہ سے ڈرو، اگر تم مومن ہو۔

ذرا غور فرمایئے کہ انہیں اپنی جہالت کی وجہ سے اس بات میں شک ہے کہ اللہ تعالی آسمان سے دستر خوان اتار سکتا ہے یا نہیں؟ اگر اس شک کا اظہار علم ہونے کے بعد ہوتا تو ایمان کا باطل ہونا یقینی ہے لیکن یہاں اس سوال سے ان کا ایمان باطل نہیں ہوا کیونکہ ان کو اس بات کا علم ہی نہ تھا، وہ کافر تو تب ہوتے جب انہیں علم ہوتا اور ان پر حجت قائم ہو چکی ہوتی۔ امام ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" وكذلك كل جاهل بشيء يمكن أن يجهله، لا يحكم بكفره حتى يعرف ذلك، وتزول

---

[1] – ابن حزم ، أبو محمد علي بن أحمد الأندلسي القرطبي الظاهري ، الفصل فى الملل والأهواء والنحل ، الناشر: مكتبة الخانجي القاهرة , 140/3

[2] – المائدة 5: 112

عنه الشبهة، ويستحله بعد ذلك "[1]

اسی طرح ہر وہ جاہل جس کا کسی چیز سے جاہل ہونا ممکن ہو، اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا یہاں تک کہ اسے اس کی پہچان کروادی جائے اور اس سے شبہ زائل ہو جائے۔

جب تک کسی شخص کو کسی مسئلہ یا عقیدہ کا علم ہی نہیں تب تک اسے مکلف ٹھرانا درست نہیں ہے۔کوئی بھی آدمی تبھی مجرم قرار پائے گا جب وہ قانون کو جانتے بوجھتے پامال کرے گا۔کوئی بھی یہودی یا عیسائی اسلام کے آنے کے بعد بھی اگر یہودیت وعیسائیت پر قائم رہتا ہے تو پکا جہنمی ہے۔لیکن اسلام کا عدل دیکھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہاں بھی اس یہودی یا عیسائی کو مستثنیٰ فرمادیا جسے آپ کی بعثت کی خبر ہی نہ پہنچی ہو۔چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"**وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ، وَلَا نَصْرَانِيٌّ، ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ، إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ**-"[2]

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! اس امت کا کوئی بھی یہودی اور نصرانی جو میرے متعلق سنے، پھر اس دین پر ایمان لائے بغیر فوت ہو جائے کہ جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے تو وہ جہنم والوں میں سے ہو گا۔

اس حدیث کی توضیح وتشریح کرتے ہوئے ابوالعباس القرطبی[3] فرماتے ہیں:

"وفيه دليل على أن من لم تبلغه دعوة رسول الله – صلى الله عليه وسلم – ولا أمره، لا عقاب عليه ولا مؤاخذة، وهذا كما قال تعالى: ﴿**وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا**﴾ ومن لم تبلغه دعوة الرسول ولا معجزته، فكأنه لم يبعث إليه رسول- " [4]

اس حدیث میں دلیل ہے کہ جس شخص کو رسول اللہ ﷺ کی دعوت اور آپ کا امر نہیں پہنچا

---

[1]- المغنى لابن قدامة ، 22/9

[2]- صحيح مسلم،كتاب الايمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبينا محمد ﷺ إلى جميع الناس و نسخ الملل بملته ، 134/1 ، حديث : 153

[3]-احمد بن عمر بن ابراہیم، ابوالعباس انصاری قرطبی(578-656ھ=1182-1258م)،فقہ مالکی کے بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے۔قرطبہ میں پیدا ہوئے۔فن حدیث کے ماہر تھے۔اسکندریہ میں استاد کے منصب پر فائز رہے اور وہیں وفات پائی۔{الاعلام للزرکلی ،186/1}

[4]- القرطبي ، أبو العباس أحمد بن عمر بن إبراهيم ، المفهم لما اشكل من تلخيص كتاب مسلم ، تحقيق: محيي الدين ديب ميستو وآخرون ، الناشر: دار ابن كثير ، دمشق - بيروت ، الطبعة الأولى، 1996 ء ، 368/1

،اس

پر کوئی عذاب ومؤاخذہ نہیں ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں یہاں تک کہ کوئی رسول بھیج دیں۔ اور جس کو رسول کی دعوت اور آپ کا معجزہ نہیں پہنچا، گویا کہ اس کی طرف کوئی رسول نہیں بھیجا گیا۔

اس شرط کے موثر اور شریعت اسلامی سے ماخوذ ہونے کے بہت سے دلائل تکفیر کے چوتھے ضابطہ "اصولی اور فروعی مسائل کے درمیان کوئی فرق نہیں" کے ضمن میں ذکر کیے جا چکے ہیں۔ طوالت اور تکرار کے خوف سے انہیں دوبارہ یہاں ذکر نہیں کیا جا رہا۔

تاویل کا شکار نہ ہونا

تکفیر کی شرائط میں سے پانچویں شرط یہ ہے کہ جو شخص کسی کفریہ قول و فعل کا ارتکاب کر رہا ہے وہ اس قول و فعل کے جائز ہونے کے سلسلے میں کسی اجتہادی غلط فہمی کا شکار نہ ہو یعنی ایسا نہ ہو کہ وہ کسی شرعی دلیل کا سہارا لے کر اس کام کو جائز سمجھتا ہو۔ قرآن وحدیث کی غلط تفسیر، تاویل، تشریح یا سمجھ کی وجہ سے کسی بھی کفریہ کام کو جائز سمجھنے والے فرد کو اس وقت تک کافر قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک اس پر اس کے فہم یا تاویل و تشریح کا غلط ہونا ثابت کر کے اس پر حجت قائم نہ کر دی جائے۔ اس شرط کے موثر ہونے اور احکام شرعیہ سے مستفاد ہونے کے بہت سے دلائل ہیں، جیسا کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" والمتأول المخطيء مغفور له بالكتاب والسنة. قال الله تعالى في دعاء المؤمنينَ :﴿**رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا**﴾ وثبت في الصحيح أن الله عز وجل قال:" **قَدْ فَعَلْتُ**" وفي سنن ابن ماجه وغيره أن النبي – صلى الله عليه وسلم – قال: " «**إِنَّ اللَّهَ تَجَاوَزَ لِي عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ**»" [1]

تاویل میں خطا کرنے والا کتاب وسنت کی نصوص کے مطابق مجرم نہیں ہے۔ اللہ تعالی نے ایمان والوں کو دعا سکھائی ہے کہ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر بیٹھیں تو تو ہماری گرفت نہ فرمانا، جبکہ صحیح مسلم میں ہے کہ اللہ تعالی نے اس دعا کو قبول فرما لیا ہے۔ نیز ابن ماجہ وغیرہ میں نبی ﷺ کا فرمان موجود ہے کہ اللہ تعالی نے میری خاطر میری امت کو غلطی اور بھول چوک معاف فرما دی ہے۔

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] - منهاج السنة ، 458/4

" وقد عرف من مذهب الخوارج تكفير كثير من الصحابة، ومن بعدهم، واستحلال دمائهم، وأموالهم، واعتقادهم التقرب بقتلهم إلى ربهم، ومع هذا لم يحكم الفقهاء بكفرهم لتأويلهم.وكذلك يخرج في كل محرم استحل بتأويل مثل هذا. وقد روي أن قدامة بن مظعون شرب الخمر مستحلا لها، فأقام عمر عليه الحد، ولم يكفره "[1]

خوارج کا موقف معروف ہے کہ وہ بہت سے صحابہ اور تابعین وغیر ہم کو کافر قرار دیتے تھے،ان کی جانوں اور مالوں کو حلال سمجھتے تھے اور ان کو قتل کرنے میں اللہ تعالی کی خوشنودی کے حصول کا یقین رکھتے تھے لیکن اس سب کے باوجود فقہاء نے ان کے کافر ہونے کا فتوی نہیں دیا کیونکہ وہ یہ سب تاویل کی بنیاد پر کرتے تھے۔اسی طرح ہر اس حرام کام پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا جسے اس طرح کی تاویل کے ساتھ حلال سمجھا جائے گا۔روایات سے یہ بات ملتی ہے کہ قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ نے ایک قرآنی آیت کی تاویل کرتے ہوئے شراب کو حلال سمجھ کر پی لیا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان پر حد تو قائم کی لیکن انہیں کافر قرار نہیں دیا۔

ایک بات ملحوظ خاطر رہے کہ ہر الٹی سیدھی تاویل کسی شخص کے واضح کفر کو کفر قرار دینے سے مانع نہیں ہو گی بلکہ ایسی تاویل کے لیے مندرجہ ذیل تین شرائط کا ہونا لازمی ہیں۔چنانچہ اگر وہ تینوں شرطیں اس میں پائی جاتی ہیں تو اس کا تاویل کرنا اس کی تکفیر سے رکاوٹ بن جائے گا۔

- تاویل کرنے والا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کا ارادہ کرے یعنی وہ اخلاص نیت کے ساتھ حق کا متلاشی ہو اور حق کی اتباع کرنا چاہتا ہو،ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے غلط اور خود ساختہ مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے باطل تاویلات اور بے تکے دلائل کا سہارا لے رہا ہو۔کوئی بھی فیصلہ کرنے والا اگر اپنی کوشش کر کے نیک نیتی سے کوئی فیصلہ کرتا ہے تو فیصلہ اور نتیجہ تک پہنچنے میں غلطی کی صورت میں بھی اسے گناہ کی بجائے ایک اجر مل جاتا ہے،جیسا کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ، فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ، فَلَهُ أَجْرٌ "[2]

جب فیصلہ کرنے والا فیصلہ کرتا ہے،پھر درستگی تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے،اگر تو فیصلہ درست کر سکے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور اگر اجتہاد میں غلطی کر جائے تو بھی اسے ایک اجر

---

[1] - المغنى لابن قدامة ، 22/9

[2] - صحيح مسلم، كِتَابُ الْأَقْضِيَةِ،بَابُ بَيَانِ أَجْرِ الْحَاكِمِ إِذَا اجْتَهَدَ فَأَصَابَ أَوْ أَخْطَأَ ، 1342/3 ،حديث : 1716

ملتا ہے۔

- تاویل کرنے والا شخص ایسی تاویل کرے کہ جو عربی زبان ولغت کے لحاظ سے ممکن ہو، عربی لغت اور قرآن و سنت کی نصوص سے اس مفہوم کے اخذ میں رکاوٹ نہ بنتی ہو۔
- شرعی علوم اور سلف صالحین کے اقوال اور فہم سے اس تاویل کو قبول کرنے کی تائید اور گنجائش ملتی ہو یعنی شریعت اسلامی میں اس کے شواہد موجود ہوں۔ یہ نہ ہو کہ اس کی تاویل اسلام کے بنیادی اصولوں سے ہی ٹکرا رہی ہو۔

لیکن اگر یہ تینوں شرائط نہ ہوں تو ایسے شخص کی تکفیر میں رکاوٹ اس کا تاویل کرنا نہیں بلکہ اس کا جاہل ہونا ہوگا کہ وہ اس بات کو جانتا ہی نہیں کہ وہ جو تاویل کر رہا ہے، وہ صحیح تاویل بنتی بھی ہے کہ نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں بڑی صراحت کے ساتھ واضح فرمادیا ہے کہ کون سی تاویل قابل قبول ہوگی اور کون سی نہیں؟ فرماتے ہیں:

" قال العلماء كل متأول معذور بتأويله ليس بآثم إذا كان تأويله سائغا في لسان العرب وكان له وجه في العلم " [1]

اہلِ علم نے فرمایا ہے کہ ہر تاویل کرنے والا اپنی تاویل کی وجہ سے معذور سمجھا جائے گا اور گناہ گار نہیں ہوگا بشرطیکہ اس کی تاویل عربی زبان کے لحاظ سے قابل قبول ہو اور اس کی کوئی علمی شرعی بنیاد بھی ہو۔

یعنی ایسی دور از حقیقت تاویل کسی صورت قابل اعتناء نہیں سمجھی جائے گی کہ جس کی عربی لغت یا شرعی علم سے کوئی مضبوط بنیاد میسر نہ ہو۔

[1] ۔ فتح الباري شرح صحيح البخارى ، 304/12

مبحث سوم: تکفیر کے شکار شخص سے کفر کے ثبوت سے متعلقہ شرائط

تکفیر کے شکار شخص سے کفر کے ثبوت سے متعلقہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

کفر ہونے کا اثبات

تکفیر کی شرائط میں سے چھٹی شرط یہ ہے کہ جو شخص کسی کفریہ قول و فعل کا ارتکاب کر رہا ہے، اسے جس کام کی بناء پر کافر قرار دیا جا رہا ہے اس کام کا کفر ہونا بھی شریعت اسلامیہ کے واضح دلائل و براہین سے ثابت ہو۔ یہ نہ ہو کہ جس کام کی بناء پر کفر کا فتوی لگایا جا رہا ہے شریعت اسے کفر ہی نہ سمجھتی ہو۔ اور یہ بات واضح ہے کہ اہل سنت والجماعت گناہوں کی بنیاد پر، چاہے وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ، کسی مسلمان کو کافر قرار دینا کتاب و سنت کی بے شمار نصوص کی روشنی میں جائز نہیں سمجھتے۔

جس طرح کسی بھی جرم کی سزا میں شریعت اس بات کا التزام کرتی ہے کہ ملزم سے جرم کا صادر ہونا بلا شک وشبہ ثابت ہو جائے، بصورت دیگر ملزم کو شک کا فائدہ دے کر بری کر دیا جاتا ہے اسی طرح کسی کو اس کے کسی قول و فعل کی بنیاد پر کافر قرار دینے کا معاملہ ہے بلکہ چونکہ ایمان لانے کے بعد کفر کا ارتکاب ایک انتہائی سنگین جرم ہے تو اس جرم کی سنگینی کے اعتبار سے اس کا ثبوت اسی قدر زیادہ احتیاط کا متقاضی ہو گا۔ اس لیے اصول یہ ہے کہ کسی محتمل امر کو بنیاد بنا کر کسی کی تکفیر کسی صورت جائز نہیں ہو گی یعنی جس چیز میں کفر و اسلام دونوں کا احتمال موجود ہو اس کی بنیاد پر کسی کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ اہل علم فقہاء کرام کے خیال میں اگر کسی مسئلہ میں کفر کے بیسیوں احتمالات موجود ہوں لیکن صرف ایک ممکنہ احتمال کسی ایسے پہلو کا بھی ہو کہ جس کو اختیار کرنے کی صورت میں کفر اور تکفیر کی ضرورت نہ پڑے تو حتی الامکان اسی آخری احتمال کو ہی ترجیح دی جائے گی اور جب تک اس قول و فعل کا مرتکب خود کسی کفریہ احتمال کی صراحت نہیں کر دیتا تب تک اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔[1]

یہی وجہ ہے کہ بہت سے فقہاء کرام نے کسی قول و فعل کی وجہ سے کسی کو کافر قرار دینے کے لیے یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ اس عمل کے کفر ہونے میں امت کے فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہ ہو۔ جب کسی قول و فعل کے کفر ہونے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہو گا تو چونکہ ایسا عمل یقینی طور پر موجب کفر نہیں رہے گا تو اس لیے اس عمل کی وجہ سے کسی کو کافر قرار دینا درست نہ ہو گا۔ معروف حنفی عالم علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وفي الخلاصة وغيرها إذا كان في المسألة وجوه توجب التكفير ووجه واحد يمنع التكفير فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الذي يمنع التكفير تحسينا للظن بالمسلم زاد في البزازية إلا

[1]۔: مفتی، عبید الرحمن، ابکار الافکار فی اصول الاکفار المعروف اصول تکفیر، مرکز البحوث الاسلامیہ مردان کے پی کے، صفحہ: 236

إذا صرح بإرادة موجب الكفر فلا ينفعه التأويل حينئذ "[1]

خلاصۃ الفتاوی اور دیگر کتابوں میں لکھا ہے کہ کہ جب کسی مسئلہ میں ایسے کئی احتمال موجود ہوں جو موجب تکفیر ہوں اور کوئی ایک ایسی توجیہ ہو جو تکفیر سے مانع ہو تو فتوی دینے والے مفتی پر لازم ہے کہ وہ مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے اسی توجیہ کو اختیار کرے جو اسے کافر قرار دینے سے روکتی ہے۔ فتاوی بزازیہ میں یہ اضافہ ہے کہ جب کفریہ قول وفعل کا مرتکب خود کسی موجب کفر ارادہ کے مراد لینے کی صراحت کر دے تو پھر اسے تاویل فائدہ نہیں دے گی۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ کے نزدیک تو کسی مسلمان پر کفر کے فتوی سے اس حد تک بچنا چاہیے کہ اگر کسی ضعیف روایت کو بنیاد بنا کر تکفیر مسلم سے خلاصی ممکن ہو سکے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ فرماتے ہیں:

"والذي تحرر أنه لا يفتى بكفر مسلم أمكن حمل كلامه على محمل حسن أو كان في كفره اختلاف ولو رواية ضعيفة"[2]

جب تک کسی مسلمان کے کلام کو کسی اچھے اور درست پہلو پر محمول کرنا ممکن ہو گا یا جب تک اس کے کفر میں اختلاف رہے گا، چاہے کفر نہ ہونے کی روایت کمزور ہی کیوں نہ ہو، تب تک اس کے کافر ہونے کا فتوی نہیں دیا جائے گا۔

علامہ احمد بن محمد الحموی رحمہ اللہ نے تو احتیاط کی تاکید میں مزید شدت پیدا کرتے ہوئے واضح فرمادیا کہ اگر اپنے مذہب میں اس قول وفعل کے مرتکب کی عدم تکفیر پر کوئی روایت نہ ملے لیکن دیگر مذاہب میں ایسی روایت موجود ہو تو اسی پر عمل کرتے ہوئے کسی مسلم کو کافر قرار دینے سے گریز کرنا چاہیے، رقمطراز ہیں:

"أقول: ولو كانت تلك الرواية لغير أهل مذهبنا، ويدل على ذلك اشتراط كون ما يوجب الكفر مجمعا عليه "[3]

میں کہتا ہوں: اگرچہ وہ روایت، کہ جس کے ساتھ تکفیر مسلم سے بچا جا سکتا ہو، ہمارے مذہب کے علماء کے علاوہ دیگر اہل علم کی بھی ہو تو اسے قبول کر لینا چاہیے۔ اس بات پر اہل علم کی یہ شرط دلالت کرتی ہے کہ کفر کو وہی چیز لازم کرتی ہے کہ جس کے کفر ہونے پر امت کا اجماع ہو۔

---

[1] – ابن نجيم ، زين الدين بن إبراهيم بن محمد المصري ، البحر الرائق شرح كنز الدقائق ، وبالحاشية: منحة الخالق لابن عابدين ، الناشر: دار الكتاب الإسلامي ، الطبعة الثانية ،209/5

[2] – رد المحتار على الدر المختار ، 224/4

[3] – الحموي ، أبو العباس شهاب الدين أحمد بن محمد مكي الحسيني الحنفي ، غمز عيون البصائر في شرح الأشباه والنظائر ، الناشر: دار الكتب العلمية ، الطبعة الأولى، 1985م ، 190/2

تکفیر کے موانع کا ختم ہو جانا

کسی معین شخص کو کافر قرار دینے کی شرائط میں سے ساتویں شرط یہ ہے کہ اس کے حق میں کافر ہونے کا فتوی صادر کرنے میں جتنے شرعی موانع ہیں وہ سب کے سب ختم کر دیے جائیں۔مانع کی تعریف میں علامہ قرافی فرماتے ہیں:

"والمانع ما يلزم من وجوده العدم ولا يلزم من عدمه وجود ولا عدم لذاته "[1]

مانع وہ ہوتا ہے کہ جو کسی چیز کے ساتھ اس طرح خاص ہو کہ اس کے موجود ہونے پر وہ فعل نہ ہو سکے، لیکن یہ لازم نہیں کہ وہ نہ ہو تو فعل ضرور ہی واقع ہو یا واقع نہ ہو۔

جیسے نماز کے لیے جنابت مانع ہے۔چنانچہ جنبی آدمی جنابت کی حالت میں نماز ادا نہیں کر سکتا لیکن جنابت سے پاک ہونے کی صورت میں لازم نہیں کہ وہ نماز ہی پڑھتا رہے ہو۔ تکفیر کے موانع سے مراد وہ اوصاف ہیں کہ جب وہ سب یا ان میں سے کوئی ایک کسی فرد میں موجود ہوں تو انہیں دور کیے بغیر اسے اس کے کسی کفریہ قول و فعل کی وجہ سے کافر قرار نہ دیا جا سکتا ہو۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" أن التكفير له شروط وموانع قد تنتقي في حق المعين وأن تكفير المطلق لا يستلزم تكفير المعين إلا إذا وجدت الشروط وانتفت الموانع "[2]

تکفیر کا حکم لاگو کرنے کی کئی شرطیں اور موانع ہیں، جو بعض اوقات کسی خاص فرد کے حق میں ثابت نہیں ہوتے۔ اور تکفیر مطلق کے حکم سے تکفیر معین ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ تمام شرائط موجود نہ ہوں اور تمام موانع ختم نہ ہو جائیں۔

اہل علم نے مندرجہ ذیل چار عذروں کو موانع تکفیر کے طور پر بیان کیا ہے۔چونکہ تکفیر کی شرائط کے ضمن میں ان چاروں پر تفصیلی بحث گزر چکی ہے،اس لیے تکرار اور طوالت کے خوف سے انہیں دوبارہ ذکر نہیں کیا جارہا۔

1. جہالت[3]
2. بھول چوک[4]
3. اکراہ یعنی مجبوری[5]

---

[1]- شرح تنقيح الفصول للقرافی ، ص: 82

[2] - مجموع الفتاوى ، 487/12-488

[3]-تفصیلات کیلیے اس مقالہ میں مذکور تکفیر کی شرائط میں سے "چوتھی شرط: علم کے ذریعے حجت کا تمام ہونا" کا مطالعہ کریں۔

[4]-تفصیلات کیلیے تکفیر کی شرائط میں سے "تیسری شرط: عمد و قصد" کا مطالعہ کریں۔

[5]-تفصیلات کیلیے تکفیر کی شرائط میں سے "دوسری شرط: مرضی واختیار" کا مطالعہ کریں۔

4. تاویل[1]

اہل علم کی تصریحات کے مطابق مذکورہ بالا امور میں سے کسی ایک یا زیادہ کا کسی بھی شخص میں موجود ہونا اس معین شخص کی تکفیر سے مانع بن جاتا ہے۔[2]

---

[1]۔تفصیلات کیلیے تکفیر کی شرائط میں سے "پانچویں شرط:تاویل کا شکار نہ ہونا" کا مطالعہ کریں۔

[2]۔تفصیلات کیلئے دیکھیے:التحریر فی بیان احکام التکفیر ، ص : 165- 229 ،
التکفیر عند الفرق والجماعات المعاصرة ، ص : 59-75

بابِ سوم: خارجی فکر، تعارف اور مستدلات کا تحقیقی جائزہ

فصل اول: خوارج کا تعارف اور علامات واوصاف

فصل دوم: خوارج کی ابتدائی تاریخ

فصل سوم: خوارج کے القاب، فرقے اور قدیم وجدید خارجی فکر کے حاملین کا تقابلی جائزہ

فصل چہارم: تکفیر پر خوارج کے دلائل اور ان کا تحقیقی جائزہ

فصل اول: خوارج کا تعارف اور علامات واوصاف

مبحث اول: خوارج کی لغوی واصطلاحی تعریف

مبحث دوم: خوارج کی علامات واوصاف ان کی اپنی ذات کے حوالہ سے

مبحث سوم: خوارج کی علامات واوصاف دیگر مسلمانوں کے حوالہ سے

فصل اول: خوارج کا تعارف اور علامات واوصاف

کتاب وسنت کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اصل دین تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ :

- ہر اعتبار سے قرآن مجید اور احادیث نبویہ کو دین کا بنیادی مصدر مانا جائے۔
- ان سے استدلال کرتے ہوئے نبی ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور قرون اولیٰ کے سلف صالحین کی تشریحات کو اولیت دی جائے۔
- کسی بھی معاملہ میں شدت پسندی اور انتہا پسندی کی بجائے اسلامی شریعت کے عمومی مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے فکر و نظر اور کردار و عمل میں اعتدال و توسط اور میانہ روی کو اختیار کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بھی کچھ لوگ ایسے تھے کہ زبان سے اسلام کے اقرار کی وجہ سے مسلم معاشرہ میں اگرچہ مسلم ہی شمار کیے جاتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کامیاب وکامران قرار پانے والے مسلم نہیں تھے۔ان کی گمراہی کی وجہ یا تو ان کا نفاق تھا یا عبادات، عقائد اور معاملات میں ان کی حد سے بڑھی ہوئی شدت پسندی تھی۔آپ ﷺ کے بعد امت بالتدریج فرقوں میں بٹتی چلی گئی اگر ان تمام فرقوں کی بنیاد کا بغور جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی گمراہی کی بنیاد مذکورہ بالا تینوں وجوہات پر قائم ہے۔

اسلام کے دعویدار باطل فرقوں میں سے جو گروہ سب سے پہلے وجود میں آیا، اسلامی تاریخ میں اسے خوارج کے نام سے یاد کیا جاتا ہے[1]۔ خوارج اگرچہ بظاہر حد سے زیادہ نیک، صالح، عبادت گزار، قرآن مجید کے قاری اور مجاہد نظر آتے ہیں لیکن ان کی انتہاپسندی، سخت گیری اور نبوی منہج کے برعکس اعتدال و توسط سے ہٹی روش انہیں نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق دین سے یوں نکال دیتی ہے جیسے تیر اپنے شکار سے نکل جاتا ہے۔خوارج کا ظہور مشہور قول کے مطابق عہد نبوی میں ہی ہو گیا تھا، پھر دور عثمانی میں ان کی سوچ اور نظریہ خوب پروان چڑھا اور دور علوی میں خوارج اپنے باطل نظریات کو لے کر دین کے نام پر اپنی تکفیری سوچ اور دہشتگردانہ کارروائیوں کے ساتھ کھل کر سامنے آئے اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف ڈٹ کر جہاد کیا۔اس وقت سے لے کر آج تک خارجی فکر کے حاملین کو جب بھی موقع ملا انہوں نے امت میں فساد اور دہشت گردی برپا کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی چنانچہ امت مسلمہ اور مسلم حکام ہمیشہ سے ان کے خلاف مختلف شکلوں میں نبرد آزما چلے آرہے ہیں اس فصل میں خوارج کا تعارف، ان کی بنیادی نشانیاں، اوصاف اور پہچان جیسی بنیادی چیزیں بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

---

[1]۔دیکھیے: عواجی، د. غالب بن علي ، فرق معاصرة تنتسب إلى الإسلام وبيان موقف الإسلام منها ، المكتبة العصرية الذهبية للطباعة والنشر والتسويق جدة، الطبعة الرابعة، 2001 م ، 225/1

مبحث اول: خوارج کی لغوی واصطلاحی تعریف

لغوی اعتبار سے "خوارج" خارج کی جمع ہے جو خروج سے اسم مشتق ہے، علمائے لغت نے اپنی تالیفات میں "خرج یخرج" کے تحت ان کا تذکرہ کیا ہے[1]۔ان کا یہ نام ان کے دین سے نکل جانے یا حق سے نکل جانے یا واقعہ صفین کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی جماعت سے نکل جانے کی وجہ سے پڑا۔ بعض کے خیال میں انہیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر مسلمانوں کے خلاف خروج کی وجہ سے خوارج کہا جاتا ہے۔[2]

خوارج کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے ہر عالم نے اپنے ذوق کے مطابق مختلف انداز اپنایا ہے چنانچہ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے خوارج کی تعریف کرتے ہوئے ان کے بنیادی معتقدات بیان کر دیے ہیں، فرماتے ہیں:

"ومن وافق الخوارج من إنكار التحكيم وتكفير أصحاب الكبائر والقول بالخروج على أئمة الجور وإن أصحاب الكبائر مخلدون في النار وأن الإمامة جائزة في غير قريش فهو خارجي "[3]

جو شخص تحکیم کے انکار کرنے میں، اصحاب کبائر کو کافر قرار دینے میں، ظالم حکام کے خلاف خروج وبغاوت کی بات کرنے میں، مرتکبِ کبائر کے ہمیشہ ہمیشہ جہنمی رہنے میں اور اس بات میں کہ منصبِ خلافت قریش کے علاوہ بھی جائز ہے، خوارج کی موافقت کرتا ہے تو وہ خارجی ہے۔

مذاہب وفرق کے ماہر، امام شہرستانی خوارج کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" كل من خرج على الإمام الحق الذي اتفقت الجماعة عليه يسمى خارجيا، سواء كان الخروج في أيام الصحابة على الأئمة الراشدين؛ أو كان بعدهم على التابعين بإحسان، والأئمة في كل زمان "[4]

ہر وہ شخص جو ایسے امام وحاکم برحق کے خلاف خروج کرے جس پر مسلمان متفق ہیں، اسے خارجی کہا جائے گا، اس بات سے قطع نظر کہ یہ خروج صحابہ کرام کے زمانے میں خلفاء راشدین کے خلاف ہو یا ان کے بعد تابعین کے خلاف ہو یا کسی بھی زمانے میں ائمہ وحکام کے خلاف ہو۔

---

[1]- دیکھیے: تهذيب اللغة للأزهري ، 27/7 ، القاموس المحيط لفيروزآبادى ،ص :186، لسان العرب ، 251/2

[2] – تاج العروس من جواهر القاموس للزبيدى ،517/5

[3] –ابن حزم الأندلسي ، أبو محمد علي بن أحمد القرطبي الظاهري ، الفصل في الملل والأهواء والنحل ، الناشر: مكتبة الخانجى القاهرة ، 90/2

[4] – الشهرستاني ، أبو الفتح محمد بن عبد الكريم بن أبى بكر ، الملل والنحل ، تحقيق : عبدالعزيز محمد الوكيل، الناشر: مؤسسة الحلبي القاهرة ، سن الطباعة : 1968ء ،114/1

شارحِ مسلم امام نووی رحمہ اللہ خوارج کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"الخوارج صنف من المبتدعة يعتقدون أن من فعل كبيرة كفر وخلد في النار، ويطعنون لذلك في الأئمة، ولا يحضرون معهم الجمعات والجماعات "[1]

خوارج بدعتیوں کی ایک قسم ہے، جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جو شخص گناہِ کبیرہ کاارتکاب کرتا ہے، وہ کفر کرتا ہے اور وہ آگ میں ہمیشہ رہے گا۔ اسی بنیاد پر وہ مسلم حکام کو طعن کرتے ہیں اور ان کے ساتھ جمعہ اور عیدین وغیرہ کی نمازوں اور اجتماعات میں شریک نہیں ہوتے۔

علامہ ابنِ نجیم حنفی رحمہ اللہ خوارج کی تعریف کرتے ہوئے ان کی بزعمِ خود دینی حمیت اور گنہگار مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کو اپنے لیے حلال سمجھنے کا ذکر بھی فرماتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

"الخوارج قوم لهم منعة وحمية خرجوا عليه بتأويل يرون أنه على باطل كفر أو معصية توجب قتاله بتأويلهم يستحلون دماء المسلمين وأموالهم ويسبون نساءهم ويكفرون أصحاب رسول الله ﷺ وحكمهم عند جمهور الفقهاء والمحدثين حكم البغاة وذهب بعض المحدثين إلى كفرهم"[2]

خوارج سے مراد ایسے لوگ ہیں جن کے پاس طاقت اور حمیت ہو اور وہ اس تاویل کی بنیاد پر مسلم حکمران کے خلاف بغاوت کریں کہ وہ ان کے خیال میں باطل طریق یعنی کفر پر یا ایسی معصیت پر ہے جو ان کی تاویل کی بنیاد پر اس کے خلاف لڑائی کو واجب کرتی ہے۔ وہ مسلمانوں کی جانوں اور ان کے اموال کو حلال سمجھتے ہیں، ان کی عورتوں کو لونڈیاں بناتے ہیں اور اصحاب رسول ﷺ کو کافر قرار دیتے ہیں۔ اکثر فقہاء و محدثین کے نزدیک ان کا حکم باغیوں کا ہے اور بعض محدثین نے ان پر کفر کا حکم لگایا ہے۔

مذکورہ بالا تعریفات سے خوارج کی جو تعریف اور پہچان واضح ہوتی ہے اسے سادہ الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ ہر وہ شخص جو کسی بھی زمانہ میں کسی ایسے مسلم حاکم کے خلاف خروج کرے جس پر مسلمان متفق ہیں، بھلے وہ اس کے خیال میں ظالم ہی کیوں نہ ہو یا کفر یا ایسی معصیت کا مرتکب ہی کیوں نہ ہو جو اس کی تاویل کی بنیاد پر اس کے خلاف لڑنے کو واجب قرار دیتی ہے، اصحاب کبائر کو کافر قرار دے، ان کے ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنے کا دعوی کرے، مسلم حکام کو طعن کرتے ہوئے ان کے ساتھ جمعہ اور عیدین وغیرہ کی نمازوں اور اجتماعات میں شریک نہ ہو، حکام کی اطاعت کرنے

---

[1] -النووی ، أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف ، روضة الطالبين وعمدة المفتين ، تحقيق: زهير الشاويش ، الناشر: المكتب الإسلامي، بيروت ، الطبعة الثالثة، 1991م ، 51/10

[2] - البحر الرائق شرح كنز الدقائق ، 151/5

والے عام مسلمانوں کی جانوں، عصمتوں اور ان کے اموال کو حلال سمجھے یا اصحاب رسول ﷺ بالخصوص سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ اور اصحاب جمل وغیرہم کو کافر قرار دے تو ایسا شخص خارجی ہے جس پر اکثر فقہاء ومحدثین نے باغی کا حکم عائد کیا ہے جبکہ بعض محدثین نے اس پر کفر کا حکم بھی لگایا ہے۔

مبحث دوم: خوارج کی علامات واوصاف ان کی اپنی ذات کے حوالہ سے

اہل اسلام کو جن فتنوں سے ہمیشہ پالاپڑا ہے، ان میں سر فہرست خوارج کا فتنہ ہے۔ اسلامی تاریخ میں مسلمانوں کو سب سے پہلے جس بڑے فتنہ کا سامنا کرناپڑ وہ خوارج کا فتنہ ہی تھااور یہ فتنہ اپنے متعدد بار استئصال کے باوجود بار بار سر اٹھاتا رہاہے اور نبوی پیشین گوئی کے مطابق دجال کی آمد تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ میں اس فتنہ کے حاملین کے اوصاف بڑی صراحت کے ساتھ ذکر کردیے گئے ہیں۔ اس مبحث میں خوارج کے ان اوصاف وعلامات کا قدرے تفصیل سے جائزہ پیش کیا جاتاہے کہ جن کا تعلق ان کی اپنی ذات سے ہے۔

خوارج محکم کی بجائے متشابہات کی پیروی کرتے ہیں

قرآن مجید میں اللہ تعالی نے محکم و متشابہ ہر دو قبیل کی آیات نازل فرمائی ہیں۔ محکمات سے مراد وہ آیات ہیں جو اپنے معنی اور مفہوم میں بالکل واضح اور صریح ہیں، ان میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں، اس لیے اللہ تعالی نے ان آیات کو "اُمُّ الْكِتٰبِ" قرار دیا ہے، یعنی یہ قرآن کریم کی اصل اور بنیاد ہیں۔ انہی آیات میں دین کے بنیادی عقائد، عبادات اور احکام وغیرہ بیان کیے گئے ہیں اور انہی آیات میں لوگوں کو دین کی طرف دعوت دی گئی ہے۔ جبکہ متشابہات سے مراد وہ آیات ہیں جو ملتے جلتے کئی معانی کا احتمال رکھتی ہیں اور ان کا اصل مرادی معنی سمجھنے میں لوگوں کو اشتباہ ہو جاتا ہے، یا ان میں تاویل کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ تو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی اور ٹیڑھا پن ہے اور جن کا مشغلہ ہی محض فتنہ جوئی ہوتا ہے، وہ محکمات کو چھوڑ کر متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور چونکہ وہ کئی معانی کا احتمال رکھتی ہیں، تو وہ اپنی فتنہ انگیزی کو شرعی رنگ دینے اور اپنے زعم باطل میں اس کی اصل مراد تلاش کرنے کے لیے قرآن مجید کی صریح اور محکم آیات اور رسول کریم ﷺ کی واضح تعلیمات کے خلاف اپنی مرضی کا مطلب و معنی اخذ کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ جبکہ اہل ایمان ان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور متشابہات کے پیچھے پڑے رہنے کی بجائے محکمات، آیات و احادیث، پر عمل میں مصروف رہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ان دونوں گروہوں کے متعلق اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ﴾[1]

وہی ہے جس نے تجھ پر یہ کتاب اتاری، جس میں سے کچھ آیات محکم ہیں، وہی کتاب کی اصل ہیں اور کچھ دوسری کئی معنوں میں ملتی جلتی ہیں، پھر جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ ان متشابہ

---

[1] - آل عمران 3 : 7

آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ فتنہ پیدا کریں اور ان آیتوں کی تاویلات تلاش کریں، حالانکہ ان کی اصل مراد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جو لوگ علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہے، اور نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو عقلوں والے ہیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی پھر آپ نے ارشاد فرمایا:

«إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ، فَأُولَئِكَ الَّذِينَ سَمَّى اللهُ فَاحْذَرُوهُمْ»[1]

جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو قرآن مجید کی متشابہ آیات کی پیروی کرتے ہیں تو یہ وہی لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نام لیا ہے، لہٰذا تم ان سے بچ جاؤ۔

ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے خوارج اور ان کی تلاوت قرآن کا تذکرہ کیا گیا تو انہوں نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: "يؤمنون بمحكمه، ويهلكون عند متشابهه"[2] کہ وہ یعنی خوارج قرآن کی محکم آیات پر ایمان لاتے ہیں جبکہ اس کی متشابہ آیات کے سبب ہلاکت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کجی والے لوگ منافقین ہیں[3]۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ خوارج ہیں[4]۔ قتادہ رحمہ اللہ جب یہ آیت تلاوت کرتے تو فرماتے اگر ان سے مراد خوارج اور ابن سبا کے ماننے والے نہیں تو میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہیں؟[5] عام محققین کے خیال میں یہ آیت تمام باطل پسندوں پر لاگو ہوتی ہے[6]۔

خوارج اپنے عمل کو ہمیشہ مستحسن قرار دیتے ہیں

خوارج کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ وہ جس قدر مرضی ظلم وستم کر لیں، کلمہ پڑھنے والے گنہگار مسلمانوں کا ناحق قتل عام ہی کیوں نہ کر لیں لیکن وہ ہمیشہ اپنے آپ کو ہی درست قرار دیتے ہیں اور اپنے متعلق یہی گمان

---

[1] – صحیح البخاری ، كِتَابُ تَفْسِيرِ القُرْآنِ ،بَابُ ﴿مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ﴾،33/6،حدیث نمبر :4547 ۔ صحیح مسلم:2665

[2] – جامع البيان في تأويل القرآن ۔ تفسیرطبری ، 198/6

[3] – أبو حفص،سراج الدين عمر بن علي الحنبلي الدمشقي النعماني ،اللباب في علوم الكتاب ، المحقق: الشيخ عادل أحمد عبد الموجود والشيخ علي محمد معوض ، دار الكتب العلمية – بيروت ، الطبعة: الأولى، -1998ء ، 37/5

[4] – ایضا

[5] – ایضا

[6] – ایضا

کرتے ہیں کہ وہ بہت نیک عمل کر رہے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا (103) الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا (104)﴾[1]

کہہ دے کیا ہم تمہیں وہ لوگ بتائیں جو اعمال میں سب سے زیادہ خسارے والے ہیں۔ وہ لوگ جن کی کوشش دنیا کی زندگی میں ضائع ہو گئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ بے شک وہ ایک اچھا کام کر رہے ہیں۔

امام طبری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں اہل علم کے مختلف اقوال ذکر کرتے ہوئے ایک قول یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ ان لوگوں سے مراد اہل حروراء یعنی خوارج ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ معروف خارجی عبداللہ بن الکواء نے سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا کہ اس آیت سے کون مراد ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ " ويْلُك أهل حَروراء منهم"[2] کہ تیری بربادی ہو، اہل حروراء انہی میں سے ہیں۔ دوسری روایت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آیت سے تم اور تمہارے اصحاب مراد ہیں[3]۔ مزید قرآن مجید میں ارشاد باری تعالی ہے:

﴿أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا﴾[4]

تو کیا جس شخص کے لیے اس کا برا عمل مزین کر دیا گیا ہو، تو وہ اسے اچھا سمجھنے لگے، کیا وہ مومنِ صالح جیسا ہو سکتا ہے؟

اس آیت کی تفسیر میں مفسر قرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ آیت ابوجہل اور مشرکین مکہ کے بارہ میں نازل ہوئی۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ آیت خواہشات و بدعات کے حاملین کے متعلق نازل ہوئی تو قتادہ رحمہ اللہ فرمانے لگے: ان میں وہ خوارج بھی شامل ہیں جو مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کو حلال جانتے ہیں جبکہ کبیرہ گناہوں کے مرتکبین ان میں شامل نہیں ہیں کیونکہ وہ کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کو جائز نہیں سمجھتے۔[5]

خوارج بظاہر شریعت کی پابندی میں بہت متکلف ہوتے ہیں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین کی روشنی میں خارجی لوگ بظاہر بڑے پختہ دین دار اور عام مسلمانوں سے زیادہ نماز روزے و دیگر احکام شریعت کے پابند ہوتے ہیں۔ جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] –الکهف18 : 103-104

[2] – تفسير الطبری ، 426/15

[3] – ايضا ، 427/15

[4] – فاطر35 :8

[5] – اللباب في علوم الكتاب ، 105/16

" وليس في أهل الأهواء أصدق ولا أعبد من الخوارج "[1]

کہ اہلِ بدعت میں خوارج سے بڑھ کر سچا اور عبادت گزار کوئی نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ خوارج کے اولین فرد ذو الخویصرہ تمیمی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے قتل سے روکتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"دَعْهُ، فَإِنَّ لَهُ أَصْحَابًا يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلاَتَهُ مَعَ صَلاَتِهِمْ، وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ، يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لاَ يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، يُنْظَرُ إِلَى نَصْلِهِ فَلاَ يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ، ثُمَّ يُنْظَرُ إِلَى رِصَافِهِ فَمَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ، ثُمَّ يُنْظَرُ إِلَى نَضِيِّهِ، - وَهُوَ قِدْحُهُ -، فَلاَ يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ، ثُمَّ يُنْظَرُ إِلَى قُذَذِهِ فَلاَ يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ، قَدْ سَبَقَ الفَرْثَ وَالدَّمَ "[2]

اسے چھوڑ دو، یقیناً اس کے ایسے ساتھی ہوں گے کہ تم میں سے ایک شخص ان کی نماز کے مقابلہ میں اپنی نماز کو حقیر سمجھے گا اور اپنے روزے کو ان کے روزے کے مقابلے میں حقیر جانے گا۔ وہ قرآن کی تلاوت کریں گے مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح کمان سے تیر نکل جاتا ہے۔ اس کے پکڑنے کی جگہ دیکھی جائے تو اس میں کوئی چیز معلوم نہ ہو گی۔ اس کے پر دیکھے جائیں تو ان میں کوئی چیز معلوم نہ ہو گی۔ اس کے پر اور پکڑنے کی جگہ کے درمیانی مقام کو دیکھا جائے تو اس میں کوئی چیز دکھائی نہ دے گی حالانکہ وہ گندگی اور خون سے ہو کر گزرا ہے۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں خوارج کی عملی کیفیت واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''امام عاصم رحمہ اللہ نے نجدہ حروری کے ساتھیوں کا وصف یوں بیان کیا ہے کہ وہ دن کو روزہ رکھتے، رات کو قیام کرتے اور سنت کے مطابق صدقات وصول کرتے تھے۔ اس کو امام طبری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور انہوں نے اپنی سند کے ساتھ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک تم میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو اپنے اعمال اور دین سے ظاہری تمسّک کے باعث لوگوں کو ورطۂ حیرت میں مبتلا کر دیں گے اور وہ خود بھی عجب و خود پسندی کا شکار ہوں گے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بھتیجے حضرت حفص اپنے چچا سے یہ الفاظ

---

[1] - منهاج السنة النبوية في نقض كلام الشيعة القدرية ، 157/5

[2] -صحيح البخارى ، كِتَابُ المَنَاقِبِ ، بَابُ عَلاَمَاتِ النُّبُوَّةِ فِي الإِسْلاَمِ ،200/4 ، حديث :3610 ـ صحيح مسلم:1064

روایت کرتے ہیں کہ " يتعمقون في الدين " کہ وہ دین میں بڑی پختگی اور شدت پسندی کا مظاہرہ کریں گے۔ اور طبرانی میں موجود حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی روایت، جس میں خوارج کے ساتھ ان کے مناظرے کا قصہ ہے، میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں ان کے پاس آیا تو گویا کہ میں ایسے لوگوں کے پاس پہنچ گیا کہ جن سے بڑھ کر اعمال میں ریاضت و مشقت کرنے والے لوگ میں نے نہیں دیکھے تھے، ان کے ہاتھ ایسے موٹے اور کھردرے تھے گویا اونٹ کے پاؤں، اور ان کے چہروں پر سجدوں کے نشانات نمایاں تھے۔"[1]

ان کی عبادات کی یہ کیفیت کسی عام امتی کے مقابلہ میں نہیں بلکہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ہو گی کہ خوارج کے اعمال کے مد مقابل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اعمال بھی بے حیثیت نظر آئیں گے اگرچہ وہ خوارج قرآن مجید کو اپنے حق میں سمجھ کر تلاوت کریں گے یعنی وہ یہ گمان کر رہے ہوں گے کہ قرآن ان کے باطل دعووں کے اثبات میں ان کے حق میں حجت ہے حالانکہ اس طرح نہیں ہوگا، بلکہ قرآن فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کے ہاں اُن کے خلاف دلیل اور حجت ہو گا۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خوارج کے خلاف معرکہ آرائی سے قبل اپنے لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنْ أُمَّتِي يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ، لَيْسَ قِرَاءَتُكُمْ إِلَى قِرَاءَتِهِمْ بِشَيْءٍ، وَلَا صَلَاتُكُمْ إِلَى صَلَاتِهِمْ بِشَيْءٍ، وَلَا صِيَامُكُمْ إِلَى صِيَامِهِمْ بِشَيْءٍ، يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ يحسبُون أَنَّهُ لَهُمْ وَهُوَ عَلَيْهِمْ، لَا تُجَاوِزُ صَلَاتُهُمْ تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ»، لَوْ يَعْلَمُ الْجَيْشُ الَّذِينَ يُصِيبُونَهُمْ، مَا قُضِيَ لَهُمْ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَاتَّكَلُوا عَنِ الْعَمَلِ-[2]

اے لوگو! بلا شبہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، آپ فرما رہے تھے: میری امت میں سے ایک قوم ظاہر ہو گی، وہ قرآن اس طرح پڑھیں گے کہ ان کے پڑھنے کے مقابل تمہارے قرآن پڑھنے کی کوئی حیثیت نہ ہو گی، نہ ان کی نمازوں کے سامنے تمہاری نمازوں کی کچھ حیثیت ہو گی اور نہ ہی ان کے روزوں کے سامنے تمہارے روزوں کی کوئی حیثیت ہو گی۔ وہ یہ سمجھ کر قرآن پڑھیں گے کہ وہ ان کے حق میں ہے لیکن در حقیقت وہ ان کے خلاف ہو گا، نماز ان کے گلے سے نیچے نہیں

[1] - فتح الباري شرح صحيح البخارى ، 289/12

[2] - صحيح مسلم، كتاب الزكاة ، باب التحريض على قتل الخوارج ، 748/2، حديث نمبر : 1066

اترے گی اور وہ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ ان سے لڑنے والے لشکر کو اگر وہ ثواب معلوم ہو جائے جو ان کے نبی ﷺ کی زبانی ان کے لیے طے کیا گیا ہے تو وہ نجات کے لیے اسی عمل پر بھروسہ کر لیں۔

حبر الامہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جب خوارج سے مناظرہ کے لیے ان کے پاس آئے تو ان کی کثرت عبادت و ریاضت کے متعلق اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" وأتيت قومًا لم أر قومًا قط أشد اجتهادًا منهم، مسهمة وجوهم من السهر، كأن أيديهم وركبهم تثنى عليهم-"[1]

میں ایسے لوگوں کے پاس آیا کہ میں نے ان لوگوں سے زیادہ عبادت میں کوشش اور مجاہدہ کرنے والا کوئی شخص کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ان کے چہرے زیادہ جاگنے کی وجہ سے سوکھ گئے تھے اور ہاتھ پاؤں گویا کہ ٹیڑھے ہو گئے تھے۔

خوارج کی اسی ظاہری دین داری اور للٰہیت کے سبب بعض اوقات خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے معاملے میں شبہ وارد ہو جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت جندب بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

" لما فارقت الخوارج عليا، خرج في طلبهم، وخرجنا معه، فانتهينا إلى عسكر القوم، فإذا لهم دوي كدوي النحل من قراءة القرآن، وفيهم أصحاب الثفنات، وأصحاب البرانس، فلما رأيتهم دخلني من ذلك شك، فتنحيت فركزت رمحي، ونزلت عن فرسي، ووضعت ترسي، فنثرت عليه درعي، وأخذت بمقود فرسي، فقمت أصلي إلى رمحي، وأنا أقول في صلاتي: اللهم إن كان قتال هؤلاء القوم لك طاعة فائذن فيه، وإن كان معصية فأرني براءتك قال: فأنا كذلك، إذ أقبل علي على بغلة رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما حاذاني قال: تعوذ بالله يا جندب من الشك، فجئت أسعى إليه ـ ـ ـ "[2]

جب خوارج علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر الگ ہو گئے، تو علی رضی اللہ عنہ ان کے تعاقب میں نکلے جبکہ ہم بھی ساتھ

---

[1] – المستدرك على الصحيحين للحاكم ، 164/2، حديث: 2656 ۔امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔ السنن الكبرى للبيهقى، 309/8 ، حديث :16740

[2] – طبرانی، أبو القاسم سليمان بن أحمد اللخمي الشامي، المعجم الأوسط ، المحقق: طارق بن عوض الله, عبد المحسن الحسيني ، الناشر: دار الحرمين القاهرة ، 227/4 ،حديث: 4051 ـ

هيثمی، أبو الحسن نور الدين علي بن أبي بكر ، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ، المحقق: حسام الدين القدسي ، الناشر: مكتبة القدسي القاهرة ، عام النشر: 1994 ء ، 241/6 ، رقم : 10451

تھے۔جب ہم خوارج کے لشکر کے قریب پہنچے تو وہاں ان کے قرآن مجید پڑھنے کی وجہ سے شہد کی مکھیوں کی بھنناہٹ کی طرح کا ایک شور تھا۔ان میں سے بعض کے اعضاء پر کثرت نماز کی وجہ سے نشان پڑ چکے تھے،اور بعض نے ٹوپیاں پہنی ہوئی تھیں یعنی وہ کمال درجہ کے زاہد و عابد نظر آرہے تھے۔ان کا یہ حال دیکھ کر ان سے لڑائی کے معاملہ میں میرے دل میں شک پیدا ہو گیا۔سو میں ایک طرف ہو گیا،اپنا نیزہ گاڑ دیا،اپنے گھوڑے سے اتر پڑا،اپنی ڈھال رکھ کر اپنی زرہ اس پر پھیلا دی،اپنے گھوڑے کی رسی پکڑ لی اور اپنے نیزہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا شروع کر دی،میں اپنی نماز میں یہ دعا کر رہا تھا:"اے اللہ! اگر اس گروہ سے لڑائی کرنا تیری اطاعت ہے تو مجھے اجازت مل جائے اور اگر معصیت ہے تو مجھے اس رائے پر آگاہی نصیب ہو جائے۔میں اسی طرح نماز پڑھ رہا تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خچر پر نمودار ہوئے،جب وہ میرے سامنے سے گزرے تو فرمانے لگے: جندب شک سے اللہ کی پناہ مانگو،تو میں دوڑتا ہوا ان کے پاس آگیا۔۔۔

حضرت جندب رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی پر خوارج کے ظاہری زہد و عبادت اور تدین کا اتنا اثر ہوا کہ وہ امیر المومنین علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے قریبی ساتھی ہونے کے باوجود ان کے ساتھ جنگ کرنے میں متردد ہو گئے۔لیکن اللہ سے دعا کی جو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی آمد کی صورت میں پوری ہوئی اور انہیں ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ اور پیشین گوئیاں سن کر شرح صدر نصیب ہو گیا کہ یہ لوگ واقعی ہلاک کیے جانے کے ہی مستحق ہیں۔اور پھر وہ اپنے شاگردوں کو اس معاملے میں سمجھاتے اور خبردار کرتے نظر آتے ہیں چنانچہ وہ اپنے شاگرد صفوان بن محرز رحمہ اللہ کے ساتھ خوارج کے ایک ایسے گروہ کے پاس سے گزرتے ہیں جو بڑی خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھ رہا تھا،تو صفوان کو مخاطب کر کے ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

" لا يغرنك هؤلاء إنهم يقرءون القرآن اليوم ويتجالدون بالسيوف غدا۔"[1]

تمہیں ان کا (اتنے خوب صورت انداز میں قرآن پڑھنا) دھوکے میں نہ ڈالے۔یہ لوگ آج قرآن پڑھ رہے ہیں اور کل یہی لوگ تلواریں لے کر پوری قوت کے ساتھ (مسلمانوں کے خلاف) بر سرِ پیکار ہوں گے۔

مسند احمد میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت کے الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذوالخویصرہ تمیمی کے

---

[1] – طبراني، سليمان بن أحمد بن أيوب اللخمي الشامي، المعجم الكبير ، المحقق: حمدي بن عبد المجيد السلفي ، مكتبة ابن تيمية القاهرة ، الطبعة الثانية ،167/2، حديث : 1685

مجمع الزوائد ، 231/6 ، رقم :10425

قتل سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

" دَعُوهُ، فَإِنَّهُ سَيَكُونُ لَهُ شِيعَةٌ يَتَعَمَّقُونَ فِي الدِّينِ ۔ ۔ ۔ "[1]

اسے چھوڑ دو یقینا اس کا ایک گروہ ہو گا جو دین میں بہت تکلف اور تشدد اختیار کریں گے

دور حاضر کے خارجی فکر رکھنے والے باغی بھی ظاہری لحاظ سے بڑے متقی و پرہیزگار اور پابند شریعت نظر آتے ہیں، مگر اپنی باطنی کیفیت، مسلم کش کارروائیوں اور ناحق قتل و غارت گری و دہشت گردی کے سبب اپنے پیش رو خوارج کا ہی پرتو ہیں۔ وہ بے شک قرآن مجید کی آیات پڑھتے ہیں مگر تحریف معنوی کرتے ہوئے کافروں کے بارے میں وارد ہونے والی آیات کا اطلاق مسلمانوں پر کرتے ہوئے اپنے نام نہاد تقوی کی بناء پر مسلمانوں کو کافر قرار دے کر ان کے قتل کو کار ثواب قرار دیتے ہیں۔ امام آجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"کسی شخص کے لئے مناسب نہیں ہے جو کسی خارجی کے اجتہاد کو دیکھتا ہے کہ اس نے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر کسی مسلم حاکم کے خلاف خروج کیا ہے، خواہ وہ عادل حکمران ہو یا ظالم۔ تو جو شخص حاکم کے خلاف خروج کرتا ہے، لوگوں کو اس کے خلاف اکٹھا کرتا ہے، اپنی تلوار نکال کر مسلمانوں سے لڑنے کو حلال سمجھتا ہے تو کسی دیکھنے والے شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اس کے قرآن پڑھنے سے دھوکہ کھائے، نماز میں اس کے لمبے قیام سے دھوکہ کھائے، اس کے مسلسل روزے رکھنے سے دھوکہ کھائے اور علم اور دین کے معاملے میں اس کے اچھے الفاظ سے دھوکہ کھائے جبکہ اس کا مذہب خارجیوں والا مذہب ہے۔"[2]

خوارج کی اکثریت کم عمر، بے وقوف ہوتی ہے

خوارج میں نوجوان طبقہ کے لوگ، کہ جن میں صغر سنی اور کم عقلی کی وجہ سے ابھی شعور کی پختگی نہیں آئی ہوتی، بکثرت ہوتے ہیں۔ کیونکہ ایسے کم عمر ناپختہ ذہنوں کی برین واشنگ کرنا اور انہیں دین، تقوی اور جہاد کے نام پر بہترین نعرے دے کر مسلمانوں کی قتل و غارت گری کے لیے استعمال کرنا نسبتا آسان ہوتا ہے۔ چنانچہ سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے ظالموں کا تذکرہ کرتے ہوئے انہیں قتل کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«سَيَخْرُجُ قَوْمٌ فِي آخِرِ الزَّمَانِ، أَحْدَاثُ الأَسْنَانِ، سُفَهَاءُ الأَحْلاَمِ، يَقُولُونَ مِنْ خَيْرِ

---

[1] ۔ مسند احمد ،614/11 ، رقم : 7038

[2] ۔ آجری ، أبو بكر محمد بن الحسين بن عبد الله البغدادي ، الشريعة ، المحقق: الدكتور عبد الله بن عمر بن سليمان الدميجي ، الناشر: دار الوطن الرياض / السعودية ، الطبعة الثانية، 1999 م ، 345/1

قَوْلِ البَرِيَّةِ، لاَ يُجَاوِزُ إِيمَانُهُمْ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ، كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، فَأَيْنَمَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ، فَإِنَّ فِي قَتْلِهِمْ أَجْرًا لِمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ القِيَامَةِ»[1]

عنقریب آخری زمانے میں ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو کم سن، عقل کے کچے اور بے وقوف ہوں گے۔ وہ مخلوق کی باتوں میں سے بہترین بات کہیں گے ،ان کا ایمان ان کے اپنے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے یوں خارج ہو جائیں گے جیسے تیر شکار سے خارج ہو جاتا ہے۔ پس تم انہیں جہاں کہیں ملو تو انہیں قتل کر دو کیونکہ ان کو قتل کرنے والوں کے لیے قیامت کے دن اجر ہو گا۔

ایک روایت میں ان کے اوصاف میں ان کی شدت پسندی اور تیزی و طراری کو بھی ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ مسلم بن ابی بکرہ رحمہ اللہ اپنے والد حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" أَلَا إِنَّهُ سَيَخْرُجُ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ أَشِدَّاءُ أَحِدَّاءُ، ذَلِقَةٌ أَلْسِنَتُهُمْ بِالْقُرْآنِ ، لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، أَلَا فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمْ فَأَنِيمُوهُمْ ، ثُمَّ إِذَا رَأَيْتُمُوهُمْ فَأَنِيمُوهُمْ ، فَالْمَأْجُورُ قَاتِلُهُمْ" [2]

خبر دار عنقریب میری امت میں ایسے لوگ نکلیں گے جو نہایت شدت پسند اور تیز طرار ہوں گے اور قرآن کو پڑھنے میں ان کی زبانیں بہت رواں ہوں گی لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ سو جب تم انہیں دیکھو تو انہیں قتل کر دو، پھر جب تم انہیں دیکھو تو انہیں قتل کر دو۔ یقیناً ان کے قاتل کو اجر و ثواب عطا کیا جائے گا۔

خوارج کا نعرہ بظاہر بہترین ہوتا ہے

شروع سے لے کر آج تک اگر دیکھا جائے تو خوارج کے نعروں جیسے "لاحکم الا للہ" یعنی اللہ تعالی کی حاکمیت کا قیام اور خلافت اسلامی کے احیاء سے اچھی بات کہاں ممکن ہے؟ چنانچہ جب حروریہ یعنی خوارج نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج یعنی مسلح جدوجہد کا آغاز کیا تو انہوں نے یہی نعرہ لگایا۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام عبید اللہ بن ابی رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت حروریہ یعنی خوارج نے خروج کیا، اس وقت وہ سیدنا علی بن ابی طالب

---

[1] – صحيح البخارى ، كتاب استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم ، باب قتل الخوارج والملحدين بعد إقامة الحجة عليهم، 16/9 ، رقم :6930 ـصحيح مسلم: 1066

[2] ـ مسند الإمام أحمد بن حنبل ، 97/34 ، رقم :20446 ، علامہ شعیب الارنووط کی رائے میں اس حدیث کی سند صحیح مسلم کی شرط پر قوی ہے۔ مستدرک حاکم ، 159/2 ، رقم : 2645 - السنن الكبرى للبيهقي، 324/8 ، رقم : 16780

رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، تو خوارج نے کہا: اللہ کے سوا کسی کا فیصلہ نہیں چلے گا، اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

" كَلِمَةُ حَقٍّ أُرِيدَ بِهَا بَاطِلٌ، إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَفَ نَاسًا، إِنِّي لَأَعْرِفُ صِفَتَهُمْ فِي هَؤُلَاءِ، يَقُولُونَ الْحَقَّ بِأَلْسِنَتِهِمْ لَا يَجُوزُ هَذَا، مِنْهُمْ، - وَأَشَارَ إِلَى حَلْقِهِ - مِنْ أَبْغَضِ خَلْقِ اللهِ إِلَيْهِ " [1]

بات تو حق ہے مگر اس سے مقصود باطل ہے۔ بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ لوگوں کے اوصاف بیان فرمائے تھے، میں اِن لوگوں میں ان کی نشانیاں بخوبی دیکھ رہا ہوں، آپ نے ارشاد فرمایا تھا: وہ اپنی زبانوں سے حق کی بات کہیں گے اور حق ان کی اس جگہ سے متجاوز نہیں ہوگا، یہ کہتے ہوئے آپ نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: یہ لوگ اللہ کی مخلوق میں مبغوض ترین ہیں۔

خوارج خود پسندی اور تکبر کا شکار ہوتے ہیں

اپنی کثرت عبادت و تلاوت کی وجہ سے خوارج اس فخر و غرور اور گھمنڈ میں مبتلا ہوتے ہیں کہ صرف وہی سچے اور مخلص مسلمان ہیں۔ وہ اکیلے ہی فی سبیل اللہ جہاد کر رہے ہیں، اور انہی کے پاس دین و شریعت کا صحیح فہم ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوارج کی عبادت میں محنت کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا:

" إِنَّ فِيكُمْ قَوْمًا يَعْبُدُونَ وَيَدْأَبُونَ، حَتَّى يُعْجَبَ بِهِمُ النَّاسُ، وَتُعْجِبَهُمْ نُفُوسُهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ "[2]

تم میں ایک قوم ایسی آئے گی جو عبادت کرے گی اور دیندار ہوگی، حتیٰ کہ لوگ ان کی کثرت عبادت پر تعجب کیا کریں گے اور وہ خود بھی خود پسندی میں مبتلا ہوں گے۔ وہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

اسی غرور، عجب اور خود پسندی نے انہیں اہل علم و حکمت پر دست درازی کرنے، ان کی توہین کرنے اور ان کی باتیں نہ ماننے پر مجبور کیا ہے۔ ان کے اولین شخص ذوالخویصرہ کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رویہ بھی اسی کردار کی غمازی کرتا ہے۔

---

[1] - صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج، 749/2، حدیث نمبر : 1066

[2] - مسند أحمد، 243/20، رقم الحدیث : 12884، محقق شعیب الأرنؤوط وغیرہ نے اس حدیث کی سند کو شرط شیخین پر صحیح قرار دیا ہے۔

مبحث سوم: خوارج کی علامات واوصاف دیگر مسلمانوں کے حوالہ سے

خوارج دیگر مسلمانوں سے الگ ایک سوچ، فکر اور منہج کے حامل ہوتے ہیں، نیکی کا شدید شوق اور عبادات میں مبالغہ کی حدوں کو پار کرتا ہوا ان کا شوق انہیں دیگر عام مسلمانوں کے معاملہ میں سخت قسم کا شدت پسند اور جنونی بنا دیتا ہے، جس کی وجہ سے ان کا عام مسلمانوں کے ساتھ رویہ انتہائی ناروا اور ترش بلکہ دشمنی پر مبنی قرار پاتا ہے۔ اس مبحث میں خوارج کے ان اوصاف کو زیر بحث لایا جائے گا کہ جن کا تعلق دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ہے۔

خوارج امت میں تفرقہ اور اختلاف کے وقت ظاہر ہوتے ہیں

کچھ احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے خوارج کو بدترین مخلوق قرار دینے کے ساتھ ان کا یہ وصف بھی بیان فرمایا کہ وہ امت میں تفرقہ اور اختلاف کے وقت ظاہر ہوں گے، باتیں بہت اچھی کریں گے، نعرے بڑے خوشنما لگائیں گے لیکن ان کے کرتوت انتہائی برے اور گھناونے ہوں گے۔ جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"«سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي اخْتِلَافٌ وَفُرْقَةٌ، قَوْمٌ يُحْسِنُونَ الْقِيلَ وَيُسِيئُونَ الْفِعْلَ، يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ، لَا يَرْجِعُونَ حَتَّى يَرْتَدَّ عَلَى فُوقِهِ، هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيقَةِ، طُوبَى لِمَنْ قَتَلَهُمْ وَقَتَلُوهُ، يَدْعُونَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ وَلَيْسُوا مِنْهُ فِي شَيْءٍ، مَنْ قَاتَلَهُمْ كَانَ أَوْلَى بِاللَّهِ مِنْهُمْ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا سِيمَاهُمْ؟ قَالَ: التَّحْلِيقُ»"[1]

عنقریب میری امت میں اختلاف اور تفرقہ رونما ہوگا، ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو اپنے دعوی اور نعرے میں بہت اچھے ہوں گے مگر اپنے طرز عمل اور روش میں نہایت برے ہوں گے، وہ قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن وہ ان کے حلقوں سے تجاوز نہیں کرے گا وہ دین سے یوں نکل جائیں گے جیسے تیر اپنے شکار سے نکل جاتا ہے دین میں تب تک واپس نہیں ہوں گے یہاں تک کہ تیر اپنے سوفار پر واپس لوٹ آئے۔ وہ ساری مخلوق میں بدترین لوگ ہوں گے، خوش خبری ہو اُسے جو انہیں قتل کرے اور اُسے بھی جسے وہ شہید کریں۔ وہ اللہ عزوجل کی کتاب کی طرف بلائیں گے لیکن اس کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ہوگا؛ جو ان سے لڑائی کرے گا، وہ ان کی نسبت اللہ تعالی کے زیادہ قریب ہوگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ان کی نشانی کیا ہے؟

---

[1] – سنن أبي داود، كتاب السنة، باب في قتل الخوارج، 143/7، حديث: 4765، اس حدیث کو علامہ شعیب الارنووط نے سنن ابی داوود کی تخریج میں جبکہ علامہ ناصر الدین البانی نے صحیح وضعیف سنن ابی داوود میں صحیح قرار دیا ہے۔

فرمایا: سر منڈانا۔

خوارج مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کمی نہیں کرتے

اللہ تعالیٰ نے اپنے صاحب ایمان بندوں کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ وہ اپنے علاوہ کسی کو رازدار بنائیں، انہیں اپنے بھیدوں سے آگاہ کریں اور انھیں وہ باتیں بتائیں جو انھوں نے اپنے دشمنوں سے چھپا رکھی ہوں، کیونکہ ایسے لوگوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ (118) هَاأَنْتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (119) إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ (120)﴾[1]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے سوا کسی کو دلی دوست نہ بناؤ، وہ تمہیں کسی طرح نقصان پہنچانے میں کمی نہیں کرتے، وہ ہر ایسی چیز کو پسند کرتے ہیں جس سے تم مصیبت میں پڑو۔ ان کی شدید دشمنی تو ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکی ہے اور جو کچھ ان کے سینے چھپا رہے ہیں وہ زیادہ بڑا ہے۔ بیشک ہم نے تمہارے لیے آیات کھول کر بیان کر دی ہیں، اگر تم سمجھتے ہو۔ دیکھو! تم وہ لوگ ہو کہ تم ان سے محبت رکھتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے اور تم ساری کتاب پر ایمان رکھتے ہو اور وہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تم پر غصے سے انگلیوں کی پوریں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔ کہہ دے اپنے غصے میں مر جاؤ، بیشک اللہ سینوں کی بات کو خوب جاننے والا ہے۔ اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انھیں بری لگتی ہے اور اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو اس پر خوش ہوتے ہیں اور اگر تم صبر کرو اور ڈرتے رہو تو ان کی خفیہ تدبیر تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچائے گی۔ بیشک اللہ، وہ جو کچھ کرتے ہیں، اس کا احاطہ کرنے والا ہے۔

ان آیات میں جن لوگوں کو دلی دوست بنانے سے منع کیا گیا ہے ان سے کون لوگ مراد ہیں؟ اکثر مفسرین نے ان

---

[1] - آل عمران3 :118-120

لوگوں سے یہود ونصاریٰ اور مشرکین کو مراد لیا ہے ۔ امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے ان آیات کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ **"هم الخوارج"** ان لوگوں سے مراد خوارج ہیں[1]۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن بصری اور مقاتل وغیرہم تابعین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد منافقین ہیں[2]۔ ابوالجوزاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان سے مراد خوارج کا ایک گروہ اباضیہ ہیں[3]۔ اور اگر عملی پہلو سے دیکھا جائے تو خوارج کی نشانیوں میں سے یہ نشانی تو بہت معروف ہے کہ وہ مسلمانوں کی عمومی جماعت سے کٹ کر رہتے ہیں، ہر وقت انہیں اور ان کے حکمران کو اپنی زبان اور ہاتھ سے نقصان پہنچانے کی سوچتے رہتے ہیں، عام مسلمان بظاہر ان کی دینداری اور عبادت گزاری کو دیکھ کر ان سے محبت کرتے ہیں لیکن وہ ان مسلمانوں سے قطعی طور پر محبت نہیں کرتے بلکہ ان کی چھوٹی موٹی غلطیوں، خطاؤں کو بنیاد بنا کر ان پر کفر و شرک کے فتوے لگاتے رہتے ہیں اور جہاد کے نام پر انہی کے قتل تک کا ارتکاب کر جاتے ہیں۔ مزید برآں مسلمانوں کو کوئی خوشی کی خبر ملے تو انہیں تکلیف ہوتی ہے اور اگر مسلمانوں کو تکلیف پہنچے تو انہیں راحت محسوس ہوتی ہے۔

خوارج مسلمانوں کو قتل کرتے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیتے ہیں

خوارج ہمیشہ مسلمانوں کے درمیان نہ صرف تفریق ڈالتے ہیں، بلکہ کلمہ پڑھنے والے مسلمانوں پر کفر وارتداد کا حکم لگا کر انہیں قتل کرنے میں کوئی عار نہیں سمجھتے، کسی بھی مسلمان کو اس کے کسی کبیرہ گناہ پر کافر و مرتد قرار دینا ان کے نزدیک کوئی مشکل کام نہیں ہے حالانکہ وہ لاالہ الا اللہ کا اقرار کر رہا ہوتا ہے۔ اور پھر اس پر مستزاد ان کا یہ کہنا ہوتا ہے کہ جہاد کرتے ہوئے پہلے ہم مرتدوں کے خلاف لڑیں گے اور اس کے بعد کافروں کے خلاف لڑیں گے، یعنی کلمہ گو مسلمان، جو ان کے خیال میں مرتد ہو چکے ہیں، کے خلاف لڑنا ان کے نزدیک اولین حیثیت رکھتا ہے۔ یوں کلمہ گو مسلمان تو ان کے ہاتھوں قتل ہوتے رہتے ہیں جبکہ کافر ان سے عافیت میں رہتے ہیں اسی حقیقت کو رسول اللہ ﷺ نے صدیوں قبل ہی واضح فرمادیا تھا، جیسا کہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ذوالخویصرہ تمیمی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس کے قتل سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ مِنْ ضِئْضِئِ هَذَا، قَوْمًا يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ، لاَ يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الإِسْلاَمِ

---

[1] – ابن ابی حاتم ، أبو محمد عبد الرحمن بن محمد التميمي الحنظلي الرازي ، تفسير القرآن العظيم ، المحقق: أسعد محمد الطيب ، الناشر: مكتبة نزار مصطفى الباز السعودية ، الطبعة الثالثة – 1419 هـ ، 742/3۔ نیز دیکھیے : تفسير القرطبي، 4/ 179 و تفسیر ثعلبی ،133/3

[2] – تفسير ابن ابی حاتم ،742/3-743

[3] – تفسير القرآن العظيم لابن أبي حاتم ، 745/3

مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ، يَقْتُلُونَ أَهْلَ الإِسْلاَمِ، وَيَدَعُونَ أَهْلَ الأَوْثَانِ، لَئِنْ أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ»[1]

اس شخص کی اصل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے، لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار میں سے پار نکل جاتا ہے۔ وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔ اگر میں نے ان کا دور پایا تو انہیں قوم عاد کی طرح نیست و نابود کر دوں گا۔

مسلم حکام اور ان کے اعمال و عمال پر طعن و تشنیع کرنا خوارج کا معمول ہے

خوارج اپنی نیکی، تقوی اور للٰہیت کے گھمنڈ میں مسلم حکمرانوں اور ان کے اعمال و عمال پر طعن و تشنیع کرتے رہتے ہیں اور ان کے متعلق ظالم اور گمراہ ہونے کا دعوی کرتے ہیں جیسے ان کے جد امجد ذوالخویصرہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا، جبکہ آپ غنیمتیں تقسیم فرما رہے تھے، کہنے لگا: اے محمد ﷺ عدل کیجیے کہ آپ نے عدل نہیں کیا۔ اسی وجہ سے علماء نے اس شخص کو خوارج کا اولین قرار دیا ہے۔ خوارج عمومی مجالس میں عوام کے سامنے ان کے حکمرانوں پر طعن کرتے ہیں تاکہ لوگ ان سے بدظن ہو کر ان کے خلاف خروج کریں اور یہ وہی طریقہ ہے کہ جس کی خوارج کے استاد عبداللہ بن سبا یہودی نے اپنے ان کارندوں کو نصیحت کی تھی جنہوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کرنے اور ان کو شہید کرنے کی راہ ہموار کی تھی۔ اس کا طریق واردات یہ تھا کہ وہ نصیحت، خیر خواہی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لبادے میں مسلم امراء و عمال کے خلاف طعن و تشنیع اور غیبت کی مجلسیں گرم کرتا تھا۔ اصلاح کے نام پر لوگوں کے سامنے عمال و حکام کی غلطیوں، کوتاہیوں اور مظالم کو پیش کرتا اور یوں لوگوں کے سینوں میں انکے بارے میں احتقار، نفرت اور عداوت کے جذبات بھڑکاتا۔ چھوٹے درجے کے امراء سے لیکر اس طرح کرتے کرتے اس نے امیر المومنین، خلیفہ راشد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خلاف اس قدر مظبوط بغاوت برپا کر دی کہ اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مظلومانہ شہید کر دیے گئے۔ وہ اپنے نمائندوں کو اس حوالے سے جو ہدایات جاری کرتے ہوئے یہ وصیت کرتا تھا:

" وابدءوا بالطعن على أمرائكم، وأظهروا الأمر بالمعروف، والنهي عن المنكر، تستميلوا الناس، وادعوهم إلى هذا الأمر -"[2]

تم اپنے حکام کے خلاف طعن و تشنیع سے ابتداء کرو، اور لوگوں کے سامنے امر بالمعروف اور

---

[1] - صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالی : ﴿تعرج الملائكة والروح إليه﴾، 127/9، حدیث : 7432 صحیح مسلم: 1064

[2] - تاريخ الطبري ، 341/4 ـ الفتنة ووقعة الجمل ، ص :49 - الكامل في التاريخ ،526/2

نہی عن المنکر کا عزم، ارادہ اور نیت ظاہر کرو،اس کے ساتھ تم لوگوں کو اپنی طرف مائل کر لوگے،اور پھر ان لوگوں کو ان حکمرانوں کے خلاف بغاوت کی طرف بلاو۔

شروع سے لے کر آج تک ہمیشہ یہ خوارج کی عادت رہی ہے،آپ دیکھیں گے کہ خارجی دماغ یا سوچ رکھنے والے لوگ اپنی ہر مجلس میں اپنی اصلاح پر بات کرنے کی بجائے امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور کلمہ حق بلند کرنے کا نام لے کر اپنے حکام پر طعن و تشنیع اور ان کی ہر بات میں کیڑے نکالنے کی کوشش کرتے رہیں گے اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی عوام کو ان کے حکمرانوں سے اس قدر بدظن کر دیا جائے کہ عوام اپنے حکام کے آمنے سامنے ہو جائیں، مسلم ریاست کا امن وامان برباد ہو جائے اور صرف وہی نیک، پاک طینت اور پارسا قرار پائیں۔

خوارج کلمہ گو گنہگار حکمران کی حکومت گرانے کی کوشش میں رہتے ہیں

خوارج کے نزدیک کسی بھی ظالم یا فاسق مسلم حاکم کی حکومت برداشت کرنا جائز نہیں ہے۔ وہ مسلم حکمرانوں کے خلاف حاکمیت الٰہیہ کے نام پر خوب طعنہ زنی کرتے ہیں اور ان پر گمراہی وضلالت کا فتوی لگاتے ہوئے ان کے ساتھ جہاد تو دور کی بات، جمعہ اور عیدین وغیرہ کی نمازوں تک میں شریک نہیں ہوتے۔ان کے نزدیک ایسے حاکم کے ظلم پر آواز بلند کرتے ہوئے اس کے خلاف بغاوت برپا کرنا واجب ہے،اسی لیے وہ مسلم حکام،ان کی افواج، ملازمین اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے خلاف لڑنا جائز نہیں بلکہ جہاد فی سبیل اللہ کے درجہ میں فرض قرار دیتے ہیں۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے بہت سی احادیث[1] میں حکام کے ظلم وجور پر صبر کرنے اور بہر صورت مسلم ریاست کے امن اور سالمیت کو ترجیح دیتے ہوئے اس کے خلاف بغاوت نہ کرنے اور ہتھیار نہ اٹھانے کا حکم دیا ہے۔

خوارج اپنی رائے کے مخالفین کا قتل جائز سمجھتے ہیں

خوارج کی علامات میں ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ اپنی رائے کے مخالفین کو کافر قرار دیتے ہوئے ان کا قتل جائز سمجھتے ہیں جیسا کہ امام سفارینی رحمہ اللہ نے خوارج کے فرقہ ازارقہ کے سرغنہ نافع بن عبداللہ الازرق خارجی کی آراء نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

" ومنها أنه كفر من لم يقل برأيه، واستحل دمه "[2]

وہ ہر اس شخص کو کافر قرار دیتا تھا جو اس کی رائے کا اقرار نہیں کرتا تھا اور اس کے قتل کو حلال سمجھتا تھا۔

---

[1]-ان احادیث کو ملاحظہ کرنے کے لیے اس مقالہ کے باب اول کی فصل چہارم کا مطالعہ فرمائیں۔

[2] -السفارينى ، شمس الدين أبو العون محمد بن أحمد الحنبلي ،لوامع الأنوار البهية وسواطع الاسرار الاثرية لشرح الدرة المضية في عقد الفرقة المرضية ، الناشر: مؤسسة الخافقين ومكتبتها - دمشق، الطبعة الثانية - 1982 ء، 87/1

اسلامی تاریخ ان کی اس قسم کی وحشیانہ و ظالمانہ حرکتوں سے بھری پڑی ہے۔ اپنے ابتدائی دور میں انہوں نے معروف صحابی حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ بن خباب رحمہ اللہ کو پکڑ لیا، کہنے لگے: آپ کون ہیں؟ انہوں نے کہا میں صحابی رسول حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کا بیٹا عبداللہ ہوں۔ کہنے لگے کہ ہم نے آپ کو پریشان کیا ہے تو اب پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ ہمیں کوئی حدیث سنایئے جو آپ کے والد صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہو، انہوں نے حدیث سنائی۔ پھر کہنے لگے: آپ ابو بکر اور عمر رضی اللہ تعالی عنہما کے بارے میں کیا کہتے ہیں انہوں نے ان دونوں کی تعریف کی۔ کہنے لگے: آپ عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے شروع میں اور خلافت کے آخری وقت میں ان کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ وہ اپنی خلافت کے شروع میں بھی حق پر تھے اور اپنی خلافت کے آخر میں بھی حق پر تھے۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ آپ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ قضیہ تحکیم سے پہلے وہ کیسے تھے اور بعد میں وہ کیسے تھے؟ انہوں نے کہا کہ وہ تم سب سے زیادہ اللہ تعالی کے متعلق علم رکھنے والے ہیں اور تم سے زیادہ اپنے دین کے معاملے میں احتیاط کرنے والے اور تم سے زیادہ بصیرت والے ہیں۔

جب ان خارجیوں نے دیکھا کہ ان کا موقف مسترد کیا جا رہا ہے تو کہنے لگے: تم تو اپنی خواہش کی پیروی کرتے ہو، اللہ کی قسم! ہم تجھے اس طرح قتل کریں گے جیسا قتل کبھی کسی نے نہ کیا ہو۔ پھر انہیں پکڑ کر باندھ لیا، اور انہیں اور ان کی بیوی، جو کہ پورے وقت کی حاملہ تھی، کو لے کر چل پڑے۔ راستہ میں ایک کھجور کے درخت کے نیچے آ کے بیٹھے تو اوپر سے کھجور گر پڑی تو ان میں سے ایک نے اسے پکڑ کر اپنے منہ میں ڈال لیا، اس پر دوسرا کہنے لگا: کھجور کی قیمت دیے بغیر اور مالک کی اجازت کے بغیر منہ میں ڈال رہے ہو؟ تو اس نے منہ سے کھجور نکال کر پھینک دی، پھر اپنی تلوار پکڑی اور اس کے ساتھ اپنا دایاں ہاتھ کاٹ دیا جس کے ساتھ کھجور کو منہ میں ڈالا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کسی ذمی کا کوئی خنزیر وہاں سے گزرا تو ایک نے اپنی تلوار کے ساتھ اسے مارا تو دوسرے کہنے لگے یہ تو زمین میں فساد ہے۔ پھر وہ اس خنزیر کے مالک کے پاس آئے اور اس کو راضی کیا۔ جب ابن خباب رحمہ اللہ نے ان کا یہ رویہ دیکھا تو کہنے لگے: اگر تم سچے ہو تو پھر مجھے کوئی ڈر خطرہ نہیں، کہ میں مسلمان ہوں، میں نے کوئی قصور نہیں کیا اور تم نے مجھے امان بھی دی ہے، لیکن وہ انہیں آگے لائے اور لٹا کر ذبح کر دیا۔ پھر ان کی بیوی کی طرف آئے تو اس نے کہا: میں تو ایک عورت ہوں، کیا تم اللہ تعالی سے نہیں ڈرتے؟ تو انہوں نے اس کا پیٹ پھاڑ کر اسے بھی قتل کر دیا۔[1]

ایک صحابی کے بیٹے ایک تابعی کا قتل ان خوارج کے نزدیک کوئی اہمیت نہ رکھتا تھا کیونکہ وہ تابعی حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما کے معاملہ میں ان سے مختلف رائے رکھتا تھا۔ لیکن بقیہ معاملات میں ان خوارج کے زہد و تقوی میں

---

[1] - تاريخ الطبري، 82/5 ـ الكامل في التاريخ لابن الأثير ، 691/2

تشدد و تعمق اور احتیاط کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ درخت سے گری کھجور منہ میں ڈال لینے پر جب اسے ٹوکا گیا تو اس نے نہ صرف منہ سے کھجور نکال پھینکی بلکہ اپنا ہاتھ بھی کاٹ دیا۔ غیر مسلم کے چرتے خنزیر کو مارنے پر نہ صرف ندامت ظاہر کی بلکہ اس کے مالک کے پاس جا کر اس سے معافی بھی مانگی۔

خوارج کفار کے متعلق نازل شدہ آیات مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں

خوارج کی عادات وعلامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ مسلمانوں کو قتل کرنے اور ان کے حکام کو کافر قرار دینے کے لیے ان آیات سے استدلال کرتے ہیں جو کفار کے متعلق نازل ہوئی ہیں جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ وہ خوارج کو "شرار خلق الله "یعنی اللہ کی مخلوق میں سے بد ترین مخلوق سمجھتے تھے اور ان کے متعلق فرماتے تھے:

«إنهم انطلقوا إلى آيات نزلت في الكفار، فجعلوها على المؤمنين» [1]

وہ ایسی آیات کو ایمان والوں کے خلاف دلیل بناتے ہیں جو کفار کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔

خوارج اپنی رائے کے خلاف کسی بڑے چھوٹے کی کوئی تمیز نہیں کرتے

خوارج اپنی رائے، موقف یا نظریے کے خلاف کوئی بات سننا پسند نہیں کرتے اور اس سلسلہ میں ان کے ہاں کسی بڑے چھوٹے کی کوئی تمیز نہیں پائی جاتی۔ آپ دیکھ لیں کہ ذوالخویصرہ نے رسول اللہ ﷺ کی تقسیم، جو اس کے خیال باطل میں غلط تھی، پر تنقید کرنے میں ذرہ دیر نہیں لگائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر نہ صرف اعتراضات کی بھرمار کر دی بلکہ مسلح بغاوت کرتے ہوئے انہیں مظلومانہ شہید کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ پر نہ صرف کفر کے فتوے لگائے بلکہ ان کے خلاف مسلح لڑائیاں لڑیں اور کتنے ہی جلیل القدر صحابہ کو ناحق شہید کر دیا۔

یہ اپنی رائے منوانے کے معاملہ میں اس قدر ضدی، ہٹ دھرم اور جھگڑالو ہوتے ہیں کہ وہی شخص جسے یہ اپنا استاد، شیخ اور محترم گردان رہے ہوتے ہیں، اگر ان کی من مرضی کا موقف دینے سے انکار کر دے تو اگلے ہی لمحے یہ اس کی ذلت آمیز توہین کر رہے ہوتے ہیں چنانچہ جب ابن الاشعث نے حجاج بن یوسف کے خلاف خروج کرتے ہوئے لڑائی کی تو اس کے ساتھی معروف تابعی امام حسن بصری رحمہ اللہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: ابو سعید! آپ اس ظالم شخص کے متعلق، جس نے حرمت والی جانوں کو قتل کیا ہے، لوگوں کے اموال حرام طریقے سے چھین لیے ہیں اور فلاں فلاں ظلم کیا ہے، کیا فرماتے ہیں؟ اس پر حسن بصری رحمہ اللہ فرمانے لگے: میرا خیال ہے کہ تم اس سے نہ

---

[1] -صحيح بخاري، كتاب استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم ، باب قتل الخوارج والملحدين بعد إقامة الحجة عليهم ،16/9

لڑو، کیوں کہ اگر تو یہ اللہ تعالی کی طرف سے تم پر سزا کے طور پر مسلط ہے تو تم اپنی تلواروں کے ساتھ اللہ کی سزا کو واپس نہیں کر سکتے اور اگر یہ تم پر آزمائش ہے تو اس آزمائش پر صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالی خود فیصلہ فرمادے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ اس پر یہ خارجی لوگ وہاں سے نکلے اور وقت کے امام حسن بصری رحمہ اللہ کے متعلق توہین آمیز انداز میں کہہ رہے تھے کہ ہم اس گدھے کی بات مانیں؟ کیا ہم اس کی پیروی کریں جو ہمارے آزاد کردہ غلاموں کی اولاد ہے؟[1]

اسی طرح اگر دیکھیں تو خارجی فکر کے حاملین کا اس دور کے بڑے بڑے علماء، مشائخ اور شیوخ الحدیث کے ساتھ یہی رویہ ہے۔ انہیں درباری ملاں، فقہ الواقع سے بے خبر، کفار کے ایجنٹ اور کافر و مرتد جیسے القاب سے نوازا جاتا ہے جبکہ ان کا جرم صرف اور صرف یہ ہے کہ وہ ان کے ظلم و تشدد اور مسلم ریاستوں و حکام کے خلاف بغاوت میں ان کا ساتھ دینے کی بجائے مسلمانوں کی اجتماعیت کو بچانے اور امت میں تکفیر و تفجیر اور فتنہ و فساد ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

خوارج دجال کے زمانے تک وقتاً فوقتاً نکلتے رہیں گے

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ احادیث نبویہ کے مصداق جو خوارج ہیں وہ سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے دور میں ظاہر ہوئے تھے اور انہی کے دور میں انہی کے ہاتھوں ان کا خاتمہ کر دیا گیا تھا۔ اب کسی بھی خروج کرنے والے فریق کو خوارج قرار دے کر ان احادیث کو اس پر چسپاں نہیں کیا جا سکتا لیکن ان کی یہ سوچ بالکل باطل اور بے اصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تصریح فرمادی ہے کہ خوارج قیامت تک ہر دور میں نکلتے رہیں گے حتی کہ ان کا آخری گروہ دجال کے زمانے میں ظاہر ہو گا جو اس کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو قتل کرے گا۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"يَنْشَأُ نَشْءٌ يَقْرَؤُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، كُلَّمَا خَرَجَ قَرْنٌ قُطِعَ" -قَالَ ابْنِ عُمَرَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "كُلَّمَا خَرَجَ قَرْنٌ قُطِعَ أَكْثَرَ مِنْ عِشْرِينَ مَرَّةً "حَتَّى يَخْرُجَ فِي عِرَاضِهِمْ الدَّجَّالُ"[2]

ایک جماعت پیدا ہو گی جو قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن وہ ان کے حلقوں سے تجاوز نہیں کرے

---

[1] -ا بن سعد ، محمد بن سعد بن منيع الزهري ،الطبقات الكبير ، المحقق: علي محمد عمر ، الناشر: مكتبة الخانجي ، القاهرة ،الطبعة الأولى، 2001 م ، 164/9

[2] – سنن ابن ماجه، ابواب السنة ، باب فی ذکر الخوارج ، 120/1، حدیث : 174 ، **علامہ شعیب الارنووط اور علامہ ناصر الدین البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھیے:** سلسلة الأحاديث الصحيحة ، 582/5 ،حديث: 2454

گا جب بھی ان میں سے کوئی گروہ ظاہر ہوگا، کاٹ دیا جائے گا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات بیس سے زیادہ مرتبہ سنی ہے کہ جب بھی ان میں سے کوئی گروہ ظاہر ہوگا، کاٹ دیا جائے گا، یہاں تک کہ ان میں سے دجال ظاہر ہوگا۔

قرآن وسنت کے مطالعہ اور علمائے امت کی بیان کردہ تصریحات سے خوارج کی جو تعریف اور پہچان واضح ہوتی ہے، اس کا سادہ الفاظ میں خلاصہ درج ذیل ہے:

- خوارج قرآن مجید کی محکم آیات کو چھوڑ کر متشابہ آیات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور اپنی فتنہ انگیزی کو شرعی رنگ دینے کے لیے قرآن مجید کی محکم آیات اور رسول کریم ﷺ کی واضح تعلیمات کے خلاف متشابہہ آیات سے اپنی مرضی کا مطلب و معنی اخذ کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔
- خوارج مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کمی نہیں کرتے۔ وہ مسلمانوں کی عمومی جماعت سے کٹ کر رہتے ہیں، ہر وقت انہیں اور ان کے حکام وامراء کو اپنی زبان اور ہاتھ سے نقصان پہنچانے کی سوچتے رہتے ہیں۔
- خوارج جس قدر مرضی ظلم وستم کر لیں، کلمہ پڑھنے والے گنہگار مسلمانوں کا ناحق قتل عام ہی کیوں نہ کر لیں لیکن وہ ہمیشہ اپنے آپ کو ہی درست قرار دیتے ہیں اور اپنے متعلق یہی گمان کرتے ہیں کہ وہ بہت نیک عمل کر رہے ہیں۔
- خوارج دیکھنے میں بہت نیک، متقی اور شریعت کی پابندی میں تکلف اور تشدد اختیار کرنے والے ہوتے ہیں۔
- خوارج کی اکثریت کم عمر، بے وقوف، نہایت شدت پسند اور تیز طرار ہوتی ہے جبکہ ان کا نعرہ ظاہری طور پر بہترین ہوتا ہے۔
- قرآن مجید کو پڑھنے میں بظاہر ان کی زبانیں بہت رواں ہوتی ہیں لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتا، یعنی ان کے دلوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔
- خوارج یہ سمجھ کر قرآن پڑھتے ہیں کہ اس کے احکام اور آیات ان کے حق میں ہیں، لیکن درحقیقت وہ قرآن ان کے خلاف حجت ہوتا ہے۔
- وہ لوگوں کو کتاب اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں، جبکہ دراصل ان کا قرآن کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔
- خوارج امت میں تفرقہ اور اختلاف کے وقت ظاہر ہوتے ہیں، اور ان کی دعوت اس وقت زیادہ پھلتی پھولتی ہے۔
- خوارج باتیں بہت اچھی کرتے ہیں، نعرے بڑے خوشنما لگاتے ہیں لیکن ان کے کرتوت مجموعی طور پر امت کے حق میں انتہائی برے اور گھناونے ہوتے ہیں۔

- وہ مسلم حکمرانوں کے خلاف حاکمیت الٰہیہ کے نام پر خوب طعنہ زنی کرتے ہیں اور ان پر گمراہی و ضلالت کا فتویٰ لگاتے ہوئے ان کے ساتھ جمعہ اور عیدین وغیرہ کی نمازوں اور اجتماعات میں شریک نہیں ہوتے۔
- خوارج اصحاب کبائر کو ان کے کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے کافر قرار دیتے ہیں، ان کے ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنے کا دعوی کرتے اور مسلم حکام کی اطاعت کرنے والے عام مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کو حلال سمجھتے ہیں۔
- خوارج قیامت تک ہر دور میں نکلتے رہیں گے حتی کہ ان کا آخری گروہ دجال کے زمانے میں ظاہر ہوگا جو اس کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو قتل کرے گا۔

فصل دوم: خوارج کی تاریخ

مبحث اول: خارجی فکر زمانہ نبوت سے عہد عثمانی کے اختتام تک

مبحث دوم: خوارج سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں

مبحث سوم: خوارج خلافت راشدہ کے بعد سے عہد حاضر تک

فصل دوم: خوارج کی تاریخ

خوارج کی تاریخ کہاں سے شروع ہوتی ہے، اس ضمن میں علمائے امت کی آراء مختلف ہیں۔ کچھ علماء کرام کے خیال میں خارجیوں کی ابتداء خوارج کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج سے ہوئی جبکہ کچھ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی خوارج کی ابتداء ہوگئی تھی۔ یہ علماء بنو تمیم قبیلہ کے ذوالخویصرہ کو خارجیوں کا پہلا آدمی شمار کرتے ہیں، جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس سونے کی تقسیم کی بارے میں اعتراض کیا تھا جسے سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے یمن سے اپنی گورنری کے زمانہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف مدینہ منورہ روانہ کیا تھا۔ ذوالخویصرہ کو خوارج کا پہلا شخص قرار دینے والوں میں علامہ ابن الجوزی، امام ابن حزم اور علامہ شہرستانی رحمہم اللہ شامل ہیں۔ جبکہ حافظ ابن کثیر اور امام طحاوی حنفی رحمہما اللہ سمیت بعض علماء کی رائے میں خارجیوں کے فتنے کا آغاز سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خلاف ان کے خروج سے ہوا تھا۔[1]

میرے خیال میں فکر خوارج کا آغاز اور اظہار تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں آپ کے سامنے ذوالخویصرہ کی گستاخی سے ہی ہو گیا تھا، پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت اور بلوہ میں خوارج کا عملی چہرہ کھل کر واضح ہو گیا جبکہ خوارج کا ظہور ایک سیاسی وکلامی فرقہ کی صورت اور اپنے معروف معنی میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف قضیہ تحکیم کے بعد خروج کرنے والوں کی شکل میں ہوا۔ خوارج اس وقت ایک بہت بڑے سیاسی گروہ کی صورت میں ایک جماعت تھے کہ جن کا ایک سیاسی رخ، خاص آراء اور نظریات تھے۔

مبحث اول: خارجی فکر زمانہ نبوت سے عہد عثمانی کے اختتام تک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں خارجی فکر کے آغاز کے متعلق جو روایات ملتی ہیں، ان میں سے ایک سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حنین سے واپسی کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جعرانہ میں ٹھہرے تھے جبکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں چاندی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے مٹھی بھر بھر کے لوگوں میں تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"يَا مُحَمَّدُ، اعْدِلْ، قَالَ: وَيْلَكَ وَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ أَكُنْ أَعْدِلُ؟ لَقَدْ خِبْتَ وَخَسِرْتَ إِنْ لَمْ أَكُنْ أَعْدِلُ، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: دَعْنِي، يَا رَسُولَ اللهِ فَأَقْتُلَ هَذَا الْمُنَافِقَ، فَقَالَ: مَعَاذَ اللهِ، أَنْ يَتَحَدَّثَ النَّاسُ أَنِّي أَقْتُلُ أَصْحَابِي، إِنَّ هَذَا وَأَصْحَابَهُ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ، لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنْهُ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ

---

[1]۔ دیکھیے: عواجی، د. غالب بن علي ، الخوارج – تاريخهم وآراءهم الاعتقادية وموقف الاسلام منها ، رسالة ماجستير، جامعة الملک عبد العزيز، 1398ھ-1399ھ ، ص :21

الرَّمِيَّةِ»"[1]

اے محمد! عدل کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرے لئے ویل ہو، اگر میں عدل نہیں کر رہا تو عدل کون کرے گا؟ اگر میں عدل نہیں کر رہا تو تو ناکام ہو گیا اور خسارے میں پڑ گیا۔ اس پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کو قتل کر دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس بات سے اللہ کی پناہ کہ لوگ کہیں کہ میں اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہوں۔ یقیناً یہ شخص اور اس کے ساتھی قرآن پڑھیں گے، وہ ان کے حلق سے آگے نہیں بڑھے گا، یہ لوگ اس طرح اس دین سے نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

اس واقعہ کی تفصیل سے واضح ہو رہا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ حنین سے واپسی پر 8 ہجری میں پیش آیا، جبکہ رسول اللہ ﷺ کچھ چاندی عام لوگوں میں تقسیم فرما رہے تھے۔ دوسرا واقعہ حجۃ الوداع سے قبل تب پیش آیا جب یمن سے سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بیری کے پتوں سے دباغت دیئے ہوئے چمڑے کے ایک تھیلے میں سونے کے چند ڈلے بھیجے، جن سے ابھی تک کان کی مٹی بھی صاف نہیں کی گئی تھی تو نبی کریم ﷺ نے وہ سونا چار آدمیوں، عیینہ بن بدر، اقرع بن حابس، زید بن خیل رضی اللہ عنہم اور چوتھے علقمہ رضی اللہ عنہ تھے یا عامر بن طفیل رضی اللہ عنہ میں تقسیم فرما دیا۔ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ کے اصحاب میں سے ایک صاحب نے اس پر کہا کہ ان لوگوں سے زیادہ ہم اس کے مستحق تھے۔ جب یہ بات نبی کریم ﷺ تک پہنچی تو آپ نے ارشاد فرمایا: کیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے حالانکہ میں اس ہستی کے ہاں امین ہوں جو آسمان پر ہے؟ میرے پاس آسمان کی خبر صبح و شام آتی ہے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پھر ایک ایسا شخص کھڑا ہوا جس کی آنکھیں دھنسی ہوئی تھیں، دونوں رخسار پھولے ہوئے تھے، پیشانی ابھری ہوئی تھی، داڑھی گھنی، سر منڈا ہوا تھا اور تہبند اٹھائے ہوئے تھا، کہنے لگا:

" يَا رَسُولَ اللَّهِ ، اتَّقِ اللَّهَ ، قَالَ : وَيْلَكَ ، أَوَلَسْتُ أَحَقَّ أَهْلِ الْأَرْضِ أَنْ يَتَّقِيَ اللَّهَ ، قَالَ: ثُمَّ وَلَّى الرَّجُلُ ، قَالَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ، أَلَا أَضْرِبُ عُنُقَهُ ؟ قَالَ:لَا ، لَعَلَّهُ أَنْ يَكُونَ يُصَلِّي ، فَقَالَ خَالِدٌ : وَكَمْ مِنْ مُصَلٍّ يَقُولُ بِلِسَانِهِ مَا لَيْسَ فِي قَلْبِهِ ؟ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : إِنِّي لَمْ أُومَرْ أَنْ أَنْقُبَ عَنْ قُلُوبِ النَّاسِ، وَلَا أَشُقَّ بُطُونَهُمْ، قَالَ : ثُمَّ نَظَرَ إِلَيْهِ وَهُوَ مُقَفٍّ، فَقَالَ : إِنَّهُ يَخْرُجُ مِنْ ضِئْضِئِ هَذَا قَوْمٌ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ رَطْبًا لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ ،

[1] -صحیح مسلم، كِتَاب الزَّكَاةِ ، بَابُ ذِكْرِ الْخَوَارِجِ وَصِفَاتِهِمْ ، 740/2،حدیث : 1063

وَأَظُنُّهُ قَالَ : لَئِنْ أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ ثَمُودَ "[1]

یارسول اللہ! اللہ سے ڈریئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: افسوس تجھ پر، کیا میں اس روئے زمین پر اللہ سے ڈرنے کا سب سے زیادہ مستحق نہیں ہوں؟ راوی نے بیان کیا پھر وہ شخص واپس چلا گیا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں کیوں نہ اس شخص کی گردن مار دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، شاید وہ نماز پڑھتا ہو۔ اس پر خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ بہت سے نماز پڑھنے والے ایسے ہیں جو زبان سے وہ دعویٰ کرتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس بات کا حکم نہیں ہوا ہے کہ لوگوں کے دلوں کا کھوج لگاؤں اور نہ اس کا حکم ہوا ہے کہ ان کے پیٹ چاک کروں۔ پھر نبی کریم ﷺ نے اس (منافق) کی طرف دیکھا تو وہ پیٹھ پھیر کر جارہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی نسل سے ایک ایسی قوم نکلے گی جو کتاب اللہ کی تلاوت بڑی خوش الحانی کے ساتھ کرے گی لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ دین سے وہ لوگ اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کیے جانور کے پار نکل جاتا ہے اور میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر میں ان کے دور میں ہوا تو ثمود کی قوم کی طرح ان کو لازما قتل کر ڈالوں گا۔

صحیحین کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بدبخت شخص بنو تمیم قبیلہ کا ذوالخویصرہ تھا جس کا نام عبداللہ بن ذی الخویصرہ بیان کیا جاتا ہے۔

خوارج عہد عثمانی میں

خوارج کے اوصاف وعلامات میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ وہ بزعم خود تقویٰ کی بنیاد پر نبی کریم ﷺ کے معزز اصحاب سمیت امت کے کبار اور معزز ترین لوگوں کو بھی حقیر اور فاسق وفاجر قرار دے کر قتل کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ خوارج نے بہت سے اصحاب رسول کو قتل کیا ہے جن میں سے چار صحابی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں کہ جنہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی مجلس میں جنت کی بشارت دی ہے۔ اصحاب رسول میں سے خوارج کے ہاتھوں سب سے پہلے شہید ہونے والے صحابی امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہیں۔

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سابقین اولین اور عشرہ مبشرہ میں سے ایک، مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ راشد، دوہرے داماد رسول، دوہرے مہاجر، کاتب وحی اور ناشر قرآن تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جہاں ان کو جنت کی کئی بار

---

[1] -صحيح البخارى ، كتاب المغازي ، باب بعث علي بن أبي طالب عليه السلام، وخالد بن الوليد رضي الله عنه، إلى اليمن قبل حجة الوداع ، 163/5، حديث:4351 ۔ صحيح مسلم : 1063

بشارت دی ہے وہیں آپ ﷺ نے ان کے متعلق شہادت کی پیش گوئی بھی فرمادی تھی۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہی جمع قرآن کا سلسلہ پایہ تکمیل کو پہنچا، مسجد حرام اور مسجد نبوی کی توسیع ہوئی، قفقاز، خراسان، کرمان، سیستان، افریقہ، قبرص اور بہت سے علاقے فتح ہو کر اسلامی قلمرو میں شامل ہوئے۔ نیز اسی مبارک دور میں اسلامی ممالک کے ساحلوں کو دشمنوں کے وار سے محفوظ رکھنے کے لیے پہلی مرتبہ مسلم بحری فوج بھی تشکیل دی گئی۔ لیکن خوارج کے اولین لوگوں نے جناب عثمان رضی اللہ عنہ کی ان ساری خدمات و مناقب کو پس پشت ڈالتے ہوئے انہیں چالیس دن بے جا محبوس و مقید رکھنے کے بعد مظلومانہ شہید کر دیا۔

اس سارے قضیہ میں خارجی ذہنیت کے حامل فسادیوں نے امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے فیصلوں، تقرریوں اور اجتہادی آراء کے خلاف اسلامی خلافت کے تمام بڑے بڑے مراکز بالخصوص مصر، کوفہ اور بصرہ میں شدید قسم کا پراپیگنڈہ کیا کہ جناب عثمان رضی اللہ عنہ نااہل حاکم ہیں، مختلف عہدوں پر اپنے رشتہ داروں کی تقرری کی شکل میں اقرباپروری کر کے وہ اپنی رعایا پر ظلم کر رہے ہیں۔ اس طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اسلامی خلافت کے بڑے بڑے مراکز کوفہ، بصرہ اور مصر وغیرہ میں اس قدر خوفناک مہم چلائی گئی کہ دین و خلافت کی روح کو بچانے کے نعرے پر جناب عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف 35 ہجری کے اواخر میں، جبکہ مدینہ طیبہ کے اکثر لوگ حج کے سلسلہ میں مکہ گئے ہوئے تھے، مصر سے عبدالرحمن بن عدیس، بصرہ سے حکیم بن جبلہ عبدی جبکہ کوفہ سے اشتر مالک بن حارث نخعی کی قیادت میں بلوائیوں نے اکٹھے ہو کر دارالخلافہ مدینہ کا رخ کیا[1] اور وہاں پہنچ کر امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ ان بلوائیوں کی تعداد تین ہزار سے زائد تھی اور ان کا اجتماعی مطالبہ صرف اور صرف یہ تھا کہ امیر المومنین خلافت سے دستبردار ہو جائیں، اس سلسلہ میں ان بلوائیوں نے خلیفہ وقت کو گالی گلوچ بھی کیا، ان پر پتھراو بھی کیا یہاں تک کہ انہیں منبر سے جبرا نیچے اتار دیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے بلوائیوں کو، جو آپ سے معزولی کا مطالبہ کر رہے تھے یا قتل کی دھمکیاں دے رہے تھے، مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

" فواللہ لئن قتلتموني لا تتحابون بعدي أبدا ولا تصلون بعدي جميعا أبدا ولا تقاتلون بعدي عدوا جميعا أبدا "[2]

اللہ کی قسم! اگر تم نے مجھے شہید کر دیا تو میرے بعد نہ تو باہم محبت قائم رکھ سکو گے، نہ اکٹھے نماز پڑھ پاوگے اور نہ ہی میرے بعد مجتمع ہو کر دشمن سے مقابلہ کر سکو گے۔

---

[1] – ابن خليفة الشيباني ، أبو عمرو خليفة بن خياط العصفري البصري ، تاريخ خليفة بن خياط ،المحقق: د. أكرم ضياء العمري ، الناشر: دار القلم , مؤسسة الرسالة – دمشق , بيروت ، الطبعة الثانية، 1397هـ، ص :168

[2] – تاريخ خليفة ، ص :170، البداية والنهاية ، 202/7

آپ کو اس موقع پر تقویت دینے والی وہ احادیث تھیں کہ جن میں نبی کریم ﷺ نے انہیں خلافت کی قمیص پہنائے جانے کی خوشخبری دیتے ہوئے اسے کسی کے مطالبہ پر نہ اتارنے کی نصیحت فرمائی تھی۔ جیسا کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"يَا عُثْمَانُ، إِنْ وَلَّاكَ اللَّهُ هَذَا الْأَمْرَ يَوْمًا فَأَرَادَكَ الْمُنَافِقُونَ أَنْ تَخْلَعَ قَمِيصَكَ الَّذِي قَمَّصَكَ اللَّهُ، فَلَا تَخْلَعْهُ" "[1]

اے عثمان! اگر اللہ تعالیٰ تجھے کسی دن اس امر یعنی خلافت کا ذمہ دار بنادے پھر منافق تجھ سے اس قمیص کے اتارنے کا مطالبہ کریں جو تجھے اللہ تعالی نے پہنائی ہے، تو اسے مت اتارنا۔

چنانچہ جس روز آپ کا محاصرہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ سے نبی ﷺ نے عہد لیا تھا کہ جب منافق تجھ سے خلافت کی قمیص اتروانے کی کوشش کریں گے تو تم نہ اتارنا، اس لیے میں اس نصیحت پر قائم رہ کر صبر کرتا ہوں۔[2] اصحاب رسول ﷺ کے اصرار کے باوجود آپ نے ان بلوائیوں کے خلاف لڑنے اور انہیں کیفر کردار تک پہنچانے کی اجازت نہ دی کہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی امت میں آپ پہلے خون بہانے والے بنیں یا آپ کی وجہ سے نبی ﷺ کا شہر خون میں نہائے اور میدان جنگ بنے، نہ ہی آپ یہ چاہتے تھے کہ لوگ کہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ اپنے مخالف مسلمانوں کو قتل کروادیتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے باغیوں سے کئی بار گفتگو کی، انہیں دلیل کے ساتھ مطمئن کرنے کی پوری کوشش کی اور ان کے تمام تر اعتراضات سنے اور ان کے مسکت جوابات دیے لیکن خارجی سوچ کے حامل بلوائی ٹس سے مس نہ ہوئے۔

مدینہ طیبہ میں اسی طرح چالیس دن بیت گئے کہ خلیفہ وقت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں محصور تھے۔ بلوائیوں نے ان کے گھر پانی اور سامان رسد کی فراہمی بھی معطل کردی، کسی کو پانی وغیرہ پہنچانے کی اجازت نہ تھی جس کے نتیجے میں جناب عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں فاقہ اپنے عروج کو پہنچ گیا، بالآخر 18 ذوالحجہ کا سورج طلوع ہوا تو بلوائیوں نے آپ کے گھر کا دروازہ جلا ڈالا اور آپ کے گھر داخل ہو کر آپ پر اس حالت میں تلوار سے حملہ کیا کہ آپ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ اور آپ کی بیوی سیدہ نائلہ آپ کے پاس موجود تھیں، انہوں نے فوراً تلوار کے وار کو اپنے ہاتھ سے روکا جس سے ان کی انگلیاں کٹ گئیں اور ان کی چیخ نکل گئی۔ دوسرے وار سے سیدنا

---

[1] – سنن ابن ماجه ، فِي فَضَائِلِ أَصحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ، باب فَضْلِ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ، 81/1 ، حديث : 112، سنن الترمذی: 3705، علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو سنن ابن ماجہ اور سنن ترمذی کی تخریج میں صحیح قرار دیا ہے۔

[2] – سنن ابن ماجه ، فِي فَضَائِلِ أَصحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ، باب فَضْلِ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ، 81/1 ، حديث :113

عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے قطرے آیت قرآنی ﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾[1] پر گرے اور آپ روزہ کی حالت میں شہید کر دیے گئے۔ اپنا کام مکمل کرنے کے بعد گھر سے باہر نکلتے ہوئے قاتلوں میں سے بعض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلاموں کے ہاتھوں مارے گئے جبکہ آپ کے دو غلاموں نے بھی اس کوشش میں جام شہادت نوش فرمایا۔ عمرو بن حمق خارجی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جسم اطہر پر نیزے کے 9 زخم لگائے جبکہ عمیر نامی ایک ظالم نے آپ کو اپنے پاؤں سے ٹھوکریں ماریں جس سے آپ کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ یوں امت اسلامیہ کا ایک دمکتا چمکتا چاند خوارج، کہ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہنمی کتے قرار دیا ہے، کے ہاتھوں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا[2]۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

[1] - البقرۃ 2: 137

[2]-الصلابی، دکتور علی محمد محمد، تیسیر الکریم المنان فی سیرۃ امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، شخصیته و عصرہ، دار ابن کثیر دمشق، الطبعة الثانية، 2009م، ص: 324-380

مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: تاریخ الطبري، 4/340-396 - البداية والنهاية، 7/190-213- تاریخ خلیفة بن خیاط، ص: 168-177۔

مبحث دوم: خوارج سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی گئی۔آپ کے بیٹے محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو اصحاب رسول علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ عثمان رضی اللہ عنہ تو شہید کر دیئے گئے ہیں اور لوگوں کے لئے کسی حاکم وامام کا ہونا ضروری ہے اور اس وقت آپ سے زیادہ کسی کو بھی ہم اس امر کا حقدار نہیں پاتے، نہ آپ سے زیادہ اسلام میں سبقت کرنے والا کوئی موجود ہے اور نہ آپ سے زیادہ بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی قرابت دار موجود ہے۔اس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسا نہ کرو، میرا وزیر رہنا میرے لیے امیر ہونے سے بہتر ہے۔اس پر اصحاب رسول نے کہا: نہیں، ایسا نہیں ہے۔اللہ کی قسم! ہم تو آپ کی خلافت پر ہی بات کریں گے چنانچہ ان کے شدید اصرار پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: چلو، پھر مناسب یہ ہے کہ میری بیعت بر سر عام مسجد میں تمام مسلمانوں کی رضامندی سے ہو۔چنانچہ آپ ان اصحاب کے جلو میں بیعت کے لیے مسجد نبوی تشریف لے آئے تو مہاجرین وانصار اور دیگر تمام لوگوں نے بلا اختلاف آپ کی بیعت کر لی۔[1]

اصحابِ رسول کے مشاجرات

یہاں یہ حقیقت ذہن میں رہنی چاہیے کہ سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی امامت و خلافت اور استحقاق خلافت میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ، سیدنا طلحہ، سیدنا زبیر اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہم سمیت کسی بھی شخص کو کوئی اعتراض نہ تھا بلکہ یہ تمام حضرات امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے استحقاق خلافت کو تسلیم کرتے تھے،اختلاف صرف اور صرف یہ تھا کہ مذکورہ بالا حضرات یہ چاہتے تھے کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ، کہ جو سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر چکے تھے اوران کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے تھے، سے پہلے قصاص دلوایا جائے پھر وہ بیعت کریں گے جبکہ سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ آپ لوگ پہلے میری بیعت کریں، خلافت کو تقویت دیں تاکہ میں ان باغیوں کو کیفر کردار تک پہنچا سکوں۔[2]

چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل باغی حضرات مدینہ پر اپنی بغاوت کے بعد ایک قسم کا تسلط رکھتے تھے اور انہوں نے کمال ہوشیاری سے امیر المومنین علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی فوری بیعت کر کے آپ کے گرد اپنا مضبوط حصار قائم کر لیا تھا، جبکہ دیگر اصحاب رسول جو سیاست میں ایک مقام رکھتے تھے وہ اس مطالبہ کی بنیاد پر آپ سے دور تھے کہ پہلے

---

[1]۔دیکھیے: كتاب "السنة" للخَلّال ، 416/2 ۔ تاريخ الطبرى ، 427/4 و كتب التاريخ الاخرى

[2] – الفصل في الملل والأهواء والنحل ، 124/4، ۔ مجموع الفتاوى لابن تيمية، 72/35 ۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں : الصلابی، ڈاکٹر علی محمد محمد ، سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، شخصیت اور کارنامے ، مترجم: شمیم احمد خلیل السلفی وعبدالمعین مدنی، الفرقان ٹرسٹ پاکستان، ص:610-643

آپ ان باغیوں سے نمٹیں جو کہ فی الحقیقت ان تمام کی مضبوط مدد کے بغیر ممکن نہ تھا۔ چنانچہ غلط فہمیوں کی بنیاد پر جہاں ایک طرف ان مخلص لوگوں کے درمیان دوریاں بڑھتی چلی گئیں وہیں دوسری طرف باغیوں کی گرفت مضبوط ہوتی چلی گئی۔ باغیوں کا مفاد اسی میں تھا کہ ان اصحاب کی اکٹھے مل بیٹھنے کی کوئی کاوش بار آور نہ ہو، چنانچہ وہ اپنی سازشوں اور چالاکیوں کے ذریعے فتنہ کی آگ بھڑکاتے اور امیر المومنین علی المرتضی رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحاب کی باہم اکٹھے ہونے کی تمام کوششوں کو وہ مسلسل سبوتاژ کرتے چلے گئے۔ جنگ جمل ہو یا جنگ صفین، ہر دو میں سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ اور مدمقابل اصحاب رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کوشش جہاں جنگ سے بچنے کی رہی، وہیں ان سازشی خارجی عناصر کی کوششیں جنگ بھڑکانے کی رہیں اور افسوس کہ وہ اپنی کوششوں میں حتی الامکان کامیابیاں سمیٹتے چلے گئے۔

واقعہ تحکیم

جنگ صفین میں جب جنگ اپنے عروج پر پہنچی اور اہل اسلام ان سازشی عناصر کی بھڑکائی ہوئی آتش جنگ میں بری طرح جھلسنے لگے۔ یقینا یہ صورت حال نہ تو سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے لیے خوش کن تھی اور نہ ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے۔ چنانچہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف مصحف قرآنی بھیج کر انہیں کتاب اللہ کی طرف دعوت دیجیے، وہ آپ کی اس پیش کش کا انکار نہیں کریں گے۔ چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک آدمی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ہمارے اور آپ کے درمیان اللہ کی کتاب ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِنْهُمْ وَهُمْ مُعْرِضُونَ﴾[1]

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا، انھیں اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے، تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے، پھر ان میں سے ایک گروہ منہ پھیر لیتا ہے، اس حال میں کہ وہ منہ موڑنے والے ہوتے ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے فرمایا: ہاں! میں لوگوں کو اس کی دعوت دینے کا زیادہ حق دار ہوں۔ ٹھیک ہے، ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب فیصلہ کرے گی۔ ابو وائل الاسدی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ خوارج علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، انہیں ہم ان دنوں "قراء" کے نام سے موسوم کرتے تھے، ان کی تلواریں ان کے کندھوں پر تھیں اور وہ کہہ رہے تھے کہ اے امیر المومنین! ہم ان لوگوں کے متعلق کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں، کیوں نہ ہم ان کی طرف اپنی تلواریں لے کر چلیں یہاں تک کہ اللہ تعالی ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے؟

---

[1] - آل عمران 3 : 23

اس پر سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے انہیں اس بات پر ٹوکا اور صلح حدیبیہ کے موقع پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیے گئے مکالمہ کو دہراتے ہوئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے موقف کی تائید پر آمادہ کیا۔[1]

صحیح بخاری[2] میں ہے کہ انہوں نے ان قراء سے کہا کہ اس جنگ کے بارے میں تم لوگ اپنی رائے اور فکر پر خوش ہونے کی بجائے اپنے آپ کو الزام دو۔ میں یوم ابی جندل یعنی صلح حدیبیہ کے موقع پر موجود تھا۔ اگر میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو ماننے سے انکار ممکن ہوتا تو میں اس دن ضرور حکم عدولی کرتا۔ بات یہ ہے کہ جب بھی ہم نے کسی مشکل کام کے لیے اپنی تلواروں کو اپنے کاندھوں پر رکھا تو صورت حال آسان ہو گئی اور ہم نے مشکل حل کر لی۔ صحیح مسلم[3] کی روایت کے مطابق انہوں نے صلح کی تائید کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ دیگر جنگوں کے برعکس اس جنگ کا کچھ عجیب حال ہے 'اس میں ہم فتنے کے ایک کونے کو بند کرتے ہیں تو دوسرا کونا کھل جاتا ہے۔

سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے جنگ بندی کی دعوت کو قبول کرنے کے ساتھ یہ خونی جنگ رک گئی۔ طے یہ پایا کہ دونوں لشکر واپس لوٹ جائیں گے، ہر دو فریقین سے ایک ایک نمائندہ مقرر کیا جائے گا، جس پر دوسرے فریق کے لوگ بھی راضی ہوں گے، ان دونوں نمائندوں سے یہ عہد لیا جائے گا کہ وہ فیصلہ کرتے ہوئے اللہ تعالی کی کتاب پر عمل کریں گے اور اس سے سرمو تجاوز نہیں کریں گے۔ پھر وہ دونوں جس فیصلہ پر متفق ہو جائیں گے اس فیصلہ کو دونوں گروہ ماننے کے پابند ہوں گے۔ چنانچہ سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی طرف سے سیدنا ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کو جبکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو نمائندہ مقرر کر دیا گیا، فیصلہ سنانے کے لیے مدت کا تعین اور جگہ کا تقرر طے پا گیا اور یہ بھی طے کر دیا گیا کہ فیصلہ سنانے کے وقت ہر فریق صرف چار صد افراد کے ساتھ مجلس تحکیم میں حاضر ہو گا۔[4]

خوارج کا ظہور

جنگ بندی اور ہر فریق کے واپس لوٹ جانے کی بات طے پانے کے بعد دونوں لشکر واپس لوٹ گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے

---

[1] ۔ مسند احمد بن حنبل ،348/25، حدیث : 15975 ، شیخ شعیب الارنووط وغیرہ نے اس حدیث کی سند کو بخاری کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔ المصنف في الأحاديث والآثار لابن أبي شيبة، 558/7 ، حديث : 37914

[2] –صحيح البخارى، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة ، باب ما يذكر من ذم الرأي وتكلف القياس ،100/9 ، حديث : 7308

[3] – صحيح مسلم ، كتاب الجهاد والسير، باب صلح الحديبية في الحديبية ،1413/3 ، حديث : 1785

[4] – دیکھیے: تاريخ الطبرى ،51/5-57 ۔ الكامل في التاريخ لابن الاثير ،669/2-671 ۔ البداية والنهايةلابن كثير،306/7-307

ساتھیوں میں ایک بے دلی کی کیفیت تھی۔یقینا قاتلین عثمان اور سبائیوں کے لیے مسلمانوں کے درمیان صلح کی کوئی بھی صورت قابل قبول نہ تھی کہ اس صورت میں ان کا احتساب یقینی ہو جاتا۔چنانچہ انہوں نے اپنے زہد و دین داری کا لبادہ اوڑھ کر سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو اس صلح سے منحرف کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔اس ضمن میں ان فسادیوں کے دو سردار زرعہ بن برج طائی اور حرقوص بن زہیر سعدی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے "لا حکم الا اللہ" تو علی رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا "لا حکم الا اللہ" اس پر حرقوص کہنے لگا: آپ اپنے گناہ سے توبہ کیجئے، اپنے معاملہ کی طرف پلٹ جائیے اور ہمارے ساتھ مل کر ہمارے دشمن کی طرف نکلیے تاکہ ہم ان سے لڑائی کریں یہاں تک کہ ہم اپنے رب سے جا ملیں۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اس پر انکار میں جواب دیتے ہوئے اپنے عہد اور شروط کی بات بتائی اور عہد پورا کرنے کا قرآنی حکم سنایا تو وہ کہنے لگے: یہ تو ایک گناہ ہے، لازم ہے کہ اس سے توبہ کی جائے۔جس پر علی رضی اللہ عنہ نے ان کے استدلال کو ماننے سے انکار کر دیا تو زرعہ بن برج کہنے لگا: اے علی! اگر تو نے اللہ کی کتاب کے معاملہ میں بندوں کو حاکم بنانے کا فیصلہ ترک نہ کیا تو میں اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے تیرے خلاف لڑائی لڑوں گا۔علی رضی اللہ عنہ نے انہیں سمجھانے کی بہتیری کوشش کی لیکن وہ ذرہ برابر بھی ٹس سے مس نہ ہوئے۔[1]

ان فسادیوں کی طرف سے ہر سو یہ صدائیں بلند ہونے لگیں "لا حکم الا اللہ" کہ اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں چلے گا اور یہ کہ علی رضی اللہ عنہ نے بندوں کا فیصلہ ماننے کا عہد کر کے کفر کا ارتکاب کیا ہے۔راستہ بھر یہ لوگ اس طرح کی شرارتیں کرتے رہے، کوفہ تک پہنچنے سے قبل ہی کچھ مراحل کے فاصلہ پر یہ فسادی، باغی جو بعد میں خارجی کہلائے، امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے الگ ہو کر کوفہ کے قریب "حروراء"[2] کے مقام پر جمع ہو گئے۔ان کی تعداد کا اندازہ ایک روایت میں دس ہزار سے زیادہ کا لگایا گیا ہے[3]، دوسری روایت میں بارہ ہزار کی تعداد بیان ہوئی ہے[4]۔ جبکہ ایک روایت میں آٹھ ہزار کی تعداد درج ہے[5]۔ مصنف عبدالرزاق میں ان کی کل تعداد چوبیس ہزار مذکور ہے کہ جن میں سے بیس ہزار سیدنا عبداللہ بن عباس کے سمجھانے پر واپس آ گئے تھے جبکہ چار ہزار اپنی ضد پر

---

[1]-تاریخ الطبری، 72/5 - الکامل في التاریخ لابن الاثیر، 685/2

2-کوفہ سے صرف دو میل کے فاصلے پر یہ بستی ہے۔خوارج امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے الگ ہو کر یہیں جمع ہوئے تھے اور اسی کی مناسبت سے انہیں حروری کہا جاتا ہے۔{الحموي، شهاب الدين أبو عبد الله ياقوت بن عبد الله الرومي معجم البلدان، دار صادر، بيروت، الطبعة الثانية، 1995 م، 245/2}

[3] – المصنف في الأحاديث والآثار لابن أبي شيبة، 558/7، حديث: 37914

[4] ـ الخطيب البغدادي، أبو بكر أحمد بن علي بن ثابت، تاريخ بغداد، المحقق: الدكتور بشار عواد معروف، الناشر: دار الغرب الإسلامي – بيروت، الطبعة الأولى، 2002 م، 503/1

[5] – مسند احمد، 2 /84، حديث: 656

اڑے رہے اور نہروان کی لڑائی میں مارے گئے۔[1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے خوارج کے اعتراضات کا جواب

یہ خارجی، باغی خلافت کے لشکر سے الگ ہو کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو صلح کرنے پر برا بھلا کہنے لگے اور آپ کا نام لے کر آپ کے متعلق کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلافت کی قمیص پہنائی، آپ اس سے نکل گئے، اور امیر المومنین کا نام دیا، آپ اس سے محروم ہو گئے {صفین میں جنگ بندی کے موقع پر صلح نامہ تحریر کرتے وقت شامی لشکر نے تحریر میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ امیر المومنین لکھنے پر جب اعتراض کیا تو علی رضی اللہ عنہ نے اسے کاٹ کر صرف علی بن ابی طالب لکھنے کا حکم دیا تھا، باغیوں کا اشارہ اس طرف ہے} پھر آپ نے اللہ کے دین میں غیر کو حکم تسلیم کر لیا، جبکہ فیصلہ کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ تک ان لوگوں کی یہ باتیں پہنچیں کہ جن کی بنیاد پر وہ لوگ ان سے ناراض اور الگ ہوئے تھے تو انہوں نے ایک اعلان کرنے والے کو حکم دیا، اس نے اعلان کیا کہ امیر المومنین کے پاس صرف وہ آدمی آئے جسے قرآن مجید یاد ہو۔ چنانچہ لوگ آنا شروع ہو گئے، جب قراء سے گھر بھر گیا تو انہوں نے قرآن مجید منگوا کر اپنے سامنے رکھا اور اس پر آہستہ آہستہ ہاتھ مارنے لگے اور کہتے جاتے: اے قرآن! لوگوں کو کچھ بیان کر، اس پر لوگوں نے کہا: امیر المومنین! آپ اس سے کیا پوچھ رہے ہیں؟ یہ تو محض اوراق پر روشنائی ہے، اس کی بابت جو کچھ ہمیں بیان کیا گیا ہے، ہم وہ بولتے ہیں۔ آپ اصل بات بتلائیں کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا:

"تمہارے یہ ساتھی جو الگ ہوئے ہیں، ان کے اور میرے مابین اللہ کی کتاب حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک شوہر اور اس کی بیوی کے بارے میں اپنی کتاب میں فرمایا: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا﴾ اور اگر تمہیں ان کے مابین اختلاف کا اندیشہ ہو تو ایک منصف مرد کی طرف سے اور ایک عورت کی طرف سے مقرر کر دو، اگر دونوں منصف اصلاح کرانا چاہیں گے تو اللہ ان دونوں کے مابین موافقت پیدا کر دے گا۔ امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون اور حرمت ایک مرد اور عورت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ دوسرا یہ لوگ مجھ پر ناراض ہیں کہ میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے تحریر کرتے وقت اپنا نام امیر المومنین کی بجائے علی بن ابی طالب لکھا ہے، حالانکہ جب حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قوم قریش کے ساتھ صلح کی تحریر لکھی تھی جبکہ کفار کی طرف سے سہیل بن

---

[1] -المصنف لعبد الرزاق ،157/10 ، حديث : 18678

عمرو آیا تھا اور ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، آپ نے صلح نامہ لکھوایا تھا، تو آپ ﷺ نے بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ لکھوایا، لیکن سہیل نے کہا: تم بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ مت لکھو، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: تو کیسے لکھیں؟ تو اس نے کہا کہ لکھو: بِاسْمِكَ اللهم، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ الله لکھو۔ لیکن سہیل نے کہا: اگر میں یہ مانتا ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو میں آپ کی مخالفت نہ کرتا، تو آپ ﷺ نے لکھوایا: یہ وہ تحریر ہے جس پر محمد بن عبد اللہ نے قریش کے ساتھ معاہدہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ﴾ یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں بہترین نمونہ ہے، اس آدمی کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور یوم آخرت کے آنے پر یقین رکھتا ہے۔"[1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خوارج سے بات چیت کے لیے روانگی

اس کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کو مزید سمجھانے بجھانے اور واپس لانے کے لیے ترجمان القرآن سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف روانہ کیا۔ جلیل القدر تابعی عبد اللہ بن شداد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھا، جب ہم ان لوگوں کے لشکر کے وسط میں پہنچے تو ان کے ایک سردار ابن الکواء نے کھڑے ہو کر لوگوں سے خطاب کیا اور کہنے لگا: اے حاملین قرآن! یقیناً یہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو انہیں نہ جانتا ہو تو میں اسے اللہ کی کتاب سے ان کا تعارف کرواتا ہوں کہ جس سے وہ انہیں پہچان جائے گا۔ یہ وہ ہیں کہ ان کے اور ان کی قوم کے بارے میں ﴿قَوْمٌ خَصِمُونَ﴾ کے الفاظ نازل ہوئے کہ یہ جھگڑنے والی قوم ہیں۔ تم انہیں ان کے ساتھی یعنی علی رضی اللہ عنہ کی طرف واپس بھیج دو اور کتاب اللہ کے بارے میں ان سے بات نہ کرو تو ان کے خطیب حضرات اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! ہم اللہ کی کتاب کے بارے میں ان سے بات چیت کریں گے، اگر انہوں نے کوئی ایسی حق بات کہی جسے ہم جانتے ہوں تو ان کی پیروی کر لیں گے اور اگر انہوں نے کوئی غلط بات کہی تو ہم ان کے باطل کے ذریعہ ہی ان کا مقابلہ کریں گے۔ تو انہوں نے تین دن سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مباحثہ کیا، بالآخر ان میں سے چار ہزار آدمیوں نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا، ابن الکواء بھی ان توبہ کرنے والوں میں شامل تھا، سیدنا عبد اللہ بن

---

[1] - مسند احمد، 84/2، حدیث : 656 ۔ فتح الباري شرح صحيح البخارى، 296/12 ۔ البداية والنهاية لابن كثير، 310/7-311

عباس رضی اللہ عنہ ان سب کو لے کر کوفہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاں حاضر ہو گئے۔[1] سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ان لوگوں سے کیا بات چیت ہوئی، اسے انہی کی زبانی نقل کیا جاتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جب حَروری یعنی خارجی لشکرِ خلافت سے الگ ہوئے، وہ ایک الگ جگہ میں جمع ہو گئے۔ ایک دن میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا: امیر المؤمنین! نماز کو تھوڑا تاخیر سے پڑھایئے گا، کہ میں ان لوگوں سے بات چیت کرنے کے لیے جارہا ہوں۔ وہ فرمانے لگے: مجھے ان سے خطرہ ہے کہ کہیں وہ آپ کو نقصان نہ پہنچائیں، میں نے کہا: ان شاء اللہ، ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ تو میں نے بقدر استطاعت سب سے اچھا یمنی سوٹ پہنا، کنگھی وغیرہ کی اور ان کے پاس جا پہنچا جبکہ وہ عین دوپہر کے وقت قیلولہ کر رہے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ انہیں دیکھ کر ان کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میں ایسی قوم کے پاس پہنچا تھا کہ میں نے عبادت میں ان سے زیادہ محنت کرنے والے لوگ کبھی نہیں دیکھے تھے۔ ان کے ہاتھوں پر اونٹ کے زمین پر لگنے والے اعضاء کی طرح گٹھے پڑے ہوئے تھے اور ان کے چہروں پر سجدوں کی کثرت کی وجہ سے نشان پڑے ہوئے تھے۔ جب میں پہنچا تو انہوں نے کہا: ابن عباس! خوش آمدید، فرمایئے! کیسے آنا ہوا؟ میں نے کہا: میں مہاجرین وانصار کی طرف سے تمہارے ساتھ بات چیت کرنے آیا ہوں کہ وہ ایسی عظیم ہستیاں ہیں کہ ان کی موجودگی میں وحی نازل ہوئی اور وہ اس کی تفسیر کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں، اور تمہارے درمیان ان میں سے کوئی ہستی بھی موجود نہیں۔

یہ سن کر ان میں سے کچھ کہنے لگے کہ ان سے بات نہ کرو۔ اور کچھ دوسرے کہنے لگے: اللہ کی قسم! ہم ضرور ان سے بات کریں گے۔ میں نے پوچھا: تم مجھے بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد، آپ کے داماد اور آپ پر سب سے پہلے اسلام لانے والے شخص پر تمہیں کیا اعتراض ہے، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اصحاب اسی کے ساتھ ہیں؟ کہنے لگے: ہمیں ان پر تین اعتراض ہیں۔ میں نے کہا: بتاؤ کون کون سے ہیں؟ کہنے لگے: پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ انہوں نے دین کے معاملہ میں انسانوں کو حکم اور فیصل مان لیا، جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾[2] کہ حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے۔ میں نے پوچھا: اور کیا اعتراض ہے؟ انہوں نے کہا: کہ انہوں نے جمل کی لڑائی کی لیکن نہ کسی کو قیدی بنایا، نہ مال غنیمت حاصل کیا۔ اگر تو مخالفین، جن سے لڑائی کی، کفار تھے تو ان کا مال لوٹنا

---

[1] -مسند احمد، 84/2، حدیث: 656 ۔ فتح الباري شرح صحيح البخارى، 296/12 ۔ البداية والنهاية لابن كثير، 310/7-311

[2] – الانعام6: 57

حلال تھا۔ اور اگر وہ مؤمن تھے تو ان کے خون حرام تھے یعنی ان سے لڑنا ہی غلط تھا۔ میں نے پوچھا: اور کیا بات ہے ؟ انہوں نے کہا: اپنے نام سے امیر المؤمنین کا لفظ مٹا دیا، تو اگر آپ مومنوں کے امیر نہیں ہیں تو پھر لا محالہ کافروں کے امیر ہیں۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کے اعتراضات کے جوابات دینے سے قبل ان سے پوچھا کہ اگر میں تمہارے سامنے اللہ کی کتاب کی کوئی محکم آیت پڑھوں یا اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی ایسی سنت تمہیں بتاؤں کہ جس کا تم انکار نہ کر سکو، تو کیا تم اپنے موقف سے رجوع کر کے واپس لوٹ جاو گے ؟ کہنے لگے: ہاں! تو میں نے کہا: جہاں تک تمہارے پہلے اعتراض کا تعلق ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے دین کے معاملہ میں لوگوں کو فیصل اور ثالث مانا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ * وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُم﴾[1] کہ اے ایمان والو! تم حالت احرام میں شکار نہ مارو۔ اور جس نے تم میں سے جان بوجھ کر شکار مارا تو اس کا بدلہ چوپایوں میں سے اسی شکار کے ہم پلہ جانور ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں گے۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا﴾[2] کہ اگر تمہیں زوجین کے باہمی تعلقات بگڑ جانے کا خدشہ ہو تو ایک حکم و فیصل مرد کے خاندان سے اور ایک عورت کے خاندان سے مقرر کر لو۔ تو یہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ اس نے فیصلہ کا اختیار مردوں کو سونپ دیا ہے۔ میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں: بتاؤ تو کیا لوگوں کا فیصلہ ان کے خون محفوظ کرنے، ان کی جانیں بچانے اور ان کی آپس میں صلح کے وقت زیادہ حق والا اور ضروری ہے یا ایک چوتھائی درہم کی قیمت رکھنے والے خرگوش کے معاملہ میں ؟ کہنے لگے: یقیناً لوگوں کی جانوں کو بچانے اور آپس میں صلح کروانے میں وہ زیادہ حق والا اور ضروری ہے۔ اس پر میں نے پوچھا: کیا میں پہلے اعتراض کا تسلی بخش جواب دینے میں کامیاب ہو گیا؟ کہنے لگے: بے شک۔

پھر میں نے دوسرے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ جہاں تک تمہارے دوسرے اعتراض کا تعلق ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے مخالفین سے لڑائی تو کی لیکن نہ قیدی بنایا، نہ مال غنیمت حاصل کیا۔ تو بتاؤ کہ کیا تم اپنی ماں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو قیدی بنانا پسند کرو گے اور کیا تم انہیں بھی

---

[1] – المائدة5 : 95

[2] – النساء4 :35

دوسری لونڈیوں کی طرح ہی لونڈی بنا کر رکھنا اور ان کے ساتھ لونڈیوں والا سلوک کرنا جائز سمجھتے ہو؟ اگر تمہارا جواب ہاں میں ہے تو تم کفر کے مرتکب ہو۔ اور اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ مومنوں کی ماں نہیں ہے تو تب بھی تم کفر کے مرتکب ہو اور دائرہ اسلام سے خارج ہو، کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾[1] کہ یقینا نبی ﷺ مومنوں کے لئے ان کی اپنی ذات سے بھی مقدم ہیں اور آپ ﷺ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔ اب تم دو گمراہیوں کے درمیان متردد ہو۔ سو جسے تم چاہتے ہو، اسے اپنے لیے پسند کر لو۔ بتاو کیا کیا میں تمہارے اس اعتراض کا بھی تسلی بخش جواب دینے میں کامیاب ہو گیا؟ کہنے لگے: جی ہاں!

اس پر میں نے تیسرے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہا: رہ گیا تمہارا یہ اعتراض کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے نام کے ساتھ امیر المؤمنین کا لقب مٹا دیا تو رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پر قریش کو اس بات کی دعوت دی کہ آپ کے اور ان کے درمیان ایک معاہدہ تحریر ہو جائے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: لکھو: یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ اگر ہم یہ مانتے ہوتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو کبھی بھی آپ کو بیت اللہ سے نہ روکتے اور نہ ہی آپ سے لڑائی کرتے، لہٰذا آپ محمد بن عبد اللہ لکھوائیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! یقیناً میں اللہ کا سچا رسول ہوں، اگرچہ تم مجھے جھٹلاتے ہو، لیکن خیر، اے علی! دستاویز میں محمد بن عبد اللہ ہی لکھ دو۔ تو رسول اللہ ﷺ علی رضی اللہ عنہ سے بدرجہا بہتر تھے تو جب آپ کے اپنے نام سے رسول اللہ مٹا دینے سے آپ کی نبوت و رسالت ختم نہیں ہوئی تو علی رضی اللہ عنہ کی اپنے نام سے امیر المومنین مٹا دینے پر امارت کیسے ختم ہو گئی؟ اب بتاو کہ کیا تمہارا یہ اعتراض بھی ختم ہو گیا؟ کہنے لگے: جی ہاں۔ چنانچہ ترجمانِ قرآن اور عم زادِ رسول ﷺ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ پر مغز، مدلل اور خیر خواہی پر مشتمل گفتگو سن کر چار ہزار خارجیوں کے سوا تمام نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا جبکہ باقی چار ہزار اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔"[2]

---

[1] - الاحزاب :6

[2] - مصنف عبد الرزاق ،157/10 ، حديث : 18678۔

النسائي ، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي ، خصائص أمير المؤمنين علي بن أبي طالب ، المحقق: أحمد ميرين البلوشي ، الناشر: مكتبة المعلا الكويت ، الطبعة الأولى، 1406، ص:196-200

خوارج کو ظلم نہ کرنے کی شرط پر امان کا علان

خوارج جہاں مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو چکے تھے وہیں انہوں نے دین وشریعت اور اللہ تعالی کی حاکمیت کے نام پر اپنی پراپیگنڈہ مشینری کو پوری طرح فعال رکھا اور یہ امر ان کی طرف سے کوئی چھپ چھپا کر نہیں بلکہ اعلانیہ جاری تھا یہاں تک کہ ایک دن امیر المومنین جمعہ کا خطبہ دینے مسجد کے منبر پر کھڑے ہوئے تو ایک خارجی آیا اور کہنے لگا: "لاحکم الا للہ" پھر دوسرا کھڑا ہو کر یہی نعرہ بلند کرنے لگا۔ پھر مسجد کے تمام کونوں سے وہ اٹھ کر یہ نعرے بلند کرنے لگے کہ "لاحکم الا للہ" "اللہ کے سوا کسی کی حاکمیت نہیں چلے گی۔ تو سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے ہاتھ سے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا اور کہا بیٹھ جاو، درست ہے کہ "لا حکم الا للہ " "اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں چلے گا۔ بات حق ہے لیکن اس سے جو مفہوم اخذ کیا جا رہا ہے وہ باطل ہے۔ اب میرے پاس تمہارے لیے تین چیزیں ہیں:

- جب تک تم ہمارے ساتھ ہو، ہم تمہیں اللہ کی مسجدوں میں اس کے ذکر سے نہیں روکیں گے۔
- جب تک تمہارے ہاتھ جہاد میں ہمارے ساتھ رہے، ہم تمہیں غنیمتوں سے محروم نہیں کریں گے۔
- جب تک تم ہم سے لڑائی نہیں کروگے، ہم تم سے لڑائی نہیں کریں گے۔[1]

اس کے بعد امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے باقی ماندہ لوگوں کو پیغام بھیجا، کہ ہمارے اور لوگوں کے مابین جو کچھ ہو چکا تم وہ سب دیکھ چکے ہو، اب تم جہاں چاہو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی فیصلہ پر اکٹھی ہو جائے۔ ہمارے اور تمہارے درمیان یہ بات طے شدہ ہے کہ تم کسی حرمت والے شخص کی خون ریزی نہ کروگے، نہ لوٹ مار کر کے راستے بند کروگے اور نہ کسی ذمی کے ذمہ کو توڑ کر اس پر ظلم کروگے۔ اگر تم نے یہ کام کیے تو ہم تم سے کھلی لڑائی کریں گے کیونکہ بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔[2]

خوارج کا رد عمل اور الگ امیر بنانے کا فیصلہ

تحکیم کے فیصلہ کے لیے جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو چار سو آدمیوں کے ہمراہ دومۃ الجندل کی طرف روانہ کیا تو خوارج مخالفت کے لئے کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اپنی پوری کوشش کی کہ ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کو تحکیم کے لیے بھیجے جانے کا فیصلہ ختم ہو جائے لیکن سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ عہد شکنی پر نہ مانے تو یہ سب لوگ عبداللہ بن وہب راسبی کے گھر میں جمع ہو گئے جہاں اس نے ان لوگوں سے نہایت جامع خطاب کیا، جس میں انہیں اس دنیا سے زہد اور آخرت میں جنت کی ترغیب دلائی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا اور پھر کہنے لگا کہ

---

[1] - المصنف في الأحاديث والآثار لابن أبي شيبة، 562/7 ، حديث : 37930

[2] - مسند احمد، 84/2، حديث : 656 ـ فتح الباري شرح صحيح البخارى، 296/12 ـ البداية والنهاية لابن كثير، 310/7-311

اے بھائیو! ہمارے ساتھ مل کر اس بستی سے نکل چلو کہ جس بستی کے رہنے والے ظالم ہیں درآنحالیکہ تم ان ظالمانہ احکام کو مسترد کرنے والے ہو۔

پھر حرقوص بن زہیر کھڑا ہوا، اور حمد وثناء کے بعد کہنے لگا: اس دنیا سے فائدہ اٹھانا نہایت تھوڑا ہے، دنیا کو چھوڑ دینا یقینی ہے، سو اس کی زیب وزینت اور اس کا حسن ورونق تمہیں یہاں قیام کی سوچ پر آمادہ نہ کر ڈالے اور تمہیں حق کی طلب اور ظلم کے انکار کرنے سے دور نہ کر دے، یقیناً اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو ڈر گئے اور ان لوگوں کے ساتھ ہے جو نیکی کرنے والے ہیں۔ اس پر سنان بن حمزہ اسدی کہنے لگا: لوگو! صحیح رائے وہی ہے جو تم نے اختیار کی ہے اور بلاشبہ حق وہی ہے جس کا تم تذکرہ کر رہے ہو۔ تو اب ایسا کرو اپنا امارت والا معاملہ اپنے میں سے کسی ایک شخص کو سپرد کر دو کیونکہ لازم ہے کہ تمہارا کوئی ستون اور سردار ہو، نیز یہ کہ تمہارا ایک جھنڈا ہونا چاہیے جس کی تم پناہ لو اور اس کی طرف پلٹ کر آو۔ اس تجویز پر اتفاق کرتے ہوئے انہوں نے اپنے مختلف سرداروں پر منصب امارت پیش کیا، جسے عبد اللہ بن وہب راسبی نے قبول کر لیا اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں اس کو دنیا میں رغبت کی خاطر قبول نہیں کر رہا اور نہ ہی میں اس منصب کو موت کے خوف کی وجہ سے کبھی چھوڑوں گا، تو ان خارجیوں نے اس کی بیعت کر لی۔

بیعت کے بعد ابن وہب راسبی کہنے لگا: چلو کسی ایسے شہر کی طرف چلتے ہیں جہاں ہم اللہ تعالی کے حکم کو نافذ کر سکیں کیونکہ تم ہی اہلِ حق ہو۔ ان کے ایک سردار شریح نے کہا کہ ہم مدائن[1] کی طرف کوچ کرتے ہیں اور اس کے باسیوں کو وہاں سے بے دخل کر کے وہاں ڈیرہ لگاتے ہیں، ساتھ ہی بصرہ میں اپنے ساتھیوں کو پیغام بھیج کر بلوا لیں گے۔ اس پر زید بن حصین کہنے لگا کہ اگر تم اکٹھے نکلو گے تو تمہارا تعاقب کیا جائے گا اس لیے چھپ چھپا کر اکیلے اکیلے نکلو، نیز یہ کہ اگر تم مدائن گئے تو وہاں ایسے لشکر ہیں جو تمہیں وہاں قبضہ سے روک لیں گے۔ لیکن تم ایسے کرو کہ چلتے رہو، یہاں تک کہ نہروان[2] کے پل پر پہنچ کر ٹھہر جاو اور بصرہ میں اپنے لوگوں کو خط لکھ کر آگاہ کر دو۔ حاضرین مجلس نے کہا کہ یہی اصل رائے ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن وہب نے بصرہ میں اپنے ہمدردوں کو خط لکھ کر اپنے فیصلہ سے آگاہ کر دیا، مزید انہیں بھی اپنے ساتھ آملنے کی رغبت بھی دے دی۔ چنانچہ ہر طرف سے یہ خارجی، باغی اور فسادی وہاں جمع

---

[1]۔ بغداد کے قریب دریائے دجلہ کے کنارے خوبصورت آباد شہر ہے، جسے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا۔ {معجم البلدان، 75/5}

[2]۔ نہروان عراق میں بغداد اور واسط کے درمیان واقع ایک خوبصورت اور پر فضا شہر ہے بغداد کے خوبصورت علاقوں میں اس کا شمار ہوتا ہے لیکن بادشاہوں کی قتل وغارت کی وجہ سے ویران ہو گیا، ایک دلچسپ بات اس علاقے کی طرف منسوب تھی کہ جس بادشاہ نے بھی اس کو آباد کرنے کا ارادہ کیا اس کی تکمیل سے قبل اسے موت آگئی۔ یہ زراعت اور آثار قدیمہ کے لیے مشہور ہے۔ {دیکھیے: آثار البلاد وأخبار العباد ، زكريا بن محمد بن محمود القزويني ، الناشر: دار صادر – بيروت ، ص :472}

ہونے لگے اور یوں نہروان میں ان کی اچھی خاصی قوت جمع ہو گئی۔[1]

فیصلہ تحکیم آنے کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے قرآن مجید کے خلاف قرار دے کر اپنے لشکر کو حکم دیا کہ شام کی مہم پر روانگی کے لئے تیار ہو جائیں۔ آپ نے خوارج کو بھی لکھا کہ تمہارے مطالبہ کے مطابق ہم شام پر اپنے اور تمہارے دشمنوں کے خلاف لشکر کشی کرنے جا رہے ہیں سو تم بھی آ کر جماعت میں شامل ہو جاؤ۔ انھوں نے جواب دیا:

" أما بعد، فإنك لم تغضب لربك، إنما غضبت لنفسك، فإن شهدت على نفسك بالكفر، واستقبلت التوبة، نظرنا فِيمَا بيننا وبينك، وإلا فقد نابذناك على سواء إن الله لا يحب الخائنين "

یقیناً آپ اپنے رب کی خاطر غضبناک نہیں ہوئے، بلکہ آپ کا غضبناک ہونا اپنی ذات کے لیے ہے۔ تو اگر آپ اپنے آپ پر کفر کی شہادت دیتے ہیں اور نئے سرے سے توبہ کرتے ہیں تو ہم اپنے اور آپ کے مابین معاملہ پر نظر ثانی کر لیتے ہیں اور اگر ایسا نہیں تو ہم نے آپ کو دور پھینک دیا ہے، کیونکہ اللہ تعالی خیانت کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس ساری صورت حال اور خوارج کی سرکشی سے صرف نظر کرتے ہوئے فیصلہ فرمایا کہ ان خارجیوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر شام کی طرف لشکر کشی کریں۔ چنانچہ آپ نے لشکر تیار کیا اور کوفہ سے باہر نکل کر نخیلہ[2] کے میدان میں خیمہ زن ہو گئے۔[3]

خوارج کا ظلم وستم اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ان کے ساتھ معاملہ

نخیلہ میں آپ کو پتہ چلا کہ لشکر کے لوگ یہ باتیں کر رہے ہیں کہ بہتر ہوتا اگر امیر المومنین پہلے ان خارجیوں کا قلع قمع کرتے اور پھر شام کی طرف نکلتے تو آپ نے انہیں سمجھایا کہ ہمارے لیے شام کی مہم نسبتاً زیادہ ضروری ہے، اس لیے بار بار ان خارجیوں کا تذکرہ کرنے کی بجائے یکسو ہو جاو چنانچہ تمام لشکر نے پھر اطاعت کا عندیہ دیا اور پہلے خوارج کا انسداد کرنے کی تجویز مسترد کر دی گئی۔

دوسری طرف خوارج نے اپنی قوت اور اجتماع کو دیکھ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ میں اپنی رائے کے خلاف رائے رکھنے والے لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ ان کی ایک ٹولی نے

---

[1]۔ دیکھیے: تاريخ الطبری، 74/5۔75 ۔ البداية والنهاية، 316/7

[2]۔ کوفہ کے قریب شام کی سمت ایک جگہ کا نام ہے۔ {معجم البلدان، 278/5}

[3] ۔ تاريخ الطبری، 78/5 ۔ البداية والنهاية، 318/7 ۔ الكامل فی التاريخ لابن اثير ، 689/2

معروف صحابی حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ بن خباب رحمہ اللہ کو پکڑ لیا، کہنے لگے آپ کون ہیں؟ انہوں نے کہا میں صحابی رسول حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کا بیٹا عبداللہ ہوں۔ کہنے لگے کہ ہم نے آپ کو پریشان کیا ہے تو اب پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ ہمیں کوئی حدیث سنائیے جو آپ کے والد محترم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہو، انہوں نے حدیث سنائی۔ پھر کہنے لگے: آپ ابو بکر اور عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں انہوں نے ان دونوں کی تعریف کی۔ کہنے لگے: آپ عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے شروع میں اور خلافت کے آخری وقت میں ان کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ وہ اپنی خلافت کے شروع میں بھی حق پر تھے اور اپنی خلافت کے آخر میں بھی حق پر تھے۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ آپ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ قضیہ تحکیم سے پہلے وہ کیسے تھے اور بعد میں وہ کیسے تھے؟ انہوں نے کہا کہ وہ تم سب سے زیادہ اللہ تعالی کے متعلق علم رکھنے والے ہیں اور تم سے زیادہ اپنے دین کے معاملے میں احتیاط کرنے والے اور تم سے زیادہ بصیرت والے ہیں۔

جب ان خارجیوں نے دیکھا کہ ان کا موقف مسترد کیا جا رہا ہے تو کہنے لگے: تم تو اپنی خواہش کی پیروی کرتے ہو، اللہ کی قسم ہم تجھے اس طرح قتل کریں گے جیسا قتل کبھی کسی نے نہ کیا ہو۔ پھر انہیں پکڑ کر باندھ لیا، اور انہیں اور ان کی بیوی، جو کہ پورے وقت کی حاملہ تھی، کو لے کر چل پڑے۔ راستہ میں ایک کھجور کے درخت کے نیچے آ کے بیٹھے تو اوپر سے کھجور گر پڑی تو ان میں سے ایک نے اسے پکڑ کر اپنے منہ میں ڈال لیا، اس پر دوسرا کہنے لگا: کھجور کی قیمت دیے بغیر اور مالک کی اجازت کے بغیر منہ میں ڈال رہے ہو؟ تو اس نے منہ سے کھجور نکال کر پھینک دی، پھر اپنی تلوار پکڑی اور اس کے ساتھ اپنا دایاں ہاتھ کاٹ دیا جس کے ساتھ کھجور کو منہ میں ڈالا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کسی ذمی کا کوئی خنزیر وہاں سے گزرا تو ایک نے اپنی تلوار کے ساتھ اسے مارا تو دوسرے کہنے لگے یہ تو زمین میں فساد ہے۔ پھر وہ اس خنزیر کے مالک کے پاس آئے اور اس کو راضی کیا۔ جب ابن خباب رحمہ اللہ نے ان کا یہ رویہ دیکھا تو کہنے لگے: اگر تم سچے ہو تو پھر مجھے کوئی ڈر خطرہ نہیں کہ میں مسلمان ہوں، میں نے کوئی قصور نہیں کیا اور تم نے مجھے امان بھی دی ہے تو وہ انہیں لائے اور انہیں لٹا کر ذبح کر دیا۔ پھر ان کی بیوی کی طرف آئے تو اس نے کہا: میں تو ایک عورت ہوں، کیا تم اللہ تعالی سے نہیں ڈرتے؟ تو انہوں نے اس کا پیٹ پھاڑ کر اسے بھی قتل کر دیا۔"[1]

اس کے بعد انہوں نے مزید کچھ عورتوں کو بھی ناحق قتل کر دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جب ان کے فساد اور قتل وغارت کی خبر معلوم ہوئی تو آپ نے حالات کی تحقیق اور خوارج کا موقف معلوم کرنے کے لیے اپنے ایک کمانڈر حارث بن مرہ عبدی کو ان کی طرف روانہ کیا تو انہوں نے انہیں بھی قتل کر دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر پہنچی آپ

---

[1] – تاریخ الطبري 82/5 ۔ الکامل في التاریخ لابن الأثیر ،691/2۔ البدایة والنهایة ،318/7

اس وقت اپنے امراء کے ساتھ تھے، خبر سن کر امراء فوج نے کہا کہ امیر المومنین ! ہم ان کو کس بنیاد پر اپنے بچوں اور مالوں میں چھوڑ کر جا سکتے ہیں؟ اگر ان کو چھوڑ کر ہم شام کی طرف روانہ ہو جائیں گے تو یہ ہمارے گھروں کو لوٹ لیں گے۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ پہلے ان کا فیصلہ کر دیا جائے، پھر ان سے فارغ ہو کر ہی شام کا رخ کیا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی رائے کو مناسب جانا اور لشکر لے کر ان کی طرف رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر علی رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ تمھاری جماعت کے جن لوگوں نے ہمارے بھائیوں کا قتل کیا ہے، ان کو ہمارے سپرد کر دو، ہم انہیں قصاص میں قتل کریں گے اور تمھیں تمہارے حال پر چھوڑ کر اہلِ شام کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ اس پر خارجیوں نے جواب بھیجا:

"كلنا قتل إخوانكم ونحن مستحلون دماءهم ودماءكم. "

ہم سب نے تمہارے بھائیوں کو قتل کیا ہے۔ اور ہم ان کے خون کو بھی حلال سمجھتے ہیں اور تمہارے خون کو بھی۔

اس پر قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ یکے بعد دیگرے آگے بڑھے اور انہیں ان کے موقف کی غلطی اور ان کے جرم کی سنگینی سے آگاہ کیا لیکن وہ ذرہ برابر بھی اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے پر تیار نہ ہوئے۔ بعد ازاں امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ بنفس نفیس آگے بڑھے اور ان کو نصیحت کی کہ تم اللہ کی حرام کردہ چیزوں کا ارتکاب نہ کرو، بلاشبہ تمہارے نفسوں نے تمہارے لیے ایک چیز کو مزین کر کے پیش کر دیا ہے اور تم اس کی بنیاد پر مسلمانوں کو قتل کر رہے ہو۔ اللہ کی قسم! اس چیز کی حیثیت یہ ہے کہ اگر تم اس کی بنیاد پر ایک مرغی کو بھی مارو گے تو اللہ کے نزدیک بہت بڑا جرم ہو گا، چہ جائیکہ مسلمانوں کا خون بہایا جائے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں اللہ کے عذاب اور دنیا کی سزا سے بھی ڈرایا دھمکایا مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا، اور انہوں نے دلیل کا جواب دلیل کے ساتھ دینے کی بجائے آپس میں ایک دوسرے کو آوازیں دینا شروع کر دیں کہ ان سے بات نہ کرو، اپنے رب کی ملاقات پہ کمربستہ ہو جاو، چلو! جنت کی طرف، دوڑو! جنت کی طرف، آگے بڑھو اور ان کے خلاف لڑنے کے لیے صف آراء ہو جاو۔ چنانچہ انہوں نے لڑائی کے لیے صف بندی شروع کر دی۔[1]

جنگ نہروان

یہ صورت حال دیکھ کر سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ اپنے لشکر میں واپس پلٹ آئے اور اپنے ساتھیوں کو لڑائی کے لیے صف بندی کا حکم دیا اور انہیں یہ کہہ کر فتح کی بشارت دی کہ

"والله لا يقتل منكم عشرة ولا يفلت منهم عشرة "[2]

---

[1] -تاريخ الطبري 83/5-85 ـ الكامل في التاريخ لابن الأثير ، 692/2-694ـ البداية والنهاية ،319/7

[2] – مصنف ابن ابى شيبة ،554/7 ، حديث : 37893 ـ الكامل في التاريخ لابن الأثير ،694/2

اللہ کی قسم! تم میں سے دس افراد بھی نہیں مارے جائیں گے اور ان میں سے دس لوگ بھی بچ کر نہیں جائیں گے۔

آپ نے سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو امان کا جھنڈا دے کر کھڑا کر دیا اور انہوں نے خوارج کو مخاطب کرتے ہوئے اعلان فرمایا: ان لوگوں کے علاوہ جنھوں نے ہمارے بھائیوں کو قتل کیا ہے جو شخص اس جھنڈے کے نیچے آجائے گا، یا ہتھیار ڈال دے گا، یا اس جماعت سے الگ ہو کر کوفہ یا مدائن وغیرہ کی کسی آبادی کی طرف چلا جائے گا اس کو امان ہے۔ ہمیں اپنے بھائیوں کے قاتلوں کے سوا کسی کا خون بہانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سن کر خارجیوں میں سے بہت سے لوگ امان کے جھنڈے کے نیچے آ گئے۔[1] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے مطابق خارجیوں کے سردار عبداللہ بن وہب راسبی کے ساتھ صرف ایک ہزار یا اس سے بھی کم لوگ ڈٹے رہے[2]۔ جبکہ طبری کے مطابق خوارج کے اٹھائیس سو آدمی لڑائی میں شریک ہوئے[3]۔ بہر حال ان سے مختصر لیکن فیصلہ کن لڑائی ہوئی جس میں گنتی کے چند افراد کے سوا سب کے سب خارجی مارے گئے[4]، جبکہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے صرف دو افراد شہید ہوئے[5]۔

خوارج جنگ نہروان کے بعد

اگرچہ نہروان کی لڑائی میں شریک تمام خارجی سوائے چند ایک کے جہنم واصل کر دیے گئے تھے، لیکن اس حقیقت میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ اس سے تمام خوارج کا یا ان کی فسادی سوچ کا خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ تسلیم کہ ان کی ایک بڑی جماعت قتل ہو گئی تھی لیکن ان کے بہت سے ساتھی ابھی کوفہ اور بصرہ میں مسلمانوں کے ساتھ رہتے تھے۔ یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی وسعت ظرفی، عالی حوصلگی اور عدل گستری ہی تھی کہ آپ نے لڑنے آنے والے خارجیوں میں سے ہتھیار ڈالنے اور واپس پلٹ جانے والوں کے لیے بھی عام معافی اور امان کا اعلان کر دیا تھا۔ یہ بچ نکلنے والے خارجی نہروان میں اپنے قتل ہونے والے بھائیوں کا قصاص دل سے بھلا نہ سکے تھے اور نہروان کی شکست ان کے افکار و نظریات میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی پیدا نہ کر سکی تھی بلکہ اس سے ان کی سفلی قوت میں اور اضافہ ہو گیا تھا اور ان کو وہ گھٹیا، مذموم اور ہولناک طاقت میسر ہو گئی تھی کہ جس کے سر چشمہ سے بغض، کینہ، مکر و خداع اور انتقام کے جذبات پھوٹتے ہیں۔

---

[1] ۔ تاریخ الطبري 86/5 ۔ الكامل في التاريخ لابن الأثير ،695/2۔ البداية والنهاية ،319/7

[2] ۔ البداية والنهاية،319/7

[3] ۔ تاريخ الطبري 86/5

[4]۔دیکھیے تمام کتب تاریخ

[5] ۔صحيح مسلم ،كتاب الزكاة، باب التحريض على قتل الخوارج ،748/2 ، حديث نمبر : 1066

ایسا نہیں تھا کہ آپ کو خوارج کے ارادوں اور سازشوں کا علم نہیں تھا بلکہ آپ ان کے ارادوں سے پوری طرح باخبر تھے لیکن آپ قبل از وقوعِ جرم بازپرس کو درست نہ سمجھتے تھے۔آپ کو اپنی شہادت کا بھی اندازہ تھا کہ زبان رسالتمآب سے آپ اپنی شہادت کی خبر سن چکے تھے جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حراء پہاڑ پر کھڑے تھے،آپ کے ساتھ ابو بکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم بھی تھے کہ چٹان ہلنے لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«اهْدَأْ فَمَا عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ، أَوْ صِدِّيقٌ، أَوْ شَهِيدٌ»[1]

رک جا! کہ تیرے اوپر نبی، صدیق یا شہید کے سوا کوئی نہیں ہے۔

حالات و واقعات نے ان خارجیوں کو ایک انتہائی خطرناک پالیسی سجھا دی تھی کہ جس سے وہ اپنی طویل تاریخ میں آج تک کبھی منحرف نہیں ہوئے۔اور وہ پالیسی یہ تھی کہ حکام کے ساتھ مکاری اور فریب کا برتاو کیا جائے جب تک قوت و طاقت میسر نہ ہو، دین داری، تقوی، للہیت، اور حکمیت الٰہیہ کے خوبصورت نعروں کے ساتھ لوگوں کے جذبات کو ان کے خلاف ابھارا جائے۔ کسی بات میں بھی مسلم حکام اور ان کے لشکروں کا ساتھ نہ دیا جائے۔جب تک حالات کا تقاضا ہو تب تک شہروں میں چھپ چھپا کر یا شہر سے دور باہر نکل کر اپنی قوت یکجا کی جائے اور اگر کبھی مقابلہ کی صورت بنے تو اس میں جنت کے حصول کے نعرے بلند کرتے ہوئے اپنی تلواریں بے نیام کر لی جائیں ۔چنانچہ وہ دار الخلافہ کوفہ سمیت پوری اسلامی قلمرو میں چھپ چھپا کر اپنی مکر و فریب کی کاروائیاں کرتے رہے اور نہروان میں مارے گئے لوگوں کے رشتہ داروں اور بہی خواہوں کو اپنی ملمع شدہ باتوں کا شکار بنا کر ورغلاتے رہے۔وہ آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نمازوں میں بھی شریک ہوتے، آپ کے خطابات اور آپ کی باتیں بھی سنتے، بعض اوقات آپ کے خطبے اور خطاب میں قطع کلامی کی جسارت بھی کر جاتے لیکن آپ یہ سب کچھ بڑی کشادہ دلی سے برداشت کرتے اور ہمیشہ درگزر سے کام لیتے۔اسی لیے وہ آپ کے انصاف سے مطمئن اور آپ کی گرفت سے بے خوف رہتے کیونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ جب تک پہل خود ان کی طرف سے نہ ہو گی، آپ نہ ان پر ہاتھ اٹھائیں گے نہ ان کے خلاف کوئی تعزیری کارروائی کریں گے۔

خوارج کے ہاتھوں علی رضی اللہ عنہ کی شہادت

جنگ نہروان کے بعد یہ لاوا اسی طرح پکتا رہا۔ تین خارجی عبد الرحمان ابن ملجم الکندی، برک بن عبد اللہ تمیمی اور عمرو بن بکر تمیمی ایک جگہ جمع ہوئے اور ادھر ادھر کی باتیں کرتے کرتے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر حکام کے خلاف باتیں کرنے لگے، پھر نہروان میں مارے جانے والے اپنے ساتھیوں کو یاد کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اب ہم ان کے بعد

---

[1] – صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة رضي الله تعالى عنهم ، باب من فضائل طلحة، والزبير رضي الله عنهما ،1880/4، حديث : 2417

زندہ رہ کر کیا کریں گے؟ جرم ان کا صرف یہی تھا کہ ہمارے وہ بھائی لوگوں کو اپنے رب کی طرف دعوت دیتے تھے اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ کیوں نہ ہم اپنی جانوں کو جنت کے بدلے فروخت کر دیں، اس وقت امت میں گمراہی کے سرغنوں کو قتل کرنے کی کوشش کریں، ان سے شہروں کو راحت دلا دیں اور اپنے بھائیوں کا انتقام بھی پورا کر لیں۔ تو ابن ملجم مرادی خارجی، کہ جس کے چہرے پر سجدوں کی کثرت سے محراب پڑی ہوئی تھی[1]، کہنے لگا: میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا ذمہ اپنے سر لیتا ہوں۔ برک تمیمی بولا: معاویہ رضی اللہ عنہ میرے ذمہ رہا، جبکہ عمرو تمیمی کہنے لگا: عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے تمہیں نجات دلانے کا میں ذمہ دار ہوں۔ اس پر ان تینوں نے باہم عہد و پیمان کیا کہ کوئی بھی اپنی ذمہ داری سے پیچھے نہیں ہٹے گا یہاں تک کہ اپنے ہدف کو موت کے گھاٹ اتار دے یا خود مار دیا جائے سو انہوں اپنے تلواریں لی، انہیں زہر میں بجھانا شروع کیا، اور طے پایا کہ سترہ رمضان کی صبح ایک ہی وقت میں ان تینوں اصحابِ رسول ﷺ پر قاتلانہ حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا جائے گا۔[2]

یہ معاہدہ طے پانے کے بعد ان میں سے ہر ایک اپنا سازشی منصوبہ لے کر اپنے ہدف کی طرف روانہ ہو گیا۔ ابن ملجم بھی کوفہ آ کر اپنے خارجی دوستوں سے ملا لیکن اس نے اپنے منصوبہ میں رازداری کا پورا اہتمام رکھا۔ تیم الرباب، کہ جن کے دس لوگ نہروان میں علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مقتول ہوئے تھے، کے لوگوں سے ایک دن اس کی ملاقات ہو گئی، انہوں نے اس سے اپنے مقتولوں کا تذکرہ چھیڑ دیا، وہیں اس کی ملاقات ان کی ایک انتہائی حسین عورت قطامہ سے ہوئی، جس کے باپ اور بھائی جنگ نہروان میں مارے گئے تھے۔ ابن ملجم اس کے حسن پر فریفتہ ہو گیا اور اسے نکاح کا پیغام دے دیا۔ قطامہ نے نکاح کی دیگر شرائط کے ساتھ یہ شرط بھی رکھی کہ تم علی رضی اللہ عنہ کو قتل کرو گے۔ ساتھ کہنے لگی: اگر تم نے اپنا ہدف کامیابی سے حاصل کر لیا تو میرے اور تمہارے دل کو سکون و قرار مل جائے گا اور میرے ساتھ تمھارا جیون انتہائی خوشگوار گزرے گا۔ اور اگر تم اس راہ میں مار دیے گئے تو اللہ تعالی کے پاس تمہارے لیے جو کچھ ہے، وہ دنیا، اس کی زینت اور اس کے رہنے والوں کی زینت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ابن ملجم کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں تو کوفہ آیا ہی اس مشن کے لیے ہوں، سو تو نے جو مانگا، وہ پورا ہو گا۔

قطامہ نے ابن ملجم کی مدد کے لیے اپنے قبیلہ کے ایک شخص "وردان" کو بھی اس کے ساتھ لگا دیا۔ اس کے بعد ابن ملجم اشجع قبیلہ کے ایک خارجی شخص شبیب بن بجرہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: کیا تجھے دنیا و آخرت کی عزت و شرف کی خواہش ہے؟ اس نے پوچھا: وہ کیسے؟ کہنے لگا: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے قتل کی صورت میں۔ شبیب کہنے لگا: تیری ماں تجھے گم پائے! تم بہت بڑی بات کہہ رہے ہو، تم علی رضی اللہ عنہ پر کیسے قابو پا سکو گے؟ ابن ملجم کہنے لگا: ہم گھات

---

[1] - البداية والنهاية، 361/7

[2] - تاريخ الطبرى، 143/5-144 ۔ الكامل فى التاريخ لابن الاثير، 738/2 ۔البداية والنهاية، 361/7

لے کر مسجد میں چھپ جائیں گے اور جب علی رضی اللہ عنہ فجر کی نماز پڑھانے نکلیں گے ہم اچانک حملہ کر کے انہیں قتل کر دیں گے، پھر اگر ہم بچ نکلے تو ہمارے دل انتقام لے لینے کی وجہ سے ٹھنڈے ہوں گے، اور اگر ہم مار دیے گئے تو جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ شبیب کہنے لگا: اگر یہ معاملہ علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کا ہوتا تو میرے لیے آسان ہوتا، علی رضی اللہ عنہ کی اسلام میں پہل و خدمات اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تعلق و قرابت کو دیکھ کر میری طبیعت اس پر آمادہ نہیں ہو رہی۔ ابن ملجم نے اسے نہروان کے مقتول یاد کروائے اور کہا کہ علی رضی اللہ عنہ کو ہم ناحق نہیں، بلکہ اپنے ان نیک سیرت بھائیوں کے قصاص میں قتل کریں گے، اس پر وہ بھی قائل ہو گیا۔[1]

طے شدہ منصوبہ کے مطابق سترہ رمضان المبارک 40 ہجری بروز جمعہ فجر کے وقت خارجی عبدالرحمن ابن ملجم مرادی اپنے دو ساتھیوں شبیب اور وردان کے ہمراہ جامع مسجد کوفہ میں پہنچا، تینوں مسجد میں گھات لے کر چھپ گئے۔ جونہی علی رضی اللہ عنہ حسب معمول لوگوں کو نماز کے لیے آوازیں دیتے ہوئے نماز فجر کے لئے مسجد میں تشریف لائے: اسی وقت شبیب نے آپ رضی اللہ عنہ پر پہلا وار کیا، جس سے آپ بچ گئے اور اس کے بعد عبدالرحمٰن ابن ملجم بدبخت نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کے اگلے حصے پر اپنی تلوار کے ساتھ کاری وار کیا، وار کرتے ہوئے اس لعین نے یہ نعرہ بھی بلند کیا کہ " لَا حُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ لَيْسَ لَكَ يَا عَلِيُّ وَلَا لِأَصْحَابِكَ " اے علی! حکومت و حاکمیت صرف اللہ کی ہے، تمہاری یا تمہارے ساتھیوں کی نہیں۔ مزید اس نے اپنے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کی ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ﴾[2] اور لوگوں میں سے بعض وہ ہے جو اللہ کی رضامندی تلاش کرنے کے لیے اپنی جان بیچ دیتا ہے اور اللہ بندوں پر بے حد نرمی کرنے والا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آواز دی کہ اس کو پکڑو! ابن ملجم کا ساتھی وردان بھاگا، لیکن راستے میں ایک حضرمی کے قابو آ گیا اور قتل کر دیا گیا۔ تیسرا خارجی شبیب بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا، جبکہ ابن ملجم کو لوگوں نے قابو کر لیا، علی رضی اللہ عنہ نے جعدہ بن ہبیرہ بن ابی وہب کو نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھا دیا، انہوں نے لوگوں کو فجر کی جماعت کروائی۔ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو گھر لایا گیا اور ابن ملجم کو باندھ کر آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے اسے مخاطب کر کے پوچھا: اے اللہ کے دشمن! کیا میں نے تیرے ساتھ احسان نہیں کیا تھا؟ کہنے لگا: کیوں نہیں، فرمایا: پھر اس حرکت پر تجھے کس چیز نے آمادہ کیا؟ ابن ملجم مرادی کہنے لگا: میں نے اس تلوار کو چالیس روز تک تیز کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اس سے وہ شخص مارا جائے جو مخلوق میں سے بدترین ہو۔ اس پر علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تو اسی تلوار سے مارا جائے گا اور میں تجھے ہی اللہ کی مخلوق میں سے بدترین شخص سمجھتا ہوں۔ پھر آپ نے لوگوں سے کہا کہ اگر میں فوت ہو جاؤں تو بدلے میں اسے بھی

---

[1] - تاریخ الطبری، 144/5 ۔ الکامل فی التاریخ لابن الاثیر، 739/2 ۔البدایۃ والنہایۃ، 361/7-362
[2] - البقرۃ 2 : 207

قتل کر دینا اور اگر میں زندہ بچ گیا تو مجھے زیادہ معلوم ہے کہ اس کے ساتھ کیا کرنا ہے۔اور اس کا مثلہ نہ کرنا۔آپ کے علاج معالجہ کے لئے سر توڑ کوشش کی گئی، لیکن آپ زہر میں بجھی تلوار کے حملے سے جاں بر نہ ہو سکے اور 21رمضان 40ہجری کو شہادت کا جام نوش کر گئے[1]۔اناللہ واناالیہ راجعون

ابن ملجم لعین کے بقیہ دو ساتھی جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے لیے روانہ ہوئے تھے، اپنے مشن میں ناکام رہے۔ برک بن عبداللہ، جو معاویہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے گیا تھا، انہیں زخمی کرنے میں کامیاب ہو گیا لیکن پکڑ لیا گیا۔اس نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ اس کے ساتھی نے آج علی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق حکم دیا اور اسے جہنم واصل کر دیا گیا۔ حسن اتفاق کہ اس دن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو انہوں نے فجر کی نماز پڑھانے کے لیے خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو حکم دے دیا۔ عمرو بن بکر خارجی نے ان کے دھوکے میں خارجہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔اس کے بعد وہ بھی قابو کر کے کیفر کردار تک پہنچا دیا گیا۔[2]

---

[1] - تاریخ الطبری ،145/5-146 ۔ الکامل فی التاریخ لابن الاثیر ،739/2-740 ۔البدایة والنهایة، 362/7

[2] - تاریخ الطبری ،149/5 ۔ الکامل فی التاریخ لابن الاثیر ،742/2

مبحث سوم: خوارج خلافت راشدہ کے بعد سے عہد حاضر تک

سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہل کوفہ نے نواسہ رسول سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی۔ حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ماجد کے تجربات، اہل کوفہ کے رویوں اور مسلمانوں کے باہم نزاع کے نقصانات کو مدنظر رکھتے ہوئے معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھانے کا فیصلہ کیا تو مدائن کے قریب ساباط مقام پر لوگوں سے خطاب کیا اور فرمایا:

" ايها الناس، انی قد اصبحت غير محتمل على مسلم ضغينه، وانی ناظر لكم كنظری لنفسي، واری رايا فلا تردوا على رأيي، ان الذی تكرهون من الجماعه افضل مما تحبون من الفرقة، واری اكثركم قد نكل عن الحرب، وفشل عن القتال، ولست اری ان احملكم على ما تكرهون-"[1]

اے لوگو! آج میرے دل میں کسی بھی مسلمان کے لیے کوئی کینہ نہیں ہے اور میں تمہارے لیے اس طرح سوچتا ہوں جس طرح اپنے لیے سوچتا ہوں۔ میری ایک رائے ہے، تم میری رائے کو رد نہ کرنا۔ یقینا مسلمانوں کا اکٹھے ہو جانا، کہ جسے تم ناپسند کرتے ہو، مسلمانوں کے اس افتراق سے بہتر ہے کہ جسے تم پسند کرتے ہو۔ میں تم میں سے اکثر لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ لڑائی سے اکتا گئے ہیں اور پیچھے ہٹ رہے ہیں اور میں اس معاملہ پر مجبور نہیں کرنا چاہتا کہ جسے تم ناپسند کرتے ہو۔

خوارج کا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ

جب یہ خطبہ لوگوں نے سنا تو سمجھ گئے کہ حسن رضی اللہ عنہ صلح کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہ رہے ہیں۔ اس پر ہر طرف چہ میگوئیاں ہونے لگی کہ خوارج نے آوازہ بلند کردیا کہ "كفر الحسن كما كفر أبوه من قبله "کہ حسن رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے باپ کی طرح کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ اور انہوں نے اس فتوے پر ہی بس نہ کی بلکہ آپ پر حملہ کردیا، آپ کے نیچے سے آپ کا مصلی کھینچ پھینکا اور آپ کے کپڑے نوچنے لگے یہاں تک کہ آپ کے کندھے سے آپ کی چادر اتار پھینکی۔ یہ کیفیت دیکھ کر حسن رضی اللہ عنہ نے فوری طور پر اپنا گھوڑا منگوایا، اس پر سوار ہوئے، اپنے بچاؤ اور دفاع کے لیے ربیعہ وہمدان قبیلوں کے لوگوں کو آواز دی وہ فورا پہنچے اور خارجیوں کے حملہ سے آپ کو نکالا۔ آپ مدائن شہر میں جانے کا ارادہ لے کر وہاں سے نکلے تو ایک خارجی جراح بن قبیصہ نے آپ کے راستہ میں گھات لگالی اور جب آپ اس کے قریب پہنچے اس نے آپ پر نیزے کے ساتھ حملہ کیا جس سے آپ کی ران زخمی ہوگئی۔ آپ اسی حالت میں مدائن پہنچے کہ آپ کی ران سے

[1] – الدينوري ، أبو حنيفة أحمد بن داود ، الأخبار الطوال ، تحقيق: عبد المنعم عامر ، مراجعة: الدكتور جمال الدين الشيال ، الناشر: دار إحياء الكتب العربي القاهرة ، الطبعة الأولى، 1960 م ، ص:216-217

خون بہہ رہا تھا۔[1]

جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرکے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت کے مطابق پوری امت کو ایک جگہ اکٹھا فرمادیا تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے خارجی فکر کے حامل لوگ انہیں " یا عار المومنین " {اے مومنوں کے لیے باعث ننگ وعار شخص } کہہ کر پکارنے لگے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ان کے جواب میں صرف اتنا فرماتے تھے "العار خیر من النار" کہ دنیا کی عار آخرت کی نار سے بہتر ہے۔[2]

خوارج سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں

یہ امر تو کسی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ خوارج کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے براہ راست کوئی نہ دشمنی نہ تھی بلکہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دشمن اسی بنیاد پر بنے تھے کہ آپ نے صفین کے موقع پر معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑائی جاری رکھنے کی بجائے تحکیم کے معاملہ کو قبول کرکے امت کو ایک کرنے کی داغ بیل ڈالی تھی۔ خوارج معاویہ رضی اللہ عنہ سے شدید خائف رہتے تھے کیونکہ آپ انہیں عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت اور ان کی شہادت کا بجا طور پر مجرم اور مستوجب سزا گردانتے تھے۔ چنانچہ انہیں جب بھی موقع ملا، انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف وار کرنے سے گریز نہ کیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان تین شخصیات میں سے ایک تھے جو خوارج کا ہدف تھیں۔ اب جبکہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے کر امت کو ایک لڑی میں پرو دیا تھا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلا اختلاف امت نے امیر المومنین تسلیم کر لیا تھا تو یہ صورت خوارج کو کیسے برداشت ہوتی؟ چنانچہ انہوں نے اپنی سازشوں کے بہت سے جال بنے، لیکن اللہ تعالی کی مدد، امیر المومنین کی کامیاب سیاست اور مسلمانوں کے اتحاد کی وجہ سے وہ ہمیشہ ذلیل ہوئے اور انہیں کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں خوارج کی ریشہ دوانیوں کو ڈاکٹر احمد عوض ابو الشباب نے اپنی تالیف "الخوارج تاریخهم ، فرقهم ، وعقائدهم"[3] میں بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں دیگر کتب تاریخ کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

خارجی فکر کا وجود عصرِ حاضر تک

مسلم حکمرانوں کے خلاف خروج کا یہ ناسور جب سے شروع ہوا ہے، کبھی بھی کلیۃ ختم نہیں ہوا اور نہ ہی ایسا ممکن ہے۔ یہ ضرور ہوتا آیا ہے کہ کسی حکمران کی تیزی، ہوشیاری، سختی اور بیدار مغزی کے سبب انہیں بے خوف وخطر

[1] - الأخبار الطوال ، ص:216-217

[2] - البداية والنهاية،45/8 ۔ فتح البارى ،65/13

[3] - ابوالشباب ، دكتور احمد عوض ، الخوارج تاريخهم ، فرقهم ، وعقائدهم ، دارالكتب العلمية ، بيروت ،الطبعة الاولىٰ ، ص :136-152

اپنی کھل کھیلنے کا موقع نہ ملا ہو لیکن ایسا دور مسلم تاریخ میں کبھی نہیں آیا کہ خوارج یا ان کی فکر مسلم معاشرہ میں اپنا وجود نہ رکھتی ہو اور یہ بات کسی فلاسفر یا محقق کی نہیں بلکہ اس بات کی رسول اللہ ﷺ نے بذاتِ خود اپنی زندگی میں صراحت فرمادی تھی کہ خوارج قیامت تک ہر دور میں نکلتے رہیں گے حتی کہ ان کا آخری گروہ دجال کے زمانے میں ظاہر ہو گا جو اس کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو قتل کرے گا۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"يَنْشَأُ نَشْءٌ يَقْرَؤُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، كُلَّمَا خَرَجَ قَرْنٌ قُطِعَ" -قَالَ ابْنِ عُمَرَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: كُلَّمَا خَرَجَ قَرْنٌ قُطِعَ أَكْثَرَ مِنْ عِشْرِينَ مَرَّةً "حَتَّى يَخْرُجَ فِي عِرَاضِهِمْ الدَّجَّالُ"[1]

ایک جماعت پیدا ہوگی جو قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن وہ ان کے حلقوں سے تجاوز نہیں کرے گا جب بھی ان میں سے کوئی گروہ ظاہر ہوگا، کاٹ دیا جائے گا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات بیس سے زیادہ مرتبہ سنی ہے کہ جب بھی ان میں سے کوئی گروہ ظاہر ہوگا، کاٹ دیا جائے گا، یہاں تک کہ ان میں سے دجال ظاہر ہوگا۔

خوارج کی ابتداء اور ارتقاء کے ضمن میں نبی کریم ﷺ کے دور سے لے کر اصحابِ رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور خلافت کی انتہاء تک خوارج کے حالات قدرے تفصیل سے بیان کر دیے گئے ہیں تاکہ ان کے ابتدائی حالات اور بنیادی خیالات سے آگاہی ہو جائے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سے آج تک خوارج مختلف صورتوں میں مختلف خلافتوں، حکومتوں اور حکمرانوں کے خلاف مصروفِ عمل رہے ہیں، لیکن ان سب کا تذکرہ کرنا نہ تو اس مقالہ کے موضوع میں شامل ہے، نہ ہی ان سب کا احاطہ ایک مقالہ میں کسی صورت ممکن ہے، اس لیے ان کی تاریخ کے باب کو اسی پر بند کرتے ہوئے اس مقالہ کی اگلی فصل میں خوارج کے مختلف فرقوں اور گروہوں کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

---

[1] – سنن ابن ماجه، ابواب السنة ، باب فی ذكر الخوارج ، 120/1، حديث : 174 ، علامہ شعیب الارنووط اور علامہ ناصر الدین البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھیے: سلسلة الأحاديث الصحيحة ، 582/5 ،حديث : 2454

فصل سوم: خوارج کے القاب، فرقے اور قدیم وجدید خارجی فکر کے حاملین کا تقابلی جائزہ

مبحث اول: خوارج کے القاب

مبحث دوم: خوارج کے فرقے اور ان کے امتیازی عقائد

مبحث سوم: قدیم وجدید خارجی فکر کے حاملین کا تقابلی جائزہ

مبحث چہارم: معاصر خوارج کے حوالہ سے چند شبہات اور ان کے جوابات

فصل سوم: خوارج کے القاب، فرقے اور قدیم وجدید خوارج کا تقابلی جائزہ

خوارج کی چونکہ بنیاد ہی غلو فی الدین، شدت پسندی، عاقبت نااندیشی اور عجلت پسندی پر ہے، اس لیے ایسا ممکن نہیں تھا کہ ان میں تقسیم در تقسیم کا عمل واقع نہ ہوتا یا جاری نہ رہتا۔ بایں وجہ خوارج پر بات کرنے والے محققین کی رائے ان کے فرقوں اور گروہوں کی تعداد کے لحاظ سے مختلف ہے۔ اس فصل میں خوارج کے القاب اور فرقوں پر بات کرنے کے بعد قدیم اور معاصر خارجی فکر کے حاملین کی علامات واوصاف کا تقابلی جائزہ بھی پیش کیا جائے گا۔

مبحث اول: خوارج کے القاب

خوارج کو کتب تاریخ وعقائد میں مندرجہ القاب سے ذکر کیا جاتا ہے، اور ان میں سے اکثر پر وہ نہ صرف راضی ہیں بلکہ ان پر وہ فخر بھی محسوس کرتے ہیں۔

1-قراء

خوارج اپنے خروج کے ابتدائی ایام میں "قراء" کے لقب سے جانے جاتے تھے کیونکہ ان میں اکثریت ایسے قاریوں کی تھی جو قرآن مجید کثرت سے تلاوت کرتے تھے اور عبادات میں ہمہ وقت منہمک رہنے کی کوشش کرتے تھے، اگرچہ قرآنی فقاہت اور علم کی پختگی سے یہ لوگ محروم تھے۔ جیسا کہ صفین کے موقع پر خوارج کے ظہور کی بابت مسند احمد کی روایت میں ہے، ابو وائل الاسدی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ خوارج سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، انہیں ہم ان دنوں "قراء" کے نام سے موسوم کرتے تھے، ان کی تلواریں ان کے کندھوں پر تھیں اور وہ کہہ رہے تھے کہ اے امیر المومنین! ہم ان لوگوں کے متعلق کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں، کیوں نہ ہم ان کی طرف اپنی تلواریں لے کر چلیں یہاں تک کہ اللہ تعالی ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے؟[1] خوارج کے قراء کے نام سے پکارے جانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

" كان يقال لهم القراء لشدة اجتهادهم في التلاوة والعبادة إلا أنهم كانوا يتأولون القرآن على غير المراد منه ويستبدون برأيهم ويتنطعون في الزهد والخشوع "[2]

2-خوارج

خارجیوں پر بولے جانے والے القاب میں سے یہ لقب سب سے زیادہ مستعمل ہے۔ انہیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے

---

[1] ۔ مسند احمد بن حنبل، 348/25، حديث : 15975 ، شیخ شعیب الارنووط وغیرہ نے اس حدیث کی سند کو بخاری کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔ المصنف في الأحاديث والآثارلا بن أبي شيبة، 558/7،حديث : 37914

[2] - فتح البارى، 283/12

خلاف خروج کرنے یامطلقا مسلم حکام پر خروج کی وجہ سے خوارج کہا جاتا ہے۔ان کے اس نام کا ذکر بعض احادیث میں بھی ملتا ہے جیسے صحیح بخاری میں یسیر بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انہوں نے سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

" هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: فِي الخَوَارِجِ شَيْئًا؟ قَالَ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ، وَأَهْوَى بِيَدِهِ قِبَلَ العِرَاقِ: «يَخْرُجُ مِنْهُ قَوْمٌ يَقْرَءُونَ القُرْآنَ، لاَ يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الإِسْلاَمِ مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ»"[1]

کیا آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوارج کے بارہ میں کچھ فرماتے ہوئے سنا ہے ؟انہوں نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے جبکہ آپ عراق کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمارہے تھے: یہاں سے ایک جماعت نکلے گی جو قرآن مجید پڑھیں گے لیکن قرآن مجید ان کے حلقوں سے نیچے نہیں اترے گا۔وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کیے جانور سے باہر نکل جاتا ہے۔

خوارج،نام کی صراحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ثابت ہے،جیسا کہ سنن ابن ماجہ میں سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے،بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"الْخَوَارِجُ كِلَابُ النَّار"[2]

خوارج جہنم کے کتے ہیں۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بعض خوارج ایسے بھی ہیں کہ جو اپنے اس لقب کو نہ صرف اختیار کرتے ہیں، بلکہ اپنے خروج کو سورہ النساء کی آیت ﴿وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾[3] کے مصداق جہاد کے معنی میں لے کر اس پر فخر محسوس کرتے ہیں[4]۔

3-حروریہ

ان کو حروریہ بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ صفین کی جنگ بندی اور تحکیم کے طے ہونے کے بعد جب یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے

---

[1] ۔صحیح البخاری ، كِتَابُ اسْتِتَابَةِ المُرْتَدِّينَ --- ، بَابُ مَنْ تَرَكَ قِتَالَ الخَوَارِجِ --- ، 17/9 ،حديث : 6934

[2] – سنن ابن ماجه ، أبواب السنة ، باب في ذكر الخوارج ، 120/1 ، حديث : 174،شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے صحیح وضعیف ابن ماجہ میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

[3] – النساء4 :100

[4] ۔خوارج کی کتب سے اس کی مثالیں ملاحظہ کرنے کیلئے دیکھیے: الخوارج،تاريخهم وآراءهم الاعتقادية وموقف الاسلام منها، للدكتورعواجی ،ص :9-10

الگ ہوئے تھے تو انہوں نے کوفہ کے قریب ''حروراء'' نامی جگہ پر اپنا ڈیرہ لگایا تھا۔[1]خوارج کے شعراء نے اپنے کلام میں حروریہ کے لقب کا مدح کے ضمن میں استعمال کیا ہے۔[2]اس لقب کا خوارج پر اطلاق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں عام تھا اور وہ انہیں اکثر اس نام سے پکارا کرتے تھے۔[3]سلف صالحین کسی کو خوارج کی طرح دین میں بہت زیادہ تکلف اور تشدد سے روکنے کے لیے حروریہ کا لقب بھی دے دیتے تھے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ ان سے ایک عورت نے سوال کیا کہ کیا حیض سے پاک ہونے والی عورت کو نماز کی قضاء دینا ہو گی؟ اس پر عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کیا تم حروریہ ہو؟ ہم نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں حائضہ ہوتی تھیں اور آپ ہمیں نماز کی قضاء کا حکم نہیں دیتے تھے۔[4]

4- محکمہ

خوارج کے اولین القاب میں سے ایک لقب "محكمة " ہے۔ انہیں یہ لقب صفین کی جنگ بندی اور تحکیم کے طے ہونے کے بعد "لا حكم الا لله "{اللہ کے سوا کسی کا فیصلہ یا حکم نہیں چلے گا} کہہ کر تحکیم کے انکار کی وجہ سے دیا گیا تھا۔[5] ان کے خیال کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انسانوں کو فیصلہ کا اختیار دے کر کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ اس لقب پر خوارج خوشی اور فخر کا اظہار کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے شعری ادب میں جا بجا اس لقب کا فخریہ استعمال ملتا ہے۔[6]

5- شُراۃ

ان کا ایک نام شُراۃ بھی ہے کیونکہ ان کا دعوی تھا کہ انہوں نے اپنی جانوں کو جنت کے بدلے بیچ دیا ہے[7]۔ یہ نام خوارج کے محبوب ترین ناموں میں سے ایک ہے۔ انہوں نے اپنا یہ نام قرآن مجید کی آیت ﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ...﴾[8] سے اخذ کیا ہے۔ خوارج کے شعری

---

[1]-ابن إسحاق ، أبو الحسن علي بن إسماعيل ، مقالات الإسلاميين واختلاف المصلين ، عنى بتصحيحه: هلموت ريتر، الناشر: دار فرانز شتايز، بمدينة فيسبادن (ألمانيا) ، الطبعة الثالثة، 1980 م ، ص :128

[2] – دیکھیے:الخوارج،تاريخهم وآراءهم الاعتقادية وموقف الاسلام منها، للدكتورعواجى ،ص :15

[3]-اس کے ثبوت کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ "حروریہ" کے لقب کا صرف صحیحین کی روایات میں 14 مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

[4] –صحیح بخاری، كتاب الحيض،باب: لا تقضي الحائض الصلاة ،71/1حديث :321۔صحيح مسلم:335

[5] – مقالات الإسلاميين واختلاف المصلين ، ص :128

[6]-الخوارج،تاريخهم وآراءهم الاعتقادية وموقف الاسلام منها، للدكتورعواجى ،ص:18

[7] – مقالات الإسلاميين واختلاف المصلين ،ص :128

[8] – التوبة9 : 111

ادب میں جابجا اس لقب کا بھی فخریہ انداز میں ذکر ملتا ہے[1]۔

6-مارقہ

خوارج کا ایک لقب مارقہ بھی ہے، شکار کو بڑی صفائی کے ساتھ چھید کر پار ہو جانے والے تیر کو عربی زبان میں المارق کہتے ہیں چونکہ نبی کریم ﷺ نے ان کے متعلق **" يَمْرُقُونَ مِنَ الإِسْلاَمِ مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ"**[2] کہہ کر ان کے دین سے نکل جانے کو تیر کے اپنے شکار سے نکل جانے کے ساتھ مشابہت دی ہے اس لئے انہیں مارقہ کہا جاتا ہے۔ سوائے مارقہ والے لقب کے باقی تمام القاب و معارف کو خوارج خوشی سے قبول کرتے ہیں[3]۔ خوارج اپنے لیے اس لقب کا سختی سے انکار کرتے ہیں کہ ان کے دعوی کے مطابق وہ دین سے خارج نہیں ہیں۔

7-مکفّرہ

خوارج کے القاب میں سے ایک نام "مکفرہ "(تکفیری، کلمہ پڑھنے والوں کو کافر قرار دینے والے) بھی ہے کیونکہ یہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والے شخص سمیت اپنے ہر مخالف کو کافر قرار دیتے ہیں۔[4]

---

[1]-دیکھیے: الخوارج، تاریخهم وآراءهم الاعتقادية وموقف الاسلام منها، للدکتور عواجی ،ص:15-16

[2] -صحيح البخاری ، كِتَابُ اسْتِتَابَةِ المُرْتَدِّينَ وَالمُعَانِدِينَ وَقِتَالِهِمْ، بَابُ مَنْ تَرَكَ قِتَالَ الخَوَارِجِ لِلتَّأَلُّفِ، ---، 17/9، حديث : 6934

[3] – مقالات الإسلاميين واختلاف المصلين ، ص :127

[4] – العقل ، د۔ناصر بن عبدالكريم ، الخوارج – اول الفرق فى تاريخ الاسلام ، دار اشبيليا الرياض ، الطبعة الاولى، 1998م ، ص : 23

مبحث دوم: خوارج کے فرقے اوران کے امتیازی عقائد

خوارج شروع میں متحد تھے اور حروریہ، خوارج، شراۃ، محکمہ ومارقہ وغیرہ انہی کے القاب تھے اور ان کی بنیادی علامت یہ تھی کہ یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، ان سے محبت رکھنے والوں، اصحاب جمل، حکمین اور تحکیم کو درست قرار دینے والے تمام افراد کو کافر قرار دیتے تھے، نیز ظالم حکمران کے خلاف خروج کو واجب قرار دیتے تھے[1]۔ مرورِ زمانہ کے ساتھ ان میں گروہ بندی ہوتی گئی اور یہ مختلف فرقوں میں بٹتے گئے، ان کے فرقوں کی تعداد میں مذاہب وفرق کے ماہرین کا اختلاف ہے، امام ابوالحسن اشعری اور مبرد کے خیال میں ان کے بنیادی فرق کی تعداد چار ہے اور باقی تمام خارجی مکاتب فکر انہی سے متفرع ہیں[2]، شیخ ابو منصور بغدادی کے نزدیک ان کی کل تعداد بیس ہے[3]۔ جبکہ امام رازی نے اپنی کتاب میں ان کے اکیس فرقوں کا ذکر کیا ہے[4]۔ ذیل میں خوارج کے چند بنیادی اور معروف فرقوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے:

محکمہ اولی

جیسا کہ پچھلے صفحات میں گذرا کہ ان خوارج کو محکمہ بھی کہا جاتا ہے جنہوں نے صفین میں جنگ بندی اور حکمین کے تقرر پر "لا حکم الا للہ "کا نعرہ لگاتے ہوئے سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے خلاف کفر کا فتوی صادر کیا اور انہیں توبہ کرنے کا کہا، لیکن جب انہوں نے ان کے موقف کی موافقت سے انکار کر دیا تو انہوں نے ان کے خلاف خروج اور بغاوت کا اعلان کر دیا۔ خوارج کا یہ سب سے پہلا گروہ ہے جنہوں نے اعلانیہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سمیت ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر قرار دے دیا تھا جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ یا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کسی قسم کا لگاو رکھتے تھے۔ نیز ان کے نزدیک ان صحابہ سے محبت رکھنے والے اور تحکیم کو درست سمجھنے والے تمام افراد کافر قرار پاتے تھے۔ یہ تمام کے تمام خلافت اور خلیفہ سے تعلق توڑ کر "حروراء" نامی مقام پر جمع ہوگئے اور پھر اپنے الگ امیر کی بیعت کرنے کے بعد انہوں نے "نہروان" کو اپنی

---

[1]۔ دیکھیے: الأسفراييني ، أبو منصور عبد القاهر بن طاهر البغدادي التميمي ، الفرق بين الفرق وبيان الفرقة الناجية ، الناشر: دار الآفاق الجديدة – بيروت ، الطبعة الثانية، 1977، ص :55

[2] – مقالات الإسلاميين واختلاف المصلين ، ص :101 ۔

المبرد ، أبو العباس محمد بن يزيد ، الكامل فى اللغة والادب ، المحقق: محمد أبو الفضل إبراهيم ، الناشر: دار الفكر العربي – القاهرة ، الطبعة الثالثة1997 م ،201/3

[3] – الفرق بين الفرق وبيان الفرقة الناجية ، ص :17

[4] – الرازي ، أبو عبد الله محمد بن عمر التيمي الملقب بفخر الدين ، اعتقادات فرق المسلمين والمشركين ، المحقق: علي سامي النشار ، الناشر: دار الكتب العلمية – بيروت ، ص :46-51

سر گرمیوں کا مرکز بنالیا، اور وہیں انہوں نے اپنی قوت اور جماعت کو مجتمع کرنا شروع کر دیا۔ جب ان کی قوت اکٹھی ہو گئی تو انہوں نے اپنے نظریات کے بر عکس نظریہ رکھنے والے عبداللہ بن خباب بن ارت جیسے مخلص مسلمانوں کا قتل شروع کر دیا، ان کے سردار عبداللہ بن کواء، عتاب بن اعور، عبداللہ بن وہب راسبی، عروہ بن عمرو بن حدیر، یزید بن ابی عاصم محاربی اور حرقوص بن زہیر وغیرہ تھے، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ان کے پاس آکر انہیں سمجھانے اور دلائل کے ساتھ لاجواب کرنے پر ان کی بڑی تعداد ابن الکواء سمیت خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں تائب ہو کر حاضر ہو گئی تھی۔ تقریباً چار ہزار خارجی اپنے امیر عبداللہ بن وہب راسبی کے ساتھ نہروان رہ گئے تھے جن کے خلاف سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نہروان کی لڑائی لڑی اور چند افراد کے سوا سب کو جہنم واصل کر دیا۔ یہ ساری تفصیلات اسی باب کی فصل دوم میں گزر چکی ہیں، تکرار سے بچنے کے لیے انہیں دوبارہ یہاں ذکر نہیں کیا جا رہا۔

ازارقہ

یہ ابوراشد نافع بن ازرق بن قیس حنفی کے متبعین ہیں اور اسی کی نسبت سے انہیں ازارقہ کہا جاتا ہے۔ نافع بن ازرق ابتداء میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حلقہ درس میں شامل رہا اور ان سے تفسیر کے باب میں بہت کچھ سیکھتا اور سمجھتا رہا۔ اس کے تفسیر سے متعلقہ سوالات "مسائل ابن الازرق" کے نام سے معروف ہیں۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت میں یہ بھی شریک تھا، بعدہ اس نے دیگر باغیوں کی طرح سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اور ان کی سرگرمی سے مدد و نصرت کرتا رہا یہاں تک کہ واقعہ تحکیم پیش آیا، جس کو مسترد کرتے ہوئے خوارج "لا حکم الا اللہ" کے نعرہ کے ساتھ "حروراء" میں الگ ہو گئے اور انہوں نے خلافت اور خلیفۃ المسلمین کے خلاف بغاوت برپا کر دی۔ اس خروج میں نافع بن ازرق بھی ان کے ساتھ تھا۔[1]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب عبیداللہ بن زیاد بصرہ کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے خوارج کے خلاف انتہائی سخت رویہ اختیار کیا، یہاں تک کہ 61ھ میں ان کے لیڈر ابوبلال مرداس بن حذیر کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گیا، ادھر بچے کھچے خوارج کو سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے متعلق پتہ چلا کہ انہوں نے مکہ میں اموی حکومت کے خلاف بغاوت کر دی ہے تو انہوں نے ایک جگہ جمع ہو کر اپنے اوپر گزرنے والی مصیبتوں کا تذکرہ کیا تو نافع بن ازرق کہنے لگا کہ اللہ تعالی نے تم لوگوں پر کتاب نازل کی ہے اور اس میں جہاد کرنا تم پر فرض کیا ہے، اہل ظلم و جور نے تمہارے مقابلہ میں اپنی تلواریں ننگی کر لی ہیں، یہ شخص جو مکہ میں اٹھ کھڑا ہوا ہے، چلو ہم سب مل کر بیت اللہ میں جا کر اس سے ملاقات کرتے ہیں، اگر وہ ہمارے موقف پر ہے تو ہم اس کے ساتھ مل کر دشمن سے جہاد کرتے ہیں اور اگر وہ ہمارے موقف پر

---

[1] – الزركلي ، خير الدين بن محمود الدمشقي ، الأعلام ، الناشر: دار العلم للملايين ، الطبعة: الخامسة عشر – مايو 2002 م ، 351/7

نہیں ہے تو پھر بھی ہم اپنی استطاعت کے مطابق بیت اللہ کا دفاع کریں گے اور اس کے بعد اپنے متعلق مزید غور کر لیں گے۔ چنانچہ نافع بن ازرق کی قیادت میں یہ لوگ مکہ کی طرف روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچ کر عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ملے۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ ان کے آنے سے خوش ہوئے اور انہیں اپنے پاس رہنے کی اجازت دے دی، چنانچہ یہ لوگ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ملکر شامیوں کے خلاف لڑائی لڑتے رہے، یہاں تک کہ 64ھ میں یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد شامی لشکر واپس چلا گیا اور اہل مکہ نے خلافت پر ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔

اب خوارج نے آپس میں کہا کہ ہم جو کر رہے ہیں، یہ درست نہیں ہے۔ ہم ایک ایسے شخص کی مدد کر رہے ہیں جس کے عقیدے کا حال تک ہمیں معلوم نہیں ہے، نامعلوم وہ ہمارے عقیدے پر ہے بھی یا نہیں؟ کیونکہ وہ اور اس کا باپ دونوں عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے تمہارے خلاف لڑائی کر چکے ہیں اور عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقام لینے کی صدائیں یہی لوگ پکار رہے تھے، تو ایسا کرتے ہیں کہ اس سے چل کر پوچھتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس کی کیا رائے ہے؟ پھر اگر اس نے عثمان رضی اللہ عنہ سے لاتعلقی ظاہر کی تو ٹھیک ہے ورنہ یہ لوگ بھی ہمارے دشمن ہیں۔ اس فیصلہ کے بعد یہ لوگ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہم نے تمہارے ساتھ مل کر لڑائی کی ہے اور تجھ سے تیری رائے کی جانچ پڑتال بھی نہیں کی تو اب ہمیں یہ بتاؤ کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دینے سے پہلے دیکھا کہ اس وقت ان کے اپنے لوگ خوارج کی نسبت بہت تھوڑی تعداد میں وہاں موجود تھے تو انہوں نے جواب دینے کی بجائے خوارج سے کہا کہ تم ایسے وقت میرے پاس آئے ہو کہ میں ابھی اٹھنے والا تھا، تم شام کو میرے پاس آجاؤ، پھر بات چیت کریں گے یہ سن کر وہ لوگ واپس پلٹ گئے۔

عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے خوارج کی فطرت کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے لوگوں کو پیغام بھیجا کہ مسلح ہو کر شام کو ان کے پاس آجائیں۔ شام کو خوارج آئے تو مجلس کا رنگ دیکھ کر ہی انہیں جواب کی سمجھ آگئی۔ نافع بن ازرق کہنے لگا: ابن زبیر! خدا سے ڈرو اور خود غرضی سے بیزاری اختیار کرو، سب سے پہلے جس شخص نے گمراہی کی بنیاد ڈالی، اس سے عداوت کرنا چاہیے اور جس نے قرآنی حکم کے خلاف کیا، اس سے نفرت کرنا چاہیے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارا رب تم سے خوش ہو گا اور عذاب شدید سے تم کو نجات مل جائے گی اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تمہارا شمار ان لوگوں سے ہو گا جنہوں نے دنیا کی زندگی میں فائدہ اٹھایا اور اپنے سارے نیک اعمال دنیا میں ہی برباد کر بیٹھے۔ پھر اس نے اپنے خطیب عبیدہ بن ھلال کو کھڑے ہو کر اپنی دعوت پیش کرنے کا حکم دیا۔ وہ کھڑا ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ کرنے کے بعد سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بہت اچھے انداز سے تذکرہ کیا۔ پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا شدید گستاخانہ انداز میں تذکرہ کیا اور ان کے متعلق انتہائی بدتمیزی اور گستاخی کے کلمات کہے اور ساتھ کہا کہ اللہ کے ان ایمان والے بندوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا جنہوں نے اللہ کی اطاعت پر اللہ سے عہد کیا تھا اور وہ اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت گر کی ملامت

سے نہ ڈرتے تھے تو ہم ان کے دوست اور ان سے محبت کرنے والے ہیں اور ابن عفان رضی اللہ عنہ اور اس کے دوستوں سے ہم بیزاری ولا تعلقی کا علان کرتے ہیں۔ اے ابنِ زبیر! اب تم بتاؤ کہ تم کیا کہتے ہو؟

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حمد و ثناء کے بعد کہنے لگے کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں جو کچھ کہا، درست کہا اور میں اس کی تائید کرتا ہوں۔ باقی جہاں تک عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے تو آج اللہ کی مخلوق میں مجھ سے بڑھ کر ابن عفان رضی اللہ عنہ کو اور ان کے حالات کو جاننے والا کوئی نہیں۔ جب تم لوگوں نے ان سے دشمنی کی اور ان پر چڑھائی کی تو میں ان کے پاس موجود تھا۔ تم نے عثمان رضی اللہ عنہ کے جو عیب بیان کئے ہیں، اللہ کی قسم وہ ویسے نہیں تھے۔ پھر ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ اور باغیوں کے درمیان چلنے والی بحث اور اس میں باغیوں کے لاجواب ہونے کی ساری بات سنائی اور آخر میں کہا: تم لوگ اور تمام حاضرین اس بات کے گواہ بن جاؤ کہ میں دنیا اور آخرت میں ابن عفان رضی اللہ عنہ کا دوست ہوں اور ان کے دوستوں کو دوست رکھتا ہوں اور ان کے دشمنوں کا دشمن ہوں۔ اس پر خوارج کہنے لگے کہ اے اللہ کے دشمن! اللہ تجھ سے بری ہے۔ جواباً عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اے اللہ کے دشمنو! اللہ تم سے بری ہے۔ اس پر خوارج دو گروہوں میں تقسیم ہو کر مکہ سے نکل گئے۔ نافع بن ازرق مکہ سے نکل کر عبد اللہ بن صفار سعدی، عبد اللہ بن اباض، حنظلہ بن بیہس اور ماحوز کے تینوں بیٹوں عبد اللہ، عبید اللہ اور زبیر کے ہمراہ بصرہ آگیا۔ جبکہ ابو طالوت، عبد اللہ بن ثور ابو فدیک اور عطیہ بن اسود یشکری وغیرہ یمامہ آگئے اور نجدہ بن عامر حنفی کی قیادت میں مجتمع ہو گئے۔[1]

نافع اور اس کے ہمراہی اہواز، فارس اور کرمان پر غالب آگئے اور انہوں نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ عمال کو قتل کر دیا۔ دن بدن ان کی شورشیں بڑھتی چلی گئیں، تاریخ نگاروں کے مطابق خوارج کی اتنی بڑی تعداد اور قوت جو اس کے عہد میں تھی کبھی نہیں رہی۔ آخر کار بصرہ کے عامل عبد اللہ بن حارث بن نوفل نے مسلم بن عبیس کی قیادت میں نافع بن ازرق اور اس کے ہمراہیوں کے استیصال کے لیے بڑی مہم روانہ کی جس نے اہواز کے قریب نافع بن ازرق کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ نافع کا قتل سنہ 65 ہجری میں ہوا۔[2]

خوارج کے بنیادی و اولین گروہ محکمہ اولی کے بعد ازارقہ کو "ام الفرق" خیال کیا جاتا ہے کیونکہ خوارج کے باقی فرقے ازارقہ کے بطن سے ہی پھوٹے ہیں جیسا کہ ہم ان کی تفصیل میں بیان کریں گے۔ اسی طرح خوارج میں تشتت و تفرق کا سہرہ بھی ازارقہ کے بانی نافع بن ازرق کے سر ہے کہ اس سے پہلے تمام خوارج ایک ہی موقف پر جمع

---

[1]۔ دیکھیے: تاریخ الطبری ،5/564-566 - تاریخ خلیفة بن خیاط،ص:253 ۔ الکامل في التاریخ لابن الاثیر ، 3/254-255

[2] ۔ الفرق بین الفرق وبیان الفرقة الناجیة ، ص :64-65

تھے۔[1]

ازارقہ کے امتیازی عقائد

ازارقہ خوارج کے تمام فرقوں میں سے سب سے زیادہ انتہا پسند تھے، ان کے کچھ منفرد اعتقادات تھے، جن کی وجہ سے وہ خوارج کے دیگر فرقوں سے الگ ہو گئے، ان کے وہ عقائد یہ ہیں:[2]

- تحکیم کو قبول کرنے کی وجہ سے وہ علی رضی اللہ عنہ کو، حکمین یعنی ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو، نیز عثمان رضی اللہ عنہ، معاویہ رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ، عائشہ رضی اللہ عنہا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے ہم نوا اور محبت کرنے والے تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں اور ان کے خیال میں یہ سب ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔
- ان کے باطل خیال میں قرآن مجید کی آیت ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ﴾[3] سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جبکہ آیت ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ...﴾[4] ان کے قاتل عبدالرحمن بن ملجم لعین کے حق میں نازل کی گئی ہے۔
- ان کے خیال میں گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے اور اسلام سے خارج ہے، اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔
- قعدیہ خوارج یعنی جو شخص ان کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہو، ان کے نزدیک کافر ہے، چاہے وہ ان کے مذہب وعقیدہ پر ہی کیوں نہ ہو۔
- اپنے علاقوں کو دار اسلام اور اپنے مخالفوں کے علاقہ کو دار کفر قرار دیتے ہیں۔
- جو شخص اپنے علاقہ سے ہجرت کر کے ان کے علاقے میں نہ آئے اسے کافر قرار دیتے ہیں، خواہ وہ مذہب

---

[1] - الخوارج،تاريخهم وآراءهم الاعتقادية وموقف الاسلام منها، للدكتورعواجى ،ص:170

[2]- دیکھیے: مقالات الإسلاميين واختلاف المصلين ، ص :89۔ الملل والنحل للشهرستانى ، 1/121-122۔ الفرق بين الفرق وبيان الفرقة الناجية ، ص :64-63۔

الغصن ، د۔سلمان بن صالح ، الخوارج ، نشاتهم ، فرقهم ، صفاتهم ، الرد على ابرز عقائدهم ، داركنوز اشبيليا ، الرياض، الطبعة الاولى ، 2009ء، ص :66-67

ازارقہ کے معتقدات مع مستدلات ملاحظہ کرنے کے لیے دیکھیے: الخوارج تاريخهم ، فرقهم ، وعقائدهم ،للدكتور احمد عوض ابوالشباب ، ص :219-224

[3] - البقرة 2 :204

[4] - البقرة 2 :207

اور عقیدے میں ان کے ہم خیال ہی کیوں نہ ہو۔

- مسلمانوں میں سے اپنے مخالفین کو مشرک قرار دیتے ہیں۔ان کے خیال کے مطابق ان کے مخالفین اور ان کے بچے مشرک ہونے کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے اور ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔
- اپنے مخالفین کی عورتوں اور بچوں کے خون کو مباح قرار دیتے ہیں۔
- جو لوگ ان کے پاس ہجرت کر کے آتے تھے،ان کو قبول کرنے سے قبل ان میں سے ہر ایک کا امتحان لیتے تھے،امتحان کی صورت یہ ہوتی تھی کہ اپنے مخالفین کے قیدیوں میں سے ایک قیدی اس کے حوالے کر کے حکم دیتے تھے کہ اسے قتل کرو،اگر وہ قیدی کو قتل کر دیتا تو اس کو جماعت کی رکنیت کا پروانہ دیدیتے،ورنہ اسے بھی قتل کر دیتے۔
- مخالفین کے بچوں اور عورتوں کو قتل کرنا جائز ہے۔
- شادی شدہ زانی پر رجم کے شرعی حکم کو اس دلیل کے ساتھ باطل قرار دیتے ہیں کہ اس کا قرآن میں ذکر نہیں ہے۔اسی طرح پاکدامن مرد پر زنا کی تہمت لگانے والے سے حد قذف ساقط کرتے ہیں۔نیز ان کے خیال میں چور کا ہاتھ بہر صورت کاٹا جائے گا اور اس میں کسی نصاب کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔
- تقیہ قول و عمل ہر صورت میں ناجائز و حرام ہے کیونکہ دار کفر میں رہنے والا کافر ہی رہتا ہے جب تک کہ ہجرت نہ کرلے۔
- ان کے نزدیک اپنے مخالفین کی امانتوں کو واپس کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ وہ مشرک ہیں۔

نجدات

بنو حنیفہ کے نجدہ بن عامر حروری حنفی کی طرف نسبت کی وجہ سے اس جماعت کو نجدات کہا جاتا ہے۔یہ پہلی صدی ہجری کے ان گروہوں میں سے ایک گروہ ہے جنہوں نے مسلمانوں کا بہت زیادہ نقصان کیا ہے۔جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ خوارج نے مکہ مکرمہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارہ میں رائے معلوم کی اور ان کی رائے کو اپنی رائے کے بالکل الٹ پا کر مکہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ایک گروہ نے نافع بن ازرق کی قیادت میں بصرہ کا رخ کیا جبکہ دوسرے گروہ کے لوگوں نے یمامہ کا رخ کیا۔

ان لوگوں کے الگ الگ ہونے کی وجہ یہ بنی کہ نافع بن ازرق نے،جو تمام خوارج کا امیر تھا،نے قعدیہ خوارج،یعنی وہ لوگ جو ذہنی وفکری طور پر خوارج کے ہم خیال تھے لیکن عملی طور پر جنگ میں شریک نہ ہوتے تھے، سے اپنی براءت کا اظہار کر دیا اور فتوی دے دیا کہ جب تک وہ اپنے علاقے چھوڑ کر اس کی طرف ہجرت نہ کریں،وہ مشرکین ہیں اور دیگر مشرکین کی طرح ان کے بچوں اور عورتوں کا قتل بھی جائز ہے تو اس پر خوارج کی ایک

جماعت، جس میں ابو طالوت، عبد اللہ بن ثور ابو فدیک اور عطیہ بن اسود یشکری، عطیہ حنفی، راشد طویل، مقلاص اور ایوب ازرق وغیرہ شامل تھے، نے اس سے جدا ہو کر یمامہ کی جانب جانے کا فیصلہ کیا۔ راستہ میں انہیں نجدہ بن عامر ملا جو خارجیوں کی ایک جماعت کے ہمراہ اپنے امیر نافع بن ازرق کے پاس بصرہ جا رہا تھا، ان لوگوں نے نجدہ کو نافع کے فتووں سے آگاہ کیا اور اسے یمامہ واپس لے گئے۔ اور اس کی بیعت کر کے اسے امیر المومنین کے لقب سے پکارنے لگے۔ مزید انہوں نے قعدہ کی تکفیر کرنے والے نافع بن ازرق اور اس کی امامت کو تسلیم کرنے والے خارجیوں کو کافر قرار دینے کا اعلان کر دیا، پھر یہ خود ہی آپس میں اختلاف کا شکار ہو کر مندرجہ ذیل تین گروہوں میں بٹ گئے۔[1]

- نجدات العاذریہ: نجدہ بن عامر کے متبعین جو اسے تمام معاملات میں برحق قرار دیتے تھے۔
- عطویہ: وہ لوگ جنہوں نے نجدہ سے براءت کا اعلان کر کے عطیہ بن اسود کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔
- فدیکیہ: وہ لوگ جنہوں نے نجدہ کے کفر کا اعلان کر کے ابو فدیک کی اتباع کی تھی، انہیں لوگوں نے نجدہ کے خلاف جنگ کر کے اسے قتل کر دیا تھا۔

ان کے باہمی اختلاف کی ایک وجہ تو یہ ہوئی کہ اس نے دو فوجیں بری اور بحری تیار کر کے انہیں جنگ پر روانہ کیا اور ساز و سامان کی فراہمی میں ایک کو دوسرے پر فوقیت دی۔ تو اس پر اعتراض ہوا کہ نجدہ کو ایسا کرنے کا کوئی حق نہ تھا، اس نے یہ ظلم کیا ہے۔ جبکہ دوسری وجہ یہ ہوئی کہ نجدہ نے ایک فوج کو مدینہ طیبہ پر حملہ کے لئے بھیجا جہاں ان لوگوں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خاندان کی ایک لڑکی کو قید کر لیا جس کی رہائی کے سلسلے میں عبد الملک بن مروان نے نجدہ کو خط لکھا، نجدہ نے اس لڑکی کو جس کے حصے میں آئی تھی اس سے خرید کر مروان کے پاس بھیج دیا، جس پر اس کے ساتھیوں نے اعتراض کیا کہ اس نے ہماری ایک لونڈی کو دشمن کو واپس کر دیا۔ تیسرا سبب یہ ہوا کہ اس نے اجتہادی غلطی کرنے والوں کو معذور قرار دے دیا، اسی وجہ سے اس کی جماعت کو نجدات العاذریہ بھی کہا جاتا ہے۔[2]

---

[1] – دیکھیے: الملل والنحل للشهرستانی ،1/122-125۔ الفرق بين الفرق وبيان الفرقة الناجية،ص : 66-67 ۔ الخوارج تاريخهم ، فرقهم وعقائدهم للدكتور احمد عوض ابوالشباب ، ص :225-228

الأسفراييني ، أبو المظفر طاهر بن محمد ، التبصير في الدين وتمييز الفرقة الناجية عن الفرق الهالكين ، المحقق: كمال يوسف الحوت، الناشر: عالم الكتب – لبنان ، الطبعة الأولى، 1983م ، ص :52

[2] – ایضا

نجدات کے امتیازی عقائد

نجدات کے امتیازی عقائد مندرجہ ذیل تھے:[1]

- ان کے اپنے موافقین میں سے جو صاحب حد تھے ان کے متعلق ان کا کہنا تھا کہ شاید اللہ تعالی ان کو ان کے گناہوں کے بدلے جہنم کی آگ کے علاوہ کی سزا دے اور پھر انہیں جنت میں داخل کر دے، اس لیے ان سے اظہار براءت جائز نہیں ہے۔ اس کا عقیدہ تھا کہ جہنم میں وہی لوگ جائیں گے جو اس کے دین میں اس کے مخالف ہیں۔
- نجدات کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر قرار نہیں دیتے تھے۔
- نجدات کے نزدیک ان کے مخالف کا قتل کرنا واجب ہے۔
- انہوں نے فروعی معاملات میں جہالت کو بطور عذر قبول کرنے کا اعلان کیا۔
- نجدات کے نزدیک ازارقہ کے برعکس قول و عمل ہر دو صورتوں میں تقیہ کرنا جائز ہے۔ اسی طرح وہ اپنے موافق قعدیہ کو واجب القتل نہیں سمجھتے تھے اور نہ ہی وہ ازارقہ کی طرح غیر کی امانتوں کو ہڑپ کرنا درست سمجھتے تھے۔
- نجدات کے نزدیک گناہ پر اصرار کرنے والے اور کبھی کبھار بغیر اصرار کے گناہ کرنے والے میں فرق کیا جائے گا، چنانچہ ان کے خیال میں جس شخص نے چھوٹی سی نگاہ ڈالی یا کوئی چھوٹا سا بھی جھوٹ بولا اور اس پر مصر رہا تو وہ مشرک ہے، اور جس نے زنا کیا، چوری کی اور شراب پی لی لیکن اس پر اصرار نہیں کرتا تو وہ مؤمن ہے، بشرطیکہ وہ اس کے مذہب کے موافقین میں سے ہو۔
- پوری امت کے اجماع کے برعکس نجدات کے نزدیک جب لوگ آپس میں ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کے سلسلہ میں انصاف قائم کر سکتے ہوں تو امام یا حاکم کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اور اگر وہ سمجھتے ہیں کہ امام کے بغیر انصاف نہیں ہو سکتا ہے اور وہ امام بنا لیتے ہیں تو یہ جائز ہے۔ یعنی نصب امام کا معاملہ واجب شرعی نہیں بلکہ مصلحت پر منحصر ہے۔

صفریہ

صفریہ خوارج کے بڑے فرقوں میں سے ایک ہے، بعض اہل علم کے خیال میں انہیں ان کے قائد عبداللہ بن

---

[1]- دیکھیے: الفرق بين الفرق وبيان الفرقة الناجية ، ص :68 - الملل والنحل للشهرستانی ،124/1 ۔ مقالات الاسلاميين، ص:90-91 ۔ الخوارج تاريخهم ، فرقهم ، وعقائدهم ، للدكتور احمد عوض ابوالشباب ، ص :228-229

صفار کی نسبت سے صفریہ کہا جاتا ہے جبکہ بعض کے خیال میں انہیں اس لیے صفریہ کہا جاتا ہے کہ کثرت عبادات کی وجہ سے ان کے چہرے زرد پڑ گئے تھے۔[1]مبرد کی مذکورہ بالا روایت کے برعکس علامہ اشعری اور شہرستانی سمیت اکثر فرق ومذاہب پر لکھنے والوں نے صفریہ کے قائد کا نام عبداللہ بن صفار کی بجائے زیاد بن اصفر ذکر کیا ہے[2]۔

خوارج کے اس گروہ کی ابتدا کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس سے واپس آنے کے بعد، جبکہ نافع بن ازرق کا موقف یہ تھا کہ قعدیہ خوارج سے ان کا کوئی تعلق نہیں، وہ کافر ہیں، ان کے ساتھ لڑائی میں شامل ہونے سے پیچھے رہنے والوں کی کوئی نجات نہیں، ان کے ساتھ مناکحت جائز نہیں، نہ ان کا ذبیحہ حلال ہے، نہ ان کی شہادت قبول کی جائے گی اور نہ ہی ان سے علم دین اخذ کیا جائے گا، ان کے بچوں کا قتل جائز ہے اور تمام کلمہ گو مسلمان عرب کے کافروں کی طرح کافر ہیں اور ان کے پاس خارجی اسلام قبول کرنے یا قتل ہونے کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے، تو اس کے انتہائی سخت گیر موقف کو کچھ خوارج نے قبول کر لیا اور نجدہ بن عامر کی طرح کچھ نے اپنی راہیں اس سے جدا کر لیں۔ تو نافع نے ابن اباض اور ابن الصفار دونوں کو اپنے ساتھیوں سمیت اس کے موقف کی حمایت کرنے کے لیے خط لکھا۔ ابن الصفار نے خط پڑھا اور اپنے ساتھیوں کو پڑھ کر سنانے کی بجائے خاموش ہو گیا۔ ابن اباض نے اس سے خط پکڑا، پڑھا اور کہنے لگا: اللہ اسے غارت کرے! نافع کی بات سچ ہوتی اگر یہ لوگ واقعی مشرک ہوتے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو سلوک مشرکوں کے ساتھ تھا، ویسا ہی اس کا سلوک ان کے ساتھ ہوتا لیکن اس نے جھوٹ بولا ہے۔ بلاشبہ یہ لوگ شرک سے بری ہیں لیکن اللہ تعالی کی نعمتوں اور حکموں کے انکاری ہیں اور ہمارے لیے صرف ان کا قتل کرنا جائز ہے، اس کے علاوہ ان کے اموال وغیرہ ہم پر حرام ہیں۔ اس پر ابن الصفار کہنے لگا: اللہ تجھ سے لا تعلق ہو گیا کہ تو نے بات میں بہت کمی کر دی اور ابن ازرق سے بھی لا تعلق ہو گیا کہ اس نے بات میں زیادتی کیا۔ جواباً ابن الازرق نے بھی ان دونوں سے اللہ تعالی کے لا تعلق ہونے کا دعوی کر دیا اور اس کے نتیجہ میں خوارج کے دو مزید گروہ "صفریہ" اور "اباضیہ" وجود میں آ گئے۔[3]

صفریہ کے امتیازی عقائد

خوارج کے اس گروہ کا موقف ازارقہ کے موقف سے تقریباً ملتا جلتا ہے۔ ازارقہ اور صفریہ کے مواقف میں صرف چند

[1] - الكامل في اللغة والأدب للمبرد، 201/3

[2] - مقالات الإسلاميين واختلاف المصلين، ص:101 ۔ الفرق بين الفرق وبيان الفرقة الناجية، ص:70 ۔ الملل والنحل، 137/1

[3] - تاريخ الطبرى، 567/5-568 ۔ الكامل فى التاريخ لابن الاثير، 255/3-256

اختلافات ہیں، جیسے:[1]

- قعدہ عندالقتال کے مرتکبین کو کافر قرار نہیں دیتے،بشرطیکہ وہ دین و اعتقاد میں ان کی موافقت رکھتے ہوں۔
- حدرجم کوازارقہ کی طرح ساقط قرار نہیں دیتے۔
- اپنے مخالفین کو مشرک توقرار دیتے ہیں لیکن ان کے بچوں اور عورتوں کو قتل کرنا جائز نہیں سمجھتے اور نہ ہی مشرکین کے بچوں کو کافرقرار دیتے ہوئے ان کے ہمیشہ جہنم میں رہنے کے دعویدار ہیں۔
- ان کے یہاں عمل کے برعکس قول میں تقیہ جائز ہے۔
- ان کے نزدیک ہر گناہگار مشرک ہے۔
- ان کے خیال میں ہر ایسے کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کہ جس پر حد واجب ہے، کافرومشرک قرار دینے کی بجائے اس کے اسی گناہ سے موصوف وموسوم کیا جائے گا، جیسے زناکار کو زانی، چوری کرنے والے کو سارق ،بہتان تراش کو قاذف اور قاتل کو قاتل کہا جائے گا، جبکہ ہر ایسے کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کہ جس پر حد مقرر نہیں جیسے ترک نماز اور ترک زکاۃ وصیام اور جہاد سے راہ فرار اختیار کرناوغیرہ تو اس کے مرتکب کو کفر سے موسوم وموصف کیا جائے گا۔
- ان کے ایک گروہ کے خیال میں کسی بھی کبیرہ گناہ کے مرتکب پر کفر کا حکم نہیں لگا جائے گا تاآنکہ حاکم تک مقدمہ پہنچ جائے اور وہ اس پر حد قائم کردے۔

بیھسیہ

خوارج کا یہ گروہ اپنے زعیم ابو بیھس ہیثم بن جابر کی طرف منسوب ہے، جو سعد بن ضبیعہ میں سے تھا، اور ابتداء میں خوارج کے گروہ "ازارقہ " میں شامل تھا، پھر نافع بن ازرق سے اختلاف کی وجہ سے اسے کافر قرار دے کر اپنے ساتھیوں سمیت ان سے الگ ہو گیا۔اس کی جماعت کو" بیھسیہ "کے نام سے جانا جاتا ہے[2]۔

بیھسیہ کے امتیازی عقائد

- ابو بیھس اور اس کے اتباع کے خیال میں ان کے دشمن اللہ کے رسول ﷺ کے دشمنوں کی طرح ہیں کہ

---

[1]-دیکھیے:الملل والنحل للشهرستانى ، 137/1 ـ الفرق بين الفرق وبيان الفرقة الناجية ،ص :70 ـ التبصير في الدين وتمييز الفرقة الناجية عن الفرق الهالكين ،ص :53 ـ الخوارج تاريخهم ، فرقهم ، وعقائدهم ،للدكتور احمد عوض ابوالشباب ، ص :233-235

[2] - الاعلام للزركلى ،105/8

ان کے درمیان سکونت اختیار کرنا جائز ہے جس طرح مسلمان مکہ میں مشرکین کے درمیان رہتے تھے جبکہ وہاں مشرکین کا حکم چلتا تھااور ان کے ساتھ مناکحت اور موارثت بھی جائز ہے کیونکہ وہ منافقین کے حکم میں ہیں جو اسلام ظاہر کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالی کے ہاں وہ مشرک ہی ہیں۔[1]

- ان کے نزدیک جو شخص اللہ تعالی، اس کے ناموں اور تفاصیل شریعت کو نہیں جانتا، وہ کافر ہے۔[2]
- ان کے خیال میں کسی بھی کبیرہ گناہ کے مرتکب شخص پر کفر کا حکم نہیں لگا جائے گا تاآنکہ حاکم تک مقدمہ پہنچ جائے اور وہ اس پر حد قائم کردے۔ حاکم کے فیصلہ صادر کرنے تک نہ اسے مومن قرار دیا جائے گا اور نہ ہی کافر۔[3]
- ان کے ہاں مرتکب کبیرہ کافر ہے لیکن جو شخص دین سے جہالت میں رہتا ہے اور گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے، وہ مشرک ہے۔ جبکہ ہر ایسا گناہ کہ جس کے بارہ میں اللہ تعالی نے کوئی سخت حکم نازل نہیں کیا اور نہ ہی ہمیں اس کی شدت سے آگاہ کیا تو ایسا گناہ قابل مغفرت ہے۔[4]
- ان کے مطابق اگر حاکم کفر کرے تو رعیت کے سب غائب و حاضر بھی کافر ہو جاتے ہیں۔[5]
- ان میں سے کچھ لوگوں کے خیال میں صرف وہ چیزیں حرام ہیں جو قرآنی آیت ﴿قُل لَّآ أَجِدُ فِي مَآ أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطۡعَمُهُۥٓ ....﴾[6] میں مذکور ہیں، ان کے علاوہ تمام چیزیں حلال ہیں۔[7]

دیگر خارجی گروہوں کی طرح ان کے چند مشہور ذیلی فرقے مندرجہ ذیل ہیں:

عونیہ یا عوفیہ

ان کا عقیدہ ہے کہ اگر امام کفر کا ارتکاب کرتا ہے تو ساری رعیت کافر ہو جاتی ہے۔ ان کے مزید دو گروہ ہیں ایک کا کہنا ہے کہ جو شخص اپنے دار ہجرت اور جہاد سے واپس پلٹ کر گھر بیٹھ جائے تو ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں جبکہ دوسرا گروہ اس خیال کو غلط قرار دیتے ہوئے کہتا ہے کہ اس نے کسی جرم نہیں بلکہ ایک ایسے امر کا ارتکاب کیا ہے جو اس

---

[1] – الكامل فى اللغة والادب للمبرد ،211/3

[2] – اعتقادات فرق المسلمين والمشركين ، ص :47 ـ الملل والنحل ،126/1

[3] – التبصير في الدين وتمييز الفرقة الناجية عن الفرق الهالكين ، ص :60 ـ الفرق بين الفرق وبيان الفرقة الناجية ، ص : 88 ـ الفصل في الملل والأهواء والنحل ، 145/4

[4] – مقالات الإسلاميين واختلاف المصلين ،ص :116

[5] – الفرق بين الفرق ،ص :88 ـ مقالات الإسلاميين واختلاف المصلين ،ص :116

[6] – الانعام6 :145

[7] – الملل والنحل ،126/1

کے لیے حلال تھا۔[1]

اصحاب التفسیر

یہ گروہ حکم بن مروان کوفی نامی شخص کی طرف منسوب ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ اگر کسی نے کسی مسلمان کے خلاف معصیت کی گواہی دی تو اس کی گواہی تب تک قبول نہیں ہو گی جب تک وہ اس پوری کیفیت بیان کر کے اس کی وضاحت نہ کر دے، مثلاً کسی کے خلاف چار آدمیوں نے زناکاری کی گواہی دی تو اس وقت تک ان کی گواہی قابل قبول نہیں جب تک وہ اس کی وضاحت نہ کر دیں کہ اس کا وقوع کیسے ہو رہا تھا؟ اسی طرح تمام حدود میں تفسیر کا التزام کیا جائے گا۔ خیال رہے عام بیہسیہ ان سے لا تعلقی کا اظہار کرتے ہیں۔[2]

اصحاب السوال

شبیب نجرانی نامی شخص کے متبعین ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ انسان تب مسلم بنتا ہے جب وہ شہادتین کا اقرار کر لے، ولاء اور براء کے تقاضے پورے کرے، اور اللہ تعالی کی طرف سے جو کچھ نازل ہوا ہے اس پر اجمالا ایمان لائے۔ علم نہ ہونے کی صورت میں اس پر لازم ہے کہ اس کے متعلق سوال کرے۔ نیز ان کے خیال میں مؤمنین کے بچے مؤمن ہی ہوتے ہیں چاہے وہ ابھی بچپن میں ہوں یا بلوغت کو پہنچ گئے ہوں جب تک حق کا انکار نہ کر دیں، اسی طرح کفار کے بچے کافر ہی ہوتے ہیں جب تک اسلام میں داخل نہ ہو جائیں، اور تقدیر کے باب میں وہ قدریہ کی موافقت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے بندوں کے اعمال بندوں کو ہی سونپ رکھے ہیں اور ان میں اللہ کی مشیت کا کوئی دخل نہیں۔ عام بیہسیہ ان سے بھی لا تعلقی کا اظہار کرتے ہیں۔[3]

اباضیہ

اباضیہ خوارج کا وہ فرقہ ہے جو اپنے موقف کے اعتبار سے اہل السنہ والجماعہ کے نسبتاً قریب اور دیگر خارجی گروہوں کی نسبت معتدل تصور کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے دیگر خارجی گروہوں کے برعکس دنیا میں اسی کو بقاء اور وسعت میسر آئی اور آج بھی شمالی افریقہ، عمان، لیبیا، تونس، الجزائر، حضرموت اور زنجبار جیسے خطوں میں ان کا وجود ہے[4]۔ اس فرقہ کے زعیم و قائد کا نام عبد اللہ بن یحیٰ بن اباض تمیمی المری ہے اور اسی کی نسبت سے انہیں اباضیہ کہا جاتا ہے۔ ابن اباض

---

[1] – مقالات الإسلاميين واختلاف المصلين ، ص :115 ـ الفرق بين الفرق وبيان الفرقة الناجية ،ص :88

[2] – مقالات الإسلاميين واختلاف المصلين ، ص :117 ـ الملل والنحل ،127/1

[3] – مقالات الإسلاميين واختلاف المصلين ، ص :115 ـ الملل والنحل ،126/1

[4] –الخوارج ـاول الفرق فى تاريخ الاسلام للدكتور ناصر عبدالكريم العقل ، ص:62-64 و ص: 69-75
فرق معاصرة تنتسب الى الاسلام للدكتور عواجى، ص:253-255

بھی نافع بن ازرق کے ساتھیوں میں سے تھااور اس کے انتہائی سخت گیر موقف کی وجہ سے اس سے الگ ہو گیا۔اس کے ابن ازرق اور ابن صفار سے الگ ہونے کا پورا واقعہ "صفریہ" کے تعارف میں ذکر کیا جاچکا ہے[1]۔خیال رہے کہ فرقہ اباضیہ کے معاصر لوگ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ ان کا خوارج سے کوئی تعلق ہے[2]۔لیکن ان کا یہ دعوی دلائل وشواہد کی روشنی میں درست نہیں ہے۔[3]

اباضیہ کے امتیازی عقائد

- عبداللہ بن اباض کی امامت پر تمام اباضیہ کا اتفاق ہے۔[4]
- تمام خوارج کی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا احترام کرتے ہیں جبکہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، حکمین اور اصحاب جمل پہ سب وشتم کرتے اور ان سے براءت کا اعلان کرتے ہیں۔ان کی کتب میں عثمان رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دیتے ہوئے ان کو شہید کرنے والوں کو" فرقة أهل الاستقامة " کہا گیا ہے[5]۔
- اہل اسلام میں جو ان کے مخالفین ہیں ان کے متعلق ان کا یہ نظریہ ہے کہ وہ نہ تو مومن ہیں اور نہ ہی مشرک بلکہ وہ کافر ہیں،اللہ اور اس کے رسول کے خلاف محارب ہیں کہ دین حق قبول نہیں کر رہے لیکن ان کی گواہی قبول کی جائے گی،انہیں خفیہ طور پر قتل نہیں کیا جائے گا جبکہ کھلم کھلا لڑائی میں ان کا خون بہانا حلال ہے۔ان کے ساتھ مناکحت اور موارثت جائز ہے اور ان کے مال جن کا جنگ کے ساتھ تعلق ہے، جیسے گھوڑے اور اسلحہ وغیرہ، غنیمت بنائیں جائیں گے اور دوسرے مال جیسے سونا چاندی وغیرہ وہ لڑائی

---

[1]-نیز دیکھیے:الخوارج - اول الفرق فی تاریخ الاسلام للدکتور ناصر عبدالکریم العقل ، ص:61-62

[2]-اس پر ان کے معاصر محققین نے باقاعدہ کتب اور مقالات تحریر کیے ہیں،دیکھیے:

دراسات اسلامیة فی الاصول الاباضیة ، بکیر بن سعید اعوشت ، الطبعة الرابعة -1409ھ، ص : 29-42

الاباضیة بین الفرق الاسلامیة ، علی یحی معمر ، مکتبة الغامری للنشر والتوزیع ، ص: 11- 190

[3]—دیکھیے: فرق معاصرة تنتسب الی الاسلام للدکتور عواجی ، ص: 247-251 - الخوارج ، نشاتھم ، فرقھم ، صفاتھم ، الرد علی ابرز عقائدھم للدکتور الغصن ، ص:72 ۔ الخوارج ۔اول الفرق فی تاریخ الاسلام للدکتور ناصر عبدالکریم العقل ، ص :64-67

[4] – الفرق بین الفرق وبیان الفرقة الناجیة ، ص :82۔ الملل والنحل ،134/1-

[5]-دیکھیے:فرق معاصرة تنتسب الی الاسلام للدکتور عواجی،ص: 262۔ الخوارج ۔اول الفرق فی تاریخ الاسلام للدکتور ناصر عبدالکریم العقل ،ص:82

کے بعد انہیں واپس لوٹادیے جائیں گے۔[1]

- ان کے نزدیک اللہ تعالی اور اس کے احکام کو پہچاننے کے بعد کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والا کافر ہے، لیکن اس کا کفر کفران نعمت یا کفرِ نفاق کے باب سے ہے، کفرِ شرک یا کفرِ ملت کے باب سے نہیں۔[2]اور وہ اسے مومن کی بجائے "موحد" کا نام دیتے ہیں۔[3] دیگر خوارج کی طرح ان کے خیال میں بھی مرتکب کبیرہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔[4]
- ان کے نزدیک ان کے علاوہ دیگر کلمہ گو مسلمانوں کا علاقہ "دار توحید" کہلائے گا لیکن ان کے حکمران کے عسکری مراکز"دار بغی "قرار دیے جائیں گے۔[5]
- اباضیہ اپنے امیر کو امیر المومنین قرار نہیں دیتے اور نہ ہی اپنے آپ کو مہاجرین قرار دیتے ہیں۔[6]
- مشرکین کے بچوں کو مشرک قرار دینے کی بجائے توقف اختیار کرتے ہیں،اور انتقامی طور پر انہیں اذیت دینا جائز سمجھتے ہیں[7]۔
- گناہگار موحدین کے لیے شفاعت کا انکار کرتے ہیں[8]۔
- ظالم حکمران کے خلاف خروج کو نہ واجب قرار دیتے ہیں اور نہ حرام، بلکہ حالات کے مطابق خروج کبھی جائز ہو گا اور کبھی واجب ، لیکن حرام کسی صورت نہیں ہے۔[9]اسی لیے علمائے مذاہب نے انہیں اور صفریہ خوارج کو "قعدیہ خوارج" میں سے قرار دیا ہے[10]۔

---

[1] - الخوارج ـاول الفرق فی تاریخ الاسلام للدکتور ناصر عبدالکریم العقل ، ص:82-83 ـ الفصل في الملل والأهواء والنحل ،128/3ـ الملل والنحل ،134/1ـ

[2] – الجهني ، إشراف ومراجعة: د. مانع بن حماد ، الموسوعة الميسرة في الأديان والمذاهب والأحزاب المعاصرة ، الندوة العالمية للشباب الإسلامي ، الناشر: دار الندوة العالمية للطباعة والنشر والتوزيع ، الطبعة: الرابعة، 1420 هـ ،59/1 الفرق بين الفرق وبيان الفرقة الناجية ، ص :97 ـ الفصل في الملل والأهواء والنحل ، 128/3 ـ الملل والنحل،135/1ـ

[3] – الملل والنحل ،134/1ـ

[4] – الموسوعة الميسرة في الأديان والمذاهب والأحزاب المعاصرة ، 60/1

[5] – الملل والنحل ،134/1ـ

[6] – الملل والنحل ،134/1-

[7] – الملل والنحل ،135/1

[8] – الموسوعة الميسرة في الأديان والمذاهب والأحزاب المعاصرة ، 60/1

[9] – ایضا

[10] – الخوارج ـاول الفرق فی تاریخ الاسلام للدکتور ناصر عبدالکریم العقل ، ص:66

- معتزلہ کی طرح قیامت کے روز رؤیت باری تعالی کا انکار کرتے ہیں اور اس ضمن میں واضح قرآنی آیات کی باطل تاویل کرتے ہیں[1]
- دیگر تمام خوارج کی طرح ان کے نزدیک بھی قرآن کریم مخلوق ہے[2]۔

قعدیہ

خوارج میں ایک فرقہ قعدہ یا قعدیہ کے نام سے مشہور ہے۔ان کا یہ نام قتال سے رکنے کی وجہ سے ہے۔حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:

" والقعدية قوم من الخوارج كانوا يقولون بقولهم ولا يرون الخروج بل يزينونه"[3]

قعدیہ خوارج کا ایک گروہ ہے جن کی بات اور رائے تو وہی ہے جو دیگر خوارج کی ہے، لیکن وہ خروج یا بغاوت نہیں کرتے،البتہ اسے مزین کرکے پیش کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

" والقعد الخوارج كانوا لا يرون بالحرب بل ينكرون على أمراء الجور حسب الطاقة ويدعون إلى رأيهم ويزينون مع ذلك الخروج ويحسنونه "[4]

''قعدہ خوارج کا ایک گروہ ہے جو خود تو جنگ نہیں کرتا، لیکن ظالم حکمرانوں کی حسبِ استطاعت مذمت کرتا ہے۔یہ لوگوں کو اپنی طرف دعوت دیتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ بغاوت کو شہ بھی دیتے ہیں اور اسے خوبصورت بنا کر پیش کرتے ہیں۔''

اہل علم نے انہیں خوارج کا نام دیتے ہوئے انہی کا ایک گروہ قرار دیا ہے اگرچہ یہ براہِ راست لڑائی نہیں کرتے اور نہ حکمران کے خلاف بغاوت کرتے ہیں۔بہت سے اہل علم نے تو انہیں خبیث ترین خوارج کا نام دیا ہے کیونکہ یہ عام لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کرتے ہیں اور معاملہ کو ان پر خلط ملط کرتے ہیں۔امام ابوداؤد نے اپنی کتاب میں شیخ عبداللہ بن محمد ابو محمد الضعیف کا قول نقل کیا ہے۔وہ فرماتے ہیں:

---

[1] ۔ دراسات اسلامية فى الاصول الاباضية ، ص: 59-63 ۔

الخوارج ۔اول الفرق فى تاريخ الاسلام للدكتور ناصر عبدالكريم العقل ، ص: 78-79

[2] – الموسوعة الميسرة في الأديان والمذاهب والأحزاب المعاصرة ، 59/1 ۔

مقالات الإسلاميين واختلاف المصلين، ص: 108

[3] – فتح الباري شرح صحيح البخاري، 432/1

[4]-العسقلاني ، أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر ، تهذيب التهذيب، مطبعة دائرة المعارف النظامية، الهند ، الطبعة الأولى: 1326ھ ، 129/8

''خوارج کا قعدہ نامی گروہ خبیث ترین خوارج ہیں۔''[1]

[1] - السجستاني ، مسائل الإمام أحمد رواية أبي داود السجستاني، أبو داود سليمان بن الأشعث ، تحقيق: أبي معاذ طارق بن عوض الله ، مكتبة ابن تيمية، مصر ، الطبعة: الأولى، 1999 م ، ص:362

مبحث سوم: قدیم خوارج اور معاصر خارجی فکر کے حاملین کا تقابلی جائزہ

خارجی فکر کے حاملین کے متعلق نبوی پیشین گوئی ہے کہ یہ قیامت تک سر اٹھاتے رہیں گے اور امت ان کا سر کچلتی رہے گی۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں ہی امت کو تمام بڑے بڑے فتنوں سے خبر دار فرما دیا تھا اسی طرح آپ نے ان خوارج کی علامات واوصاف سے بھی امت کو بڑی حد تک آگاہی دے دی تھی یہی وجہ ہے کہ جب ان کا ظہور ہوا تو امت نے انہیں ان کی علامات سے فورا پہچان لیا اور امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت ان کا قلع قمع کرنے میں ذرہ دیر نہ لگائی۔ خوارج کے یہ اوصاف وعلامات اس باب کی فصل اول میں تفصیلا ذکر کیے جاچکے ہیں۔ اس مبحث میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے قدیم خوارج اور موجودہ زمانے میں موجود خارجی فکر کے حاملین کے درمیان تکفیر مسلم اور مسلم حکام کے خلاف خروج وبغاوت کے حوالہ سے موجود اوصاف کی مشابہت، افکار کی وحدت اور کردار کی مماثلت کے حوالے سے ایک تقابلی جائزہ پیش کرنا مقصود ہے کہ جس سے یہ واضح ہو جائے کہ قدیم خوارج اور معاصر خارجی فکر رکھنے والے لوگ اس حوالے سے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ باقی رہی بات کہ اس دور کے خارجی فکر کے حامل لوگوں کو خارجی قرار دینا درست ہے یا نہیں؟ تو یہ ایک ایسا سوال ہے کہ جس کا جواب ڈھونڈنے کے لیے حکومتی سرپرستی اور معتبر اہل علم کی نگرانی میں باقاعدہ تحقیق کی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اگر تکفیر مسلم وغیرہ کے ضمن میں اولین خوارج کے ساتھ مشابہت ومماثلت رکھتے ہیں تو صحابہ کرام بالخصوص سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور حکمین رضی اللہ عنہما کے متعلق ان کے عقائد وخیالات اولین خوارج سے یکسر مختلف اور اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے عین مطابق ہیں۔ یہاں جن لوگوں کو خارجی فکر کے حامل ہونے کی بنیاد پر زیر بحث لایا گیا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں حکومت پاکستان اور علماء کی ایک بڑی جماعت نے خوارج کے ساتھ فکری وعملی مشابہت کی بنیاد پر باغی یا محارب قرار دیا ہے۔[1]

اگر قدیم خوارج اور موجودہ زمانے کے ان شدت پسند لوگوں کے تکفیر مسلم اور مسلم حکام کے خلاف خروج وبغاوت کے حوالہ سے اوصاف، افکار اور کردار کا جائزہ لیا جائے تو ان کے درمیان اس قدر مشابہت اور مماثلت نظر آتی ہے کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ یہ مماثلت بعض اوقات تو حرف بحرف یکساں ہوتی ہے، بعض اوقات دلیل یا طرز استدلال ایک جیسا ہوتا ہے اور بعض اوقات کردار وصفات میں یکسانیت واضح ہوتی ہے۔ ذیل میں اس مماثلت کی مختلف صورتوں کو انتہائی اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ مزید برآں اس فصل کے آخر میں اس حوالہ سے پیش کیے جانے والے چند شبہات اور ان کے جوابات بھی پیش کیے جائیں گے۔ ان شاءاللہ العزیز

[1]- پیغام پاکستان، ص:27

1. امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف حکمین کے تقرر پر خروج کرنے والوں اور انہیں ان کے رفقاء سمیت کافر قرار دینے والوں کا بنیادی نعرہ" لا حکم الا للہ "تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا حکم نہیں چلے گا۔ ان کے خیال میں کسی انسان کو بھی حکم اور فیصل بنانا کسی صورت درست نہ تھا اور اسی خیال کی بنیاد پر انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے دیگر ساتھیوں کو کافر و مرتد قرار دیتے ہوئے ان کے خلاف تلوار اٹھائی تھی یعنی ان کے خروج کی بنیاد ہی حاکمیت الٰہیہ کے نعرہ پر تھی۔ اس لحاظ سے اگر اس فکر کے حامل معاصر لوگوں کو دیکھیں تو وہ بھی یہی راگ الاپتے اور ﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ کی بنیاد پر مسلم حکمرانوں کی تکفیر کا ڈھنڈورہ پیٹتے نظر آتے ہیں، اور اسی کے متعلق ان کے لٹریچر میں زیادہ بات کی جاتی ہے اور پھر اسی تکفیر کی بنیاد پر ہی وہ مسلم ریاستوں میں دہشت گردی، بغاوت اور قتل وغارت کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں۔[1]

خارجی فکر کے حامل تمام لوگوں کے نزدیک، چاہے وہ قدیم ہوں یا جدید، کسی پر کفر کا فتویٰ لگا کر اسے کافر قرار دینا کچھ مشکل نہیں ہے۔ قدیم خوارج نے کس قدر سہولت سے خلیفہ راشد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو، کہ جن کی محبت کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان کی نشانی قرار دیا تھا اور انہیں کئی بار جنت کی بشارت دی تھی، کفر کا مرتکب قرار دے دیا تھا[2]۔ اس تناظر میں معاصر دہشت گرد اور شدت پسند لوگوں کو دیکھیں تو اپنے پہلے اسلاف کی طرح ان کے خیال میں بھی اس کائنات میں ان کے اور ان کے پیروکاروں کے علاوہ کوئی اور مسلمان نہیں ہے۔ مسلم ممالک کے حکام، افواج، ارکان پارلیمنٹ اور کارپردازان عدلیہ و پولیس اور جو جو بھی ان کا تعاون کرے، سبھی ان کے نزدیک کافر ہیں۔ چنانچہ ان کے معروف عالم ابو محمد مقدسی[3] کا قول اس ضمن میں انتہائی واضح ہے، وہ کہتا ہے:

"جو شخص بھی اپنے آپ کو پورے اختیار کے ساتھ بغیر کسی کے مجبور کئے طاغوت کا

---

[1] -اس سلسلہ میں شیخ ابراہیم بن صالح المحیمید نے اپنے علمی مقالہ میں تفصیلی اور مدلل بحث کرتے ہوئے قدیم خوارج اور ان کی فکر کے حامل معاصر لوگوں کے درمیان مماثلت ومشابہت کی 86 وجوہات ذکر کی ہیں۔ دیکھیے: المحیمید، ابراهيم بن صالح، القصة الكاملة لخوارج عصرنا، دارالامام مسلم للنشر والتوزيع ،المدينة المنورة ، السعودية، الطبعة الاولى:1436ھ ، ص:347-416

[2] - البداية والنهاية، 315/7

[3] -ابو محمد مقدسی معاصر خارجی مصنفین میں سر فہرست ہے۔ اس کا پورا نام ابو محمد عصام محمد طاہر البرقاوی ہے۔ اردن نژاد اس شخص نے مملکت سعودیہ اور اس کے حکام کے خلاف انتہائی زہریلا لٹریچر تحریر کیا ہے۔ اس کے حالات، نظریات وخیالات اور ان کا رد جاننے کے لیے ملاحظہ فرمائیں: موجودہ زمانے کے خوارج کی مکمل کہانی، ص:263-307

فوجی، مدد گار، محافظ اور معاون بنائے، تو اس شخص کے بارے میں کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ اس نے طاغوت سے بچنے کے لئے کوئی اقدام نہیں کیا، لہذا جو طاغوت سے نہ بچے تو وہ موحد نہیں رہا اور نہ ہی مسلمان رہا، کیوں کہ اس شخص نے توحید کا معمولی سے معمولی درجہ بھی اپنے پاس نہیں رکھا"۔[1]

2. قدیم خوارج کے تذکرہ میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ وہ مسلمانوں کے قتل میں انتہائی دلیر تھے جیسا کہ خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ بن خباب کو صرف اس وجہ سے قتل کر دیا کہ انہوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دینے کی بجائے ان کے متعلق اچھے کلمات کہہ دیے تھے تو انہوں نے نہ صرف انہیں بلکہ ان کی حاملہ لونڈی کو بھی قتل کر دیا[2]۔ ہمارے دور میں پائے جانے والے خارجی فکر کے حامل لوگ بھی اسی طرح بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہیں۔ آپ پاکستان، عراق، شام سمیت دنیا میں کہیں بھی دیکھ لیں آپ کو ان لوگوں کی طرف سے مسلمانوں کے قتل وغارت کی خبریں ہی سننے کو ملیں گی۔ ان کے ظلم وستم اور قتل وسفاکیت سے نہ بچے محفوظ ہیں، نہ بوڑھے اور نہ ہی عورتیں۔ ان کے نزدیک ان کے مخالف مسلمانوں کا قتل کفار کے قتل سے زیادہ ضروری ہے کہ ان کا مشہور مقولہ ہے کہ "کسی مرتد کافر کو قتل کرنا اصلی کافر کے قتل سے زیادہ ضروری ہے" اور "دور کے دشمن کی نسبت قریب کے دشمن سے لڑنا زیادہ ضروری ہے" اور اسی کی بنیاد پر القاعدہ کے مرکزی لیڈر ڈاکٹر ایمن الظواہری نے ایک رسالہ لکھا، جس کا نام تھا "الطريق الى القدس يمر عبر القاهرة" یعنی القدس کی فتح مصر کی فتح کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اور خارجی فکر کے بڑے مفتی ابو قتادہ فلسطینی کا کہنا ہے:

"الجماعات المجاهدة الموحّدة لا ترى فرقاً بين شرطة عرفات تحت راية وقيادة عرفات وبين الجيش اليهوديّ، وشرطة اليهود إلاّ فرقاً واحداً وهو أنّ عرفات وحكومته وشرطته أشدّ كفراً فهم أشدّ حكماً من اليهود، لكنّ كلاهما له القتل والقتال"[3]

توحید پرست جہادی جماعتیں یاسر عرفات کی قیادت میں لڑنے والے سپاہی اور یہودی فوج اور اس کے سپاہی کے درمیان صرف ایک چیز کا فرق سمجھتی ہیں اور وہ یہ کہ عرفات اور اس کی حکومت زیادہ بڑے کافر ہیں اس

---

[1] -https://ketabonline.com/ar/books/107094/read?page=199&part=20#p-107094-199-5 (15-09-2021/15:51)

[2] - تاريخ الطبري، 82/5 ۔ الكامل في التاريخ لابن الأثير ، 691/2

[3] https://ketabonline.com/ar/books/8906/read?page=49&part=4#p-8906-49-3(16-09-2021/07:17)

لیےان کا حکم یہود کے حکم سے سخت ہے، لیکن دونوں کے لیے حکم قتل و قتال کا ہے۔

3. خارجی فکر کے حامل لوگ اہل ذمہ کے قتل میں بھی دلیر ہوتے ہیں۔اولین خوارج بھی ذمیوں کو قتل کرنے میں بے باک تھے اور ان کی فکر کے حامل معاصرین بھی ذمیوں یا غیر مسلم اقلیتوں کے قتل کو یہ کہہ کر جائز قرار دیتے ہیں کہ انہوں نے کون سی مسلم ریاست کو جزیہ دیا ہے مزید یہ کہ انہیں ذمہ دینے والے یعنی مسلم حکام خود مسلمان نہیں تو ان کا ذمہ کیسے قابل قبول ہو گا یعنی جس کی اپنی جان کو تحفظ حاصل نہیں ہے تو وہ کسی اور کو کیا تحفظ دے گا؟[1] اس ضمن میں پشاور کے قدیم تاریخی چرچ آل سینٹس میں اتوار کی عبادت کے دوران مسیحی برادری سے تعلق رکھنے والے 80 افراد کو دہشت گردانہ حملے میں قتل کرنے کی مثال بطور شہادت کافی ہے۔[2]

4. خارجی فکر کے حامل قدیم و معاصر لوگوں کے درمیان ایک قدر مشترک یہ ہے کہ ان کے نزدیک کسی بھی عالم ربانی کی کوئی قدر و وقعت نہیں ہے اور نہ ہی یہ اپنے سوا کسی کو احترام دینے پر تیار ہوتے ہیں۔ان کے بڑے ذوالخویصرہ کو دیکھ لیں کہ کس طرح جرات اور دلیری کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو کہہ رہا ہے کہ اے محمد ﷺ عدل کیجیے۔اسی طرح عم زاد رسول ﷺ، ترجمان قرآن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ جب خوارج سے بات چیت کرنے ان کے لشکر کے وسط میں پہنچے تو ان کے ایک سردار ابن الکواء نے کھڑے ہو کر لوگوں سے خطاب کیا اور کہنے لگا: اے حاملین قرآن! یقیناً یہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔جو انہیں نہ جانتا ہو تو میں اسے اللہ کی کتاب سے ان کا تعارف کرواتا ہوں کہ جس سے وہ انہیں پہچان جائے گا۔یہ وہ ہیں کہ ان کے اور ان کی قوم کے بارے میں ﴿قَوْمٌ خَصِمُونَ﴾ کے الفاظ نازل ہوئے کہ یہ جھگڑنے والی قوم ہیں۔تم انہیں ان کے ساتھی یعنی علی رضی اللہ عنہ کی طرف واپس بھیج دو اور کتاب اللہ کے بارے میں ان سے بات نہ کرو۔[3] اور پھر اس سے آگے چلتے آیئے خلفاء راشدین، اصحاب رسول، تابعین عظام، ائمہ امت۔۔۔الغرض کون ہے جو ان کے فتووں اور زبان درازیوں سے محفوظ رہا ہو؟ موجودہ خوارج کو پڑھ لیں اور سن لیں کہ ان کے نزدیک ان کے اپنے کم علم اور نو عمر مفتیوں کے علاوہ اس پوری دنیا میں ائمہ حرمین سمیت کوئی بھی اس قابل نہیں کہ جس

---

[1]-اس حوالہ سے خارجی فکر کے حامل لوگوں نے باقاعدہ لکھا بھی ہے۔"إرشاد الحيارى في إباحة دماء النصارى في جزيرة العرب" نامی رسالہ ان میں سر فہرست ہے جسے https://ketabpedia.com سے ڈاؤنلوڈ کیا جا سکتا ہے۔

[2]- https://www.bbc.com/urdu/pakistan/2013/09/130923_mujtaba_column_fz (03-08-21/19:56)

[3] -مسند احمد ،84/2، حديث : 656 ۔ فتح الباري شرح صحيح البخارى ،296/12 ۔ البداية والنهاية لابن كثير ،311-310/7

سے علم اخذ کیا جا سکے یا مسئلہ دریافت کیا جا سکے۔ان کے نزدیک تمام کے تمام اکابر علماء عقیدہ ارجاء کے حامل ،پیٹ کے پجاری اور درباری قرار پاتے ہیں[1]۔یہی وجہ ہے کہ ان کی صفوں میں آپ کو کوئی بھی مضبوط عالم نہیں ملے گا۔

5. رسول اللہ ﷺ نے خوارج کی صفات میں ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ"احداث السن" یعنی نو عمر ہونگے۔آپ ﷺ کی بیان کردہ یہ صفت جہاں پرانے خوارج میں موجود تھی، وہیں اس فکر کے حامل معاصر لوگوں میں بھی پائی جاتی ہے۔آپ دیکھ لیں ان دہشت گردوں کے خودکش حملہ آور ہوں یا مطلوب افراد، سب کے سب عموماً کم عمر ہی ہوتے ہیں۔

6. خارجی فکر کے حامل لوگوں کے نزدیک قرآن وسنت کے فہم کے لیے سلف صالحین کے فہم کو کوئی حیثیت نہیں ہوتی بلکہ ان کے خیال میں کسی عالم سے دین سمجھنے کی بجائے اپنے فہم سے کام لینا ہی کافی ہوتا ہے۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے خوارج سے مکالمہ میں یہ بات بھی شامل تھی کہ انہوں نے کہا کہ میں تمہارے پاس انصار و مہاجرین کی طرف سے آیا ہوں جبکہ تمہارے ساتھ ان میں سے کوئی نہیں ہے، قرآن مجید انہی کے سامنے نازل ہوا اور اس کا فہم بھی انہی کے پاس زیادہ ہے۔لیکن اس امت کے اولین خوارج نے اصحاب رسول ﷺ کے فہم سے بالکل الٹ اپنے فہم کو بنیاد بنایا اور گمراہی میں مبتلاء ہو گئے۔اس فکر کے حامل آج کے شدت پسندوں کے نزدیک بھی ان کا اپنا فہم ہی اصل دین ہے اور وہ اس ضمن میں سلف صالحین کو درخور اعتناء نہیں سمجھتے۔

7. خوارج مسلمانوں کے ساتھ ان کے اجتماعات میں شریک نہیں ہوتے اور باجماعت نماز، جمعہ اور عیدین سے کنارہ کش رہتے ہیں۔سلف صالحین خوارج کا ان کی اس عادت اور مزاج سے بھی اندازہ لگاتے تھے خارجی فکر کے حامل معاصرین کے نزدیک بھی یہ مساجد مساجد کا حکم نہیں رکھتیں اور وہ انہیں بلا جھجھک مسجد ضرار کا نام دیتے ہیں جیسا کہ ان کے ایک عالم ابو قتادہ نے ایک رسالہ" هجران مساجد الضرار "کے نام سے لکھا ہے، جس میں اس نے ان مساجد کو گرانے اور جلانے کے جواز کا فتوی دیا ہے۔اسی طرح ان کے ایک دوسرے مفکر و زعیم ابو محمد المقدسی نے "تحفة الأبرار فی أحكام المساجد الضرار" کے نام سے اسی موقف کے اثبات پر ایک کتابچہ تحریر کیا ہے[2]۔ان کے نزدیک ان مساجد کے مقام کا تصور سمجھنے کے لیے

---

[1] ۔ القصة الكاملة لخوارج عصرنا ، ص:358

[2] https://www.youm7.com/story/2017/11/25/%D9%81%D8%AA%D8%A7%D9%88%D9%89-%D8%A7%D9%84%D8%AF%D9%85-%D9%87%D8%A4%D9%84%D8%A7%D8%A1-

اتنا ہی کافی ہے کہ ان کے بڑے بڑے اور مشہور حملوں کا ہدف اللہ کے گھر مساجد بنی ہیں اور مساجد میں ہی انہوں نے نماز پڑھتے اور جمعہ ادا کرتے علماء اور عوام کو بے دریغ شہید کیا ہے۔ دسمبر 2009ء میں راولپنڈی صدر کی پریڈ لین مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کرتے نمازیوں پر کیے جانے والا حملہ سبھی کو یاد ہے کہ جس میں 17 بچوں سمیت 37 نمازی شہید جبکہ 75 سے زائد زخمی ہو گئے تھے۔ جبکہ اس واقعہ کی ذمہ داری تحریک طالبان پاکستان نے قبول کی تھی۔[1]

8. تمام کے تمام خارجی فکر کے حاملین، چاہے وہ جدید ہوں یا قدیم، مسلم حکام کے خلاف بغاوت، سرکشی اور حکام کی توہین کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے موسوم کرتے ہوئے اسے وجہ جواز عطا کرتے ہیں۔
9. اسی طرح ان کے نزدیک مخالفین کے بچوں اور عورتوں کا قتل جائز ہے۔ آرمی پبلک سکول کے بچوں کا قتل یقیناً قوم کبھی بھی نہیں بھول پائے گی۔
10. خارجی فکر کے حامل لوگ، بلا امتیاز جدید و قدیم، مسلمان کلمہ گو حکام کے خلاف اعلانیہ توہین آمیز گفتگو کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں جبکہ شریعت اسلامی اس سے منع کرتی ہے۔
1. مسلمانوں کی ریاستوں اور علاقوں کو خارجی فکر کے حامل، قدیم و معاصر، افراد اور گروہ "دار الکفر" قرار دیتے ہیں اور ان کے خلاف نبرد آزما ہونے کو جہاد سمجھتے ہیں۔ نیز اپنے زیر قبضہ علاقوں کو دار اسلام اور دار ہجرت گردانتے ہوئے ان کی طرف ہجرت کر کے آنے کو واجب قرار دیتے ہیں۔ فارس زہرانی نامی خارجی لیڈر اپنی کتاب " سلسلة العلاقات الدولية في الإسلام" میں لکھتا ہے:

"البلاد التي أكثر أهلها من المسلمين ولكن يحكمها حكام مرتدون بأحكام الكفار بالقوانين الوضعية هي اليوم ديار كفر وإن كان أكثر أهلها مسلمين يمارسون شعائر دينهم كإقامة الجمع والجماعات وغيرها في أمان، فهي ديار كفر لأن الغلبة والأحكام فيها للكفار"[2]

جن علاقوں میں اکثریت مسلمانوں کی ہے لیکن وہاں پر مرتد حکمرانوں نے کافروں کے وضعی نظام نافذ کیے

%D8%A3%D9%81%D8%AA%D9%88%D8%A7-%D8%A8%D8%AD%D8%B1%D9%82-%D8%A7%D9%84%D9%85%D8%B3%D8%A7%D8%AC%D8%AF-%D9%88%D9%82%D8%AA%D9%84-%D8%A7%D9%84%D9%85%D8%B3%D9%84%D9%85%D9%8A%D9%86-%D8%B3%D9%8A%D8%AF-%D9%82%D8%B7%D8%A8/3526183 (16-09-2021/06:41)

[1]-https://www.bbc.com/urdu/pakistan/2009/12/091205_kiani_terrorism_rh(03-08-21/21:47)

[2]-https://ketabonline.com/ar/books/8717/read?page=29&part=6#p-8717-29-1(16-09-2021/06:21)

ہوں، وہ آج بھی دار کفر ہیں، اگرچہ وہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے جو اپنے دینی شعائر جمعہ و جماعت وغیرہ پر بلا خوف و خطر عمل پیرا ہیں، کیونکہ وہاں غلبہ اور احکام کفار کے چلتے ہیں۔

2. سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سفیر کو اس وقت کے خوارج نے شہید کر ڈالا تو اس فکر کے علم بردار آج کے لوگ بھی سفراء کے قتل کو کوئی جرم شمار نہیں کرتے جیسا کہ انہوں نے عراق میں تعینات مسلمان مصری سفیر کو اغوا کر کے انتہائی بے دردی سے ذبح کر دیا، اور اس کی ویڈیو بنا کر اسے "الصارم البتار علی سفیر الکفار" کے نام سے نشر کر دیا۔[1] ظلم کی انتہا دیکھیے کہ مسلم سفیر کو بھی نہیں بخشا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسیلمہ کذاب کے کافر سفیروں کو صرف ان کے سفیر ہونے کی وجہ سے قتل نہیں کیا تھا۔[2]

3. خارجی سوچ رکھنے والے قدیم و جدید تمام لوگوں کے نزدیک نیکی اور گناہ کا اپنا اپنا معیار ہے۔ وہ جس چیز کو چاہیں ، گناہ قرار دے دیں اور جسے چاہیں، نیکی اور ثواب کہہ دیں، انہیں اختیار ہے۔ جیسا کہ ذوالخویصرہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقسیم کو، جو سو فیصد عدل پر مبنی تھی، ناانصافی قرار دینے میں ذرہ بھر تاخیر نہ کی تھی [3]۔ اسی طرح معاصر شدت پسند مسلم حکام کے نیک اعمال کو بھی گناہ اور جرم قرار دینے میں تاخیر نہیں کرتے۔

4. خارجی فکر کے حامل، چاہے وہ قدیم ہوں یا معاصر، اکثر اوقات اس کام کو قرب الٰہی سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ جو در حقیقت غضب الٰہی کو دعوت دے رہا ہوتا ہے جیسا کہ خلیفہ راشد سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور خلیفہ راشد سیدنا علی المرتضی کو شہید کرنا خوارج کے نزدیک ایک بڑا نیکی کا عمل تھا، حتی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قاتل ابن ملجم آپ کے قتل پر اللہ کے قرب کے حصول کا اعلان کر رہا تھا اور اس کے ساتھی بھی اس کی منقبت میں فخریہ اشعار کہہ رہے تھے[4]۔ بعینہ موجودہ زمانہ کے خارجی سوچ رکھنے والے دہشت گرد خودکشی کے ذریعے مسلمانوں اور اہل ذمہ کا قتل کر کے جنت الفردوس کے حصول کے نعرے لگاتے نظر آتے ہیں۔

5. پرانے اور نئے تمام خارجی فکر کے حامل لوگوں کے نزدیک مسلم حکمران طاغوت اور اس کے قریبی تمام لوگ طاغوت کے ساتھی ہونے کی وجہ سے اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کے خلاف اعلان جنگ کیا جائے۔ ان کا مختصر

---

[1]۔ موجودہ زمانے کے خوارج کی مکمل کہانی، ص: 451

[2] – سنن ابی داوود ، كتاب الجهاد، باب في الرُّسُل، 389/4 ، حديث : 2761، علامہ شعیب ارنووط وغیرہ کے نزدیک یہ حدیث اپنے طرق و شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔

[3] – صحيح البخارى ، كِتَابُ المَغَازِي ، بَابُ بَعْثِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَلَيْهِ السَّلاَمُ ، وَخَالِدِ بْنِ الوَلِيدِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، إِلَى اليَمَنِ قَبْلَ حَجَّةِ الوَدَاعِ ، 163/5 ، حديث : 4351 – صحيح مسلم : 1064

[4] – البداية والنهاية، 364/7

موقف یہ ہوتا ہے کہ جو بھی ان کے ساتھ نہ ہو، وہ طاغوت کا ساتھی اور واجب القتل ہے۔

6. خارجی فکر کے حامل لوگوں کی لڑائی اہل قبلہ کے خلاف ہوتی ہے، اہل باطل یہود و نصاری اور مشرکین کے خلاف نہیں۔ اولین خوارج کو دیکھ لیں کہ ان کی سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی رہی، جبکہ معاصر خارجی فکر رکھنے والے پاکستانی طالبان کی ہندوستان کی ظالم ہندو افواج کے خلاف کارروائیاں اور پاکستان کی ایمان، تقوی اور جہاد فی سبیل اللہ کے ماٹو کی حامل مسلح افواج کے خلاف کارروائیوں کا موازنہ اس نکتہ کو سچا ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ صرف موازنہ ہی نہیں بلکہ کالعدم تحریکِ طالبان پاکستان کے سربراہ مفتی نور ولی محسود نے واضح طور پر اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ اُن کی جنگ صرف پاکستان کے سیکیورٹی اداروں کے خلاف ہے۔ اور ان کے متعلق یہ تاثر درست نہیں کہ ان کے جنگجو افغان طالبان کے ساتھ مل کر افغانستان میں لڑ رہے ہیں[1]۔

---

[1]-https://www.urduvoa.com/a/ttp-chief-says-groups-war-is-against-pakistan-security-forces-27jul2021/5980530.html(16-09-2021/07:42)

مبحث چہارم: خارجی فکر کے حامل معاصر لوگوں کے حوالہ سے چند شبہات اوران کے جوابات

اس دور کے خارجی فکر کے حامل معاصر لوگ یا گروہ اپنے انتہا پسندانہ نظریات وآراء کی نشرواشاعت اور خروج کے حوالہ سے اپنے دفاع کے لیے اہل علم اور عوام الناس کو مختلف شبہات کا شکار بناتے ہوئے راہ راست سے گمراہ کرتے ہیں۔ان کی طرف سے پیش کیے جانے والے شبہات میں موجود بہت سی پیچیدگیاں کسی بھی آدمی کو چکرادینے کے لیے کافی ہوتی ہیں۔ان میں سے زیادہ اہم اور خطرناک شبہات کا مختصر جواب ذیل میں تحریر کیا جارہاہے۔

پہلا شبہ

خوارج کی نشانیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خوارج مسلمان حکمران کے خلاف مسلح بغاوت کرتے اور کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر قرار دیتے ہیں، سر منڈوانا ان کی نشانی ہے جبکہ یہ لوگ نہ سر منڈواتے ہیں، نہ انہوں نے کسی مسلمان حکمران کے خلاف بغاوت کی ہے اور نہ ہی وہ کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر کہتے ہیں۔اس لیے انہیں خارجی فکر کا حامل کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟

جواب

خوارج کی خطرناکی اور شر انگیزی کی وجہ سے نبی ﷺ نے ان کی نشانیاں بڑی تفصیل سے بیان فرمائی ہیں تاکہ یہ لوگوں کو اپنے معاملہ میں دھوکا نہ دے سکیں، شرعی دلائل میں کہیں نہیں ملتا کہ خوارج کا مسلمانوں کے امام کے خلاف مسلح بغاوت یا خروج کرنا شرط ہے، یا خوارج کا کبیرہ گناہوں پر تکفیر کرنا کوئی لازمی چیز ہے،ان اصولوں اور تعریفات کو صرف خوارج کے عمومی نشانیوں کے طور پر بیان کیا جاسکتا ہے، شرط کے طور پر نہیں۔روایات اور علماء کی تصریحات میں خوارج کی سب سے بڑی اور اہم نشانیاں اہل قبلہ کی تکفیر کرنا، مخالفین کا قتل جائز سمجھنا، قرآن وسنت کی عبارات کو سلف صالحین کے فہم کے تناظر میں صحیح طور پر نہ سمجھنا، جلدی غصہ کر جانا، بے وقوف ہونا، کمسن ہونا وغیرہ بیان کی گئی ہیں۔

یہاں پر یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ ''کبیرہ گناہ کے مرتکب کی تکفیر'' تمام خوارج کی صفت نہیں ہے اور نہ ہی خارجی ہونے کے لیے شرط ہے کہ وہ کبیرہ گناہ کرنے والے کی تکفیر کرتا ہو، بلکہ جو بھی ناحق کسی مسلمان کی تکفیر کرے اور اسے قتل کرنا جائز سمجھے، تو چاہے وہ مرتکب کبائر کے کافر ہونے کا اعتقاد نہ بھی رکھتا ہو، وہ خوارج میں شامل ہے۔کیونکہ حدیث میں ان کی ایک صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ یہ مسلمانوں کو قتل کریں گے۔

امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف خروج کرنے والے خوارج ان اصحاب رسول کو زنا، چوری یا شراب نوشی جیسے گناہوں کی وجہ سے کافر قرار نہیں دیتے تھے۔ بلکہ وہ انہیں حکمین کے تقرر یعنی انسانوں کو اپنا جج بنانے اور ان کا فیصلہ قبول کرنے کی بناء پر کافر قرار دیتے تھے، جبکہ حقیقت میں شرعی

اعتبار سے یہ عمل سرے سے کوئی گناہ نہیں ہے، لیکن انہوں نے اسی بنیاد پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، اور دیگر صحابہ کو کھلم کھلا نہ صرف کافر قرار دیا بلکہ ان کے قتل کے درپے ہو گئے۔ ان کی اسی حرکت کی وجہ سے صحابہ کرام نے انہیں نہ صرف خوارج کا لقب دیا بلکہ واضح کیا کہ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیش گوئی کی تھی۔ صحابہ کرام میں سے کسی نے ان سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ بقیہ گناہوں کے بارے میں تمہارا کیا نظریہ ہے؟ کیا تم ان کی وجہ سے بھی تکفیر کرتے ہو یا نہیں؟ خوارج کا ایک گروہ "نجدات" کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر قرار نہیں دیتے تھے۔ جیسا کہ امام ابو الحسن اشعری خوارج کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "خوارج کا اجماع ہے کہ مرتکبِ کبیرہ گناہ کافر ہے۔ لیکن نجدات کا یہ موقف نہیں ہے۔"[1]

خیال رہے کہ سر منڈوانا بھی تمام خوارج کی لازمی صفت نہیں ہے۔ تاریخ میں کئی ایسے خارجی گروہ گزرے ہیں جو سر نہیں منڈواتے تھے لیکن پھر بھی اہل علم نے انکے عقائد اور کرتوت کو دیکھتے ہوئے انہیں خارجی قرار دیا ہے۔ سر منڈوانا تو صرف اس ذوالثدیہ خارجی اور اس کے پیروکاروں کے حلیے سے متعلق ہے جسے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں قتل کیا گیا تھا۔ جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا فرمان ہے:

" وهذه السيما سيما أولهم كما كان ذو الثدية؛ لا أَنَّ هذا وصف لازم لهم "[2]

"یہ نشانی ان کے اولین لوگوں کی ہے جیسے ذوالثدیہ تھا، ایسا نہیں ہے کہ یہ وصف سارے خوارج کے لیے لازم ہو۔"

اسی طرح لمبی داڑھیاں اور شلوار کے پائنچے اونچے رکھنا خوارج کی قطعی نشانی نہیں ہے بلکہ یہ ذوالخویصرہ کے حلیے کو بیان کرنے کے لیے ذکر کی گئی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا تھا کہ "اس کی نسل میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے۔۔۔" اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوارج کی دیگر صفات کا تذکرہ کیا تھا۔ کچھ لوگ محض کسی لمبی داڑھی یا اونچے پائنچے والے شخص کو دیکھ کر اسے خارجی کہہ دیتے ہیں، جبکہ یہ کسی کے خارجی ہونے کی حتمی نشانی نہیں۔

لہٰذا خوارج کی عمومی صفت ناحق مسلمانوں کی تکفیر اور اس وجہ سے ان کے قتل کو جائز سمجھنا ہے۔ اس تکفیر کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً: کبیرہ یا صغیرہ گناہ کرنے کی وجہ سے تکفیر، یا ایسے کام کی وجہ سے تکفیر جو بالکل بھی گناہ نہیں ہے، یا گمان اور اندازے لگا کر شبہات اور محتمل امور کی وجہ سے تکفیر، یا ایسے معاملات کی وجہ سے تکفیر جن میں اختلاف، تاویل یا اجتہاد ہو سکتا ہے، یا تکفیر کی شروط کو پورا کیے اور موانع کو دور کیے بغیر تکفیر۔ یہاں ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ جب علماء امت نے کبیرہ گناہوں کے مرتکب کی تکفیر کرنے والوں کو خوارج قرار دیا ہے تو صغیرہ

---

[1] - مقالات الإسلاميين: 86/1

[2] - مجموع الفتاوى ، 28/ 497

گناہوں،اجتہادی امور میں غلطی کرنے والوں یا مباح کام کرنے والوں کی تکفیر کرنے والے کس زمرہ میں شمار کیے جائیں گے؟

شرعی نصوص میں خوارج کے متعلق ایسی کوئی شرط مذکور نہیں ہے کہ وہ مسلم حکمران کے خلاف بغاوت کریں گے۔ بلکہ جو شخص بھی خوارج سے متفق ہوگا، چاہے وہ مسلمان حکمران کے خلاف بغاوت کرے یا نہ کرے، خوارج میں ہی شمار ہوگا۔دراصل حکمرانوں کے خلاف بغاوت ناحق تکفیر اور کسی کلمہ گو مسلمان کے قتل کو جائز سمجھنے کی وجہ ہوتی ہے۔اگر خوارج کے سامنے کوئی حکمران ہوتا ہے تو اس کے خلاف بغاوت کردیتے ہیں اور مسلمانوں کے جان ومال کو لوٹنا شروع کردیتے ہیں۔اگر حکمران نہیں ہوتا تو مسلمان عوام، مجاہدین، علماء اور داعی حضرات کو قتل کرنے لگتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ جب تاتاریوں کے بارے میں اختلاف پیدا ہوا کہ انہیں کیا کہا جائے تو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے انہیں خوارج کا لقب دیا، حالانکہ انہوں نے کسی حکمران کے خلاف بغاوت نہیں کی تھی۔آپ نے فرمایا:

"ان کا تعلق انہی خوارج سے ہے جنہوں نے علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا تھا۔ان کا خیال تھا کہ وہ ان دونوں سے خلافت کے زیادہ حق دار ہیں۔اوران لوگوں کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ لوگ قیامِ حق کے مسلمانوں سے زیادہ حق دار ہیں۔"[1]

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ خوارج اگر کوئی اپنی الگ سے ریاست بھی قائم کرلیں تو پھر بھی جب تک یہ لوگ مسلمانوں کی تکفیر کرتے رہیں گے اور ان کے قتل کو جائز سمجھتے رہیں گے، صرف حکومت پر قابض ہو جانے کی وجہ سے انہیں خوارج نہ ہونے کی سند نہیں دی جاسکتی۔

دوسرا شبہ

خارجی فکر کے حامل لوگوں کی عبادات اور جہاد میں محنت ان کے منہج کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔

جواب

بعض دینی امور کی پابندی کرتے ہوئے دین کے چند ظاہری پہلوؤں کو اپنالینا اور دوسری طرف دینی اعتبار سے انتہائی اہم اور بڑے بڑے معاملات کو نظر انداز کردینا، دراصل دین کو صحیح طریقے سے نہ اپنانے کا اظہار ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خوارج کی عبادت گزاری میں محنت کا حال پہلے ہی بتادیا تھا تاکہ ہم اس دھوکے میں نہ آئیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبادت گزار اور دین وفضیلت کے حامل اپنے اصحاب سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ تم میں سے ایک اپنی نماز کو خوارج کی نماز اور اپنے روزہ کو خوارج کے روزہ سے حقیر سمجھے گا۔[2] یہ بات بھی ذکر کی جاچکی ہے کہ امت کے اولین خوارج کو

[1] - البداية والنهاية : 28/14

[2] - صحيح البخارى: 3610، صحيح مسلم: 1064

تلاوت وعبادت میں ان کی محنت کی شدت دیکھ کر "قراء" کہا جاتا تھا۔ معرکوں میں جان لڑانے کی اگر بات کی جائے تو اولین خوارج بھی بہت بہادر، دلیر اور جراءت مند تھے اور میدان میں خوب جم کر لڑتے تھے۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ نہروان میں خوارج اتنا ڈٹ کر لڑے کہ صرف دس آدمی زندہ بچے۔

ملک میں نفاذ شریعت کے دعوے، طاغوت سے لڑائی کے اعلان یا بڑے بڑے جذباتی نعرے کبھی بھی دینداری، منہج کی درستی اور انحراف سے سلامتی کی دلیل نہیں ہوتے۔ کوئی شک نہیں کہ اچھی باتیں، بلند وبانگ دعوے اور خوش نما نعرے ہر ایک کو اچھے لگتے ہیں، بلکہ اکثر اوقات بری نیت اور ارادے والا شخص ہی زیادہ خوبصورت نعرے لگا رہا ہوتا ہے۔ احادیث کو دیکھیں تو نظر آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خوارج کے بارے میں واضح طور پر بتایا ہے کہ وہ بہت اچھی باتیں کریں گے، حق کی دعوت کا اظہار کریں گے لیکن ان کا منہج و کردار غلط ہوگا اور ان کے عقیدہ میں فساد ہوگا۔ فرمایا: «يُحْسِنُونَ الْقِيلَ وَيُسِيئُونَ الْفِعْلَ»[1]

تیسرا شبہ

دشمنوں کی کثرت منہج کے درست ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔ تمام کفار، غدار حکمران اور ان کے ایجنٹ ان لوگوں کے دشمن ہیں جنہیں خارجی فکر کا حامل کہا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ ان کے منہج کے صحیح ہونے، طریقہ کار کے درست ہونے اور ان کے مخالفین کے ناحق پر ہونے کی دلیل ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ سے سوال ہوا کہ آپ کے خیال میں اس پُر فتن دور میں حق کہاں ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: "اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے تیروں کو دیکھتے رہو۔ وہ جہاں لگیں، سمجھ لینا کہ حق وہیں ہے۔"

جواب

دشمنوں کی کثرت منہج کی درستی کی دلیل ہونے کا شرعی طور پر کوئی ثبوت نہیں ہے بلکہ یہ ایک من گھڑت مقولہ ہے۔ شریعت کے نزدیک مخالفین کی کثرت کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، بلکہ کسی شخص کی بذات خود حق سے موافقت معتبر ہوتی ہے۔ اس دعویٰ کو درست تسلیم کرنے کی صورت میں اولین خوارج تو بالکل حق پر قرار پاتے ہیں کیونکہ ان کے مخالفین میں جمہور امت یعنی تمام صحابہ وتابعین شامل تھے۔ اصل چیز عقیدہ و منہج ہے کہ جسے دیکھنا ضروری ہے، صرف دشمنوں کی قلت یا کثرت منہج کی درستی کی دلیل نہیں ہے۔ اسلام کا حکم ہے کہ مسلمانوں کی جماعت سے جڑے رہو اور ان سے کسی بھی عقیدہ، قول یا عمل میں علیحدگی اختیار نہ کرو۔ اسی وجہ سے اہل سنت کی خصوصیت ہے کہ وہ حق پر اکٹھے

---

[1] – سنن أبي داؤد ، كتاب السنة ، باب في قتل الخوارج، 143/7، 4765 – محقق شعیب ارناووط اور عادل مرشد وغیرہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

رہتے ہیں، جماعت سے چمٹے رہتے ہیں اور اس سے جدا نہیں ہوتے۔ جیسا کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

" فَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يَنَالَ بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ، فَلْيَلْزَمُ الْجَمَاعَةَ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ، وَهُوَ مِنَ الِاثْنَيْنِ أَبْعَدُ "[1]

"تم میں سے جو شخص جنت کا بہترین ٹھکانہ چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ جماعت کو لازم پکڑے، کیونکہ اکیلے آدمی کے ساتھ شیطان ہوتا ہے اور وہ دو سے زیادہ دور ہوتا ہے۔"

جبکہ خوارج وہ لوگ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مسلمانوں کی جماعت کو تقسیم کرتے ہوئے اس سے نہ صرف علیحدگی اختیار کی بلکہ اس امت کے سب سے افضل لوگوں کے خلاف قتل و قتال کا بھی ارتکاب کیا۔

---

[1] - مسند أحمد ، 310/1 ، حديث :177 ۔ محقق شعیب ارناووط وغیرہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

فصل چہارم: تکفیر پر خارجی فکر کے حاملین کے دلائل اور ان کا تنقیدی جائزہ

مبحث اول: مسئلہ تحکیم اور وضعی قوانین

مبحث دوم: مسئلہ الولاء والبراء

فصل چہارم: تکفیر پر خارجی فکر کے حاملین کے دلائل اور ان کا تنقیدی جائزہ

خوارج کی علامات واوصاف میں ان کی سب سے نمایاں نشانی جسے احادیث نبویہ میں بڑی کثرت سے ذکر کیا گیا ہے وہ ان کی دین داری، للہیت اور قرآن مجید کی بکثرت تلاوت ہے۔یعنی خوارج کی گمراہی کا بڑا سبب ان کی اللہ تعالی کی جناب میں تفریط نہیں بلکہ افراط ہے۔چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ " اعدل یا محمد "کہنے والے ذوالخویصرہ سے لے کر دور حاضر کے خوارج تک سبھی عدل واحسان اور اخلاص کے دعویدار ہیں۔وہ اپنے ہر باطل کرتوت کی دلیل قرآن وسنت سے دینے کا دعوی کرتے ہیں اور ہمہ وقت اپنے اس دعوی کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔شیطان نے ان کو اپنے چنگل میں اس بری طرح پھنسایا ہوا ہوتا ہے کہ وہ اسلام کی پاسبانی کے نام پر مسلم حکام وعوام کو بے دریغ کافر قرار دینے اور پھر اسی بنیاد پر اہل اسلام کا قتل عام کرنے پر نازاں وشاداں نظر آتے ہیں۔ان کے تیروں کا رخ کافروں کی بجائے ہمیشہ مسلمانوں کی طرف ہوتا ہے۔ان کا دام ہم رنگ زمیں اس قدر خطرناک ہوتا ہے کہ جو نیکی، تقوی، حاکمیت الہیہ، جہاد، شہادت اور جنت کے حسین نام پر ان کے چنگل میں ایک بار پھنس جاتا ہے وہ اس بری طرح پھنستا ہے کہ اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مسخ ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالی کی خاص مدد اور توفیق کے بغیر اس کی واپسی کی کوئی صورت باقی نہیں بچتی۔

اہلِ اسلام اور ان کے حکام کو کافر قرار دینے کے ضمن میں خارجی فکر کے حاملین اپنے پاس بزعم خود بہت سے دلائل رکھتے ہیں کہ جن کے بل بوتے پر کسی عام مسلم نوجوان کو ورغلا کر راہ راست سے ہٹانا ان کے لیے بہت آسان ہوتا ہے۔ ذیل میں ان کی طرف سے مسلمانوں کی تکفیر کے ضمن میں دیے جانے والے عمومی مغالطات کو پیش کرتے ہوئے قرآن وسنت اور فہم سلف صالحین کی روشنی میں ان کا تنقیدی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

قرآن و سنت کے مطالعہ کے دوران ایک بات ذہن نشیں رہنی چاہیے کہ قرآن مجید میں غیر مسلموں، کافروں اور گنہگار مسلمانوں دونوں کے لئے وعید و تہدید کے بیان میں کئی جگہوں پر یکساں الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جیسے قرآن کریم میں " فاسقون" اور "ظالمون" کے الفاظ کفر وشرک کے لیے بھی استعمال ہوئے ہیں اور عام گناہ کے لیے بھی استعمال ہوئے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی مسلمان سے فسق یا ظلم پر مبنی کوئی کام ہو جائے تو ہم اس کو اسی وقت کافر و مشرک قرار دے کر دائرہ اسلام سے خارج کر دیں۔بلکہ ان میں سے ہر جگہ ان کے مصداق کے اعتبار سے ان کے معنی بھی مختلف ہوں گے۔اسی طرح قرآن وسنت میں جہنم کی وعید بہت سے ایسے کاموں پر بھی بیان کی گئی ہے جن کا صدور مسلمانوں سے بھی ہو جاتا ہے، جبکہ دوسری طرف کافروں اور مشرکوں کے لیے بھی جہنم کی وعید کا اعلان کیا گیا ہے، تو یقینا دونوں جگہ اس وعید کا مطلب ایک ہی نہیں ہے بلکہ اس کا معنی و مفہوم اس وعید کے سیاق وسباق اور کتاب وسنت کے دیگر دلائل سے باآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

مبحث اول: مسئلہ تحکیم اور وضعی قوانین

خوارج کی طرف سے ان کے خروج کی سب سے بڑی دلیل جو انہوں نے صفین کے بعد تحکیم اور حکمین کے تقرر کو قبول کرنے پر امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کرتے وقت اختیار کی تھی، وہ ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾[1] کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی حاکمیت نہیں، کے دعوی پر مشتمل تھی۔ ان کے خیال میں اس قرآنی آیت کے مطابق مخلوق میں سے کسی کو کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ حکم بنے اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے یا کسی انسان کو اپنے جھگڑے میں بطور حکم و فیصل تسلیم کرے بلکہ فیصلہ کرنا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور جو شخص خود حکم بنتا ہے یا کسی کو حکم تسلیم کرتا ہے، وہ کافر ہو کر دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ ان کے اس اعتراضِ باطل کی تفصیل اور اس کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی زبانی قرآن و سنت کی روشنی میں مفصل جواب اسی باب کی دوسری فصل میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ تکرار اور طوالت سے بچنے کے لیے اس تفصیل کو دوبارہ یہاں ذکر نہیں کیا جا رہا۔

شرعی فیصلہ کو چھوڑ کر وضعی قوانین کے مطابق فیصلہ کرنا

خارجی فکر کے حامل لوگ یا گروہ مسلم ممالک کے حکام، ممبران پارلیمنٹ اور ان ممالک کی عدلیہ کے کارپردازان سمیت ان تمام فورسز، اداروں اور عوام کو کافر قرار دیتے ہیں جو ان حکام کو تحفظ یا تقویت فراہم کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک چونکہ ان ممالک میں قرآن و سنت کو ہی بطور آئین نافذ کرنے کی بجائے پارلیمنٹ یا شوری وغیرہ کے منظور کردہ وضعی قوانین کو نافذ کیا جاتا ہے، حکام، اراکین پارلیمنٹ یا شوری کے ذمہ دار افراد کے پاس قانون سازی کا حق ہوتا ہے، حالانکہ حاکمیت یا قانون سازی ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾[2] کے موجب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اس لیے یہ تمام لوگ، ادارے اور انہیں تسلیم کرنے والے نہ صرف کافر بلکہ مرتد اور واجب القتل ہیں۔ چنانچہ خارجی فکر رکھنے والے لوگوں کے ایک مرکزی فکری راہنما و مفتی ڈاکٹر سید فضل[3] کے خیال میں وضعی قوانین لاگو کرنے والے ممالک کے حکمران کفر اکبر کے مرتکب کافر اور اسلام سے خارج ہیں، ان ممالک کے جج اور قاضی بھی کفر اکبر کے مرتکب کافر ہیں۔ ان ممالک کی پارلیمنٹ، سینٹ اور مقننہ کونسلوں کے اراکین بھی کفر اکبر کے مرتکب کافر

---

[1] - الانعام 6: 57

[2] - الأعراف 7: 54

[3] - سید فضل کا حقیقی نام امام بن عبدالعزیز الشریف ہے، جبکہ اسے عبدالقادر بن عبدالعزیز یا ڈاکٹر فضل یا سید امام الشریف کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ ان کا شمار القاعدہ کے فکری و علمی قائدین اور موثر ترین شخصیات میں ہوتا ہے۔ اس شخص نے مسلم عوام اور حکام کی تکفیر اور تقتیل میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ سید فضل کے نظریات اور ان کے رد کے لیے ملاحظہ فرمائیں { موجودہ زمانے کے خوارج کی مکمل کہانی، ص: 183-262}

ہیں اور ایسے نظام کا دفاع کرنے والے فوجی بھی کفر کے مرتکب کافر ہیں اور اس حکم میں ہر وہ شخص شامل ہے جو کفریہ نظاموں کا دفاع کرے، چاہے مسلح طور پر جیسے کہ فوج وغیرہ یا پھر زبانی کلامی جیسے کہ میڈیا پرسن اور علماء وغیرہ[1]

اس ضمن میں وہ قرآن مجید کی متعدد آیات کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾[2]

"اور جو شخص اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں"

اس آیت کے ظاہر سے انہوں نے یہ اخذ کیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ان کے خیال میں اگر کوئی شخص یہ سمجھ کر خلاف شریعت فیصلہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت ناقص ہے، ناقابل عمل ہے یا ظلم وجبر پر مبنی ہے تو وہ بھی کافر ہے اور اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی شریعت کو دل سے تسلیم کرتا ہے، اس پر عمل کو ہی کامیابی وکامرانی کا سبب گردانتا ہے اور اس کے خلاف فیصلہ کرنے کو جرم اور گناہ سمجھتا ہے لیکن لاعلمی میں، اکراہ اور مجبوری میں یا کسی تاویل کو سامنے رکھتے ہوئے یا اپنی خواہش نفس کے ہاتھوں مجبور ہوتے ہوئے ایسا کرتا ہے تو وہ بھی کافر ہے۔

ان کا موقف اول الذکر قسم کے لوگوں کے متعلق تو یقیناً درست ہے کہ خلافِ شریعت فیصلہ کرنے والا اگر اپنے اس خود ساختہ، خلاف شرع فیصلہ کو حکم الٰہی قرار دیتا ہے یا اپنے اس فیصلہ کو حکم الٰہی یا شرعی فیصلہ سے بہتر یا اس کے برابر سمجھتا ہے۔ یا وہ حکم خداوندی کو حقیر، غلط، خلاف مصلحت یا خلاف تہذیب سمجھ کر اپنے فیصلہ کو نافذ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکم اور شریعت کے فیصلہ کو جھٹلاتا اور اس کا انکار کرتا ہے۔ یا وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون اور شریعت میں تغیر و تبدل کر کے اپنی طرف سے نیا حکم تجویز کرتا ہے جیسا کہ یہود نے حکم رجم کے مقابلہ میں اپنی رائے سے ایک نیا حکم تیار کر لیا تھا تو ایسا شخص، خواہ وہ کوئی رعایا کا عام آدمی ہو یا حکمران، عدالت کا قاضی ہو یا کسی ادارے یا گھر کا سربراہ، وہ بلا شک وشبہ کفر اکبر کا مرتکب ہونے کی وجہ سے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار پاتا ہے۔ زیر بحث آیت کریمہ کا شان نزول بھی اسی دعویٰ کی تائید کرتا ہے چنانچہ صحیح مسلم[3] اور دیگر کتب حدیث وتفسیر میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ بیان فرماتے ہیں:

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے ایک یہودی کو گذارا گیا کہ جسے زنا کے جرم میں کوڑے مارے جا چکے تھے اور اس کا منہ کالا کیا ہوا تھا۔ تو آپ نے یہود کو بلایا اور ان سے پوچھا: کیا تم اپنی کتاب میں

---

[1]-سید فضل، عبدالقادر بن عبدالعزیز، الجامع فی طلب العلم الشریف، ص: 539-540

[2] – المائدۃ5: 44

[3] – صحيح مسلم ، كتاب الحدود ، باب رجم اليهود أهل الذمة في الزنى ، 1327/3 ، حديث : 1700

زانی کی حد اسی طرح پاتے ہو؟ کہنے لگے: جی ہاں! تو آپ نے ان کے علماء میں سے ایک شخص کو بلایا اور فرمایا: میں تمہیں اس اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی، کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی حد اسی طرح لکھی پاتے ہو؟ کہنے لگا: نہیں، اور اگر آپ نے مجھے یہ قسم نہ دی ہوتی تو میں آپ کو کچھ نہ بتاتا۔ ہم تورات میں زانی شخص کے لیے رجم کی سزا پاتے ہیں لیکن ہوا یہ کہ ہمارے بڑے لوگوں میں زنا عام ہو گیا تو ہم جب کوئی بڑا آدمی پکڑتے تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی پکڑتے تو اس پر یہ حد نافذ کر دیتے، تب ہم نے کہا کہ آؤ اکٹھے ہو کر ایسی سزا پر متفق ہو جاتے ہیں کہ جسے ہم ہر بڑے اور چھوٹے پر نافذ کر دیں تو پھر ہم نے رجم کی جگہ پر منہ کالا کرنا اور کوڑے مار نا طے کر دیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! جب لوگوں نے تیرا حکم ختم کر دیا تو میں وہ پہلا شخص ہوں جس نے اسے زندہ کیا ہے، پھر آپ ﷺ نے اس یہودی کے متعلق حکم دیا تو اسے رجم کر دیا گیا۔ تو اللہ تعالی نے ان کے متعلق سورۃ المائدہ کی آیات ﴿يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ...﴾ سے ﴿وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾[1] تک نازل فرما دیں۔ اور یہ تمام آیات کفار کے متعلق ہیں۔"

ان آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ آیات یہودیوں کے متعلق نازل ہوئیں تھیں کہ جنہوں نے اکٹھے ہو کر ضد اور ہٹ دھرمی سے جانتے بوجھتے ہوئے اللہ تعالی کی حدوں کو بدل دیا تھا۔ امت کے بہت سے اہل علم، جن میں ابو صالح، ضحاک، ابو مجلز، عکرمہ، قتادہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود رحمہم اللہ جیسے اساطین علم تفسیر شامل ہیں، نے ان آیات کی تفسیر میں یہی موقف اختیار کیا ہے، امام طبری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بااسناد ان تمام آثار کو نقل فرمایا ہے، ان آثار کو نقل کرنے سے قبل وہ لکھتے ہیں:

" وقد اختلف أهل التأويل في تأويل الكفر في هذا الموضع. فقال بعضهم بنحو ما قلنا في ذلك , من أنه عنى به اليهود الذين حرفوا كتاب الله وبدلوا حكمه "[2]

اس مقام پر کفر کی تفسیر میں علمائے تفسیر نے اختلاف کیا ہے، ان میں سے بعض نے ہماری طرح کا موقف اپناتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہاں یہود مراد ہیں جنہوں نے اللہ تعالی کی کتاب میں تحریف کی اور اور اس کے احکامات کو بدل ڈالا۔

---

[1] – المائدة5 :41-47

[2]۔ تفسير الطبري ، 456/8

عملی کافر یا اعتقادی کافر

اگر کوئی شخص، خواہ وہ کوئی رعایا کا عام آدمی ہو یا حکمران، عدالت کا قاضی ہو یا کسی ادارے یا گھر کا سربراہ، اگر وہ کلمہ گو، اسلام کا دعوی رکھنے والا مؤمن ہے، اس کے دل میں اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت کی تصدیق اور اس کی عظمت وحقانیت کا اعتراف موجود ہے اور اللہ تعالی کے احکامات اور شریعت اسلامی کے فیصلوں کے خلاف فیصلہ کرنا وہ اپنے لیے حلال نہیں سمجھتا۔ لیکن محض نفسانی خواہش کے غلبہ، کسی دنیاوی مجبوری، معذوری یا لالچ کی بنیاد پر حکم شرعی کے خلاف فیصلہ کرتا ہے، یا اپنی کم علمی اور جہالت و نادانی کی وجہ سے وہ ایسا کر رہا ہے یا وہ اس معاملہ میں کسی تاویل کا شکار ہے، یا وہ اپنی کسی حکمت یا کج فہمی کی بناء پر خلاف شرع فیصلہ نافذ کیے ہوئے ہو اور وہ اپنے اس فیصلہ کو اللہ کے حکم سے نہ تو افضل و بہتر سمجھتا ہو، اور نہ ہی اپنے بنائے گئے قوانین کو اللہ کے قوانین کے مساوی اور برابر قرار دیتا ہو، بلکہ اپنے فیصلوں کو خدائی فیصلوں کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتا ہو، اور اللہ کے احکامات کا انکار کرنے اور انہیں جھٹلانے کی بجائے اپنی تقصیر اور گناہ کا اعتراف کرتا ہو تو ایسے شخص کو بیک جنبش قلم یا زبان کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دینا کسی صورت بھی درست نہیں ہے۔ ایسا شخص خارج عن الملہ کافر نہیں ہو گا بلکہ فقط گناہ گار ہو گا، دوسرے لفظوں میں ایسے شخص کو عملی کافر تو کہا جا سکتا ہے لیکن اعتقادی کافر نہیں۔ اسی بات کو عقائد کے ضمن میں سلف وخلف کے کبار علمائے اسلام نے بیان کیا ہے[1]، جیسا کہ علامہ طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ولا نكفر أحدا من أهل القبلة بذنب، ما لم يستحله، ولا نقول لا يضر مع الإيمان ذنب لمن عمله "[2]

اور ہم کسی گناہ کی وجہ سے اہل قبلہ میں سے کسی معین کو تب تک کافر قرار نہیں دیتے جب تک وہ اسے حلال سمجھنا شروع نہ کر دے، اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ایمان کی موجودگی میں کوئی گناہ اپنے مرتکب کو نقصان نہیں پہنچاتا۔

شارح عقیدہ طحاویہ امام ابن ابی العز الحنفی رحمہ اللہ اس کی تشریح میں تفصیلی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" وهنا أمر يجب أن يتفطن له، وهو: أن الحكم بغير ما أنزل الله قد يكون كفرا ينقل عن الملة، وقد يكون معصية: كبيرة أو صغيرة، ويكون كفرا: إما مجازيا، وإما كفرا أصغر، على

[1]۔ ڈاکٹر خالد بن علی بن محمد العنبری نے اس موقف کے برحق ہونے پر درجنوں کبار ائمہ وعلماء کے اقوال ذکر فرمائے ہیں، دیکھیے:
العنبری ، الدكتور خالد بن على بن محمد ،الحكم بغير ما أنزل الله واصول التكفير فى ضوء الكتاب والسنة واقوال سلف الامة ، دار المنهاج القاهرة ، الطبعة الاولى 2003ء ،ص :92-111

[2] – الطحاوي، امام أبو جعفر احمد بن محمد بن سلامة الحنفى ، متن العقيدة الطحاوية ، بيان عقيدة اهل السنة والجماعة ، الناشر: دار ابن حزم ، الطبعة الاولى ، سنة النشر: 1995ء، ص :21

القولين المذكورين- وذلك بحسب حال الحاكم: فإنه إن اعتقد أن الحكم بما أنزل الله غير واجب، وأنه مخير فيه، أو استهان به مع تيقنه أنه حكم الله : فهذا كفر أكبر - وإن اعتقد وجوب الحكم بما أنزل الله، وعلمه في هذه الواقعة، وعدل عنه مع اعترافه بأنه مستحق للعقوبة، فهذاعاص، ويسمى كافرا كفرا مجازيا، أو كفرا أصغر- وإن جهل حكم الله فيها، مع بذل جهده واستفراغ وسعه في معرفة الحكم وأخطأ، فهذا مخطئ، له أجر على اجتهاده، وخطؤه مغفور "[1]

یہاں ایک بات جس کا سمجھنا لازمی ہے، یہ ہے کہ اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت کے بر عکس فیصلہ کرنا بعض اوقات کفر اکبر ہوتا ہے جو ملت سے خارج کر دیتا ہے اور بعض اوقات کبیرہ یا صغیرہ گناہ ہوتا ہے۔اور بعض کے نزدیک یہ کفر مجازی جبکہ بعض کے نزدیک کفر اصغر ہوتا ہے۔اس کے مراتب میں یہ فرق حاکم کے حالات کے اعتبار سے ہوگا: اگر حاکم یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا واجب نہیں ہے، یا اسے اس میں اختیار حاصل ہے، یا وہ اللہ کے حکم کو،اس یقین کے بعد بھی کہ یہ اللہ کا حکم ہے، حقیر و کمتر سمجھے، تو یہ کفر اکبر ہے۔ لیکن اگر وہ یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا ضروری ہے،اور اس موقعہ پر بھی اسے اس بات کا علم ہو لیکن پھر بھی وہ اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے، باوجودیکہ وہ اس جرم کے مستحق سزا ہونے کا اعتراف کرتا ہو، تو ایسا حاکم نافرمان اور کفر مجازی یا کفر اصغر کا مرتکب ہے۔اور اگر وہ اس معاملہ میں اپنی حتی المقدور کوشش کے باوجود اللہ تعالی کے حکم سے لاعلم رہا اور غلط فیصلہ کر بیٹھا تو یہ ایسا خطاکار ہے کہ جسے اس کے اجتہاد پر اجر ملے گا اور اس کی غلطی قابل معافی ہے۔

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ سے جب ایسے حکمران کے متعلق سوال کیا گیا جو شریعت اسلامی کے برعکس فیصلہ کرتا ہے تو آپ نے بھی اعتقادی اور عملی کافر کے درمیان فرق کو بنیاد بناتے ہوئے جواب میں ارشاد فرمایا :

" من حكم بغير ما أنزل الله فلا يخرج عن أربعة أنواع:من قال: أنا أحكم بهذا لأنه أفضل من الشريعة الإسلامية، فهو كافر كفراً أكبر-ومن قال: أنا أحكم بهذا لأنه مثل الشريعة الإسلامية، فالحكم بهذا جائز وبالشريعة جائز، فهو كافر كفراً أكبر-ومن قال: أنا أحكم بهذا، والحكم بالشريعة الإسلامية أفضل، لكن الحكم بغير ما أنزل الله جائز، فهو كافر كفراً أكبر-ومن قال: أنا أحكم بهذا، وهو يعتقد أن الحكم بغير ما أنزل الله لا يجوز،

[1] - شرح الطحاوية فى العقيدة السلفية ، ص:319-320

ويقول الحكم بالشريعة الإسلامية: أفضل، ولا يجوز الحكم بغيرها، ولكنه متساهل، أو يفعل هذا لأمر صادر من حُكّامه، فهو كافر كفراً أصغر لا يُخرج من الملّة، ويعتبر من أكبر الكبائر"[1]

جو شخص اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ فیصلہ کرتا ہے تو وہ چار قسموں میں سے کسی نہ کسی ایک قسم میں لازماداخل ہے: جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں ان خود ساختہ قوانین کے ساتھ اس لئے فیصلہ کرتاہوں کہ یہ اسلامی شریعت سے افضل ہیں، تو وہ کفر اکبر کا مرتکب کافر ہے۔اور جو شخص یہ کہتاہے ہے کہ میں اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ وہ دوسرے قوانین سے اس لئے فیصلہ کرتا ہوں کہ یہ قوانین بھی شریعت اسلامیہ کی طرح ہیں اوران کے ساتھ اور شریعت اسلامیہ کے ساتھ یعنی دونوں کے ساتھ فیصلہ کرنا جائز ہے توایسا شخص بھی کفر اکبر کا مرتکب کافر ہے۔جو شخص یہ کہتاہے کہ میں اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ قوانین کے ساتھ فیصلہ اس لیے کرتاہوں کہ ان کے مطابق فیصلہ کرناجائز ہے اگرچہ شریعت اسلامی کے مطابق فیصلہ افضل ہے توایسا شخص بھی کفر اکبر کا مرتکب کافر ہے۔اور جو شخص یہ کہتاہے کہ میں اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ خود ساختہ قوانین کے ساتھ فیصلہ کرتاہوں جبکہ اس کااعتقاد یہ ہے یہ کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ قوانین کے ساتھ فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے اور وہ یہ اقرار بھی کرتا ہے کہ شریعت اسلامی کے ساتھ فیصلہ کرنا افضل ہے اور اس کے علاوہ قوانین کے ساتھ فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے لیکن وہ سہولت پسند ہے یاوہ ایسا اپنے بڑے حکمرانوں کے حکم کی وجہ سے کرتا ہے توایسا شخص کفراصغر کا مرتکب کافر ہے اور وہ اس کفر کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو گا جبکہ ایسا کفر اکبر الکبائر ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہے کہ بلاشبہ کسی حکمران کا اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کے وجوب ولزوم کاعقیدہ رکھتے ہوئے اس کے مطابق فیصلہ کرنے کی بجائے شریعت کے برعکس فیصلہ کرنا کبیرہ گناہ اور اللہ تعالی کی کھلی نافرمانی ہے لیکن اس پر کفر یاارتداد کا حکم اس کے عمل واعتقاد دونوں کو سامنے رکھ کر لگایاجائے گامزید یہ کہ یہ حکم لگاناہر عام وخاص کاکام نہیں بلکہ یہ ایک شرعی فیصلہ ہے کہ جسے نافذ کرنے سے قبل تمام دیگر عدالتی، شرعی فیصلوں کی طرح کچھ اصول وضوابط، شرائط اور موانع ہیں کہ جن کا خیال رکھنا شریعت اسلامی نے ہی لازمی اور ضروری

---

[1] – القحطاني ، د. سعيد بن علي بن وهف ، قضية التكفير بين أهل السنة وفرق الضلال في ضوء الكتاب والسُّنة ، الناشر: مطبعة سفير، الرياض ، توزيع: مؤسسة الجريسي للتوزيع والإعلان، الرياض ، ص :79

قرار دیا ہے چنانچہ ان تمام اصول وضوابط کو مد نظر رکھتے ہوئے، شرائط کے وجود اور موانع کے انتفاء کو یقینی بناتے ہوئے ہی کسی حاکم پر کوئی شرعی حکم لاگو کیا جاسکے گا۔ خیال رہے کہ تکفیر معین پر مشتمل ایسا شرعی فیصلہ صادر کرنے والی اتھارٹی کے متعلق بھی کچھ شرائط اور قواعد وضوابط ہیں، ان کا بھی خیال رکھنا لازمی ہے۔ اور یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ فتنہ، فساد نیز انتشار و فوضویت سے مسلم افراد اور معاشرہ کو بچایا جاسکے۔

کافر، ظالم یا فاسق؟

قرآن مجید کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالی نے سورۃ المائدہ میں یہود کی مختلف سرکشیوں، بغاوتوں اور اللہ تعالی کی شریعت کو مسخ کرکے حکم الٰہی کے برعکس اپنے فیصلوں کو درست اور بہتر قرار دینے والی غلط روش کا تذکرہ کرتے ہوئے ایسے لوگوں کے لیے کافر[1]، ظالم[2] اور فاسق[3] جیسی تین مختلف قسم کی مصطلحات استعمال فرمائی ہیں کہ جو اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے۔ یعنی خلاف شریعت فیصلہ کرنے والا شخص کسی صورت بھی بری الذمہ نہیں ہے بلکہ وہ اپنی قلبی ایمانی کیفیت اور احوال وظروف کے تفاوت کی بنیاد پر کافر، ظالم یا فاسق قرار پائے گا۔ لہذا ہر خلاف شریعت فیصلہ کرنے والے شخص کو بلا امتیاز و تفریق کافر قرار دے دینا قرآن مجید کی روشنی میں کسی صورت بھی درست نہیں ہے۔ بلکہ قرآن وسنت کی روشنی میں دیکھا جائے گا کہ خلاف شرع فیصلہ کرنے کی بناء پر کس قسم کے افراد کافر بنتے ہیں؟ اور کون سے لوگ ہیں جو ظالم یا فاسق ٹھہرتے ہیں؟ علامہ بیضاوی رحمہ اللہ اس تفریق کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> " ومن لم يحكم بما أنزل الله مستهينا به منكرا له. فأولئك هم الكافرون لاستهانتهم به وتمردهم بأن حكموا بغيره، ولذلك وصفهم بقوله الكافرون والظالمون والفاسقون، فكفرهم لإنكاره، وظلمهم بالحكم على خلافه، وفسقهم بالخروج عنه. "[4]

> جو شخص اللہ تعالی کے نازل کردہ حکم کے مطابق اس وجہ سے فیصلہ نہ کرے کہ وہ اسے حقیر سمجھتا ہے اور اس کا انکار کرتا ہے تو یہ اللہ تعالی کے فیصلوں کو حقیر جاننے اور سرکشی کرتے ہوئے اس کے علاوہ فیصلہ کرنے کی وجہ سے کافر ہو گا اور قلبی کیفیت کے اسی فرق کی وجہ سے اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والوں کی تین صفتیں کافرون، ظالمون اور

---

[1] – المائدۃ5 : 44

[2] – المائدۃ5 : 45

[3] – المائدۃ5 : 47

[4] – البيضاوي ، ناصر الدين أبو سعيد عبد الله بن عمر الشيرازي ، أنوار التنزيل وأسرار التأويل ، تفسير البيضاوي ، المحقق: محمد عبد الرحمن المرعشلي ، الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت ، الطبعة: الأولى – 1418 ھ ، 128/2

فاسقون ذکر فرمائی ہیں یعنی اگر کوئی احکام الٰہیہ کا انکار ہی کر دیتا ہے تو وہ کافر ہے اور اگر کوئی ظلم کرتے ہوئے احکامات الٰہیہ کے خلاف فیصلہ کرتا ہے تو وہ ظالم ہے اور چونکہ وہ اللہ تعالی کے نازل کردہ احکامات کی پابندی سے نکل گیا تو یہ فاسق ہے۔

اسی طرح قاضی ابو بکر ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" أن الطاعات، كما تسمى إيمانا، كذلك المعاصي تسمى كفرا- لكن حيث يطلق عليها الكفر لا يراد عليه الكفر المخرج عن الملة- فالجاهل والمخطئ من هذه الأمة، ولو عمل من الكفر والشرك ما يكون صاحبه مشركا أو كافرا، فإنه يعذر بالجهل والخطأ، حتى تتبين له الحجة، الذي يكفر تاركها، بيانا واضحا ما يلتبس على مثله" [1]

نیکیوں کو جس طرح ایمان کا نام دیا جاتا ہے، اسی طرح گناہوں کو کفر کہا جاتا ہے، لیکن جہاں کسی گناہ پر کفر کا لفظ بولا جائے گا تو اس سے مراد اسلام سے خارج کر دینے والا کفر نہیں ہو گا۔اس امت کا جاہل اور خطاکار شخص اگر کفر یا شرک کا کوئی ایسا عمل بھی کر لیتا ہے جس کا مرتکب کافر و مشرک قرار پاتا ہے تو وہ پھر بھی کافر یا مشرک نہیں ہو گا، بلکہ اس شخص کی لاعلمی اور بھول چوک اس وقت تک بطور عذر قبول کی جائے گی جب تک وہ حجت اس کیلیے بالکل واضح طور پر عیاں نہیں ہو جاتی کہ جس کا تارک کافر قرار پاتا ہے۔

ترجمان القرآن، حبر الامۃ، سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کریمہ کی انتہائی جامع اور شامل تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قوله: ﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ قَالَ: " من جحد ما أنزل الله فقد كفر , ومن أقر به ولم يحكم فهو ظالم فاسق " **[2]**

اللہ تعالی کا فرمان، کہ جو شخص اللہ تعالی کے نازل کردہ کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو یہی لوگ کافر ہیں، تو جس شخص نے اس فیصلہ کا انکار کیا جسے اللہ تعالی نے نازل فرمایا ہے تو یقینا اس نے کفر کیا لیکن جس شخص نے اس کا اقرار تو کیا لیکن اس کے مطابق فیصلہ نہ کیا تو وہ ظالم و فاسق ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید معروف تابعی عکرمہ رحمہ اللہ اسی بات کو مزید نکھارتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

[1] – تفسير القاسمي ، محاسن التأويل ، 161/3

[2] -تفسير الطبرى ، 467/8۔اس اثر کی سند حسن ہے، دیکھیے:

ابن ياسين، أ. د. حكمت بن بشير ، موسوعة الصحيح المسبور من التفسير بالمأثور ، الناشر : دار المآثر للنشر والتوزيع والطباعة– المدينة النبوية ، الطبعة : الأولى ، 1999 م ، 184/2

" قوله ﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ إنما يتناول من أنكر بقلبه وجحد بلسانه، أما من عرف بقلبه كونه حكم الله وأقر بلسانه كونه حكم الله، إلا أنه أتى بما يضاده فهو حاكم بما أنزل الله تعالى، ولكنه تارك له، فلا يلزم دخوله تحت هذه الآية،"[1]

اللہ تعالی کا فرمان، کہ جو شخص اللہ تعالی کے نازل کردہ کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو یہی لوگ کافر ہیں، اس شخص کے لیے ہے جو اللہ تعالی کے فیصلہ کو اپنے دل سے ناپسند کرے اور اس کا اپنی زبان سے انکار کرے۔ جبکہ ایسا شخص جو اپنے دل سے اس کا حکم الہی ہونا تسلیم کرے اور زبان سے اس امر کا اعتراف کرے لیکن عملی طور پر اس کے الٹ کا ارتکاب کرے تو یہ اللہ تعالی کے نازل کردہ کو ماننے والا تو ہے لیکن اس کے ترک کا مرتکب ہے اس لیے اسے اس آیت کے ذیل میں لانا ضروری نہیں ہے۔

خیال رہے کہ اللہ تعالی نے حاکم و قاضی، عالم و فقیہ یا کسی عام آدمی کو ان احکامات میں خاص کرنے کی بجائے ان تمام انسانوں کو تین قسموں یعنی کافر، ظالم اور فاسق میں تقسیم کیا ہے جو اللہ تعالی کے نازل کردہ احکامات کے مطابق فیصلے نہیں کرتے۔ اس لیے کوئی بھی شخص، بھلے وہ کسی بھی شعبہ ءزندگی سے تعلق رکھنے والا کیوں نہ ہو، خلاف شریعت فیصلہ کرنے کی بناء پر کافر یا ظالم بھی ہو سکتا ہے اور فاسق بھی۔ نیز اللہ تعالی نے فیصلوں کی نوعیت میں بھی فرق نہیں کیا کہ کس شعبہ ءزندگی سے متعلق حکم الہی کے خلاف فیصلہ کفر ہوگا اور کس شعبہ زندگی سے متعلق فیصلہ ظلم وفسق ہوگا؟ یعنی فیصلہ خواہ عقائد سے متعلق ہو، عبادات سے متعلق ہو، معاملات سے تعلق رکھتا ہو یا حدود و تعزیرات کے باب سے ہو، بہر صورت وہ اپنی نوعیت و کیفیت کے اعتبار سے بجا طور پر کفر بھی ہو سکتا ہے، ظلم بھی اور فسق بھی!

کفر اکبر یا اصغر

علمائے امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کفر ہمیشہ ایک ہی طرح کا نہیں ہوتا، نہ ہی اس کا حکم ہمیشہ ایک سا رہتا ہے، بلکہ قرآن وسنت کی نصوص کو سامنے رکھتے ہوئے کفر کو مندرجہ ذیل دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے[2]: اول کفر اکبر، یہ وہ کفر ہے جو بندے کو اسلام سے خارج کر دیتا ہے، اور اس کا مرتکب مرتد قرار پاتا ہے۔ اور دوسرا کفر اصغر۔ یہ

---

[1] – الرازي ، أبو عبد الله محمد بن عمر التيمي الملقب بفخر الدين ، مفاتيح الغيب ، التفسير الكبير ، الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت ، الطبعة: الثالثة – 1420 هـ ، 368/12 .

أبو حيان ، أثير الدين محمد بن يوسف الأندلسي ، البحر المحيط في التفسير ، المحقق: صدقي محمد جميل ، الناشر: دار الفكر – بيروت ، الطبعة: 1420 هـ ، 270/4

[2]۔ دیکھیے: التكفير وضوابطه ، للرحيلي ، ص : 93 – 95 – مذكرة التكفير وضوابطه ، للدكتور محمد بن عمر بازمول ، ص : 15 - 24

وہ کفر ہے کہ جو اپنے فاعل کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتا، بلکہ وہ کبیرہ گناہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اسے "کفر دون کفر " بھی کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے سے اس تقسیم کا واضح ثبوت ملتا ہے، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" أُرِيتُ النَّارَ فَإِذَا أَكْثَرُ أَهْلِهَا النِّسَاءُ، يَكْفُرْنَ، قِيلَ: أَيَكْفُرْنَ بِاللَّهِ؟ قَالَ: " يَكْفُرْنَ العَشِيرَ، وَيَكْفُرْنَ الإِحْسَانَ، لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ، ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا، قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ "[1]

مجھے جہنم دکھلائی گئی تو اس میں زیادہ تر عورتیں تھیں جو کفر کرتی ہیں۔ کہا گیا یا رسول اللہ ! کیا وہ اللہ کے ساتھ کفر کرتی ہیں ؟ آپ ﷺ نے فرمایا : وہ خاوند کی ناشکری کرتی ہیں۔ اور احسان کا انکار کرتی ہیں۔

اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ کفر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کفر اکبر، یعنی اللہ کے ساتھ کفر کہ جس کے ساتھ آدمی ملت سے خارج ہو جاتا ہے اور دوسرا کفر اصغر، کہ جس کی وجہ سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے ریاکاری کو شرک اصغر قرار دیا ہے کہ اس کا مرتکب مجرم تو ضرور ہے لیکن ایسا مشرک نہیں ہے جو ناقابل معافی و بخشش ہو- امام ابن اثیر جزری رحمہ اللہ اس تقسیم کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"والكفر صنفان: أحدهما الكفر بأصل الإيمان وهو ضده، والآخر الكفر بفرع من فروع الإسلام، فلا يخرج به عن أصل الإيمان. " [2]

اور کفر دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک اصلِ ایمان کا انکار کرنا ہے اور یہ کفر بالکل ایمان کے الٹ ہے۔ اور دوسرا اسلام کی فروع میں سے کسی فرع کا انکار کرنا ہے، اس کی وجہ سے آدمی دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔

مذکورہ بالا پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ کفر اصغر اور کفر اکبر میں واضح فرق ہے۔ کفر اصغر سے وہ کفر مراد نہیں ہے کہ جس کا مرتکب ایمان سے خارج یعنی دین سے مرتد قرار پاتا ہو، بلکہ اس سے کم تر کفر مراد ہوتا ہے۔ جیسے بعض احادیث

---

[1] - صحيح البخارى ، كِتَابُ الإِيمَانِ ، بَابُ كُفْرَانِ العَشِيرِ وَكُفْرٍ دُونَ كُفْرٍ ،15/1،حديث : 29 - صحيح مسلم: 907

[2] - النهاية في غريب الحديث والأثر ، 186/4

میں رسول اللہ ﷺ نے کسی مسلمان سے لڑنے کو کفر[1] اور لڑنے والوں کو کافر[2] قرار دیا ہے۔ لیکن آپ کے باہمی لڑائی کو کفر قرار دینے والے ان واضح ارشادات کے باوجود دو مسلمانوں کی باہمی لڑائی انہیں دین اسلام سے خارج کر کے حقیقی کافر نہیں بنا دیتی، بلکہ وہ باہم لڑائی کے باوجود بھی قرآن مجید کی نظر میں مومن اور باہم بھائی ہی رہتے ہیں، جیسا کہ سورۃ الحجرات میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے[3]۔

امام بخاری اور دوسرے ائمہ کرام ومفسرین رحمہم اللہ کے خیال میں ان آیات میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے لڑنے کے باوجود مسلمان ہی رہتے ہیں، اسلام سے خارج یا مرتد نہیں ہو جاتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں آپس میں لڑنے والے دونوں فریقوں کو نہ صرف مومن قرار دیا ہے بلکہ انہیں آپس میں بھائی بھائی بھی قرار دیا ہے۔ اسی طرح آیت قصاص[4] میں اللہ تعالیٰ نے قاتل کو مقتول کے وارث کا بھائی قرار دیا ہے۔ ان احادیث میں کسی مسلمان سے لڑائی کو کفر قرار دینے سے مراد کفر اکبر سے کم تر درجے کا کفر یعنی کفر اصغر ہے، کیونکہ گناہ کے تمام کام کفر اور جاہلیت ہوتے ہیں اور ایسے عمل کے مرتکب شخص کو کافر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے کفر کے کام کا ارتکاب کیا ہے، اس کا ایمان کامل نہیں رہا بلکہ وہ ناقص الایمان مومن ہے، یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ وہ شخص ملت اسلام سے خارج ہو گیا۔

خوارج نے جن آیات سے شریعت الٰہیہ کے خلاف خود ساختہ وضعی قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے والے حکام کو کافر قرار دیا ہے، اگر ان آیات کو اس تناظر میں دیکھا جائے تو ان میں مذکور کفر سے مراد کفر اصغر ہے، کفر اکبر نہیں۔ امام عطاء بن ابی رباح اور طاووس رحمہم اللہ جیسے بہت سے اہل علم نے اس موقف کو اپنایا ہے جیسا کہ امام طبری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

" وقال آخرون: بل عني بذلك كفر دون كفر , وظلم دون ظلم , وفسق دون فسق-"[5]

دوسرے مفسرین نے کہا ہے بلکہ اس سے مراد کفر ہے جو کفر کبر سے کمتر ہے، ظلم ہے جو بڑے ظلم سے کمتر ہے اور فسق ہے جو بڑے فسق سے کمتر ہے۔

---

[1] – صحيح البخارى ،كِتَابُ الأَدَبِ ، بَابُ مَا يُنْهَى مِنَ السِّبَابِ وَاللَّعْنِ ، 15/8، حديث: 6044 – صحيح مسلم : 116

[2] – صحيح البخارى ، كِتَابُ الفِتَنِ، بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «لاَ تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا، يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ»،50/9، حديث : 7077 – صحيح مسلم : 118

[3] – الحجرات49 : 9-10

[4] – البقرة 2 :188

[5]– تفسير الطبرى ،464/8

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید امام طاوس بن کیسان رحمہ اللہ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا:«ليس بكفر ينقل عن الملة » "کہ یہاں کفر اکبر مراد نہیں ہے جو اپنے مرتکب کو ملت سے خارج کر دیتا ہے۔"[1]

حاکم کی عملی کوتاہی یا فسق و فجور کی وجہ سے اسے کافر قرار دینا

اسلام کا فیصلہ کن اصول یہ ہے کہ کسی بھی کلمہ پڑھنے والے کو اس کی عملی غلطیوں اور فسق و فجور کی وجہ سے کافر قرار دے کر دائرہ اسلام سے نکالا نہیں جائے گا۔ جیسا کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ”تین باتیں ایمان کی بنیاد میں سے ہیں: جو شخص "لا اله الا الله "کا اقرار کر لے، اس سے ہاتھ اور زبان کو روک لینا، نہ تو ہم اس کے کسی گناہ کی وجہ سے اسے کافر قرار دیں گے اور نہ ہی کسی عمل کی وجہ سے اسے دائرہ اسلام سے خارج کریں گے۔۔۔“ [2]

کسی بھی شخص پر مسلم یا غیر مسلم ہونے کا حکم اس کے ظاہر کے مطابق لگایا جائے گا، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منافقین وغیرہ کے تمام معاملات میں ان کے ظاہر پر ہی فیصلہ کرتے تھے حالانکہ آپ کو وحی کے ذریعے ان کے دل کی اصل حقیقت اور ان کی باطنی کیفیات سے آگاہی مل جاتی تھی لیکن آپ نے منافقین کو ان کے عملی و اعتقادی نفاق کے باوجود مسلمانوں سے الگ قرار دیتے ہوئے نہ ہی ان کو مسلمانوں سے الگ شناخت دی اور نہ ہی انہیں ان کے اعتقادی نفاق کی وجہ سے کافر قرار دیا، حالانکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ان کے کفر کے متعلق بتا دیا تھا۔

شرعی اصول جو قرآن و سنت کی تعلیمات سے واضح طور پر سمجھ آتا ہے وہ یہ ہے کہ زبان سے کلمہ پڑھنے والے حاکم کا شمار مسلمانوں میں ہوگا اور اس کے ساتھ دنیا میں وہی سلوک کیا جائے گا جو کسی مسلم و مومن کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ جب ذوالخویصرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تو سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل کی اجازت طلب کی تو آپ نے انہیں اس کے قتل سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«لاَ، لَعَلَّهُ أَنْ يَكُونَ يُصَلِّي» فَقَالَ خَالِدٌ: وَكَمْ مِنْ مُصَلٍّ يَقُولُ بِلِسَانِهِ مَا لَيْسَ فِي قَلْبِهِ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنِّي لَمْ أُومَرْ أَنْ أَنْقُبَ عَنْ قُلُوبِ النَّاسِ

---

[1] ۔ تفسير الطبري ، 465/8 ۔ معالم التنزيل في تفسير القرآن/تفسير البغوي ، 55/2،

[2] – سنن ابی داوود ، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجَوْر ، 184/4 ، حديث : 2532

وَلاَ أَشُقَّ بُطُونَهُمْ»[1]

نہیں، شاید وہ نماز پڑھتا ہو"، تو سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کی: بہت سے نمازی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ منہ سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے لوگوں کے دل ٹٹولنے یا پیٹ چیرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

اسی طرح یہ طریق کار بھی درست نہیں ہے کہ کسی حکمران کے کسی غلط فیصلہ کو دیکھ کر فوری طور پر اس کے کافر اور ملت سے خارج ہونے کا فتوی دے دیا جائے، بلکہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ کسی کو کافر قرار دینے سے پہلے ضروری اور لازمی ہے کہ اس شخص پر اس کی غلطی صحیح طرح سے واضح کر کے اور اس کے شبہات کا ازالہ کر کے اس پر حجت تمام کر لی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ سے بھی کئی بار واضح کفر و شرک پر مبنی حرکتوں کا صدور ہوا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر کفر یا شرک یا ملت سے خارج ہو جانے کا فتوی لگانے کی بجائے ان کو ان کی غلطی سے آگاہ فرمایا ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد وہ اور دیگر اصحابِ رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ سے حنین کے لیے نکلے، راستہ میں ایک بیری کا درخت تھا جہاں کفار جا کر اعتکاف کرتے تھے اور اس کے ساتھ اپنا اسلحہ لٹکایا کرتے تھے، اسے " ذات انواط " کہا جاتا تھا۔ اسے دیکھ کر آپ کے کچھ اصحاب نے عرض کیا کہ آپ ہمارے لیے بھی اس طرح کوئی " ذات انواط " مقرر کر دیجئے جس طرح ان کے لیے "ذات انواط " ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "سبحان اللہ! یہ تو وہی بات ہے، جس طرح کی بات موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہی تھی کہ " ہمارے لیے بھی کوئی معبود بنا دیجیے، جیسے ان مشرکوں کے معبود ہیں، تو موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: بے شک تم ایسے لوگ ہو جو نادانی کرتے ہو "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم اپنے سے پہلے لوگوں کی کی پوری پوری پیروی کرو گے۔"[2]

اس حدیث سے واضح معلوم ہو رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فوری طور پر نصیحت تو فرمائی لیکن انہیں کافر و مرتد قرار دے کر نہ تو ان کے قتل کا حکم دیا اور نہ ہی دوبارہ کلمہ پڑھنے کا حکم دیا۔ اسی طرح سیدنا عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ شام سے واپس آئے تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجدہ کیا۔ آپ

---

[1] – صحيح البخارى ، كِتَابُ المَغَازِي ، بَابُ بَعْثِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَلَيْهِ السَّلاَمُ، وَخَالِدِ بْنِ الوَلِيدِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، إِلَى اليَمَنِ قَبْلَ حَجَّةِ الوَدَاعِ ، 163/5 ، حديث : 4351 – صحيح مسلم : 1064

[2] – سنن الترمذى ، أَبْوَابُ الفِتَنِ ، بَابُ مَا جَاءَ لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ ، 45/4 ، حديث : 2180 – مسند احمد ، 225/36 ، حديث : 21897

نے فرمایا: معاذ! یہ کیا؟ انہوں نے کہا: میں شام گیا تو میں نے وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے پادریوں اور سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں۔ مجھے اپنے دل میں یہ بات اچھی لگی کہ ہم لوگ آپ کے ساتھ تعظیم اور احترام کا یہ طریقہ اختیار کریں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس پر انہیں یہ کہہ کر منع فرمادیا کہ "تم مجھے سجدہ مت کرو۔ اگر میں کسی کو اللہ کے سوا کسی کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔"[1]

غور کریں تو غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے بڑھ کر شرک اور کفر کا ثبوت کیا ہو سکتا ہے لیکن اس کے باوجود نبی ﷺ یا کسی ایک صحابی نے بھی سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ پر کفر وارتداد کا فتویٰ نہیں لگایا اور نہ ہی انہیں دوبارہ کلمہ پڑھنے کا حکم دیا بلکہ ان پر ان کی غلطی واضح کر دی اور بات سمجھا دی۔ ان تمام تفصیلات سے واضح ہے کہ کسی بھی شخص، خواہ وہ حاکم ہو یا محکوم، کے کفریہ عمل پر اسے فوری طور پر کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ بلکہ اس پر فتویٰ صادر کرنے سے قبل پوری تسلی سے اس پر اس کے قول، فعل یا اعتقاد کی حقیقت کو دلائل کی روشنی میں خوب اچھی طرح واضح کر دیا جائے گا۔ کفریہ عمل کے ارتکاب کرنے والے شخص پر اس کے کفر کے تمام پہلو واضح کرنے، تکفیر کی شرائط پوری کرنے اور تکفیر کے موانع کے اٹھ جانے کا یقین ہونے کے بعد بھی اگر کوئی شخص اپنی غلطی تسلیم نہیں کرتا، اور اپنے کفر پر اڑے رہنے کو ترجیح دیتا ہے، تو پھر ایسے شخص، چاہے وہ حاکم ہو یا محکوم، کو کافر قرار دے دیا جائے گا۔ بشرطیکہ اس کا قول، فعل یا اعتقاد شرعی نصوص اور اجماع امت کی روشنی میں صریحا کفر ہو۔ کیونکہ اللہ تعالی کا اصول ہے کہ وہ بندوں کا اس وقت تک مواخذہ نہیں کرتا اور انہیں اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک ان پر حجت قائم نہ فرمالے۔

خلاف شریعت فیصلہ کرنے والا حاکم اگر جاہل ہو تو؟

اسی طرح اس امر میں بھی کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالی کسی شخص کو اس کی وسعت سے بڑھ کر مکلف نہیں ٹھہراتا قطع نظر اس بات کے کہ اس وسعت کا تعلق اس کے علم کے ساتھ ہے یا عمل کے ساتھ۔ یعنی جس شخص کے پاس کسی معاملہ میں علم نہیں پہنچا وہ بھی معذور ہے اگر کسی آدمی کو یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ جو کام میں کر رہا ہوں وہ کام کرنے سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے تو اس آدمی کو کفریہ کام کا ارتکاب کر لینے کے باوجود کافر نہیں کہا جائے گا۔ دوسرے لفظوں میں جہالت ولاعلمی کی بنیاد پر اگر کوئی حکمران کسی کفریہ قول وفعل کا ارتکاب کر لیتا ہے یا شریعت اسلامی کے خلاف فیصلہ صادر کر دیتا ہے تو جب تک ہم اس کی جہالت رفع کر کے اس پر حجت تمام نہ کر لیں، اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگا سکتے۔ جیسا کہ اس شخص کے واقعہ سے مترشح ہوتا ہے کہ جس نے اپنے گنہگار ہونے کی وجہ سے اپنی مغفرت سے مایوس ہو کر اپنے بچوں کو وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا کر پیس ڈالنا، اس کے بعد مجھے یعنی

---

[1] – سنن ابن ماجه ، أَبْوَابُ النِّكَاحِ ، بَابُ حَقِّ الزَّوْجِ عَلَى الْمَرْأَةِ ، 59/3 ، حديث : 1853

میری راکھ کو ہوا میں اڑا دینا۔ اور ساتھ کہا کہ اللہ کی قسم ! اگر میرے رب نے مجھ پر قابو پالیا تو وہ مجھے ایسا عذاب دے گا جو اس نے کسی کو نہ دیا ہو گا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹوں نے اس کی وصیت کو پورا کر دیا اور جب اللہ تعالیٰ نے اس سے اس کی اس وصیت کی وجہ پوچھی تو اس نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! تیرے خوف نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔

اب اس آدمی کی غلطی کوئی معمولی غلطی نہ تھی بلکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا انکار کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے مرنے اور اس انداز سے ریزہ ریزہ ہونے کے بعد نہ دوبارہ زندہ کر پائے گا اور نہ ہی اس پر قدرت حاصل کر سکے گا۔ یہ عقیدہ یا سوچ یقیناً کفر اکبر ہے کہ جس کا ارتکاب کرنے سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ شخص اتنے بڑے جرم اور اتنی اہم صفت کا انکار کرنے کے بعد بھی عند اللہ کفر اکبر کا مرتکب کافر قرار نہیں پایا اور نہ ہی اسے خلود فی النار کی سزا دی گئی کیونکہ اس کا اللہ پر ایمان تھا، اللہ تعالیٰ کا ڈر بھی اس کے دل میں موجزن تھا لیکن اپنی لاعلمی کی بنا پر وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے بے بہرہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی جہالت اور اس کے دل میں موجود اپنے ڈر کو دیکھتے ہوئے اسے معاف فرما دیا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب و حواریین کا متعدد بار توصیفی تذکرہ فرمایا ہے لیکن وہ اپنی کم علمی اور نادانی کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ اس امر کی طاقت رکھتا ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک دستر خوان اتارے ؟ جواب میں عیسیٰ علیہ السلام ان پر کفر کا فتویٰ لگانے کی بجائے انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈراتے ہوئے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔[1]

ذرا غور فرمائیے کہ انہیں اپنی جہالت کی وجہ سے اس بات میں شک ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے دستر خوان اتار سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر اس شک کا اظہار علم ہونے کے بعد ہوتا تو ایمان کا باطل ہونا یقینی ہے لیکن یہاں اس سوال سے ان کا ایمان باطل نہیں ہوا کیونکہ ان کو اس بات کا علم ہی نہ تھا، وہ کافر تو تب ہوتے جب انہیں علم ہوتا اور ان پر حجت قائم ہو چکی ہوتی ۔ خلاصہ کلام یہ کہ جب تک کسی شخص کو کسی معاملہ کا پوری طرح علم ہی نہیں تب تک اسے مجرم ٹھہرانا درست نہیں ہے۔ اصول یہ ہے کہ کوئی بھی آدمی تبھی مجرم قرار پائے گا جب وہ قانون کو جانتے بوجھتے پامال کرے گا۔

خلاف شریعت فیصلہ کرنے والا حاکم اگر مجبور ہو تو؟

اگر کسی حاکم کے پاس شریعتِ الٰہیہ کا علم تو پہنچ چکا ہو لیکن وہ اپنی کسی حقیقی مجبوری، کمزوری یا معذوری کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کو نافذ نہیں کرتا اور اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا تو اسے اس کے عذر کا فائدہ دیا جائے

---

[1] – المائدة5: 112

گا اور اس پر کفر کا فتوی نہیں لگایا جائے گا۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (97) إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا (98) فَأُولَئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا﴾[1]

بیشک وہ لوگ جنھیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں، کہتے ہیں تم کس کام میں تھے؟ وہ کہتے ہیں ہم اس سرزمین میں نہایت کمزور تھے۔ وہ کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ تو یہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے۔ مگر وہ نہایت کمزور مرد اور عورتیں اور بچے جو نہ کسی تدبیر کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ کوئی راستہ پاتے ہیں۔ تو یہ لوگ، اللہ قریب ہے کہ انھیں معاف کر دے اور اللہ ہمیشہ سے بے حد معاف کرنے والا، نہایت بخشنے والا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالی نے ان لوگوں کو ظالم اور جہنمی قرار دیا ہے جنھوں نے کسی قسم کی رکاوٹ موجود نہ ہونے کے باوجود اللہ تعالی کا حکم پورا کرتے ہوئے ہجرت کرنے سے گریز کیا۔ لیکن اس وعید سے ان لوگوں کو استثنی دے دیا گیا جو واقعی بے بس، کمزور اور معذور ہونے کی وجہ سے ہجرت نہیں کر سکتے تھے۔ اسی طرح اگر کسی حکمران کے دل میں ایمان ہے اور وہ کلمہ کا اقرار کرتا اور اللہ تعالی کی توحید اور محمد ﷺ کی رسالت کا اعتراف کرتا ہے اور اسلام کے ساتھ اعلانیہ و فخریہ اپنا تعلق جوڑتا ہو لیکن اپنی سیاسی، اقتصادی، عسکری، سفارتی، قومی یا بین الاقوامی مجبوریوں کو بنیاد بنا کر اسلامی حدود و احکامات کو عملی طور پر نافذ نہیں کرتا تو اس کا یہ عمل اگرچہ بہت بڑا جرم ہے لیکن ایسا جرم نہیں ہے کہ جو اسے ملت اسلامیہ سے ہی خارج کر دے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حبشہ کے حاکم اصحمہ نجاشی اگرچہ خود تو اسلام قبول کر کے مسلمان ہو گئے تھے لیکن انہوں نے اپنے علاقہ میں اسلام اور اسلامی قوانین کو نافذ نہیں کیا تھا۔ اس کے باوجود جب وہ فوت ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام میں نہ صرف ان کی فوتگی کا اعلان فرمایا بلکہ ان کی نماز جنازہ بھی پڑھائی۔[2] اسی حوالے سے بحث کرتے ہوئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] – النساء4 : 97-99

[2] – صحيح البخاری ،كتاب مناقب الأنصار، باب موت النجاشي،51/5،حديث :3877-3880 ـ صحيح مسلم ،كتاب الجنائز، باب في التكبير على الجنازة،657/2،حديث : 951

" وكذلك النجاشي هو وإن كان ملك النصارى فلم يطعه قومه في الدخول في الإسلام، بل إنما دخل معه نفر منهم- ولهذا لما مات لم يكن هناك من يصلي عليه فصلى عليه النبي ﷺ بالمدينة - - - وكثير من شرائع الإسلام أو أكثرها لم يكن دخل فيها لعجزه عن ذلك، فلم يهاجر ولم يجاهد ولا حج البيت، بل قد روي أنه لم يكن يصلي الصلوات الخمس، ولا يصوم شهر رمضان، ولا يؤدي الزكاة الشرعية ; لأن ذلك كان يظهر عند قومه فينكرونه عليه، وهو لا يمكنه مخالفتهم- ونحن نعلم قطعا أنه لم يكن يمكنه أن يحكم بينهم بحكم القرآن-"[1]

اسی طرح نجاشی کا معاملہ ہے،وہ اگرچہ نصاری کے بادشاہ تھے لیکن ان کی قوم نے اسلام قبول کرنے مین ان کی اطاعت نہیں کی،کچھ لوگ ہی ان کے ساتھ مسلم بنے تھے اور اسی وجہ سے جب وہ فوت ہوئے تو ان پر جنازہ پڑھنے والا کوئی نہ تھا تو نبی ﷺ نے مدینہ میں ان کا جنازہ پڑھایا ۔۔۔اسلامی احکامات میں سے اکثر ایسے تھے کہ جن پر نجاشی اپنے عاجز ہونے کی وجہ سے عمل نہ کر سکے تھے،نہ انہوں نے ہجرت کی،نہ جہاد کیا اور نہ ہی حج کی سعادت حاصل کی،بلکہ روایت کیا جاتا ہے کہ وہ نماز پنجگانہ بھی ادا نہ کرتے تھے،نہ رمضان کے روزے رکھتے تھے،اور نہ ہی فرض زکاۃ ادا کرتے تھے کیونکہ یہ بات اگر ان کی قوم کے سامنے کھل جاتی تو وہ ان کی مخالفت کرتے اور نجاشی ان کی مخالفت برداشت نہ کر پاتے۔

خیال رہے کہ شریعت اسلامی کے کسی حکم کے خلاف فیصلہ کرنے والے کسی بھی حاکم کو کافر قرار دینے سے قبل مندرجہ بالا دو بنیادی چیزوں کو مد نظر رکھنا لازم ہے۔پہلی چیز کہ کیا اس تک اللہ تعالی کے اس حکم سے متعلق قرآن وسنت کا علم پہنچ چکا ہے یا نہیں؟اور دوسری چیز کہ کیا وہ اُس پر عمل کرنے میں آزاد ہے اور آیا وہ اس پر عمل کرنے کی فی الواقع قدرت رکھتا ہے یا نہیں؟اگر کوئی حاکم ان دونوں وجوہات میں سے کسی ایک کی بنیاد پر احکامات الہیہ کے نفاذ میں ناکام ہے تو وہ ظالم اور فاسق تو ہو سکتا ہے لیکن اسے کافر اور ملت سے خارج قرار دے کر اس کے خاف خروج نہیں کیا جائے گا ۔لیکن یہاں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ ہم چونکہ کسی بھی شخص کی دلی کیفیات سے بے خبر ہیں اس لیے ہم دنیا میں ظاہر پر فیصلہ کرنے کے مکلف ہیں،جبکہ اللہ تعالی اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے کہ کون طاقت رکھتا ہے اور کون معذور ہے ؟اس لیے دنیا کے برعکس قیامت کے دن فیصلہ آدمی کی اصل حقیقت اور قلبی اعتقاد کی بنیاد پر کیا جائے گا۔

---

[1] – منهاج السنة النبوية في نقض كلام الشيعة القدرية ، 113/5

خلاف شریعت فیصلہ کرنے والا حاکم اور اجتہادی غلطی

شریعت الٰہیہ کے برعکس فیصلہ کرنے والے کسی بھی مسلم حاکم کو کافر قرار دینے سے پہلے اس معاملے کو بھی پوری باریک بینی کے ساتھ پرکھا جائے گا کہ وہ حاکم اپنے اس فیصلہ یا اختیار کے جائز ہونے کے سلسلے میں کسی اجتہادی غلط فہمی کا شکار نہ ہو یعنی ایسا نہ ہو کہ وہ کسی شرعی دلیل کا سہارا لے کر اس کام کو جائز سمجھ رہا ہو۔ قرآن وحدیث کی غلط تفسیر، تاویل، تشریح یا سمجھ کی وجہ سے کسی بھی کفریہ کام کو جائز سمجھنے والے حاکم تو کیا کسی عام فرد کو بھی اس وقت تک کافر قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک اس پر اس کے فہم یا تاویل و تشریح کا غلط ہونا ثابت کر کے اس پر حجت قائم نہ کر دی جائے کیونکہ اللہ تعالی نے اس امت کو غلطی اور بھول چوک معاف فرمادی ہے، جیسا کہ سنن ابن ماجہ وغیرہ میں نبی ﷺ کا فرمان موجود ہے کہ اللہ تعالی نے میری خاطر میری امت کو غلطی اور بھول چوک معاف فرمادی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خوارج کہ جن کا موقف معروف ہے کہ وہ بہت سے صحابہ اور تابعین وغیرہم کو نہ صرف کافر قرار دیتے تھے بلکہ ان کی جانوں اور مالوں کو حلال سمجھتے تھے اور ان کو قتل کرنے میں اللہ تعالی کی خوشنودی کے حصول کا یقین رکھتے تھے لیکن اس سب کے باوجود فقہاء کی اکثریت نے ان کے کافر ہونے کا فتوی اس لیے نہیں دیا کہ وہ یہ سب کچھ تاویل کی بنیاد پر کرتے تھے۔ رہ گئی بات کہ تاویل کون سی قابل قبول ہو گی اور کون سی ناقابل قبول؟ تو اس پر اس مقالہ کے دوسرے باب میں بات کی جاچکی ہے۔

خارجی فکر کے حاملین کے دیگر دلائل

وہ دلائل جن کے ساتھ خارجی فکر کے حاملین مسلم حکام اور معاشروں کی تکفیر کرتے ہیں ان میں سے ایک دلیل قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴾[1]

"کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایمان لے آئے ہیں اس پر جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا، وہ طاغوت کی طرف اپنے فیصلے لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ طاغوت کے ساتھ انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں دور کی گمراہی میں مبتلا کر دے"۔

خارجی فکر کے حاملین سورۃ المائدۃ کی آیت ﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ سے مسلم

---

[1] – النساء4 :60

ممالک کے وضعی قوانین کو بنیاد بنا کر ان کے حکام کو کافر اور طاغوت قرار دینے کے ساتھ ہی مسلم ممالک کی عوام کو اس آیت کے تحت کافر و مرتد قرار دے دیتے ہیں[1]۔ لیکن جس طرح آیت ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ سے مسلم حکام کا کفر ثابت نہیں ہوتا اسی طرح یہ آیت بھی مسلم عوام کو کافر قرار دینے کے لیے دلیل نہیں بنتی۔ کیونکہ اس آیت میں طاغوت سے فیصلہ کروانے سے روکا جا رہا ہے۔ جبکہ کلمہ گو حکام کو طاغوت قرار دینا ہی درست نہیں۔ یہ بات بڑی تفصیل سے واضح کی جا چکی ہے کہ جو حکمران اللہ تعالی کے احکامات اور شریعت اسلامی کے فیصلوں کے خلاف فیصلہ کرنا اپنے لیے حلال نہ سمجھتا ہو۔ لیکن محض نفسانی خواہش کے غلبہ، کسی دنیاوی مجبوری، معذوری یا لالچ کی بنیاد پر حکم شرعی کے خلاف فیصلہ کرتا ہے، یا اپنی کم علمی اور جہالت و نادانی کی وجہ سے وہ ایسا کر رہا ہے یا وہ اس معاملہ میں کسی تاویل کا شکار ہے، یا وہ اپنی کسی حکمت یا کج فہمی کی بناء پر خلاف شرع فیصلہ نافذ کیے ہوئے ہو اور وہ اپنے اس فیصلہ کو اللہ کے حکم سے نہ تو افضل و بہتر سمجھتا ہو، اور نہ ہی اپنے بنائے گئے قوانین کو اللہ کے قوانین کے مساوی اور برابر قرار دیتا ہو، بلکہ اپنے فیصلوں کو خدائی فیصلوں کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتا ہو، اور اللہ کے احکامات کا انکار کرنے اور انہیں جھٹلانے کی بجائے اپنی تقصیر اور گناہ کا اعتراف کرتا ہو تو ایسے شخص کو، جب تک اس پر اس کے فہم یا تاویل و تشریح کا غلط ہونا ثابت کر کے اس پر حجت قائم نہ کر دی جائے، بیک جنبش قلم یا زبان کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دینا کسی صورت بھی درست نہیں ہے، چہ جائیکہ انہیں طاغوت قرار دے دیا جائے۔ اس آیت سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس آیت مبارکہ کے شان نزول اور اس سے اگلی آیت کو ساتھ ملانے سے بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴾[2]

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس کی طرف جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اور آؤ رسول ﷺ کی طرف، تو تو منافقوں کو دیکھے گا کہ وہ تجھ سے منہ موڑ لیتے ہیں، صاف منہ موڑنا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان آیات میں منافقین کا تذکرہ کیا جا رہا ہے کہ منافق ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرتے ہیں اور کبھی آپ کے فیصلے اور حکم پر راضی نہیں ہوتے، بلکہ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی مشرک سردار یا یہودی یا نصرانی

---

[1]- الجامع فی طلب العلم الشریف، ص:539-540
https://ketabonline.com/ar/books/8717/read?page=29&part=6#p-8717-29-1(16-09-2021/06:21)

[2] – النساء4 :61

عدالت یا کسی کاہن سے فیصلہ کروایا جائے۔

وضعی قوانین کے حوالے سے خارجی فکر کے حاملین کی طرف سے مسلم حکام وعوام کے کافر ہونے پر پیش کیے جانے والے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن ہی نہیں ہو سکتا جب تک وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے تمام تنازعات و خصومات میں قلبی خوشی سے منصف اور فیصل تسلیم نہیں کرلیتا، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾[1]

سو نہیں! آپ کے رب کی قسم! یہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو اپنے باہمی جھگڑوں میں حاکم نہ مان لیں، پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلہ کے بارہ میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں اور اور تسلیم کرلیں، پوری طرح تسلیم کرنا۔

توچونکہ موجودہ مسلم حکام وعوام رسول اللہ ﷺ کو ہر معاملہ میں حکم تسلیم کرنے کی بجائے خود ساختہ قوانین پر راضی ہیں تو اس بنیاد پر یہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں[2]۔ تو اس ضمن میں بھی وہی سابقہ تفصیل سے بات بیان کی جائے گی کہ اگر کوئی شخص، بھلے وہ حاکم ہو یا رعایا، اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے تنازعات میں فیصل ماننے یا آپ کے فیصلہ کو تسلیم کرنے پر قلبی و اعتقادی طور پر تیار نہ ہو تو وہ واقعی مومن نہیں ہے لیکن اگر وہ اپنی کسی دنیاوی مجبوری، معذوری یا لالچ کے حصول کی بنیاد پر یا اپنی کم علمی اور جہالت و نادانی کی وجہ سے حکم شرعی سے انحراف کرتا ہے، یا وہ اس معاملہ میں کسی تاویل کا شکار ہے تو ایسے شخص پر کافر و مرتد کا حکم لگانے میں توقف اختیار کیا جائے گا۔

اس آیت کے شان نزول سے بھی اس آیت کا یہی فہم مستفاد ہے کیونکہ یہ آیت ایک انصاری صحابی کے بارہ میں نازل ہوئی تھی جن کا سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے جھگڑا ہو گیا تھا جیسا کہ صحیحین میں ہے۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

"سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کا ایک انصاری شخص کے ساتھ حرہ کی نالیوں میں جھگڑا ہو گیا۔ { زبیر رضی اللہ عنہ کی زمین اوپر کی جانب تھی، جہاں سے پانی آتا تھا، زبیر رضی اللہ عنہ سے انصاری کے حق میں رعایت کی سفارش کرتے ہوئے } رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے باغ کو پانی پلا کر اپنے پڑوسی کے لیے چھوڑ

---

[1] – النساء4 :65

[2] – مقدسي، ابو محمدعاصم ، امتاع النظر في كشف شبهات مرجئة العصر، منبر التوحيد والجهاد، الطبعة الثانية،1420هـ، ص:91-96

> دو۔اس پر انصاری نے کہا: یہ اس لیے کہ زبیر رضی اللہ عنہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا اور آپ نے ارشاد فرمایا: زبیر! اپنے باغ کو پانی دو، پھر پانی روک رکھو یہاں تک کہ منڈیروں پر چڑھ جائے، پھر اپنے پڑوسی کے لیے چھوڑ دو۔۔۔ زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ آیات اس بارے میں نازل ہوئیں۔"[1]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر کوئی شخص، خواہ وہ حاکم ہو یا محکوم، اپنی کسی دنیاوی مجبوری، خواہش نفس، معذوری، لالچ یا کم علمی اور جہالت و نادانی کی وجہ سے کسی حکم شرعی سے انحراف کرتا ہے جبکہ اس کے دل میں ایمان موجود ہے تو وہ ظالم و فاسق تو قرار پائے گا لیکن کافر نہیں۔

---

[1] – صحیح البخاری، کتاب تفسیر القرآن ، باب ﴿فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم﴾،46/6، حدیث:4585 - صحیح مسلم :2357

مبحث دوم: مسئلہ الولاء والبراء

الولاء والبراء اسلامی عقائد کے ضمن میں بیان کیا جانے والا ایک نہایت اہم مسئلہ ہے، اس کے مطابق کسی کے ساتھ دوستی یا دشمنی کی بنیاد اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان قرار پاتی ہے۔"حکم بما انزل اللہ" کی طرح یہ مسئلہ بھی ان مسائل میں شامل ہے جس میں غلو کی وجہ سے خارجی فکر کے حاملین صراط مستقیم سے ہٹ کر امت کو کافر قرار دینے لگے۔ کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر اہل ایمان کو کفار کے ساتھ موالات سے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُبِينًا﴾[1]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بناؤ، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کے لیے اپنے خلاف ایک واضح حجت بنالو۔"

سورۃ التوبہ میں کفار کے ساتھ موالات سے منع کرتے ہوئے کفر و ایمان کی بنیاد پر انتہائی قریبی رشتوں کو بھی اس حکم کے ذیل میں شامل فرماتے ہوئے ایسا کرنے والوں کو ظالم قرار دے دیا، ارشاد ربانی ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾[2]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ، اگر وہ ایمان کے مقابلے میں کفر سے محبت رکھیں اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا سو وہی لوگ ظالم ہیں۔

سورۃ المائدہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو دوست بنانے والوں کے متعلق فیصلہ کن انداز میں کہہ دیا کہ تم میں سے جو انھیں دوست بنائے گا تو یقیناً وہ انہی میں سے ہو گا، چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾[3]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، ان کے بعض بعض کے دوست ہیں اور تم میں سے جو انھیں دوست بنائے گا تو یقیناً وہ ان میں سے ہے، بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت

---

[1] – النساء4 :144

[2] – التوبة9 : 23

[3] – المائدة5 :51

نہیں دیتا۔

اس آیت کو بنیاد بنا کر خارجی ذہنیت کے لوگ مسلم حکمرانوں اور ان کی تکفیر نہ کرنے والے مسلمانوں کی تکفیر بڑی دلیری کے ساتھ کرتے نظر آتے ہیں۔ان کے خیال میں تمام مسلم حکمران اس وقت یہود و نصاری کے ساتھ دوستی اور معاہدوں کی وجہ سے مرتد اور خارج عن الملۃ ہو چکے ہیں،اس لیے ان کے خلاف لڑائی اور خروج لازمی اور ضروری ہے۔ چنانچہ اس فکر کے معروف رہنما ڈاکٹر ایمن الظواہری رقمطراز ہیں:

"من أعظم صور الجهاد العيني في هذا الزمان جهاد الحكام المرتدين الحاكمين بغير شريعة الإسلام الموالين لليهود والنصارى "[1]

اس زمانہ میں فرض عین جہاد کی صورتوں میں سب سے اہم صورت ان مرتد حکمرانوں کے خلاف جہاد کرنا ہے جو اسلامی شریعت کے علاوہ فیصلے کرتے ہیں اور یہود و نصاری کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں۔

اس حساس موضوع پر تفصیلی بات کرنے سے قبل محولہ بالا آیت کو اس کے سیاق وسباق کے تناظر میں سمجھنا ضروری ہے۔اس آیت کریمہ سے اگلی دو آیات مندرجہ ذیل ہیں۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَى أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَى مَا أَسَرُّوا فِي أَنْفُسِهِمْ نَادِمِينَ *وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ﴾[2]

پس تو ان لوگوں کو دیکھے گا جن کے دلوں میں ایک بیماری ہے کہ وہ دوڑ کر ان میں جاتے ہیں، کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ ہمیں کوئی چکر آ پہنچے، تو قریب ہے کہ اللہ فتح لے آئے، یا اپنے پاس سے کوئی اور معاملہ تو وہ اس پر جو انھوں نے اپنے دلوں میں چھپایا تھا، پشیمان ہو جائیں۔اور وہ لوگ جو ایمان لائے، کہتے ہیں: کیا یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنی پختہ قسمیں کھاتے ہوئے اللہ کی قسم کھائی تھی کہ بلاشبہ وہ یقینا تمہارے ساتھ ہیں۔ان کے اعمال ضائع ہو گئے، پس وہ خسارہ اٹھانے والے ہو گئے۔

ان آیات سے بغیر کسی تردد کے واضح ہو رہا ہے کہ یہ آیات ان منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہیں جو قلبی واعتقادی طور

---

[1]- الظواهري، دكتور أيمن ، الولاء والبراء - عقيدة منقولة وواقع مفقود ،
https://www.metransparent.com/old/texts/wala.htm(19-09-2021/10:44)

[2] – المائدة5 : 52-53

پر ایمان سے محروم تھے اور یہود و نصاریٰ کے غالب آنے کی امید میں ان سے اچھے تعلقات استوار کرنا چاہتے تھے جیسا کہ مولانا عبدالرحمان کیلانی رحمہ اللہ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یہود و نصاریٰ سے دلی دوستی رکھنے والے منافقین تھے جو بظاہر مسلمان تھے مگر ان کی دلی ہمدردیاں یہود و نصاریٰ اور کفار ہی کے ساتھ تھیں اور جنگ احد کے بعد ان کی ہمدردیوں میں کچھ اضافہ بھی ہو گیا تھا جنگ بدر کے بعد اگرچہ اسلام ایک قوت بن چکا تھا تاہم اسلام کو حقیقتاً غلبہ فتح مکہ کے بعد ہی حاصل ہوا۔ اس درمیانی عرصہ میں اسلام یا کفر میں سے کسی کے متعلق بھی حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ ان میں سے کون سی قوت غالب ہو گی اور کونسی مغلوب؟ اب ظاہری صورت حال یہ تھی کہ یہود و نصاریٰ دونوں مسلمانوں کی نسبت بہت زیادہ مالدار تھے عرب کے سر سبز و شاداب خطے بھی انہیں کے قبضہ میں تھے یہودی سودی کاروبار بھی کرتے تھے اس لحاظ سے بھی لوگ ان کے محتاج تھے۔ غرض عرب کی معیشت پر دراصل یہی یہود و نصاریٰ ہی چھائے ہوئے تھے ان حالات میں منافق یہ سوچتے تھے کہ اگر مسلمان ہار گئے تو ہم تو کہیں کے نہ رہے لہٰذا وہ ان سے دوستی کرنا، دوستانہ مراسم رکھنا، خفیہ طور پر اسلام دشمن سازشوں میں ان کا ساتھ دینا، جنگ کے دوران ان سے مسلمانوں کے خلاف خفیہ معاہدے کرنا یہ سب ان کے خیال کے مطابق ان کی انتہائی اہم ضرورتیں تھیں۔ پھر دوسری طرف یہ بھی خطرہ تھا کہ کہیں اسلام ہی غالب نہ آجائے۔ لہٰذا بظاہر مسلمانوں کی جماعت میں شامل رہتے اور نماز ادا کرتے تھے۔ انہیں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ منافقین بھی حقیقتاً مسلمان نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ ہی ہیں۔"[1]

معلوم ہے کہ نفاق کی دو قسمیں ہیں: اعتقادی نفاق اور عملی نفاق۔ اول الذکر کا تعلق دل کی اعتقادی کیفیات کے ساتھ ہے، جس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں اور نہ ہی ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں کے دل ٹٹولتے پھریں جبکہ عملی نفاق ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا لیکن اس کی بنیاد پر ہم کسی کو کافر قرار نہیں دے سکتے۔ ہمیں تو کسی بھی شخص کے ظاہر کے مطابق فیصلہ کرنا ہے اور اسی کے مطابق اس سے رویہ وسلوک اختیار کرنا ہے۔

---

[1] - تیسیر القرآن، 545/1

کفار کے ساتھ موالات کی اقسام اور ان کا حکم

کفار کے ساتھ موالات کو اہل علم نے دو بڑی قسموں میں تقسیم فرمایا ہے: موالات مکفرہ اور موالات محرمہ[1]۔اول الذکر سے مراد کفار سے ان کے دین کی بنیاد پر ایسی محبت و تعلق ہے کہ جس میں ان کے دین کو برحق سمجھا جاتا ہے، اس کی اتباع کی جاتی ہے اور اسلام کے متعلق دل میں بغض اور دشمنی کے جذبات ہوتے ہیں، اسی موالات کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ [2]

آپ سے یہود و نصاریٰ کبھی بھی خوش نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ آپ ان کی ملت کی اتباع نہ کریں۔

کفار و مشرکین سے ایسی محبت و موالات رکھنے والا کفر اکبر کا مرتکب کافر ہے۔ جبکہ ثانی الذکر میں کفار سے بظاہر محبت، تعلق اور ان کی مدد و نصرت تو ہوتی ہے لیکن اس کا باعث ان کے دین کو برحق سمجھنا نہیں بلکہ کفار سے کسی مفاد یا لالچ کا حصول یا کسی قسم کا خوف یا کوئی اور مصلحتِ شخصی ہوتی ہے مزید برآں ایسی محبت کے مرتکب مسلم کے دل میں اسلام کے متعلق جہاں قبول اور محبت کے جذبات ہوتے ہیں، وہیں کفر کے متعلق رد اور بغض کے جذبات بھی ہوتے ہیں۔ ایسے شخص کا یہ عمل اگرچہ کبیرہ گناہ ہے لیکن اس کا یہ عمل اسے دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتا۔ چنانچہ امام ابن عطیہ رحمہ اللہ ﴿وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

" ومن تولاهم بمعتقده ودينه فهو منهم في الكفر واستحقاق النقمة والخلود في النار، ومن تولاهم بأفعاله من العضد ونحوه دون معتقد ولا إخلال بإيمان فهو منهم في المقت والمذمة الواقعة عليهم وعليه "[3]

جو شخص ان کے ساتھ اپنے اعتقاد اور دین سمیت دوستی لگاتا ہے تو وہ کفر، عذاب کے استحقاق اور جہنم میں ہمیشہ رہنے کے اعتبار سے انہی میں سے ہے اور جو ان کے ساتھ اپنے افعال اور مدد کے

---

[1] -ابی العینین ، ابو عبداللہ احمد بن ابراهیم ، اعلان النکیر علی غلاۃ التکفیر ومعه النصیحة ببیان طرق الجهاد غیر الصحیحة ،مکتبة ابن عباس ودار الآثار،القاهرة ، الطبعة الاولیٰ-2004ء ، ص:145-160 -**موالات و معادات پر تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے**: التحریر فی بیان احکام التکفیر ،ص :298-308

[2] - االبقرة2: 120

[3] ۔ ابن عطية ، أبو محمد عبد الحق بن غالب الأندلسي المحاربي ، المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز ، المحقق: عبد السلام عبد الشافي محمد ، الناشر: دار الكتب العلمية – بيروت ، الطبعة الأولى – 1422هـ ،2/204

اعتبار سے تو دوستی رکھتا ہے لیکن اعتقاد وایمان کے اعتبار سے نہیں تو وہ اللہ تعالی کی ناراضی اور مذمت کے اعتبار سے ان کے ساتھ ہے۔

اسی آیت کی تفسیر میں امام ماوردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" ﴿وَمَن يَتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُم﴾ يحتمل وجهين: أحدهما: موالاتهم في العهد فإنه منهم في مخالفة الأمر- والثاني: موالاتهم في الدين فإنه منهم في حكم الكفر , وهذا قول ابن عباس -"[1]

اور تم میں سے جو ان کے ساتھ دوستی رکھے گا، وہ انہی میں سے ہو گا" کی دو صورتیں ہیں ایک ان کے ساتھ عہد معاہدہ میں موالات قائم کرنا، تو ایسا شخص حکم کی مخالفت میں ان کے ساتھ ہے۔ دوسرا دین میں ان سے موالات قائم کرنا۔ تو یہ شخص کفر کے حکم میں ان کے ساتھ ہے اور یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

موالات ومعادات پر بات کرتے ہوئے شیخ عبد الرحمن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ وذلك الظلم يكون بحسب التولي، فإن كان توليا تاما، صار ذلك كفرا مخرجا عن دائرة الإسلام، وتحت ذلك من المراتب ما هو غليظ، وما هو دون ذلك-"[2]

اور جو کوئی ان سے دوستی لگائے گا تو یہی لوگ ظالم ہیں" یہ ظلم دوستی اور محبت کے اعتبار سے ہو گا یعنی اگر تو کفار کے ساتھ دوستی ومحبت دین ودنیا ہر دو میں کامل ہے تو یہ ایسا کفر قرار پائے گی جو اپنے مرتکب کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ پھر اس کے نیچے دوستی ومحبت کے اعتبار سے مراتب ہیں۔

امام ابن عادل الحنبلی رحمہ اللہ اس تقسیم میں ایک اور قسم کا اضافہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

" موالاة الكافر تنقسم ثلاثة أقسام: الأول: أن يرضى بكفره، ويصوّبه، ويواليه لأجله، فهذا كافر؛ لأنه راض بالكفر ومصوِّب له - الثاني: المعاشرة الجميلة بحسب الظاهر، وذلك غير ممنوع منه - الثالث: الموالاة، بمعنى الركون إليهم، والمعونة، والنصرة، إما بسبب

---

[1] – الماوردي ، أبو الحسن علي بن محمد البصري البغدادي ، تفسير الماوردي ، النكت والعيون ، المحقق: السيد ابن عبد المقصود بن عبد الرحيم ، الناشر: دار الكتب العلمية – بيروت / لبنان ، 46/2

[2] – السعدي ، عبد الرحمن بن ناصر بن عبد الله ، تيسير الكريم الرحمن في تفسير كلام المنان ، المحقق: عبد الرحمن بن معلا اللويحق ، الناشر: مؤسسة الرسالة ، الطبعة: الأولى 2000 م ،ص :856

القرابة، وإما بسبب المحبة مع اعتقاد أن دينه باطل - فهذا منهيٌّ عنه، ولا يوجب الكفر "[1]

موالاتِ کافر کی تین قسمیں ہیں: پہلی قسم یہ ہے کہ آدمی اس کے کفر پر راضی ہو اور اسے درست قرار دیتا ہو اور اس کے کفر کی وجہ سے ہی اس کے ساتھ محبت رکھتا ہو تو ایسا شخص کافر ہے کیونکہ وہ کفر پر راضی اور اس کو درست قرار دے رہا ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ آدمی کسی کافر کے ساتھ ظاہری طور پر اچھے طریقے سے معاشرت اختیار کرے اور ایسا تعلق ممنوع نہیں ہے۔ جبکہ تیسری قسم یہ ہے کہ آدمی کفار کے ساتھ دوستی رکھے کہ جس میں ان کی طرف میلان اور مدد و نصرت شامل ہو اور یہ یا تو قرابت داری کی وجہ سے ہو، یا محبت کی وجہ سے لیکن اس میں قلبی اعتقاد یہ ہو کہ ان کا دین باطل ہے تو ایسا تعلق ممنوع ہے لیکن ایسے تعلق کی وجہ سے آدمی کافر قرار نہیں پاتا۔

مذکورہ بالا تمام تفصیلات سے یہ معاملہ کھل کر واضح ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کافر کے ساتھ اپنی کسی دنیاوی ضرورت، لالچ یا مقصد کے حصول کے لیے محبت ومودت کا تعلق قائم کرتا ہے، جبکہ اس کے دل میں اسلام کے بارہ میں بغض، نفرت یا عداوت کے جذبات نہیں ہیں اور وہ نہ تو کسی قسم کے شک وشبہ کا شکار ہے اور نہ ہی کفار کے دین کو اپنے دین سے بہتر سمجھتا ہے تو ایسا شخص یقینی طور پر ظلم وزیادتی اور گناہ کبیرہ کا مرتکب تو ہے لیکن اسے کافر، مرتد یا واجب القتل قرار دینا کسی صورت بھی درست نہیں ہے اور اس کی تائید حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے درج ذیل واقعہ سے بخوبی ہوتی ہے۔

صلح حدیبیہ میں طے پانے والے معاہدہ کی قریش نے جب صریح مخالفت کرتے ہوئے اسے روند ڈالا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سزا دینے کے لیے مکہ پر حملہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا اور اس کے لیے خفیہ طور پر تیاری شروع کر دی۔ تیاری خفیہ رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ اچانک حملے میں کفار مزاحمت نہیں کر سکیں گے اور حرم کعبہ میں کشت وخون کی نوبت نہیں آئے گی۔ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ ایک مہاجر اور بدری صحابی تھے، مکہ میں ان کی اولاد اور مال اسباب تھا۔ وہ اصلاً قریش میں سے نہیں تھے، بلکہ ان کے حلیف تھے۔ انہوں نے سوچا کہ کیوں نہ میں قریش پر ایک احسان کر دوں جس کی وجہ سے وہ میرے ممنون ہو کر میرے گھر والوں کا خیال رکھیں۔ یہ سوچ کر انہوں نے قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارادے اور جنگی تیاریوں کی اطلاع دینے کے لیے ان کی طرف ایک خط لکھ کر ایک عورت کے ہاتھ بھیج دیا۔ اللہ تعالی نے بذریعہ وحی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع فرما دی اور آپ نے سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں خط واپس لانے کے لیے تین افراد پر مشتمل ایک سریہ روانہ فرما دیا، جس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ

---

[1] - اللباب في علوم الكتاب ، 143/5

فرماتے ہیں:

''مجھے، زبیر رضی اللہ عنہ اور مقداد رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجا کہ تم چلتے جاؤ یہاں تک روضۂ خاخ نامی جگہ تک جا پہنچو۔ وہاں اونٹنی پر سوار ایک عورت ہوگی، اس کے پاس ایک خط ہے، تم اس سے وہ خط لے آؤ۔ چنانچہ ہم اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے روانہ ہوگئے، یہاں تک کہ ہم اس جگہ جا پہنچے۔ دیکھا تو اونٹنی پر سوار وہ عورت وہاں تھی، ہم نے اس سے کہا: "خط نکال" اس نے کہا: "میرے پاس کوئی خط نہیں"۔ ہم نے کہا: "تم ہر صورت خط نکالو گی یا ہم خط کی تلاش میں تمہارے کپڑے اتاریں گے"۔ چنانچہ اس نے وہ خط اپنے بالوں کی چوٹی سے نکال کر دے دیا۔ ہم اس خط کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آگئے۔ آپ نے دیکھا تو اس میں لکھا تھا کہ یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مکہ کے کچھ لوگوں کے نام ہے، جو مشرکین میں سے تھے۔ اس میں انہوں نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض امور کی خبر دی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حاطب! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھ پر جلدی نہ کریں، میں ایسا آدمی ہوں جو قریش کے ساتھ جڑا ہوا، ان کا حلیف تھا، اصلاً ان میں سے نہیں ہوں، جبکہ آپ کے ساتھ جو مہاجرین ہیں، ان کی وہاں کئی قرابتیں ہیں، جن کے ذریعے سے وہ اپنے اہل و عیال اور اموال کی حفاظت رکھتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ جب میرا ان سے کوئی نسبی رشتہ نہیں تو میں ان پر ایک احسان کر دوں جس کی وجہ سے وہ میرے گھر والوں کی حفاظت رکھیں۔ میں نے یہ کام نہ تو اسلام لانے کے بعد کفر کو پسند کرنے کی وجہ سے کیا ہے، اور نہ ہی اپنے دین سے مرتد ہونے کی وجہ سے کیا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سن لو! اس نے یقیناً تم سے سچ کہا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیں، میں اس کی گردن اڑا دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ تو بدر میں شریک ہوا ہے اور تجھے کیا معلوم شاید اللہ نے بدر میں شریک ہونے والوں کو جھانک کر کہا ہو کہ تم جو چاہو کرو، کیونکہ میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ اسی بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ﴾[1]

[1] – الممتحنة 1:60

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ، تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ یقیناً انھوں نے اس حق سے انکار کیا جو تمہارے پاس آیا ہے، وہ رسول کو اور خود تمھیں اس لیے نکالتے ہیں کہ تم اللہ پر ایمان لائے ہو، جو تمہارا رب ہے، اگر تم میرے راستے میں جہاد کے لیے اور میری رضا تلاش کرنے کے لیے نکلے ہو۔ تم ان کی طرف چھپا کر دوستی کے پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ میں زیادہ جاننے والا ہوں جو کچھ تم نے چھپایا اور جو تم نے ظاہر کیا اور تم میں سے جو کوئی ایسا کرے تو یقیناً وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔[1]

حاطب رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ "میں نے چاہا کہ جب میرا ان سے کوئی نسبی رشتہ نہیں تو میں ان پر ایک احسان کر دوں جس کی وجہ سے وہ میرے گھر والوں کی حفاظت رکھیں۔ میں نے یہ کام نہ تو اسلام لانے کے بعد کفر کو پسند کرنے کی وجہ سے کیا ہے، اور نہ ہی اپنے دین سے مرتد ہونے کی وجہ سے کیا ہے" اس بات کی واضح دلیل ہے کہ کفار سے محبت دو طرح کی ہوتی ہے: ایک تو کفر کے ساتھ قلبی محبت و تعلق اور ارتداد کی وجہ سے کفار کے ساتھ کی جانے والی محبت، اور دوسری اللہ تعالی، اس کے رسول اور اسلام کے ساتھ قلبی محبت و تعلق ہونے کے باوجود کسی دنیاوی مفاد کے حصول کے لیے کفار کے ساتھ کی جانے والی محبت۔ تو حاطب رضی اللہ عنہ نے پہلی قسم کا واضح انکار کرتے ہوئے اپنی صفائی پیش کی جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول فرمالیا جبکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس تقسیم پر مبنی عذر کو قبول کرنے کی بجائے ان کے قتل کی اجازت مانگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف اجازت نہ دی بلکہ حاطب رضی اللہ عنہ کے سابقہ کردار کو ذکر کرتے ہوئے ان کی مزید صفائی بھی پیش فرمادی۔

مسلمانوں کی جاسوسی یقیناً کفار کی خالی محبت سے بڑھ کر جرم ہے لیکن جمہور علمائے امت کے خیال میں مسلم جاسوس کو قتل نہیں کیا جائے گا[2]۔ خیال رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی حدیث کو" باب الجاسوس "کے نام سے الگ باب منعقد کر کے بھی ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اسی حدیث کی روشنی میں مسلم جاسوس کے قتل پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" وقد استدل به من يرى قتله من المالكية لاستئذان عمر في قتله ولم يرده النبي صلى الله عليه وسلم عن ذلك إلا لكونه من أهل بدر ومنهم من قيده بأن يتكرر ذلك منه

---

[1] - صحيح البخاری ،كتاب تفسير القرآن،باب ﴿لا تتخذوا عدوي وعدوكم أولياء﴾،149/6، حديث: 4890 - صحيح مسلم ،1941/4، حديث : 2494

[2] -العونی ، دكتور حاتم بن عارف ، تكفير اهل الشهادتين موانعه ومناطاته ، مركز نماء للبحوث والدراسات بيروت ، الطبعة الثانية -2016ء، ص : 163-166

والمعروف عن مالك يجتهد فيه الإمام وقد نقل الطحاوي الإجماع على أن الجاسوس المسلم لا يباح دمه "[1]

اس حدیث سے ان مالکیہ نے، جو مسلم جاسوس کے قتل کو جائز سمجھتے ہیں، اس طرح استدلال کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے حاطب رضی اللہ عنہ کے قتل کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاطب رضی اللہ عنہ کے قتل سے ان کے بدری ہونے کی وجہ سے منع فرمادیا، اور بعض اہل علم نے جاسوس کے قتل کی اجازت اس شرط پر دی ہے کہ وہ بالتکرار جاسوسی کا جرم کرے اور امام مالک رحمہ اللہ کا موقف معروف ہے کہ اس ضمن میں حاکم اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرے گا جبکہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ مسلمان جاسوس کا قتل جائز نہیں ہے۔

کفار کے ساتھ دوستی کے معاہدات کا حکم

خارجی ذہنیت سے متاثرہ لوگوں کے مسلم ریاستوں اور حکام پر کیے جانے والے اعتراضات میں سے ایک بڑا اعتراض یہ ہے کہ انہوں نے کفار کے ساتھ دوستیاں پال رکھی ہیں، ان سے دوستیوں اور تعلقات بڑھانے کے عہد معاہدے کیے ہوئے ہیں، اس لیے یہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اسلامی علوم شریعت کا مطالعہ کریں تو قرآن وسنت کی بے شمار نصوص سے ان کا یہ دعوی غلط ثابت ہوتا ہے۔ سورہ توبہ میں جہاں اللہ تعالی نے تمام کفار کی طرف اپنی براءت کا واضح اعلان کر دیا وہاں کچھ مشرکین کا استثناء کرتے ہوئے ان کے ساتھ معاہدے جاری رکھنے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ﴾[2]

مگر مشرکوں میں سے وہ لوگ جن سے تم نے عہد کیا، پھر انھوں نے تم سے عہد میں کچھ کمی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی تو ان کے ساتھ ان کا عہد ان کی مدت تک پورا کرو۔ بیشک اللہ متقی لوگوں سے محبت کرتا ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن شرائط پر مشرکین مکہ سے معاہدہ فرمایا، وہ شرائط اور دوران معاہدہ مشرکین مکہ کی سختی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نرمی اور صلح کوشی قرآن وحدیث اور سیرت طیبہ کے کسی بھی طالب علم سے مخفی نہیں ہے، اس لیے اس کی تفصیلات کے ذکر سے اجتناب کرتے ہوئے امام ابن قیم رحمہ اللہ کے صلح حدیبیہ پر تبصرہ

---

[1] - فتح البارى، 310/12

[2] - التوبة9 :4

کرتے ہوئے ذکر کردہ فوائد میں سے ایک فائدہ پیش کرکے بات آگے بڑھاتا ہوں۔ فرماتے ہیں:

" ومنها: أن مصالحة المشركين ببعض ما فيه ضيم على المسلمين جائزة للمصلحة الراجحة، ودفع ما هو شر منه، ففيه دفع أعلى المفسدتين باحتمال أدناهما "[1]

صلح حدیبیہ سے حاصل ہونے والے اسباق میں سے ایک سبق یہ ہے کہ مشرکین کے ساتھ کسی راجح مصلحت، اور زیادہ بڑے نقصان کو ختم کرنے کے لیے ایسی شرائط پر صلح کرنا بھی جائز ہے جن میں مسلمانوں پر بظاہر ظلم ہو کہ اس میں دو خرابیوں میں سے بڑی خرابی کو ادنی خرابی کے وقوع کے احتمال کے ساتھ ختم کرنا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ سے یہود و نصاری اور کفار و مشرکین کے ساتھ دوستی، مدد و نصرت اور باہم مل کر ایک دوسرے کے دفاع کے بہت سے معاہدات ملتے ہیں اور یہ سب اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ ایسے معاہدات کفر و شرک کا قطعا موجب نہیں ہیں۔

بوقت ضرورت کفار سے مدد لینا

یہ بات تو اسلامیات کے عام طالب علم کو بھی معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب طائف سے واپس مکہ تشریف لائے تو

مطعم بن عدی، جو مشرک تھے، کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہوئے۔[2] اور جب آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے وہاں موجود یہود و مشرک قبائل کے ساتھ باہم حلف و مناصرت اور مشترکہ دفاع پر مبنی معاہدہ کیا جسے تاریخ و سیرت کی تمام کتابوں میں "میثاق مدینہ" کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح آپ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو مکہ چھوڑ کر حبشہ ہجرت کرکے ایک عیسائی حاکم، جو اپنے سینے پر صلیب لٹکا کر رکھتا تھا[3]، کی پناہ میں آنے کا حکم دیا۔[4] ہجرت مدینہ کے موقع پر آپ ﷺ نے عبداللہ بن اریقط لیثی نامی ایک کافر و مشرک گائیڈ کی رہنمائی میں مکہ

---

[1] – ابن قيم الجوزية ، محمد بن أبي بكر بن أيوب ، زاد المعاد في هدي خير العباد ، الناشر: مؤسسة الرسالة بيروت ، الطبعة: السابعة والعش رون , 1994م، 272/3

[2] – الفالوذة ، أبو إبراهيم محمد إلياس عبد الرحمن ، الموسوعة في صحيح السيرة النبوية (العهد المكي) ، الناشر: مطابع الصفا مكة ، الطبعة الأولى، 1423 هـ ،ص :190 ـ فتح البارى ،324/7

[3] – الصوياني ، أبو عمرمحمد بن حمد ، السيرة النبوية كما جاءت في الأحاديث الصحيحة ، مكتبة العبيكان ، الطبعة الأولى ، 2004 ء ،101/1

[4] – ابن إسحاق ، محمد بن إسحاق بن يسار المطلبي بالولاء المدني ، سيرة ابن إسحاق (كتاب السير والمغازي) ، تحقيق: سهيل زكار ، دار الفكر بيروت ، الطبعة الأولى ـ1978ء ، ص :213 ـ الصَّحيحُ من أحاديث السّيرة النبوية ، ص :87

سے مدینہ کا سفر طے کیا، اسی طرح اہل مکہ کے خلاف لڑائی میں فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کے ساتھ بنو خزاعہ کے کفار و مشرکین بھی شامل تھے اور غزوہ حنین کے موقع پر آپ ﷺ نے ایک مشرک صفوان بن امیہ سے زرہیں ادھار لے کر لشکر اسلامی کو مضبوط فرمایا تھا[1]۔

مذکورہ بالا واقعات واشارات سے یہ بات واضح ہے کہ جب اور جہاں مسلمانوں اور اہل اسلام کو ضرورت پڑے تو امت کے وسیع تر مفاد میں کفار و مشرکین سے مدد و نصرت لینے حتی کہ ان کی پناہ میں آنے میں بھی کوئی حرج نہیں، جیسا کہ شیخ عبد العزیز بن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ولا شك أن الاستعانة بغير المسلمين في الدفاع عن المسلمين وعن بلادهم وحمايتها من كيد الأعداء أمر جائز شرعا بل واجب متحتم عند الضرورة إلى ذلك لما في ذلك من إعانة للمسلمين وحمايتهم من كيد اعدائهم وصد العدوان المتوقع عنهم"[2]

مسلمانوں اور ان کے علاقوں کے دفاع اور انہیں دشمنوں کی سازشوں سے بچانے کے لیے غیر مسلموں سے مدد لینا شرعی طور پر جائز ہے بلکہ اگر ضرورت ہو تو واجب و لازم ہے کیونکہ اس میں مسلمانوں کی مدد اور دشمنوں کی سازشوں اور ان کے متوقع ظلم و ستم سے بچاو ہے۔

امن وامان اور مشترکہ مفادات پر مشتمل معاہدات کا شرعی حکم

تکفیر و خروج اور غلو و انتہا پسندی پر مبنی سوچ رکھنے والوں کے خیال میں ایک مسلم کو صرف اپنے خول میں بند رہنا چاہئے، اسے دوسری دنیا اور دیگر مذاہب کے ماننے والوں سے کوئی سروکار نہیں ہونی چاہئے۔ ان کے نزدیک مسلم ریاستوں کے غیر مسلم ریاستوں سے مشترکہ مفادات جیسے امن وامان کا قیام، مظلوم کی مدد، منشیات کا خاتمہ، باہم جنگ بندی اور مجرموں کے تبادلہ پر مبنی معاہدات سمیت تمام معاہدات غلط اور باطل ہیں۔ لیکن اس ضمن میں جب ہم تاریخ اسلامی کو دیکھتے ہیں تو وہاں حسب ضرورت ایسے معاہدات کی حوصلہ افزائی کی کئی مثالیں بھی ملتی ہیں۔[3] چنانچہ حلف الفضول کا معاہدہ، جس میں رسول اللہ ﷺ قبل از بعثت اپنے چچاوں کے ساتھ شریک ہوئے تھے، آپ ﷺ اس کی بعد از بعثت تعریف فرمایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھے گوارا نہیں ہے کہ میں سرخ اونٹوں کے بدلے میں بھی

---

[1] -سنن ابو داوود ، كتاب البيوع ،باب في تضْمين العارية ، 414/5 ،حديث :3562

[2] - ابن باز ، العلامة عبد العزيز بن باز ، مجموع فتاوى العلامة عبد العزيز بن باز رحمه الله ، أشرف على جمعه وطبعه: د- محمد بن سعد الشويعر، دارالقاسم للنشر الرياض الطبعة الاولى:1420ھ ، 134/6

[3] -دیکھیے:التحریر فی بیان احکام التکفیر ،ص :309-315

اس معاہدہ کو توڑوں[1]۔ نیز آپ ﷺ فرماتے تھے کہ اگر مجھے اسلام میں اس معاہدہ کے لیے دعوت دی جائے تو میں یقیناً اسے قبول کر لوں۔[2]

اگر سیرت طیبہ کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ ہر موقع پر عہد شکنی سے روکا اور ایفائے عہد کا حکم دیا ہے۔ آپ کی ساری زندگی اس کی تابندہ مثال ہے۔ جنگ بدر کے موقع پر آپ کو مردان کار کی اشد ضرورت تھی لیکن آپ نے اس وقت بھی اپنی عددی قوت کا نقصان تو برداشت فرما لیا لیکن عہد شکنی کی روایت قائم کرنا پسند نہ فرمایا۔ چنانچہ سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"جنگ بدر میں میرے شامل نہ ہونے کی وجہ صرف یہ تھی کہ میں اور میرے والد حسیل رضی اللہ عنہ (جو یمان کے لقب سے معروف تھے) دونوں نکلے تو ہمیں کفار قریش نے پکڑ لیا اور کہا: تم محمد ﷺ کے پاس جانا چاہتے ہو؟ ہم نے کہا: ان کے پاس جانا نہیں چاہتے، ہم تو صرف مدینہ منورہ جانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ہم سے اللہ کے نام پر یہ عہد اور میثاق لیا کہ ہم مدینہ جائیں گے اور آپ ﷺ کے ساتھ مل کر جنگ نہیں کریں گے، چنانچہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو ساری بات بتائی تو آپ ﷺ نے فرمایا: «انصَرِفَا، نَفِي لَهُمْ بِعَهْدِهِمْ، وَنَسْتَعِينُ اللهَ عَلَيْهِمْ» تم دونوں لوٹ جاؤ، ہم ان سے کیا ہوا عہد پورا کریں گے اور ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں گے۔"[3]

طے شدہ معاہدہ تو دور کی بات رسول اللہ ﷺ نے تو ان بدیہیات و اتفاقات کا بھی خیال فرمایا ہے کہ جن کا آپ کے زمانہ میں خیال کیا جاتا تھا جیسا کہ سفیروں کا معاملہ تھا کہ ایلچیوں اور سفیروں کو قتل نہ کرنے کا رواج تھا تو جب آپ کے پاس مسیلمہ کذاب کے ایلچی آئے اور انہوں نے اپنی بات پیش کی تو آپ ﷺ نے ان سے ان کا عقیدہ پوچھا تو انہوں نے اس کی نبوت کی تصدیق کی، اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"أما واللهِ لولا أنَّ الرُّسلَ لا تُقتلُ لضربتُ أعناقَكُما"[4]

---

[1] -" شَهِدْتُ حِلْفَ الْمُطَيَّبِينَ مَعَ عُمُومَتِي وَأَنَا غُلَامٌ ، فَمَا أُحِبُّ أَنَّ لِي حُمْرَ النَّعَمِ ، وَأَنِّي أَنْكُثُهُ " مسند احمد، 193/3، حدیث :1655- علامہ شعیب ارنووط وغیرہ کے نزدیک حدیث کی سند صحیح ہے۔

[2] – السنن الكبرى للبيهقي وفى ذيله الجوهر النقي ، 367/6

[3] – صحيح مسلم ، كتاب الجهاد والسير، باب الوفاء بالعهد ، 1414/3 حديث نمبر:1787

[4] – سنن ابی داوود ، كتاب الجهاد، باب في الرُّسُل، 389/4 ، حديث : 2761، علامہ شعیب ارنووط وغیرہ کے نزدیک یہ حدیث اپنے طرق وشواہد کی بنا پر صحیح ہے۔

اللہ کی قسم! اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ایلچی قتل نہیں کیے جاتے تو میں لازماً تمہاری گردنیں اڑا دیتا۔

رہ گئی بات قیدیوں یا مجرموں کے تبادلہ کی، تو صلح حدیبیہ کی شرائط میں سے ہر اس مسلم کی قریش مکہ کو واپسی کی شرط جو مکہ سے مدینہ چلا جائے، اور آپ کا ابو جندل رضی اللہ عنہ کو واپس کرنا، اس قسم کے معاہدات کے اثبات کے لیے کافی ہے۔ لیکن اس میں ایک بات کا خیال رہے کہ ایسا کوئی بھی معاہدہ کہ جس کی وجہ سے مسلمانوں کا نقصان ہو یا حکمران عمداً مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے، عند اللہ اس کی جوابدہی یقینی ہو گی۔

کفار و مشرکین کے ساتھ عسکری معاہدات

کوئی بھی مسلم ریاست شرعی طور پر یہ حق رکھتی ہے کہ وہ غیر مسلموں کے ساتھ اپنے دفاع اور مفاد میں حسب ضرورت عسکری تعاون و تحالف پر مبنی معاہدہ کر سکتی ہے لیکن یہ معاہدہ اگر کسی دوسری مسلم ریاست کے خلاف ظلم وعدوان پر مبنی ہے تو اگرچہ کفر اکبر نہیں لیکن اکبر الکبائر ہے، جبکہ کسی غیر مسلم قوت یا ریاست کے خلاف اس قسم کے معاہدہ میں کسی قسم کا کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا بنو خزاعہ سے معاہدہ تھا اور آپ ان کی مدد کے لیے اہل مکہ کے خلاف لڑنے نکلے تھے اور آپ نے ان کے تعاون سے ہی مکہ فتح کیا تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے رومیوں کے ساتھ مسلمانوں کی صلح اور ان کے ساتھ مل کر مشترکہ دشمن کے خلاف لڑنے اور اس پر فتح پانے کی پیش گوئی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"ستُصالحون الرُّومَ صُلحاً آمِناً، فتغزون أنتم وهم عدواً من ورائكم، فتُنصَرونَ وتغنَمُون وتَسلَمُون، ثم تَرجِعُون حتى تنزلوا بمرج ذي تُلُولٍ، فيرفعُ رجلٌ من أهلِ النصرانية الصليبَ فيقول: غلب الصليبُ، فيغضبُ رجلٌ من المسلمين فيدُقُّه، فعند ذلك تغدِرُ الرومُ وتجمعُ للملحمةِ"[1]

عنقریب تم رومیوں سے ایک پرامن صلح کرو گے، پھر تم اور وہ مل کر ایک ایسے مشترکہ دشمن سے لڑو گے جو تمہارے پیچھے ہے، اللہ کی طرف سے تمہاری مدد کی جائے گی اور تم غنیمت حاصل کرو گے اور سلامت رہو گے پھر تم پلٹو گے یہاں تک کہ ایک کھلے میدان میں اترو گے جو ٹیلوں والا ہو گا، تو نصرانیوں میں سے ایک شخص صلیب اٹھائے گا اور کہے گا: صلیب غالب آگئی، یہ سن کر مسلمانوں میں سے ایک شخص غصہ میں آئے گا اور اس کو مارے گا، اس وقت اہل روم عہد شکنی کریں گے اور بڑی لڑائی کے لیے اکٹھے ہو جائیں گے۔

---

[1] – سنن ابی داوود، کتاب الملاحم، باب ما يُذكر من ملاحم الروم، 351/6، حديث : 4292، علامہ شعیب ارنووط وغیرہ کے نزدیک حدیث کی سند صحیح ہے۔

مسلم ریاستوں کے غیر مسلم ریاستوں کے ساتھ جنگ بندی کے معاہدوں کو لے کر بعض خارجی فکر کے لوگ ان ریاستوں یاان کے حکام کی تکفیر شروع کر دیتے ہیں۔ان کا یہ رویہ بھی درست نہیں ہے۔رسول اللہ ﷺ کا اہل مکہ سے صلح حدیبیہ کے موقع پر دس سالہ جنگ بندی کا معاہدہ فرمانااس بات کی دلیل ہے کہ مسلم حاکم بوقت ضرورت کسی بھی غیر مسلم ریاست یا قوت کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ کر سکتاہے۔قرآن مجید سے بھی اس کا ثبوت ملتاہے کہ غیر مسلم ریاستوں یا قوموں سے جنگ بندی کا معاہدہ کیا جاسکتاہے اور اگر ایسی قوم یا ریاست کے خلاف وہاں کے مسلمان دین کا نام لے کر بھی مدد طلب کریں تو عہد شکنی کرتے ہوئے ان کی مدد نہیں کی جائے گی، اگر ان کی مدد کرنا ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے معاہدے کو اعلانیہ ختم کر دیا جائے۔فرمان ربانی ہے:

﴿وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ﴾[1]

اور اگر وہ دین کے بارے میں تم سے مدد مانگیں تو تم پر مدد کرنا لازم ہے، مگر اس قوم کے خلاف کہ تمہارے درمیان اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ ہو۔

سید ابوالاعلی مودودی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اوپر کی آیت میں دارالاسلام سے باہر رہنے والے مسلمانوں کو ''سیاسی ولایت'' کے رشتہ سے خارج قرار دیا گیا تھا۔اب یہ آیت اس امر کی توضیح کرتی ہے کہ اس رشتہ سے خارج ہونے کے باوجود وہ ''دینی اخوت'' کے رشتہ سے خارج نہیں ہیں۔اگر کہیں ان پر ظلم ہو رہا ہو اور وہ اسلامی برادری کے تعلق کی بنا پر دارالاسلام کی حکومت اور اس کے باشندوں سے مدد مانگیں تو ان کا فرض ہے کہ اپنے ان مظلوم بھائیوں کی مدد کریں۔لیکن اس کے بعد مزید توضیح کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ ان دینی بھائیوں کی مدد کا فریضہ اندھا دھند انجام نہیں دیا جائے گا بلکہ بین الاقوامی ذمہ داریوں اور اخلاقی حدود کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے ہی انجام دیا جاسکے گا۔اگر ظلم کرنے والی قوم سے دارالاسلام کے معاہدانہ تعلقات ہوں تو اس صورت میں مظلوم مسلمانوں کی کوئی ایسی مدد نہیں کی جاسکے گی جو ان تعلقات کی اخلاقی ذمہ داریوں کے خلاف پڑتی ہو۔۔۔ آیت میں ﴿بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ﴾ کے الفاظ ارشاد ہوئے ہیں، یعنی تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو۔اس سے یہ صاف مترشح ہوتاہے کہ دارالاسلام کی حکومت نے جو معاہدانہ تعلقات کسی غیر مسلم حکومت سے

[1] – الأنفال 8: 72

قائم کیے ہوں وہ صرف دو حکومتوں کے تعلقات ہی نہیں ہیں بلکہ دو قوموں کے تعلقات بھی ہیں اور ان کی اخلاق ذمہ داریوں میں مسلمان حکومت کے ساتھ مسلمان قوم اور اس کے افراد بھی شریک ہیں۔ اسلامی شریعت اس بات کو قطعاً جائز نہیں رکھتی کہ مسلم حکومت جو معاملات کسی ملک یا قوم سے طے کرے ان کی اخلاقی ذمہ داریون سے مسلمان قوم یا اس کے افراد سبکدوش رہیں۔ البتہ حکومت دارالاسلام کے معاہدات کی پابندیاں صرف ان مسلمانوں پر ہی عائد ہوں گی جو اس حکومت کے دائرہ عمل میں رہتے ہوں اس دائرے سے باہر دنیا کے باقی مسلمان کسی طرح بھی ان ذمہ داریوں میں شریک نہ ہونگے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیبیہ میں جو صلح نبی ﷺ نے کفار مکہ سے کی تھی اس کی بنا پر کوئی پابندی حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ اور ابو جندل رضی اللہ عنہ اور ان دوسرے مسلمانوں پر عائد نہیں ہوئی جو دارالاسلام کی رعایا نہ تھے۔"[1]

خیال رہے کہ اگر کوئی حاکم اسلام کے حکم جہاد کو معطل یا منسوخ سمجھے یا جہاد کی منسوخی کا اعلان کردے تو اس کا یہ عمل کفر اکبر کے ضمن میں آئے گا لیکن اگر کوئی حاکم ضرورت اور قوت کے باوجود جہاد نہیں کرتا تو اس کا یہ عمل جرم اور گناہ کبیرہ تو ہے لیکن کفر اکبر نہیں ہے۔

[1] - تفہیم القرآن، سید ابوالاعلی مودودی، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، طبع نمبر 43۔ جنوری 2007ء، 2/162-163

بابِ چہارم: فتنہ تکفیرِ ریاست وحکام کے اسباب، نقصانات اور تدارک

فصل اول: ریاست وحکام کی تکفیر کا بنیادی سبب۔ غلو اور انتہا پسندی

فصل دوم: ریاست وحکام کی تکفیر کے دیگر اسباب

فصل سوم: ریاست وحکام کی تکفیر کے نتائج ونقصانات

فصل چہارم: تکفیری سوچ وذہنیت کا علاج اور اس سلسلہ میں پاکستان کے اقدامات

فصل اول: ریاست وحکام کی تکفیر کا بنیادی سبب۔ غلو اور انتہا پسندی

مبحث اول: پہلی امتیں اور انتہا پسندی

مبحث دوم: اسلام اور انتہا پسندی

مبحث سوم: غلو اور انتہا پسندی کے اسباب ونتائج

فصل اول: ریاست وحکام کی تکفیر کا بنیادی سبب۔ غلو اور انتہا پسندی

سابقہ مباحث سے یہ بات اچھی طرح واضح کی جاچکی ہے کہ کسی بھی کلمہ پڑھنے والے مسلمان کو کافر قرار دینا کس قدر بڑا جرم ہے اور اس کے اس فرد یا معاشرے پر کتنے مہلک اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ کسی کو کافر قرار دینے کی ہلاکت خیزی اس وقت کئی گنا بڑھ جاتی ہے جب کفر وارتداد کا فتویٰ کسی مسلم ریاست کے حاکم یا خود مسلم ریاست پر لگایا جارہا ہو۔[1]

ہر ریاست وحکومت اور اس کے حاکم کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرے کو تباہی، ہلاکت اور فتنہ وفساد کا شکار بنانے والی چیزوں سے محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کرے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسباب تلاش کیے جائیں کہ جو اسباب ان مہلکات کا باعث بنتے ہیں، اور پھر ان اسباب وعوامل کے خاتمہ کی پوری یکسوئی کے ساتھ کوشش کی جائے۔ خوارج کے اولین ظہور سے لے کر آج تک اگر مسلم ریاستوں اور حکام کی تکفیر کے اسباب پر اگر نظر دوڑائی جائے تو اس کا سب سے بنیادی سبب خارجی وتکفیری فکر کے حاملین کے غلو، شدت پسندی یا انتہا پسندی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اسی حقیقت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس فصل میں دین کے نام پر غلو، شدت پسندی اور انتہا پسندی کی شرعی حیثیت، اسباب وعوامل اور تدارک پر تفصیل سے بحث کی جائے گی کہ جس کے نتیجہ میں کسی مسلم حکمران یا کسی مسلم ریاست کو بڑی آسانی اور دیدہ دلیری سے کافر قرار دے دیا جاتا ہے۔

مبحث اول: انتہا پسندی وغلو اور پہلی امتیں

انتہا پسندی اور شدت پسندی کو عربی زبان میں غلو کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کسی چیز میں اس کی مقررہ حد سے تجاوز کرنا یا مبالغہ آرائی کرنا، لغوی طور پر غلو کہلاتا ہے، جیسا کہ ابن الاثیر الجزری رقمطراز ہیں:

"وأصل الغلاء: الارتفاع ومجاوزة القدر في كل شيء. يقال: غاليت الشيء وبالشيء، وغلوت فيه أغلو إذا جاوزت فيه الحد. "[2]

ہر چیز میں غلو کی اصل اس کا اپنی مقررہ مقدار سے آگے نکل جانا ہے، غلو کا لفظ وہیں پر بولا جاتا ہے جہاں آپ طے شدہ حد سے تجاوز کرتے ہیں۔

یہی تعریف رازی[3] نے "مختار الصحاح" میں کی ہے۔ لسان العرب میں ہے:

" وأصل الغلاء الارتفاع ومجاوزة القدر في كل شيء- - - وغلا في الدين والأمر يغلو غلوا:

---

[1]-اس حوالہ سے تفصیلی بحث اسی باب کی فصل سوم میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

[2] – النهاية في غريب الحديث والأثر ، 382/3

[3] – الرازي ،زين الدين أبو عبد الله محمد بن أبي بكر الحنفي ، مختار الصحاح ، المحقق: يوسف الشيخ محمد ، الناشر: المكتبة العصرية بيروت ، الطبعة الخامسة، 1999م ، ص: 229

جاوز حده وفي التنزيل: لا تغلوا في دينكم ،- - - وفي الحديث: إياكم والغلو في الدين أي التشدد فيه ومجاوزة الحد "[1]

غلو کی اصل کسی بھی چیز کا اپنی مقررہ مقدار سے آگے نکل جانا ہے۔۔۔اس نے دین یا کسی معاملہ میں غلو کیا یعنی اس کی مقررہ حد سے تجاوز کیا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: تم اپنے دین میں غلو نہ کرو۔۔۔اور حدیث میں ہے کہ تم دین میں غلو سے بچو یعنی دین میں تشدد اور مقررہ حد سے تجاوز اختیار نہ کرو۔

شرعی اصطلاح کے مطابق شریعت میں کسی چیز کی مقررہ حد سے نکل جانا غلو کہلاتا ہے۔ چنانچہ امام ابو بکر الجصاص الرازی نے "أحكام القرآن "میں غلو کی تعریف یوں بیان فرمائی ہے:

"والغلو في الدين هو مجاوزة حد الحق فيه" [2]

"دین میں غلو یہ ہے کہ حق کی جو حد مقرر ہے اس سے نکل جائے۔"

اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ غلو کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والغلو: مجاوزة الحد بأن يزاد الشيء في حمده ، أو ذمه على ما يستحق "[3]

غلو، حد سے تجاوز کرنا ہے، اس طرح کہ کسی چیز کی تعریف یا مذمت میں اس پر زیادتی کر دی جائے، جس کی وہ مستحق ہے۔

اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ غلو، شدت پسندی اور انتہا پسندی حد سے متجاوز ایک ایسی دماغی کیفیت کا نام ہے جہاں کوئی انسان صرف اپنے آپ کو اور اپنے زاویہ نظر کو ہی درست سمجھتا ہے۔ وہ اپنی رائے، سوچ اور نظریے کے ساتھ ایسا والہانہ اور جذباتی تعلق رکھتا ہے کہ اس کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کو تیار ہوتا ہے اور اپنے نظریے کے مخالف فرد کو کسی صورت برداشت نہیں کرتا۔ وہ اس کو اپنا نقطہ نظر اپنانے پر مجبور کرتا ہے، بصورتِ دیگر اس کو جس قدر ہو سکے نقصان پہنچانے کے درپے ہوتا ہے۔ یہ کیفیت بعض اوقات اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ اس مرض کے شکار انسان اپنے یا اپنے خیالات و عقائد کے خلاف کسی بھی آدمی کو قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

---

[1] – لسان العرب ، 15/131-132

[2] – الجصاص ، أحمد بن علي أبو بكر الرازي الحنفي ، أحكام القرآن ، المحقق: عبد السلام محمد علي شاهين ، الناشر: دار الكتب العلمية بيروت – لبنان ، الطبعة الأولى، 1994م ، 2/366

[3] – ابن تيمية ، تقي الدين أحمد بن عبد الحليم الحراني الحنبلي، اقتضاء الصراط المستقيم لمخالفة أصحاب الجحيم ، المحقق: ناصر عبد الكريم العقل ، الناشر: دار عالم الكتب، بيروت، لبنان ، الطبعة السابعة، 1999م ، 1/328

پہلی امتیں اور انتہا پسندی

دین کے نام پر انتہا پسندی، غلو اور تشدد تکفیر کے متعدد اسباب میں سے اولین سبب ہے کہ جس کی وجہ سے دین کے ساتھ محبت کرنے والے کم علم لوگ بزعم خود نیکی اور تقوی کے نام پر بغیر سوچے سمجھے اس مہلک مرض کا شکار ہو جاتے ہیں۔ دینی معاملات میں غلو، انتہا پسندی اور تشدد کی راہ اختیار کرنا ایک ایسی آفت ہے کہ جو ہمیشہ سے چلی آ رہی ہے۔ اور اسی کی وجہ سے آدم علیہ السلام کی اولاد، جو کہ صرف اللہ رب العالمین کی عبادت گزار اور اس کی وحدانیت کی علم بردار تھی، شرک کی گمراہیوں میں مبتلاء ہو گئی۔ ہوا کچھ یوں کہ نوح علیہ السلام کی قوم کے کچھ نیک بزرگ فوت ہوئے کہ جو اللہ تعالیٰ کے بہت فرمانبردار تھے، تو ان کی پچھلی نسل نے ان کے مجسمے بنا لیے تا کہ وہ انہیں دیکھ کر عبادت میں نشاط حاصل کر سکیں اسی طرح ایک زمانہ گزر گیا، یہاں تک کہ بعد میں آنے والے لوگوں نے شیطانی وسوسوں کا شکار بنتے ہوئے ان مجسموں کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ ہمارے آباواجداد انہی کی عبادت کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے ان کی عبادت شروع کر دی، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴾[1]

اور انہوں نے کہا تم اپنے معبودوں کو ہر گز نہ چھوڑو اور نہ ہی تم وڈ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو چھوڑو۔

اس آیت کی تفسیر میں ترجمان قرآن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اسماء رجال صالحين من قوم نوح ، فلما هلكوا اوحى الشيطان إلى قومهم ان انصبوا إلى مجالسهم التي كانوا يجلسون انصابا وسموها باسمائهم ، ففعلوا فلم تعبد حتى إذا هلك اولئك، وتنسخ العلم عبدت"[2]

یہ پانچوں (وڈ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر) نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگوں کے نام تھے۔ جب یہ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ تم ان کی مجلسوں میں، یعنی جہاں وہ بیٹھتے تھے، ان کے مجسمے قائم کر لو اور ان بتوں کو ان نیک لوگوں کے نام دے دو، چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت ان بتوں کی پوجا نہیں کی گئی لیکن جب وہ لوگ مر گئے اور لوگوں میں علم نہ رہا تو ان کی عبادت کی جانے لگی۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اولادِ آدم میں بت پرستی کی ابتداء کا اصل باعث اکابر صالحین کی محبت میں افراط اور غلو

1-نوح 71 :23

2-صحیح البخاری، كِتَابُ تَفْسِيرِ القُرْآنِ ، بَابُ ﴿ وَدًّا وَلاَ سُوَاعًا، وَلاَ يَغُوثَ وَيَعُوقَ﴾ ،160/6، حدیث نمبر:4920

تھا۔اسی طرح اگر غور کیا جائے تو واضح معلوم ہوتا ہے کہ یہودی عزیر علیہ السلام کو یا عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو اگر اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں، تو اس کا سبب اللہ تعالی کے ان برگزیدہ بندوں کے ساتھ محبت والفت میں شدت، غلو یا انتہا پسندانہ روش کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن ان کی اللہ کے نبیوں کے ساتھ انتہائی شدت اور غلو پر مبنی اس محبت نے انہیں کفرا کبر تک پہنچا کر راندہ درگاہ بنا دیا۔اسی وجہ سے اللہ تعالی نے اہل کتاب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يَاأَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ﴾[1]

اے اہل کتاب ! اپنے دین کے معاملہ میں حد سے تجاوز نہ کرو اور نہ تم اللہ پر حق کے علاوہ کچھ کہو۔

اس آیت مبارکہ میں یہود و نصاری کو غلو فی الدین سے منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ دونوں اللہ کی قائم کردہ حدود کو اللہ تعالی کا قرب حاصل کرنے کے شوق اور نیکی کے زعم میں ہمیشہ توڑتے رہے۔ جیسے یہود نے عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالی کا بیٹا قرار دے دیا اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ٹھہرادیا، یہود نے بہت سی حلال چیزوں کو اپنے اوپر سختی کرتے ہوئے حرام کر لیا تو عیسائیوں نے اپنی طرف سے ایجاد کردہ رہبانیت کو بزعمِ خود رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر اپنے اوپر لاگو کر دیا۔ دین کے معاملہ میں یہود و نصاری کے اس رویہ نے انہیں اور ان کی دنیا و آخرت کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا۔اسی وجہ سے اللہ تعالی نے انہیں دین میں افراط و تفریط اور غلو اختیار کرنے سے مطلقا منع فرمادیا۔

---

[1] - النساء4: 171

مبحث دوم: اسلام اور انتہا پسندی

اسلام دینِ وسط ہے۔اس کے مزاج اور فطرت میں میانہ روی پائی جاتی ہے۔یہ ہر قسم کے افراط و تفریط سے پاک،اعتدال،نرمی اور توسط پر مبنی دین ہے۔اس دین کو ہم تک پہنچانے والے اللہ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج بھی افراط و تفریط سے پاک،اعتدال،نرمی اور توسط کا حامل تھا،جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾ [1]

بلاشبہ یقیناً تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے،اس پر بہت شاق ہے کہ تم مشقت میں پڑو،تم پر بہت حرص رکھنے والا ہے،مومنوں پر بہت شفقت کرنے والا،نہایت مہربان ہے۔

یعنی کسی کو تنگی اور مشقت میں ڈالنے سے نفرت نبی اکرم ﷺ کے مزاج کا حصہ بنادی گئی تھی۔خود نبی ﷺ ہر معاملے میں آسانی اور سہولت کو پسند کرتے تھے،جیسا کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے،وہ فرماتی ہیں:

"ما خير رسول الله صلى الله عليه وسلم بين أمرين قط إلا أخذ أيسرهما، ما لم يكن إثما، فإن كان إثما كان أبعد الناس منه"[2]

جب بھی رسول اللہ ﷺ کو دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار دیا جاتا تو آپ ہمیشہ دونوں میں سے زیادہ آسان معاملے کا انتخاب فرماتے،بشرطیکہ وہ (آسان والا) معاملہ گناہ نہ ہوتا،پھر اگر وہ گناہ کا معاملہ ہوتا تو نبی ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ اس معاملے سے دور ہوتے۔

رسول اکرم ﷺ نے اس طرح کی بے جا،فضول قسم کی سختی اور خواہ مخواہ قسم کے تکلفات سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے خود اپنی ذات کے بارے میں ارشاد فرمایا:

" إِنَّ اللهَ لَمْ يَبْعَثْنِي مُعَنِّتًا، وَلَا مُتَعَنِّتًا، وَلَكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّمًا مُيَسِّرًا "[3]

یقیناً اللہ تعالی نے مجھے تکلیف اور مشقت میں ڈالنے والا بنا کر نہیں بھیجا اور نہ ہی مجھے تکلیف اور مشقت کا شکار بنا کر بھیجا ہے،لیکن اللہ تعالی نے مجھے ایسا استاد بنا کر بھیجا ہے جو آسانی پیدا کرنے والا ہے۔

---

[1] - التوبة 9 : 128

[2] - صحيح البخارى ، كتاب الأدب ، باب قول النبي ﷺ: «يسروا ولا تعسروا» ،30/8، حديث : 6126

[3] - صحيح مسلم ،كتاب الطلاق،باب بيان أن تخيير امرأته لا يكون طلاقا إلا بالنية ،1104/2، حديث : 1478

جس طرح اسلام ایک معتدل مذہب ہے، پیغمبر اسلام ﷺ کی شخصیت ایک معتدل و متوازن شخصیت ہے بالکل اسی طرح آپ کی پیروکار امتِ مسلمہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں "امت وسط" قرار دیا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ﴾[1]

اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا ہے، تاکہ تم لوگوں پر شہادت دینے والے بنو اور رسول تم پر شہادت دینے والا بنے۔

وسط کا لغوی معنی درمیان اور معتدل ہے، افضل چیز کو بھی وسط کہا جاتا ہے، کیونکہ عموماً درمیانی اور معتدل چیز ہی سب سے بہتر اور افضل ہوتی ہے۔ اس امت وسط کا اعتدال اس کی تعلیمات کی روشنی میں عقائد و نظریات، عبادات و اعمال، معاشرت و تمدن، معاملات و اقتصادیات، اخلاق و کردار اور سیاست و عدالت غرضیکہ ہر میدان حیات میں واضح ہے۔

امام التفسیر علامہ جریر الطبری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وسط کلامِ عرب میں بہترین کو کہا جاتا ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو دین میں معتدل ہونے کی وجہ سے "امت وسط" قرار دیا ہے، وہ نہ تو عیسائیوں کی طرح غلو کرنے والے ہیں، جنہوں نے رہبانیت میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں تعریف کرتے ہوئے غلو کیا ہے اور نہ وہ یہود کی طرح تقصیر اور کمی کرنے والے ہے، جنہوں نے اللہ کی نازل کردہ کتاب کو بدل ڈالا اور انبیاء کرام کو قتل کیا، اپنے رب پر جھوٹ باندھا اور اس کا کفر کیا، بلکہ یہ امت مسلمہ تو دین کے بارے میں اعتدال اور میانہ روی والی ہے، لہذا اللہ نے اسی سے ان کو جوڑا ہے کیونکہ اللہ کے نزدیک متوسط اور میانہ روی والے امور ہی پسندیدہ ہیں۔"[2]

اس امت کے اوصاف میں سے ایک وصف یہ ہے کہ یہ لوگوں کو مشقت میں ڈالنے کی بجائے ان کے لیے سہولت و آسانی تلاش کرتے ہیں چنانچہ ایک موقع پر جب ایک بدوی شخص مسجد میں ایک طرف بیٹھ کر پیشاب کرنے لگا تو لوگ جلدی سے اسے پکڑنے اور ڈانٹنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں روکتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«دَعُوهُ، وَأَهْرِيقُوا عَلَى بَوْلِهِ ذَنُوبًا مِنْ مَاءٍ، أَوْ سَجْلًا مِنْ مَاءٍ، فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ»[3]

---

[1] - البقرة 2: 143

[2] - جامع البيان في تأويل القرآن ، 142/3

[3] - صحيح البخارى ، كتاب الأدب ، باب قول النبي ﷺ: «يسروا ولا تعسروا» ،30/8، حديث : 6128

اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول بہادو، یقیناً تمہیں آسانی کرنے والے بنا کر بھیجا گیا ہے نہ کہ تنگی پیدا کرنے والے اور مشقت ڈالنے والے بنا کر۔

مندرجہ بالا تفصیلات سے یہ بات کھل کر واضح ہوتی ہے کہ اسلام، پیغمبرِ اسلام اور پیروکارانِ اسلام سبھی آسانی کرنے والے، لوگوں کو سہولت بہم پہنچانے والے اور خواہ مخواہ کے تشدد اور مشقت کو ناپسند کرنے والے ہیں۔

انتہا پسندی و غلو اور اسلامی تعلیمات

اگر سابقہ امتیں غلو، شدت پسندی اور انتہا پسندانہ روش کی بیماری میں مبتلاء ہو کر تباہی کے گھاٹ اتر گئیں اور اللہ تعالی کے ہاں مغضوب اور ضالین قرار پائیں، تو امت محمدیہ علیہا و علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی گمراہی و تباہی کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہی غلو کی روش ہے، اسی لیے پیغمبر اسلام ﷺ نے اہل اسلام کو ضرورت سے زیادہ شدت، بے جا تکلف اور انتہا پسندی سے منع فرمادیا ہے۔ چاہے وہ مذہب و دین کے نام پر ہو، تقوی و نیکی کے نام پر ہو، دعوت و تبلیغ کے نام پر ہو یا جہاد و جذبہ شہادت کے نام پر ہو۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو اس رویہ سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"أَيُّهَا النَّاسُ، إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ الْغُلُوُّ فِي الدِّينِ"[1]

اے لوگو! دین میں غلو کرنے سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو دین میں غلو نے ہی ہلاک کیا تھا۔

مزید آپ ﷺ نے تشدد پسندی سے منع کرنے کے ساتھ ساتھ یہ وعید بھی دے دی کہ جب تم لوگ عبادات میں اپنے لیے تشدد اور سختی کو پسند کرو گے تو اللہ تعالی بھی تم پر نرمی کی بجائے سختی فرمادے گا۔ جیسا کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" لَا تُشَدِّدُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ فَيُشَدَّدَ عَلَيْكُمْ، فَإِنَّ قَوْمًا شَدَّدُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ، فَتِلْكَ بَقَايَاهُمْ فِي الصَّوَامِعِ وَالدِّيَارِ﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِم﴾[2]"3

---

[1] – سنن ابن ماجه، أبواب المناسك ، باب قدر حصى الرمى ، 228/4 ، حديث :3029 ۔ سنن النسائى ،268/5 ، حديث : 3057

[2] – الحديد57: 27

3– سنن ابی داود، كتاب الأدب، باب في الحَسَد، حديث :4904 ۔ شیخ شعیب ارنووط نے اس حدیث کو حسن لغیرہ قرار دیا ہے جبکہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس کے متعلق اپنی ضعیف والی رائے سے رجوع کرتے ہوئے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھیے: الألباني ، أبو عبد الرحمن محمد ناصر الدين بن الحاج نوح الأشقودري ،جلباب المرأة المسلمة ، الناشر: دار السلام للنشر والتوزيع ، الطبعة الثالثة، 2002 م ،ص :20

تم اپنے آپ پر سختی نہ کرو کہ کہیں تم پر سختی نہ کر دی جائے۔ کیونکہ ایک قوم نے اپنی جانوں پر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کر دی۔ چنانچہ یہ ان کے ہی بقایا ہیں جو ان کے گرجاؤں اور کٹیوں میں ہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: اور دنیا سے کنارہ کشی تو انھوں نے خود ہی ایجاد کر لی، ہم نے اسے ان پر نہیں لکھا تھا۔۔۔

اسی لیے آپ ﷺ نے اپنی امت کو دین کے آسان ہونے اور غلو کی بجائے اعتدال و توسط کی راہ پر چلنے کا حکم دیا جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ، وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ، فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا، وَأَبْشِرُوا ۔ ۔ »[1]

بے شک دین آسان ہے اور جو شخص بھی دین میں تشدد و غلو اختیار کرے گا تو دین اس پر غالب آ جائے گا، لہٰذا اعتدال و توسط کو اختیار کرو، جس قدر طاقت میں ہو اتنا کر لو، اور اجر و ثواب کی بشارت سے خوش ہو جاؤ۔۔۔

نیز آپ ﷺ نے اپنی امت کو غلو اور خواہ مخواہ تکلف سے خبردار کرتے ہوئے اس کے مرتکبین کے ہلاکت میں پڑنے کی خبر بھی دے دی جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا:

«هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ» [2]

غلو اور تکلف کرنے والے ہلاک ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو نہ صرف عمومی طور پر تشدد و انتہا پسندی کی روش سے منع کیا بلکہ انفرادی طور پر بھی جب کسی صحابی نے اعتدال کی راہ سے ہٹ کر نیکی کے کام میں حد سے بڑھنے کی کوشش کی تو آپ نے اسے سختی سے ڈانٹتے ہوئے منع فرما دیا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک شخص نے یہ شکایت پہنچائی کہ مسجد کا فلاں امام بہت زیادہ لمبی نماز پڑھاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ جان بوجھ کر جماعت سے پیچھے رہتا ہے تو نبی ﷺ اس قدر شدید غصے میں آ گئے کہ بقول سیدنا ابو مسعود رضی اللہ عنہ "میں نے آپ ﷺ کو اس سے پہلے اتنے غصے میں کبھی نہیں دیکھا تھا" اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِينَ، فَمَنْ أَمَّ النَّاسَ فَلْيَتَجَوَّزْ، فَإِنَّ خَلْفَهُ الضَّعِيفَ وَالكَبِيرَ وَذَا الحَاجَةِ»[3]

1–صحيح البخاری، كتاب الإيمان ، باب: الدين يسر، 16/1 ،حديث :39

2–صحيح مسلم ، كتاب العلم ، باب هلك المتنطعون ، 2055/4 ، حديث : 2670

[3] – صحيح البخاری ، كتاب الأذان، باب من شكا إمامه إذا طول، 142/1، حديث:704۔ صحيح مسلم ،:466

اے لوگو! یقیناتم میں متنفر کرنے والے بھی موجود ہیں، تم میں سے جو بھی لوگوں کو نماز کی امامت کروائے وہ نماز کو مختصر کرے، کیونکہ اس کے پیچھے،اس کی اقتداء میں کمزور، بوڑھے اور حاجت مند بھی ہوتے ہیں۔

لوگوں کو نماز پڑھاتے ہوئے لمبی نماز پڑھانے پر غصہ تو ایک طرف، آپ نے تو اس بات کو بھی پسند نہیں فرمایا کہ کوئی شخص اکیلے میں اپنی نماز پڑھتے ہوئے بھی اپنے آپ پر سختی کرتے ہوئے حد سے زیادہ لمبی نماز پڑھے، چنانچہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو ایک پتھر پر نماز پڑھ رہا تھا، آپ ﷺ مکہ کے دوسرے کونے میں گئے اور وہاں کافی دیر ٹھہرنے کے بعد جب واپس لوٹے تو اس شخص کو اسی طرح نماز کی حالت میں پایا، تو آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر اپنے دونوں ہاتھ اکٹھے کیے اور ارشاد فرمایا:

"يَا أَيُّهَا النَّاسُ، عَلَيْكُمْ بِالْقَصْدِ، عليكم بالقصد– ثَلَاثًا – فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَمَلُّ حَتَّى تَمَلُّوا"[1]

اے لوگو! میانہ روی کو لازم پکڑو، میانہ روی کو لازم پکڑو۔ یہ بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔
یقیناًاللہ {ثواب دینے سے} نہیں اکتائے گا جبکہ تم اکتا جاؤ گے۔

آپ ﷺ نے اس بات کو ناپسند فرمایا ہے کہ کوئی شخص زیادہ عبادت کے شوق میں اپنی طبیعت پر تشدد اور سختی کرتے ہوئے عبادت مین مگن رہے بلکہ آپ نے حکم دیا کہ نفلی عبادت ایسے حالات اور اوقات میں ہی کی جائے کہ جب انسان تازہ دم اور ہشاش بشاش ہو۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ نبی ﷺ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک لمبی رسی دو ستونوں کے درمیان لٹکی ہوئی ہے۔ تو آپ نے پوچھا کہ یہ رسی کیسی ہے؟ تو بتایا گیا کہ یہ ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی رسی ہے، جب وہ عبادت کرتے ہوئے تھک جاتی ہیں تو اپنے آپ کو تازہ دم کرنے اور اپنی سستی و نیند دور کرنے کے لیے اس سے لٹک جاتی ہیں۔ تو آپ ﷺ نے اس پر انہیں داد دینے کی بجائے ارشاد فرمایا:

«لاَ حُلُّوهُ لِيُصَلِّ أَحَدُكُمْ نَشَاطَهُ، فَإِذَا فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ»[2]

نہیں، یہ مناسب نہیں ہے۔ اس رسی کو کھول دو، جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنی طاقت اور چستی کے مطابق پڑھے، پھر جب تھک جائے تو آرام کے لیے بیٹھ جائے۔

اللہ تعالی کی خاطر نفلی روزہ رکھنا کتنا بڑا عمل ہے لیکن آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے شدید شوق اور خواہش کے باوجود "صومِ وصال "یعنی پے درپے روزے رکھنے سے منع فرمادیا اور اپنی جان پر سختی کرتے ہوئے بلاناغہ

---

[1] – سنن ابن ماجه، أبواب الزهد ، باب المداومة على العمل ،314/5 ، حديث: 4241،علامہ البانی رحمہ اللہ نے "صحيح وضعيف ابن ماجه "میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

[2] – صحيح البخاری، كتاب التهجد،ما يكره من التشديد في العبادة،53/2، حديث: 1150۔ صحيح مسلم: 784

روزہ رکھنے والوں کو آپ نے سخت وعید سناتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"مَنْ صَامَ الدَّهْرَ ضُيِّقَتْ عَلَيْهِ جَهَنَّمُ هَكَذَا – وقبض كفه "[1]

جس نے بلاناغہ یعنی ہمیشہ کے روزے رکھے اس پر جہنم کو اس طرح تنگ کر دیا جائے گا۔ اور آپ نے یہ کہتے ہوئے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو بند فرمالیا۔

یعنی جس طرح تندور کا منہ اوپر سے تنگ ہوتا ہے اور اس کے منہ کے تنگ ہونے کی وجہ سے ساری حرارت اس میں اکٹھی ہو جاتی ہے اور آگ خوب بھڑکتی ہے۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ ایسے غالی شخص کے لیے جہنم کے منہ کو تندور کے دہانے کی طرح بنادیں گے، جس کے نتیجے میں یہ شخص باقی جہنمیوں سے زیادہ سخت سزا بھگتے گا۔ عبادات کا معاملہ تو ایک طرف نبی ﷺ نے وضو میں بھی ایک حد مقرر فرمادی اور اس سے تجاوز کو سختی کے ساتھ منع فرمادیا۔ چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر ایک اعرابی نے وضو کے بارے میں سوال پوچھا، تو آپ ﷺ نے اسے تین تین مرتبہ وضو کر کے دکھایا اور پھر فرمایا:

«هَكَذَا الْوُضُوءُ، فَمَنْ زَادَ عَلَى هَذَا فَقَدْ أَسَاءَ وَتَعَدَّى وَظَلَمَ»[2]

اسی طرح مسنون وضوء ہے، جس نے اس سے زیادہ کیا تو یقیناً اس نے براکام کیا، زیادتی کا مرتکب ہوا اور اس نے ظلم کیا۔

آپ ﷺ اپنی امت کی ہر لحہ اس بات پر تربیت فرماتے تھے کہ وہ آپ کے بتائے اور اپنائے طریقے پر ہی چلیں اور یہود و نصاریٰ کی طرح غلو، شدت پسندی اور انتہا پسندی کا شکار ہو کر راہ راست سے بھٹک نہ جائیں اور اگر آپ اس قدر اہتمام سے یہ خیال نہ فرماتے تو شاید دین ہم تک یوں محفوظ شکل میں نہ پہنچ پاتا۔ کیونکہ صحابہ کرام نیکی کے بہت زیادہ حریص تھے اور اگر انہیں تھوڑی سی بھی اجازت مل جاتی تو وہ اپنے رب کو راضی کرنے کے لیے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر عبادت میں ہی مصروف رہتے جیسا کہ مشہور حدیث ہے کہ آپ کے اصحاب میں سے تین لوگ نبی ﷺ کی کسی بیوی کے پاس آپ کے شب و روز کی عبادت کا حال معلوم کرنے آئے۔ جب ان کو آپ ﷺ کی عبادت کے بارے میں بتایا گیا تو انہوں نے اس کو نسبتاً کم اور معمولی سمجھا اور آپس میں کہنے لگے کہ ہم کہاں اور نبی ﷺ کہاں

---

[1] – مسند الإمام أحمد بن حنبل ، 484/32 ، حديث : 19713۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، سلسلة الاحاديث الصحيحة، 608/7، حديث :3202

[2] – النسائي ، كتاب الطهارة ، باب الاعتداء في الوضوء ، 88/1، حديث :140۔ سنن ابن ماجه ،271/1 ، حديث :422۔ یہ حدیث شیخ شعیب ارنووط کے نزدیک صحیح اور علامہ البانی کے نزدیک حسن صحیح ہے، دیکھیے: سلسلة الاحاديث الصحيحة ،1196/6، حديث : 2980

؟ہماری اور آپ کی کیا نسبت ؟آپ کے تو اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیے گئے ہیں، یعنی ہمیں کامیاب ہونے کے لیے نبی ﷺ سے زیادہ عبادت کرنی چاہیئے۔اس پر ایک صحابی کہنے لگے کہ میں ہمیشہ پوری پوری رات قیام کیا کروں گا،اور رات آرام نہیں کروں گا۔دوسرے صحابی کہنے لگے کہ میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کبھی ناغہ نہیں کروں گا، جبکہ تیسرے صحابی فرمانے لگے کہ میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا،اتنا کہہ کر وہ چلتے بنے۔کچھ دیر بعد جب نبی ﷺ گھر تشریف لائے تو آپ کی اہلیہ محترمہ نے سارا ماجرا آپ کے گوش گزار کیا تو نبی اکرم ﷺ ان لوگوں کے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا:

«أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا، أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ، لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي»[1]

تم لوگوں نے یہ یہ باتیں کی ہیں؟ خبردار، اللہ کی قسم، میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور سب سے زیادہ تقوی اختیار کرنے والا ہوں، لیکن میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں رات قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور میں نے عورتوں سے شادی بھی کی ہے، تو جس نے میری سنت سے منہ موڑا تو وہ مجھ سے نہیں۔

اسی طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے رخصت کو اختیار کرتے ہوئے کوئی کام کیا، جبکہ کچھ لوگوں نے اس سے پرہیز کرنا شروع کر دیا۔جب نبی کریم ﷺ کو اس کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی کی حمد و ثناء کی اور ارشاد فرمایا:

«مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُونَ عَنِ الشَّيْءِ أَصْنَعُهُ، فَوَاللَّهِ إِنِّي أَعْلَمُهُمْ بِاللَّهِ وَأَشَدُّهُمْ لَهُ خَشْيَةً»[2]

کہ ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جو ایسی چیز سے پرہیز کرتے ہیں جو میں کرتا ہوں، واللہ! میں ان سے زیادہ اللہ کے متعلق علم رکھتا ہوں اور ان سے زیادہ خشیت رکھتا ہوں۔

یعنی نبی ﷺ کو یہ چیز بھی پسند نہ تھی کہ لوگ نیکی میں غلو کرتے ہوئے اللہ تعالی کی دی ہوئی رخصت کو ترک کر دیں

۔

---

[1] -صحيح البخارى ، كتاب النكاح ، باب الترغيب في النكاح ، 02/7،حديث: 5063

[2] -صحيح البخارى كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة ، باب ما يكره من التعمق والتنازع في العلم ، والغلو في الدين والبدع ، 97/9 ، 7301

مبحث سوم: غلو اور انتہا پسندی کے اسباب و نتائج

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی انتہا پسندی دنیا کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ دنیا میں ہونے والی بہت سی تباہیوں اور بربادیوں کا سرا اگر ڈھونڈا جائے تو ضرور تانے بانے انتہا پسندی کے ساتھ جا ملتے ہیں۔ دو افراد کے درمیان لڑائی سے لے کر دو ملکوں اور دو خطوں کے مابین خونریز جنگوں میں عدم برداشت، شدت پسندی اور انتہا پسندی کے عنصر کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ انتہا پسندی پر مشتمل مزاج اور سوچ ہی تشدد کی بنیاد بنتی ہے اور تشدد اور قتل و قتال در حقیقت انسانیت کی تباہی سے عبارت ہے۔ انتہا پسندی کا تعلق صرف مذہب کے ساتھ نہیں بلکہ کسی بھی صورت میں اعتدال کا دامن چھوڑ کر افراط و تفریط کا شکار ہو جانے کو انتہا پسندی کہتے ہیں۔ کوئی بھی شخص نقطہ اعتدال سے جتنا دُور ہوتا جاتا ہے، وہ اسی قدر انتہا پسندی کے قریب ہوتا جاتا ہے۔ یاد رکھیے کہ انتہا پسندی عدم برداشت کی کوکھ سے جنم لیتی ہے اور اس کی انتہا دہشتگردی اور خونریزی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

دنیا بھر میں انتہا پسندی کے حوالے سے کام کرتے ہوئے اس کی بنیادی وجوہات، پسِ پردہ عوامل، طریقہ کار اور محرکات کو جاننے کی خاطر خواہ کوشش نہیں کی گئی بلکہ آج تک محض روایتی اقدامات سے ہی اشک شوئی کی گئی ہے۔ لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جب تک دہشت گردی اور انتہاء پسندی کے بنیادی اسباب کو ختم نہیں کیا جاتا اس وقت تک سب کوششیں رائیگاں جائیں گی۔ آیئے سرسری سا جائزہ لیتے ہیں کہ دہشت گردی و انتہا پسندی کی بنیادی وجوہات کیا ہیں؟

- ✓ شرعی احکامات اور مقاصد شریعت سے جہالت انتہا پسندی کی ایک بڑی وجہ ہے کیونکہ انتہا پسندی بنیادی طور پر جہالت اور ناخواندگی کے اندھیروں میں ہی پھلتی پھولتی ہے۔ ہمارے معاشرہ کی اکثریت بشمول مذہبی طبقہ شرعی احکامات، ان کی حکمت اور شریعت کے بنیادی مقاصد سے لابلد ہے۔ شریعت کے احکام میں مقاصد کو مدنظر رکھنا ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسا جھوٹ جو دو لوگوں کو آپس میں ملادے اور ان کی صلح کا باعث بن جائے، اس سچ سے کئی گنا اچھا ہے جو دو لوگوں کو آپس میں لڑادے۔
- ✓ ہمارے معاشرے کی اکثریت نبی ﷺ کی احادیث اور آپ کی سیرت طیبہ سے ناواقف ہے۔ اپنے مطلب کی چند ایسی احادیث یاد کر لینا کہ جو آپ کے جذبات اور احساسات کی ترجمانی کرتی ہوں اور باقی ذخیرہ احادیث سے صرف نظر کرنا انتہا پسندی کو پھیلانے کا ایک بڑا سبب ہے۔ دین کے نام پر ہمہ وقت لڑائی اور مار کٹائی پر وہی شخص تیار رہ سکتا ہے کہ جس نے سیرت نبوی بالخصوص صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کی تفصیلات کا مطالعہ نہ کیا ہو۔
- ✓ اسی طرح قرآن وسنت کو سمجھنے کے لیے سلف صالحین (صحابہ وتابعین) کا منہج اور ان کا طرز عمل بھی ایک

مقام رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ عموماً انتہا پسندی اور شدت پسندی کا شکار وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جو سلف صالحین کے منہج کو سمجھتے ہی نہیں یا سمجھتے تو ہیں لیکن اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے کے پیچھے نماز ادا نہ کرنے کے فتوے دینے والے یقیناً سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس فتوی سے ناواقف ہیں کہ جب انہوں نے اپنے قتل کے لیے آئے باغیوں اور فسادیوں کے پیچھے بھی نماز ادا کرنے کا حکم دیا تھا۔

- ✓ اپنے علم و فقاہت پر گھمنڈ یا غرور کرتے ہوئے دیگر اہل علم کو حقیر سمجھنا اور اپنے مسلک کے علاوہ دیگر علماء و فقہاء کی رائے یا منہج کو قبول نہ کرنا اور اپنے استدلالات اور ذاتی استنباطات کو ہی حرف آخر سمجھنے کی روش اختیار کرنا بھی شدت پسندی اور عدم برداشت کے فروغ کا ایک بڑا باعث ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید سچ ہے کہ خوارج اگر اس مرض کا شکار نہ ہوں تو وہ کبھی خروج اور بغاوت کے مرتکب نہ ہوں۔
- ✓ ہر وقت نیک کاموں کا ارادہ کرنے والا شخص جب نیکی کے شوق میں شارع ﷺ اور شریعت سے بھی آگے بڑھ کر نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو بآسانی شیطان کے پنجے میں پھنس کر شدت پسندی، فتوی بازی اور غلو کا شکار ہو جاتا ہے۔ تین صحابہ کا واقعہ اس سبب کی واضح مثال ہے کہ جن میں سے ایک نے ہمیشہ روزہ رکھنے، دوسرے نے ہمیشہ رات کا قیام کرنے اور تیسرے نے کبھی شادی نہ کرنے کا اعلان کر دیا تھا اور پھر ان تینوں کے اس اعلان کو رسول کریم ﷺ نے صراحتاً مسترد کر دیا تھا۔[1]
- ✓ جو لوگ دین کو پوری طرح سمجھتے نہیں لیکن اپنے زعم میں وہ اپنے آپ کو دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والا سمجھتے ہیں، وہ اکثر غلو، افراط و تفریط اور انتہا پسندی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ مضبوط اور راسخ فی العلم علماء سے دوری اختیار کرنے لگ جاتے ہیں، وہ دین کے معاملے میں افراط و تفریط کا شکار ہو کر غلو کی عمیق وادیوں میں جا گرتے ہیں۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اولین خوارج اور آج کے خوارج کی گمراہی کا بنیادی سبب یہی ملے گا۔
- ✓ اکثر داعیوں، وعاظ اور خطباء کے طرز خطابت اور طرز دعوت میں ایک بڑا خلل پایا جاتا ہے کہ وہ کسی بھی شرعی مسئلے کے بارے میں اس کی فضیلت یا اس کی وعید کو اتنا بڑھا کر بیان کرتے ہیں کہ لوگ ان کے اس انداز خطابت کی سحر انگیزی سے متاثر ہو کر اعتدال کا راستہ چھوڑ دیتے ہیں اور شدت پسندی کی جانب مائل ہو جاتے ہیں۔ حکم بغیر ما انزل اللہ، جہاد یا الولاء والبراء جیسے موضوعات پر بات کرنے والے اکثر خطباء اس مرض کا شکار ہوتے ہیں۔

[1] -صحيح البخاری ، كتاب النكاح ، باب الترغيب في النكاح ، 02/7، حديث: 5063

- ✓ فرقہ بندی اور فرقہ وارانہ تعصبات بھی تشدد کے پھیلاو کا ایک بڑا سبب ہیں۔ جب لوگ فرقوں میں بٹ جاتے ہیں تو ہر فرقہ اپنے مؤقف کو ثابت کرنے میں غلو سے کام لیتا ہے، نتیجتاً اُس فرقے کے سب لوگ غلو اور انتہا پسندی جیسی مہلک بیماری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ فرقہ وارانہ تنگ نظری، کم علمی اور کمزور حکمت ودانائی وہ بنیادی نرسریاں ہیں جہاں تشدد، تعصب اور انتہا پسندی دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتی ہے۔
- ✓ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ غیرت مند ہے اور نبی ﷺ تمام نوع انسانی میں سب سے زیادہ غیرت مند ہیں۔ ان سے آگے بڑھتے ہوئے اپنی اندر پنپنے والے غصے، غیر متوازن اور غیر شرعی غیرت کو اسلامی غیرت کا جھوٹا نام دینا اور پھر اس کا دفاع کرنا بھی انتہا پسندی اور شدت پسندی کی صورت میں معاشرے کی تباہی کا سبب بنتا ہے۔ غیرت کے نام پر ہونے والے قتل اس کی زندہ مثال ہیں۔
- ✓ بعض لوگ دنیا کو یہ دکھانے کے لیے کہ میں بہت بڑا پرہیز گار اور اللہ سے ڈرنے والا ہوں، مجھ سے بڑا پارسا کون ہوگا؟ انتہا پسندی اور غلو کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بیوی بچوں کو چھوڑ کر کٹیا نشین ہونے والے زاہد اور اللہ کی خاطر دوستی ودشمنی کے نام پر صلہ رحمی ترک کرنے والے اکثر اس مرض کا شکار ہوتے ہیں۔
- ✓ اسی طرح کم عقل ہونا، ناتجربہ کار ہونا اور حکمت ودانائی سے محروم ہونا یہ سب چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں پائی جائیں، وہ اکثر تشدد اور غلو فی الدین کا شکار ہو جاتا ہے۔ سرگودھا کے ایک نجی بنک کے سکیورٹی گارڈ کا نمازی بنک مینیجر کو قتل کرنا اسی غیر متوازن شخصیت کا نتیجہ تھا[1]۔
- ✓ پاکستان میں بڑھتی ہوئی انتہا پسندی کے اسباب میں غیر منصفانہ اقتصادی نظام کا بہت عمل دخل ہے، ہمارا اقتصادی نظام انتہا پسندی اور محرومی کے عوامل کو ابھارتا ہے۔ ڈکیتی اور بھتہ خوری کے مرتکب بالعموم اسی غیر منصفانہ اقتصادی نظام کی پیداوار ہوتے ہیں۔
- ✓ محرومی کا یہ احساس اس وقت اور بھی گہرا ہو جاتا ہے جب بے روزگاری عام ہو۔ عمومی طور پر بے روزگاری انتہا پسندی کی ایک بہت بڑی وجہ ہے۔ بے روزگار نوجوانوں کو جب اپنا مستقبل تاریک نظر آتا ہے تو وہ آسانی سے انتہا پسندی کا شکار ہو کر شدت پسندوں کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس جاتے ہیں۔
- ✓ ناانصافی انتہا پسندی کی ایک بہت بڑی وجہ ہے۔ معاشرتی انصاف کا فقدان سماجی اقدار کو کمزور کرتا ہے۔ رشوت ستانی اور میرٹ کا قتل عام ناانصافی کی مثالیں ہیں، جو انتہا پسندی کو فروغ دینے میں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ ان کی وجہ سے افراد مایوسی کے سمندر میں ڈوب جاتے ہیں، جب لوگوں کو میرٹ پر اپنے حقوق بھی نہ

---

[1]- https://www.bbc.com/urdu/pakistan-54814493 (12-09-2021/13:04)

ملیں تو پھر لوگ کسی انتہا پسند گروپ کی وساطت سے اپنی محرومیوں کا ازالہ کرنے کی سوچ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ناانصافی ایک ایسا عمل ہے جو دہشت گردی، لڑائی جھگڑے اور مار کٹائی کا بنیادی سبب ہے۔ جس معاشرے میں عدل قائم ہو جائے وہ معاشرہ امن کا گہوارہ بن جاتا ہے اور جب معاشرہ میں ناانصافی شروع ہو جائے تو پھر پرامن سے پرامن معاشرہ بھی جنگل بن جاتا ہے، کیونکہ جب کسی کمزور کے پاس اپنے دفاع کے لیے کچھ نہیں بچتا اور اسے اپنا مستقبل تاریک نظر آتا ہے تو وہ تہیہ کرلیتا ہے کہ نہ خود جئے گا اور نہ ہی دوسروں کو سکون سے جینے دے گا۔ ایسا شخص بہت آسانی سے شدت پسندوں کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس جاتا ہے۔ یاد رہے کہ کسی بھی شخص کی ترقی کی راہ میں جتنی رکاوٹیں حائل ہوں گی وہ انتہا پسندوں کے لیے اتنا ہی موزوں ہو گا۔

- ✓ ذرائع ابلاغ بالخصوص سوشل میڈیا کا کسی بھی معاشرہ کے بنانے یا بگاڑنے میں انتہائی اہم کردار ہے۔ یہاں سے ایسے نظریات کو فروغ حاصل ہوتا ہے جو کہ ناظرین اور قارئین میں نرم گوشے یا شدت پسندانہ رویوں کو ابھار سکتے ہیں۔ بد قسمتی سے پاکستانی ذرائع ابلاغ نے دانستہ یا نادانستہ طور پر انتہا پسندی کو پھلنے پھولنے میں مدد فراہم کرنے والے محرک اور عامل کا کردار ادا کیا ہے اور ابھی تک اسے قابو کرنے اور اس کے کردار کو معاشرہ کے لیے مفید بنانے کی خاطر کوئی جامع فارمولا لاگو نہیں کیا جاسکا ہے۔
- ✓ اس وقت دنیا میں شدت پسندی اور انتہا پسندی کا بہت بڑا سبب عالمی طاقتیں اور ان کی ظالمانہ پالیسیاں بھی ہیں جو اس وقت کمزور قوموں اور غریب ممالک کے ساتھ ہر قسم کا ظلم و ستم روا رکھے ہوئے ہیں اور ان کے دہرے معیار اور دوغلی پالیسیاں ہیں۔ یہ کیسی ناانصافی ہے اگر کوئی ''ہولوکاسٹ'' پر لکھے یا بولے تو وہ قابل گرفت ہے لیکن اگر کوئی ڈیڑھ ارب مسلمانوں کی معزز ترین ہستیوں کے بارے میں شرانگیزی کرے تو اس کو تحفظ دیا جاتا ہے۔ مغرب کی یہی دوغلی پالیسی ہے جو ان کے لیے نفرت اور عداوت میں اضافے کا باعث بن رہی ہے۔ عالمی طاقتوں کا یہی دہرا معیار ہے جو ان کے رواداری کے دعوئوں کی قلعی کھول رہا ہے۔

انتہا پسندی کے نتائج

- جو بندہ انتہا پسندی اور غلو کا شکار ہوتا ہے، وہ اکثر دین میں کسی نئے کام کے اجراء کا باعث بن جاتا ہے، نتیجتاً وہ نبی ﷺ کے ہاتھوں حوض کوثر کا پانی پینے سے محروم ہو جاتا ہے۔
- پچھلے صفحات میں بیان کیا جاچکا ہے کہ غلو پچھلی امتوں کی ہلاکت کا سبب ہے۔ اور آج بھی جو شخص غلو جیسی بیماری کا شکار ہو جائے، وہ بھی ہلاکت کی طرف اپنے قدم بڑھانے لگ جاتا ہے۔
- دین اسلام آسان ہے اور اس کی صفات میں سے سر فہرست صفت یہ ہے کہ وہ آسان ہے اور آسانی کو پسند

کرتا ہے۔ لیکن جو شخص غلو کرتا ہے، گویا کہ وہ اسلام پر عمل پیرا نہیں بلکہ اسلام کے مخالفت کر رہا ہے۔

- غلو کرنے والا صرف ایک جرم کا ارتکاب ہی نہیں کر رہا ہوتا بلکہ اپنے آپ کو بھی بے تکی سزا دے رہا ہوتا ہے۔
- جب کوئی شخص غلو کرتا ہے تو غیر مسلم اس کو دیکھ کر دین اسلام کو مشکل سمجھتے ہیں اور اس وجہ سے وہ دین اسلام سے نفرت کرنے لگ جاتے ہیں، اور ان کی دین اسلام سے نفرت اور ان کے دین اسلام کو بطور دین نہ اپنانے کا سبب بن جاتا ہے۔
- جو بندہ بھی غلو کا شکار ہو جاتا ہے، وہ بعض اوقات ایسے کام کرنے لگ جاتا ہے کہ جو دین اسلام سے خارج کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ذوالخویصرہ نے بھی غلو کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو بڑا عادل سمجھا اور نبی ﷺ کو عدل کی نصیحت کرنے لگا، نتیجتاً خوارج کا باپ قرار پایا۔ اس کے علاوہ پیچھے گزر چکا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے اپنے دین کو چھوڑنے کی وجہ بھی یہی غلو تھا۔

فصل دوم: ریاست وحکام کی تکفیر کے دیگر اسباب

مبحث اول: تکفیری لوگوں کی ذات سے متعلقہ داخلی اسباب

مبحث دوم: تکفیر کو بڑھاوا دینے والے خارجی اسباب

فصل دوم: ریاست وحکام کی تکفیر کے دیگر اسباب

مسلم ریاستوں اور حکام کی تکفیر کی وجوہات کو اگر تلاش کیا جائے تو بنیادی طور پر جو اسباب واضح نظر آتے ہیں، ان میں سے کچھ کا تعلق تکفیر کے فتنہ میں مبتلا لوگوں کی ذات، شخصیت، نفسیات یا علم کے ساتھ ہے اور کچھ کا تعلق ایسے اسباب کے ساتھ ہے کہ جن کا تعلق خارجی طور پر ملکی یا بین الاقوامی حالات کے ساتھ ہے۔ اس فصل میں مذکورہ بالا ہر دو قسم کے اسباب پر بات کی جائے گی۔

مبحث اول: تکفیری لوگوں کی ذات سے متعلقہ داخلی اسباب

تکفیر کے فتنہ میں مبتلا لوگوں کی ذات، شخصیت، نفسیات یا علم سے متعلقہ اسباب کو مندرجہ ذیل مختلف زاویوں سے بیان کیا جاسکتا ہے۔

جہالت اور دینی فقاہت کی کمی

تکفیر کے اسباب میں سے ایک بہت بڑا اور بنیادی سبب دین، مقاصدِ شریعت اور شرعی احکام سے جہالت ولاعلمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تکفیر جیسے خوفناک مرض کے شکار لوگوں میں ہمیشہ یہ قدر مشترک موجود ملے گی کہ وہ نفلی وفرضی عبادات میں شدید محنت کے باوجود دینی احکامات اور ان کی باریکیوں سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اور صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ احکامات شرعیہ وفقہیہ اور ان کے متعلقہ علوم سے جاہل ہوتے ہیں بلکہ انہیں یہ ادراک بھی نہیں ہوتا کہ وہ دینی وشرعی احکامات اور ان کی باریکیوں سے ناواقف اور بے خبر ہیں۔

جہل مرکب [1] کے ان حاملین کی بہتات تکفیر کے رجحان میں اضافہ کا ایک بڑا سبب ہے۔ ظاہر ہے کہ جس شخص کو اپنے متعلق یہ علم ہو گا کہ وہ دین کے احکامات ومعاملات اور مسائل کو پوری طرح نہیں جانتا، وہ کسی دوسرے پر کوئی فتوی یا حکم لگانے سے پہلے سو بار سوچے گا۔ لیکن اگر کسی شخص کو اپنی لاعلمی اور جہالت کا بھی علم نہ ہو بلکہ وہ بزعم خود یہ سمجھ رہا ہو کہ وہ دین کی تمام پیچیدگیوں سے واقف ہے تو اسے بے دھڑک ہر کسی کی تکفیر کرنے سے کون روک سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ ریاست ومسلم حکام کی تکفیر کے اسباب میں سے سر فہرست سبب کم علم اور غیر فقیہ لوگوں کا دین کے نام پر فتوی بازی، وعظ ونصیحت اور تصنیف وتالیف کا کام سنبھال لینا ہے۔ وہ اپنے ان فتووں میں کبھی اپنی جہالت کی وجہ سے کفر اصغر پر مشتمل کسی عمل کے ارتکاب پر کفر اکبر اور ایمان سے خارج ہونے کا حکم لاگو کر رہے ہوتے ہیں، تو کبھی کسی صغیرہ گناہ کے ارتکاب پر کلمہ گو مسلم کو کافر یا مرتد قرار دیتے ہوئے دائمی جہنمی اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیتے

1۔ جہل مرکب سے مراد ایسا جاہل ہونا ہے کہ جو اس بات سے بھی بے خبر اور لاعلم ہو کہ میں جاہل ہوں اور وہ اپنے آپ کو عقل کل اور علم کل سمجھ رہا ہو۔

ہیں۔ جبکہ عام لوگ جو کہ دین کے بنیادی علوم سے بھی واقفیت نہیں رکھتے لیکن دین اور دینی شخصیات سے اندھی عقیدت کے حامل ہوتے ہیں، اس لیے جب وہ دین اور دینی علم کا لبادہ اوڑھے کسی شخص کی زبان سے سنتے ہیں کہ فلاں کافر ہے تو ان کے ذہن میں بھی یہ بات بیٹھ جاتی ہے، لہٰذا وہ بے دھڑک اسے کافر کہنا شروع کر دیتے ہیں۔

عصر حاضر میں امت مسلمہ کی بد نصیبی یہ ہے کہ اس وقت مذہبی قیادت کا فریضہ سرانجام دینے والے اکثر لوگ اسی زمرہ سے تعلق رکھتے ہیں، جبکہ پختہ علم، ثقہ خبر اور مقاصد شرعیہ پر نظر رکھنے والے اہل علم ایک ایک کر کے اٹھتے جا رہے ہیں اور ان کے جانے سے پیدا ہونے والے خلا کا پر ہونا ناممکن بنتا چلا جا رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی حقیقت کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

"إِنَّ اللَّهَ لا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا، يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا، اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالا، فَسُئِلُوا، فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا"[1]

یقیناًاللہ تعالی دین کے علم کو اس طرح نہیں ختم کرے گا کہ اسے بندوں سے چھین لے۔ بلکہ وہ علماء کو موت دے کر علم کو اٹھائے گا۔ یہاں تک کہ حتیٰ کہ جب وہ کسی عالم کو باقی نہیں چھوڑے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، پھر ان سے سوالات کیے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے فتوی دیں گے۔ یوں خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

تکفیر کے اصولوں سے ناآشنائی

کسی بھی کلمہ گو شخص کو کافر قرار دینا اتنا معمولی، سادہ اور آسان نہیں ہے کہ ہر کہہ ومہہ جس کے متعلق دل چاہے کافر کافر کے فتوے لگاتا پھرے، بلکہ یہ ایک انتہائی حساس اور خطرناک معاملہ ہے۔ اسی وجہ سے صاحب علم لوگوں نے ہمیشہ کسی کلمہ گو کو کافر قرار دینے کی حوصلہ شکنی کی ہے اور قرآن وسنت کی روشنی میں تکفیر مسلم کے اصول وضوابط، شروط اور موانع باقاعدہ طے کیے ہیں۔ ان اصول وضوابط، شروط اور موانع کا نہ جاننا عصر حاضر میں مسلم عوام وحکام کی تکفیر کا ایک بڑا سبب ہے۔ عوام تو عوام، مختلف مسالک کے علماء کی اکثریت بھی ان اصول و ضوابط، شروط اور موانع سے لاعلم ہے۔ ضرورت اس امر کی دینی وعصری مدارس وجامعات میں ان اصولوں کو باقاعدہ پڑھانے اور سمجھانے کا بندوبست کیا جائے۔ اور جس عالم کو ان اصول وضوابط کا پختہ علم نہ ہو ان کے فتوی دینے پر سخت پابندی عائد کی جائے۔

نفسانی خواہشات کی پیروی

مسلم ریاستوں اور حکام کی تکفیر کی طرف لے جانے والے اسباب میں سے ایک بنیادی اور بہت ہی اہمیت کا حامل سبب

---

[1] ۔ صحیح البخاری، کتاب العلم، بَاب كَيْفَ يُقْبَضُ الْعِلْمُ، 31/1، الحدیث: 100 ۔ صحیح مسلم: 2673

اپنی خواہشات کی پیروی ہے۔خواہشات کو عربی میں شہوات کا نام دیا جاتا ہے اور قرآن وسنت میں اس کی شدید مذمت کی گئی ہے، خواہشات کا تعلق یا تو آدمی کے دین اور عبادات سے متعلقہ معاملات کے ساتھ ہوتا ہے یا اس کی دنیاداری اور نفسانی وشہوانی خواہشات کے ساتھ۔اگرچہ خواہش نفس کی تسکین کی دونوں صورتیں انتہادرجہ کی مذموم ہیں لیکن ان دونوں میں سے اول الذکر تو آدمی کو ہر طرح سے تباہ کردیتی ہے یہود ونصاریٰ، مشرکین اور منافقین سب کی گمراہی کا بنیادی سبب یہی ہے۔شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"واتباع الأهواء فى الديانات أعظم من اتباع الاهواء فى الشهوات فان الأول حال الذين كفروا من أهل الكتاب والمشركين كما قال تعالى: ﴿ قُلْ يَآ اَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴾[1] "[2]

دین کے معاملہ میں خواہشات کی پیروی شہوات و معاملات میں خواہشات کی پیروی کرنے سے زیادہ بڑا ہے کیونکہ دین میں خواہشات کی پیروی کرنا اہل کتاب اور مشرکین میں سے ان لوگوں کا طرز عمل ہے کہ جنھوں نے کفر کیا۔جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: اے نبی تو کہہ دے کہ اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق زیادتی مت کرو، اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو اس سے پہلے گمراہ ہو چکے اور انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا اور وہ سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر ایسی خواہشات کی پیروی سے مطلقا منع فرمایا ہے کہ جو حق کا ساتھ دینے سے روکتی ہوں، ارشاد ربانی ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴾[3]

اے ایمان والو! انصاف قائم کرنے والے بنو، اللہ کی خاطر گواہی دینے والے، چاہے وہ گواہی تمہارے اپنے خلاف پڑتی ہو، یا والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف وہ شخص (جس کے خلاف گواہی دینے کا حکم دیا جارہا ہے) چاہے امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں قسم کے لوگوں کا (تم سے) زیادہ

1-المائدة5 :77

2-مجموع الفتاوىٰ، 132/28

3-النساء4 :135

خیر خواہ ہے۔ لہٰذا ایسی نفسانی خواہش کے پیچھے نہ چلنا جو تمہیں انصاف کرنے سے روکتی ہو۔ اور اگر تم توڑ مروڑ کروگے (یعنی غلط گواہی دوگے) یا (سچی گواہی دینے سے) پہلو بچاؤگے تو (یاد رکھنا کہ) اللہ تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جہاں خواہشات کی پیروی سے منع کیا ہے وہیں اس کا نتیجہ بھی واضح فرمادیا کہ کسی بھی معاملہ میں خواہش نفس کی پیروی لامحالہ گمراہی کا باعث بنتی ہے۔ چنانچہ حضرت داوود علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ﴾[1]

اے داؤد! ہم نے تجھے زمین میں بادشاہ بنایا ہے پس تم لوگوں میں انصاف سے فیصلہ کیا کرو اور نفس کی خواہش کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے ہٹادے گی، بے شک جو اللہ کی راہ سے ہٹ جاتے ہیں، ان کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ وہ حساب کے دن کو بھول گئے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک جلیل القدر نبی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ خواہشات کی پیروی سے بچنا کیونکہ اگر آپ نے بھی خواہشات کی پیروی کی تو یہ آپ کو سیدھے راستے سے ہٹادے گی اور جو سیدھے راستے سے ہٹ گیا، اس کے لیے سخت عذاب ہے۔ خواہشات کی پیروی کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ یہ انسان کو انسانیت کے منصب سے کہیں نیچے گرادیتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے خواہش نفس کے پیچھے چلنے والے صاحب علم شخص کے لیے کتے کی مثال بیان فرمائی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ○ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ ۚ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾[2]

اور انھیں اس شخص کی خبر پڑھ کر سنائیے کہ جسے ہم نے اپنی آیات عطا کیں تو وہ ان سے صاف نکل گیا، پھر شیطان نے اسے پیچھے لگالیا تو وہ گمراہوں میں سے ہوگیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کی

---

[1] – ص 38: 26

[2] – الاعراف 7: 176

برکت سے اس کا رتبہ بلند کرتے لیکن وہ دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی، اس کا تو ایسا حال ہے جیسے کتا، اس پر تو سختی کرے تو بھی ہانپے اور اگر چھوڑ دے تو بھی ہانپے، یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، سو یہ حالات بیان کر دے شاید کہ وہ فکر کریں۔

اپنی خواہشات کو پورا کرنے میں لگ جانا کئی قسم کے فسادات اور برائیوں کا پیش خیمہ ہے، جن میں اختلاف، بغض، ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہونا اور مختلف فرقوں میں بٹ جانا شامل ہیں۔ چنانچہ جہاں خواہشات کی پیروی کی جانے لگے، وہاں اختلاف اپنی جگہ بنالیتا ہے، لوگ مختلف فرقوں میں بٹ کر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح دین میں نئی نئی بدعات کا اجراء بھی خواہشات کی پیروی کی وجہ سے ہی ممکن ہوتا ہے۔

نصوص کی غلط تاویل اور ان سے اپنی مرضی کا مطلب اخذ کرنا

مسلم ریاستوں اور حکام و عوام کی تکفیر کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب قرآن وحدیث سے اپنی مرضی کا مطلب نکالنے کے لیے ان کی فاسد و باطل تاویل کرنا ہے۔ باطل پرست اور حق سے منحرف لوگ قرآن وحدیث کو ان کی روح کے مطابق اپنانے کی بجائے قرآنی آیات اور احادیث کو یہود و نصاری کی طرح اپنے مؤقف کے مطابق بنانے اور موڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بقول شاعر مشرق

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

اس مقصد کے لیے وہ آیات اور احادیث کا فہم قرآن مجید، رسول اللہ ﷺ کے فرامین اور صحابہ کرام و دیگر سلف صالحین کے فرامین سے اخذ کرنے کی بجائے اپنی عقل اور عربی لغت سے حاصل کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ نتیجہ کے طور پر وہ آیات واحادیث کے ایسے ایسے مفہوم بیان کرتے ہیں کہ جو قرآن وسنت کی صریح نصوص کے خلاف ہوتے ہیں۔

زمن بر صوفی و ملا سلامے — کہ پیغام خدا گفتند مارا
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت — خدا و جبریل و مصطفیٰ را[1]

قرآن وسنت کے صحیح فہم سے محرومی انہیں تکفیر، تفجیر اور خروج تک پہنچا کر ان کی دنیا و آخرت تباہ کر دیتی ہے۔ خوارج کی گمراہی کا بنیادی سبب یہی تھا کہ جس کی بنیاد پر انہوں نے اس وقت امت کے بہترین افراد، سیدنا عثمان، سیدنا علی، سیدنا طلحہ، سیدنا زبیر، سیدنا حسن، سیدنا حسین اور دیگر اصحاب رسول رضی اللہ عنہم، کہ جنہیں امام الانبیاء ﷺ

[1] ۔اقبال، علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال، ارمغان حجاز، ناشر: جاوید اقبال، جاوید منزل، میورروڈ، لاہور، طبع اول، نومبر 1938، صفحہ: 102

نے اپنی زبان اطہر سے جنت کی بشارت دی تھی، کو نہ صرف کافر قرار دیا بلکہ ان میں سے بہت سوں کو بزعم خود جنت کی تلاش میں شہید کر دیا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک سنہری فرمان قرآنی نصوص کی غلط تاویل کرتے ہوئے ان سے اپنی مرضی کا مطلب اخذ کرنے کی حساسیت، پیچیدگی اور سنگینی کو سمجھنے میں کافی معاون و مددگار ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

« ما أخاف على هذه الأمة من مؤمن ينهاه إيمانه ولا من فاسق بين فسقه، ولكني أخاف عليها رجلا قد قرأ القرآن حتى أزلفه بلسانه ثم تأوله على غير تأويله»[**1**]

میں اس امت کے معاملہ میں کسی مومن سے نہیں ڈرتا کیونکہ اس کو اس کا ایمان روک لیتا ہے۔ اور کسی ایسے فاسق سے بھی نہیں ڈرتا کہ جس کا فسق واضح ہو، لیکن مجھے اس امت کے معاملہ میں اس شخص سے ڈر لگتا ہے کہ جو قرآن پڑھتا ہے، حتیٰ کہ وہ قرآن اس کی زبان پر رواں ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اس کی اصل تفسیر کے علاوہ تاویل کرتا ہے۔

اس امت میں تکفیر کے فتنہ کی داغ بیل ڈالنے والے خوارج کے متعلق سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

«إنهم انطلقوا إلى آيات نزلت في الكفار، فجعلوها على المؤمنين » [2]

بے شک یہ خوارج ایسی آیات کی طرف چلے کہ جو کفار کے متعلق نازل ہوئی تھیں اور انہوں نے ان آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کر دیا۔

بہت سے گمراہ فرقوں کی گمراہی کا بنیادی سبب قرآن مجید کی آیات کی ایسی تاویل ہے کہ جس کی اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کے اصحاب اور دیگر سلف صالحین سے نہیں ملتی ہے جیسا کہ خوارج کے متعلق ان کی گمراہی کا سبب بیان کرتے ہوئے معروف تابعی سعید بن جبیر رحمہ اللہ سورہ آل عمران کی آیت ﴿**واخر متشابهات**﴾[3] کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"أما المتشابهات فهن آي في القرآن يتشابهن على الناس إذا قرؤوهن ، من أجل ذلك يضل من ضل ممن ادعى هذه الكلمة كل فرقة يقرؤون آيات من القرآن ، ويزعمون أنها لهم أصابوا بها الهدى -ومما يتبع الحرورية من المتشابه قول الله عز وجل ﴿**وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ**﴾- ويقرؤون معها :﴿ **ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ**﴾ فإذا رأوا الإمام يحكم بغير الحق قالوا : قد كفر - ومن كفرعدل بربه ، فقد أشرك ، فهؤلاء

[1] – جامع بيان العلم وفضله ، باب فيمن تأول القرآن وتدبره وهو جاهل بالسنة ،1204/2 ، رقم:2368

2–صحيح بخارى،كتاب استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم،باب قتل الخوارج والملحدين بعد إقامة الحجة عليهم ،16/9

[3] – آل عمران3 :7

الأئمة مشركون، فيخرجون فيفعلون ما رأيت ، لأنهم يتأولون هذه الآية۔"[1]

متشابہات سے مراد قرآن مجید کی وہ آیات ہیں کہ جب لوگ انہیں پڑھتے ہیں تو وہ لوگوں پر متشابہ ہوتی ہیں۔اسی وجہ سے گمراہ لوگ اور فرقے گمراہ ہوتے ہیں کہ ہر فرقہ کے لوگ ان آیات کو پڑھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ آیات ان کے لیے ہیں اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ حروریہ یعنی خوارج نے جن متشابہہ آیات کے غلط مطالب نکالے ہیں وہ اللہ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾[2]"جو شخص اللہ کے نازل کردہ احکام کے ساتھ فیصلہ نہ کرے، تو یہی لوگ کافر ہیں۔اور وہ خوارج اس آیت کے ساتھ یہ آیت ملا لیتے ہیں:﴿ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ﴾[3] پھر وہ کافر لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو برابر ٹھہراتے ہیں۔لہذا جب یہ لوگ کسی حاکم کو دیکھتے ہیں کہ وہ ناحق فیصلہ کرتا ہے تو اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس نے کفر کیا اور جس نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا اس نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو برابر قرار دیتے ہوئے شرک کیا، لہذا یہ سارے کے سارے حاکم مشرک ہیں، پھر وہ بغاوت و خروج کی راہ اختیار کرتے ہوئے نکلتے ہیں اور وہ فتنہ و فساد مچاتے ہیں کہ جو تو دیکھتا ہے۔اور ایسا وہ اس لیے کرتے ہیں، کیونکہ وہ اس آیت کی غلط تاویل کرتے ہیں۔

غور کیجئے کہ سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے کتنے خوبصورت پیرائے میں بات سمجھادی کہ قرآنی آیات کو ان کے درست مفہوم سے غلط مفہوم کی طرف پھیرنا یعنی تاویل فاسد ہی وہ اصل چیز ہے کہ جو تکفیریوں، خارجیوں اور دیگر گمراہ فرقوں کی گمراہی کا سبب ہے۔

تاویل فاسد کے بنیادی اسباب

- تاویل فاسد کے بڑے اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ تاویل فاسد کرنے والا شخص اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتا ہے کہ ہر معاملہ اور مسئلہ قرآن مجید میں مکمل طور پر بیان ہو گیا ہے، اور وہ حدیث نبوی اور سنت نبوی کی طرف نظر نہیں دوڑاتا حالانکہ وہاں اس مسئلے کی مکمل وضاحت موجود ہوتی ہے۔اہل قبلہ کی تکفیر کرنے والے خوارج اس کی واضح مثال ہیں۔امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] – الآجری ، أبو بكر محمد بن الحسين البغدادي ، الشريعة ، المحقق: الدكتور عبد الله بن عمر الدميجي ، الناشر: دار الوطن ،السعودية، الطبعة الثانية، 1999 م ، باب ذكر السنن والآثار، 341/1، رقم : 44

[2] – المائدة5: 44

[3] – الانعام6: 1

"إن الخوارج الحرورية كانوا ينتحلون اتباع القرآن بآرائهم ويدعون اتباع السنن التي يزعمون أنها تخالف القرآن "[1]

"بے شک حروریہ یعنی خوارج اپنے خیال میں اس بات کی نسبت اختیار کرتے ہیں کہ وہ قرآن کی پیروی کرنے والے ہیں، اور وہ لوگ ان سنتوں کی پیروی کو ترک کر دیتے ہیں کہ جو ان کے خیال میں قرآن کی مخالفت کر رہی ہوتی ہیں۔"

- تاویل فاسد کے بڑے اسباب میں سے ایک سبب شرعی اصطلاحات اور ان کے احکام سے ناواقفیت ہے۔ چونکہ تاویل فاسد کرنے والا شرعی اصطلاحات اور ان کے احکام کو نہ جانتا ہے اور نہ ہی سمجھتا ہے اس لیے ایک اصطلاح کی جگہ دوسری اصطلاح استعمال کر رہا ہوتا ہے، جیسا کہ کافر کا حکم فاسق پر لگانا، حالانکہ کافر اور فاسق کے احکام میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔
- تاویل فاسد کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہر شخص چاہتا ہے کہ اپنے موقف کو شریعت کے مطابق ثابت کرے۔ اس کے لیے بجائے اس کے کہ وہ اپنے موقف کو قرآن و سنت کے مطابق بنائے، وہ قرآن و سنت کو اپنے مؤقف کے مطابق بنانے کی کوشش میں تاویل فاسد کا سہارا لیتا ہے۔

[1] - مجموع الفتاویٰ، 491/28

مبحث دوم: تکفیر کو بڑھاوا دینے والے خارجی اسباب

تکفیر کی سوچ اور ذہنیت کو بڑھاوا دینے والے بہت سے عوامل کا تعلق اگر تکفیر کرنے والے شخص کی ذات، نفسیات یا علمیت کے ساتھ ہے تو بہت سے عوامل کا تعلق اس کی بیرونی دنیا کے ساتھ بھی جڑا ہوا ہے۔ایسے عوامل کو اس مبحث میں پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ان عوامل میں ایسے لوگوں کو میسر آنے والی صحبت یقیناً سرفہرست ہے۔

تکفیری نظریات کے حامل لوگوں کی مصاحبت

منہجی اور علمی طور پر شریعت سے منحرف اور گمراہ جماعتوں، تنظیموں اور لوگوں سے تعلق، دوستی، مجالس اور ملاقاتیں بھی ایک عام مسلمان کو صراط مستقیم سے ہٹانے اور انہیں تکفیر کی خطرناک اور اندھی وادیوں میں گرانے کا سبب بنتی ہیں۔فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾[1]

اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس پر ہدایت واضح ہو چکی ہو اور وہ مومنوں کے راستے کے علاوہ کسی اور راستے کی پیروی کرے تو ہم اسے اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا ہے اور اسے جہنم میں داخل کریں گے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

مومنوں کے راستے کے علاوہ کسی اور راستے کی اتباع سے مراد اصحاب رسول ﷺ اور سلف صالحین کے راستہ کو چھوڑ کر خوارج، اہل بدعت اور گمراہ گروہوں کے راستے کی اتباع ہے۔ایسے لوگوں کے ساتھ ان کی اس طرح کی گمراہ کن مجالس میں بیٹھنا اور ان کی باتوں کو سننا جائز نہیں ہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾[2]

اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیتوں میں جھگڑتے ہیں تو ان سے الگ ہو جا یہاں تک کہ کسی اور بات میں بحث کرنے لگیں، اور اگر تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آجانے کے بعد ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

شیخ عبد الرحمان السعدی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"المراد بالخوض في آيات الله: التكلم بما يخالف الحق، من تحسين المقالات الباطلة،

---

[1] – النساء4: 115

[2] – الانعام6: 68

والدعوة إليها، ومدح أهلها، والإعراض عن الحق، والقدح فيه وفي أهله، فأمر الله رسوله أصلا، وأمته تبعا، إذا رأوا من يخوض بآيات الله بشيء مما ذكر، بالإعراض عنهم، وعدم حضور مجالس الخائضين بالباطل، والاستمرار على ذلك، حتى يكون البحث والخوض في كلام غيره-" [1]

اللہ کی آیات میں جھگڑنے اور نکتہ چینی کرنے سے مراد ایسی بات کرنا ہے کہ جو حق کے خلاف ہو، جس میں باطل باتوں اور دعووں کو خوب صورت بنا کر پیش کیا جائے، ان کی طرف دعوت دی جائے، باطل باتوں کے حاملین کی تعریف کی جائے۔ اللہ کی آیات میں جھگڑنے اور نکتہ چینی کرنے سے مراد حق سے منہ پھیرنا اور حق اور اہل حق پر قدح اور تنقید کرنا ہے، تو اللہ تعالی نے اپنے رسول ﷺ کو اصلا اور آپ کی امت کو تبعا یہ حکم دیا ہے کہ وہ جب کسی ایسے شخص کو دیکھیں کہ جو اللہ کی آیات میں اس طرح نکتہ چینی کر رہا ہے۔ تو اس سے اعراض کریں اور ایسے باطل پرست لوگوں کی مجلس میں اس وقت تک نہ بیٹھیں کہ جب تک وہ اس کے علاوہ کوئی اور بات نہ کرنے لگ جائے۔

اس آیت سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم ایسے لوگوں کے ساتھ تعلقات نہ رکھیں کہ جو قرآنی آیات کو ان کے اصل وحقیقی معانی ومفاہیم کے ساتھ قبول کرنے کی بجائے انہیں اپنے باطل مؤقف کے مطابق موڑتے ہیں، مزید یہ کہ اگر ہمارے ان کے ساتھ لاعلمی میں تعلقات ہیں یا ہم ان کی اصلیت سے ناواقف ہیں، تو جیسے ہی ہمیں پتہ چلے تو اللہ تعالی کا حکم ہے کہ فوراً ان کی مجالس کو چھوڑ دیا جائے اور ان کے ساتھ استوار تعلقات کو توڑ دیا جائے، یہاں تک کہ وہ اپنی اس روش سے باز آجائیں، کیونکہ ان کے ساتھ تعلق آپ کو بھی حق سے گمراہ کر سکتا ہے۔ راہ راست سے منحرف لوگوں کے ساتھ تعلقات رکھنے کے بارے میں اسلاف امت کا بھی یہی منہج تھا، معروف تابعی امام حسن بصری اور امام ابن سیرین[2] رحمہا اللہ فرماتے ہیں:

«لا تجالسوا أصحاب الأهواء، ولا تجادلوهم، ولا تسمعوا منهم »[3]

---

[1] – تيسير الكريم الرحمن في تفسير كلام المنان ، ص :260

[2] –ابن سیرین رحمہ اللہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عباس کے مایہ ناز شاگرد رضی اللہ عنہ اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ شرعی علوم کے دریا، مایہ ناز محدث اور فن تعبیر کے بہت بڑے عالم تابعی تھے۔ آپ 653ء میں پیدا ہوئے اور 729ء میں اپنے رب کے حضور جا پہنچے۔ {الاعلام، 154/6}

[3] – الدارمي، أبو محمد عبد الله بن عبد الرحمن التميمي ،مسند الدارمي المعروف بالسنن،تحقيق:حسين سليم أسد، دار المغني للنشر والتوزيع السعودية،الطبعة الأولى، 2000ء،391/1، رقم :415، محقق نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

خواہشات کی پیروی کرنے والے لوگوں کے ساتھ بیٹھک اختیار نہ کرو، ان کے ساتھ بحث مباحثہ بھی نہ کرو، اور ان کی باتیں بھی نہ سنو۔

باطل پرست لوگوں کے ساتھ بیٹھنا، ان کی ملمع شدہ باتیں سننا یا ان کے تحریری لٹریچر کا مطالعہ کرنا ایک عام آدمی کے لیے بالخصوص زہر قاتل ہے کیونکہ شیطان ان کی باتوں کو اتنا مزین کر کے پیش کرتا ہے کہ حق و باطل کے تمام پہلوؤں پر گہری نظر نہ رکھنے والا انسان ان کی باتیں سن کر یا پڑھ کر یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ یہی حق ہے، اور وہ بات اس کے دل میں اس طرح بیٹھ جاتی ہے کہ اس کا ازالہ مشکل ہو جاتا ہے۔ امام فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«صاحب البدعة لا تأمنه على دينك , ولا تشاوره في أمرك , ولا تجلس إليه , فمن جلس إلى صاحب بدعة ورثه الله العمى»[1]

تو بدعتی شخص سے اپنے دین کے بارے میں بے خوف مت ہونا، اور اس سے اپنے معاملے میں مشورہ نہ کرنا، اس کے ساتھ مت بیٹھنا، اور جو شخص کسی بدعت کے حامل کے ساتھ بیٹھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بصیرت سے محروم کر دیتا ہے۔

کوئی شک نہیں کہ کسی بھی انسان پر اس کے ہم مجلس لوگوں کے خیالات و نظریات ایک گہرا اثر مرتب کرتے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ گاجر ایک ہی ہوتی ہے لیکن اگر اسے مربہ میں ڈالا جائے تو مربہ اور اگر اچار میں ڈالا جائے تو اچار بن جاتی ہے۔ اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"الرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ، فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ-" [2]

آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے اس لیے تم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ جائزہ لے کہ وہ کس کے ساتھ دوستی کر رہا ہے؟

تو ایسے لوگوں سے دوستی رکھنا اور ان کے ساتھ اٹھک بیٹھک اختیار کرنا کہ جو کلمہ گو عام مسلمانوں اور حکمرانوں کو کافر قرار دینے میں بے باک ہوں، بھی تکفیر کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب ہے۔ تکفیر کے مسئلہ میں منحرف لوگوں اور جماعتوں کو مندرجہ ذیل علامات سے پہچانا جا سکتا ہے۔

- تکفیر کے مرض میں مبتلا لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں سختی، انتہا پسندی اور شدت پسندی اختیار کرنے والے ہوتے ہیں۔
- ان کی باتوں اور کلام میں ہمیشہ تبشیر کی بجائے انذار، دھمکی اور وعید پائی جاتی ہے۔

---

[1] - شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة ، 156/1 ، رقم :264

[2] - سنن ابی داوود، 204/7 ، حدیث:4833 ، شیخ شعیب الأرنؤوط نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ سنن الترمذی:2378

- لوگوں اور معاشرے کی اصلاح کے لیے نرمی اور دعوت کی بجائے سختی اور فتوی بازی کا انداز اپناتے ہیں۔
- سلف صالحین، اہل علم اور محدثین پر طعنہ زنی کرتے ہیں اور ان کے فتاویٰ کو بغیر پڑھے، سمجھے رد کرتے ہیں۔
- فتویٰ دینے اور کسی پر کفر و شرک یا بدعت و فسق کا حکم لگانے میں جلدی کرتے ہیں۔
- عام مسلمانوں کے ساتھ گھلنے ملنے اور ان کی معاشرتی و خاندانی تقریبات اور دیگر اجتماعی مواقع حتی کہ نماز باجماعت اور جمعہ و عیدین کی تقریبات میں بھی شرکت کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو بہت نیک و پارسا سمجھتے ہیں اور دوسروں کو کافر و مرتد یا فاسق و فاجر خیال کرتے ہیں۔
- اگر آپ ان سے دلائل کے ساتھ بات کرنا چاہیں تو تحمل اور دلیل کے ساتھ جواب دینے کی بجائے منطق، شور یا دھونس دھاندلی کے ساتھ آپ کو زیر کرنے کی کوشش کریں گے۔
- دنیا کے ہر مسئلے کو حل کرنے کا ذمہ دار خود کو ٹھہراتے ہیں، پھر ان کی مرضی کہ وہ اس مسئلے کو جبر کے ساتھ حل کرتے ہیں یا نرمی کے ساتھ۔
- کلمہ گو حکمرانوں سے بہت متنفر ہوتے ہیں اور ہمہ وقت ان کی بغاوت پر آمادہ ہوتے ہیں۔
- اسلام کے بارے میں حد سے زیادہ متشدد ہوتے ہیں لیکن اس کے برعکس مسلمان کے حق کے بارے میں بے پرواہ ہوتے ہیں، یعنی نماز، روزہ و دیگر عبادات کا تو بڑا خیال رکھتے ہیں مگر عام مسلمانوں کو ان کے صغائر و کبائر کی بنیاد پر مسلمان ہی نہیں سمجھتے۔
- ان کے اقوال بہت اچھے ہوتے ہیں لیکن افعال بہت برے، یعنی وہ باتیں جہاد، خلافت اور غلبہ اسلام کی کرتے ہیں لیکن وہ بزعم خود اپنے اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے مسلمانوں کی ہی گردنیں کاٹتے ہیں۔
- وہ دین کے عالم نہیں ہوتے مگر اپنے آپ کو عقل کل کا حامل عالم سمجھتے ہیں اور اپنی اسی غلط فہمی میں مخالف فریق پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں۔
- وہ توحید حاکمیت اور پھر اس کے ذیل میں "ان الحکم الا للہ" کا نعرہ کثرت کے ساتھ لگاتے ہیں۔ اور اسی کی تیغ کے ساتھ مسلم حکام و ذمہ داران کو کافر قرار دیتے ہیں۔
- کفار کے متعلق نازل ہونے والی آیات اور احادیث کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔

سیاسی و مذہبی فرقہ واریت

تکفیر کے بنیادی اسباب میں سے ایک بڑا سبب سیاسی و مذہبی فرقہ واریت اور اس کی بنیاد پر پایا جانے والا بے جا تعصب ہے۔ ایک مذہبی فرقہ یا سیاسی جماعت کے لوگ دوسرے فرقہ یا سیاسی جماعت کے لوگوں کو سرعام گمراہ، فاسق و فاجر، بدعتی حتی کہ کافر تک کہہ دیتے ہیں، دوسری طرف جوابی کارروائی میں دوسرے فرقہ یا سیاسی جماعت کے

متعلقین بھی اسی روش کا مظاہرہ کرتے ہیں اور نتیجہ میں نوبت بعض اوقات فتنہ وفساد اور قتل وغارت تک پہنچ جاتی ہے۔ دنیا بھر میں آج امت مسلمہ جن مصائب وآلام اور آزمائشوں کا شکار ہے، ان کا ایک بنیادی سبب باہمی اختلاف وانتشار اور خانہ جنگی ہے۔ ورنہ مادی اسباب ووسائل اور عددی کثرت کے اعتبار سے مسلمانوں کو ماضی میں کبھی بھی ایسی طاقت حاصل نہ تھی جیسی آج ہے۔

فرقہ واریت اور گروہ بندی کا بنیادی سبب اپنے موقف ومنہج کو ہی برحق سمجھنے اور مسلک یا تنظیم کے اکابر کی محبت وعقیدت میں "غلو" یعنی حد سے آگے بڑھ جانا ہے۔ سیاسی معاملات یا مذہب سے متعلقہ فروعی اور اجتہادی امور میں تعصب اختیار کرنا اور اپنی اختیار کردہ رائے کے علاوہ دوسری رائے کے حاملین کو کسی قسم کی گنجائش نہ دیتے ہوئے انہیں مطلقاً باطل پرست، کافر اور مجرم قرار دینا اور ان سے ایسا رویہ رکھنا کہ جیسا شدید قسم کے دشمنوں سے رکھا جاتا ہے، آج کے دور میں غلو یا انتہا پسندی کی واضح مثالیں ہیں۔

حکمرانوں پر عدم اعتماد

اسلام نے حکمرانوں کو ایک خاص عزت اور وقار سے نوازا ہے اور جہاں ان پر بہت سی ذمہ داریاں اور فرائض عائد کیے ہیں، وہیں ان کے اپنی رعایا پر بہت سے حقوق بھی رکھے ہیں ان حقوق میں سے ایک حق یہ ہے کہ ان کی عزت وتکریم کی جائے، ان پر اعتماد کیا جائے، ان کی کسی صورت توہین نہ کی جائے اور جب تک وہ ایسے کفر بواح کا ارتکاب نہیں کرتے کہ جس پر اللہ کی طرف سے واضح برہان ہو، انہیں کافر قرار دے کر ان کے خلاف خروج وبغاوت برپا نہ کی جائے۔

حکام پر عدم اعتماد اور ان پر کفر، شرک، بدعت یا فسق وفجور کے فتوے لگانا معاشرہ کے استحکام کو ختم کرنے اور ملک وریاست میں انارکی پھیلانے کا باعث بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم ریاستوں اور معاشروں کے دشمنوں کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ حکام اور عوام میں عدم اعتماد اور دوری کی فضا پیدا کی جائے اور اس کے لیے سب سے بڑا ہتھیار مسلم حکام کی کوتاہیوں اور بے عملیوں کو بنیاد بنا کر ان پر کفر کا فتوی لگانا اور مسلم نوجوانوں کی عدم برداشت کو سامنے رکھتے ہوئے انہیں یہ کہہ کر بغاوت، خروج اور انتشار پر برانگیختہ کرنا ہے کہ آپ لوگ ایک کافر حکومت کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے ہو جبکہ اسلام میں کفر کی ماتحتی برداشت کرنا روا نہیں ہے، اس لیے اٹھو اور "اعلائے کلمۃ اللہ" کی خاطر اس حکمران کے خلاف بغاوت کرو تاکہ اس کی حکومت ختم ہو اور اقتدار کسی "نیک بندے" یعنی تمہارے ہاتھ آجائے۔ خوارج کی سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت وخروج سے لے کر آج تک مسلم حکام کے خلاف برپا کی جانے والی تقریباً تمام بغاوتیں اسی سوچ کا مظہر ہیں۔

غیر مسلم طاقتوں کے دوہرے معیار اور مسلم حکام کی خاموشی

مسلم ممالک میں پائی جانے والی تکفیر کی حالیہ لہر، جو اپنی شدت کے لحاظ سے شدید ترین ہے، کے اسباب کا اگر بغور جائزہ

لیا جائے تو ایک اہم سبب عالمی قوتوں بالخصوص اقوام متحدہ کے دوہرے معیار، مسلمانوں پر بلاجواز ظلم و ستم، مسلم ممالک کے معاملات میں غیر منصفانہ مداخلت اور اس پر مسلم حکام کی مصلحت پسندانہ خاموشی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ فلسطین، کشمیر، الجزائر، عراق، افغانستان، لیبیا، مصر اور پاکستان وغیرہ کے ساتھ عالمی قوتوں بشمول اقوام متحدہ کا رویہ ان طاقتوں کے دوہرے معیار کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے۔

کشمیر کے مسئلہ کو ہی دیکھ لیجئے، تقسیم برِصغیر کے وقت برطانوی ایمپائر کی طرف سے تمام ریاستوں کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ اپنی مرضی کے ساتھ ہندوستان یا پاکستان میں سے کسی کے ساتھ بھی الحاق کر سکتے ہیں، اور اگر وہ آزاد رہنا چاہیں تو انہیں اس کا بھی اختیار ہے۔ بیشتر ریاستوں کے مہاراجاؤں نے اپنی یا اپنی آبادی کی خواہشات کو سامنے رکھتے ہوئے انڈیا یا پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کر لیا جبکہ مسلم اکثریتی ریاست کشمیر کے مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنی ریاست کی عوام کی خواہش کے برعکس 26 اکتوبر 1947 کو اپنی ریاست کے انڈیا سے الحاق کا اعلان کر دیا جس پر کشمیر کی مقامی آبادی کے لوگوں نے اپنی آزادی کے لیے مسلح مزاحمت شروع کر دی۔ تحریک آزادی کو کچلنے کے لیے بھارت نے 27 اکتوبر 1947 کو اپنی فوجیں ہوائی جہازوں کے ذریعے سری نگر میں اتار دیں تاکہ کشمیر میں ہونے والی بغاوت کو کچلا جا سکے جس کے نتیجے میں پاکستان اور بھارت کے درمیان پہلی جنگ چھڑ گئی۔ پاکستان کی طرف سے حکومت پاکستان کی آشیر باد سے قبائلی علاقوں کے لوگ اور دیگر مجاہدین اہل کشمیر کی مدد کے لیے پہنچ گئے، یکم جنوری 1948 کو بھارت نے مسئلہ کشمیر پر اقوامِ متحدہ سے مدد مانگ لی۔ اس موقع پر اقوام متحدہ دیگر عالمی طاقتوں کے جلو میں اہل کشمیر کو حق خود ارادیت فراہم کرنے کے خوش نما نعرہ کے ساتھ متحرک ہوگئی اور اس نے 5 فروری 1948 کو ایک قرارداد کے ذریعے کشمیر میں فوری جنگ بندی کا مطالبہ کیا تاکہ وہاں رائے شماری کرائی جا سکے۔ چنانچہ اقوام متحدہ کے کشمیریوں کو حق خود ارادیت فراہم کرنے کی ضمانت پر پاکستان نے جنگ بندی کی درخواست قبول کر لی۔

حق تو یہ تھا کہ عالمی طاقتیں فوری طور پر کشمیر میں استصواب رائے کرواتیں اور کشمیریوں کے فیصلہ کو ماننے اور منوانے میں اپنا کردار ادا کرتیں لیکن اس کے برعکس اس فیصلہ کو منوانے کی آج تک کوئی سنجیدہ کوشش ان قوتوں کی جانب سے نہیں کی گئی۔ اقوام متحدہ کے عالمی منشور انسانیت UNHR کے تحت اقوام متحدہ کی یہ اصولی ذمہ داری ہے کہ وہ کشمیری عوام کو بھارتی جبر و استبداد کے چنگل سے نجات دلائے کہ اس میں درج ہے کہ ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کئے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔ اور یہ کہ عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہو گی۔[1] اس آرٹیکل کی رو سے ہر خطے کے عوام کو اپنا حاکم چننے کا حق حاصل ہے۔

-[1]Look at : https://magazine.mohaddis.com/shumara/411-feb-2020/3919-masla-kashmeer-aqwam-mutahid-dughla-milat-islami#ftn8 (02-08-21/12:58)

چنانچہ بغیر کسی تاریخی پس منظر اور قبول کردہ ذمہ داری کے یہ اقوام متحدہ کا اپنا مستقل آئینی فریضہ ہے کہ وہ کشمیریوں کو بہر صورت حق خودارادیت دلوائے، جیسا کہ اس نے 2002ء میں مشرقی تیمور اور 2011ء میں جنوبی سوڈان میں اپنے اسی آئینی کردار کو وہاں کی عیسائی آبادی کے مطالبہ پر فوراً ادا کیا تھا، اور یوں آناً فاناً دو اسلامی ممالک "انڈونیشیا "اور" سوڈان" کو تقسیم کر کے رکھ دیا۔ حالانکہ وہاں نہ تو کشمیر کی طرح کوئی معاہدہ ہوا تھا۔ اور نہ ہی اقوام متحدہ نے کسی قسم کی کوئی ضمانت دی تھی لیکن چونکہ یہ معاملہ عیسائی آبادی کا تھا تو اس لیے انہیں حق دلا دیا گیا جبکہ کشمیر و فلسطین میں معاملہ مسلم امت کا ہے اس لیے اقوام متحدہ تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے اپنا کردار نبھا رہی ہے۔

اقوام متحدہ اور عالمی قوتوں کے یہ غیر منصفانہ رویے اور مسلم ممالک کے حکام کا ان پر اپنی کمزوریوں، مصلحتوں اور مجبوریوں کی وجہ سے خاموشی اختیار کرنا مسلم دنیا کے عام نوجوان کو احساس محرومی، پریشانی اور جذبہ انتقام سے بھر دیتا ہے اور یوں مسلم ریاستوں اور حکام کے خلاف بغاوت اور انہیں کافر قرار دینے کا کھیل شروع ہو جاتا ہے۔ طرفہ تماشا یہ کہ تکفیر و بغاوت کی اس آگ کو ہوا دینے میں یہ عالمی قوتیں پورے کروفر سے پھر شریک ہو جاتی ہیں۔

میڈیا کا کردار

مسلم ریاستوں اور حکام کے خلاف تکفیر کی مہم کو لانچ کرنے ، چلانے ، بھڑکانے ، الجھانے اور پھر ہر طرف آگ لگانے اور اس آگ سے مزید کئی قسم کی آگ سلگانے میں میڈیا کے کردار سے کون انکار کر سکتا ہے؟ وطن عزیز پاکستان میں اس کے قیام کے بعد سے اکیسویں صدی کے آغاز تک ذرائع ابلاغ یعنی میڈیا کا کردار ایک مخصوص دائرے میں ہی محدود رہا، جس میں حتی الامکان قومی کردار کی تعمیر، تہذیبی و اخلاقی اقدار کی پاسداری اور اصلاح احوال کا خیال رکھا گیا۔ لیکن اکیسویں صدی کے شروع ہوتے ہی پاکستان میں خالص کاروباری ذہنیت کے حامل افراد کی زیر ملکیت نجی ٹی وی چینلوں کے آغاز کے ساتھ ہی ایک "آزاد میڈیائی انقلاب" برپا ہوا، جس نے ملک و ملت کو مثبت جانب لے جانے کی بجائے اسے نظریاتی، مذہبی، سماجی، سیاسی، معاشرتی اور معاشی طور پر کھوکھلا کرنے میں اپنا کردار نسبتاً زیادہ ادا کیا ہے۔ عملی میدان میں خواص و عوام کی سوچ و فکر پر گہرا اثر مرتب کرنے اور انہیں مثبت یا منفی رجحانات دینے والا میڈیا آزادی صحافت کے نام پر پاکستان میں {چند ایک چینلز اور محب ملک و ملت صحافیوں کو چھوڑ کر} ایک ایسا ذریعہ ثابت ہوا ہے جو اپنے ہی مذہب اور ملک کی نظریاتی، اخلاقی و جغرافیائی سرحدوں کے درپے ہو گیا ہے۔

کوئی شک نہیں کہ میڈیا کو کسی بھی معاشرے میں ایک بنیادی اور مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ ذرائع ابلاغ اگر صدق و دیانت ، مسلم معاشرہ کی فلاح و بہبود ، مسلم حکام کی خیر خواہی اور مسلم دشمنوں کی بیخ کنی پر اپنی پالیسیوں کو تشکیل دیں گے تو یقیناً معاشرے میں صدق و دیانت ، باہم احترام، محبت و رواداری، امن و استحکام اور دیگر

اچھی اقدار کو فروغ ملے گا اور یوں معاشرہ دن بدن دشمنوں کی سازشوں کی ناکامی اور اپنے استحکام کی جانب آگے بڑھتا جائے گا۔ بصورت دیگر معاشرے میں ہر طرف نفرت، انتشار، بے چینی اور پریشانی کا دور دورہ ہوگا۔ ہمیشہ سے ہی کسی بھی معاشرے کی تعمیر و تخریب میں وہاں کے میڈیا کو ایک اہم اور بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔ کیونکہ میڈیا اگر مثبت کردار ادا کرے گا تو معاشرہ مثبت جانب اپنا سفر شروع کردے گا اور لوگ دن بدن باشعور ہوتے جائیں گے۔ ظلم و تشدد، قتل وغارت، چوری وڈکیتی، زنا و بدکاری، فساد و دہشت گردی جیسی خطرناک معاشرتی برائیوں سے اجتناب کریں گے، لیکن اگر میڈیا اس کے برعکس منفی کردار ادا کرتے ہوئے دہشت گردوں اور ظالموں کو ہیرو بنا کر پیش کرے گا اور معاشرہ کے امن و استحکام اور اندرونی و بیرونی دشمنوں کی سازشوں کو ناکام بنانے میں اپنا سب کچھ جھونک دینے والے اداروں اور افراد کو ظالم بنا کر پیش کرے گا تو معاشرہ نہ تو قتل و غارت گری سے محفوظ ہوگا، نہ اس میں معاشرتی، معاشی، جغرافیائی، سیاسی یا عدالتی استحکام پیدا ہوگا اور نہ ہی معاشرہ سے ظلم و ستم کا خاتمہ نہ ہوگا۔

میڈیا کا بنیادی کردار معاشرہ کے افراد کو شعور و آگہی فراہم کرنا اور ان کی حق پر ذہن سازی کرنا ہے۔ میڈیا کی سب سے بڑی ذمہ داری جہاں معاشرے کی بقا، استحکام، ترقی اور اصلاح میں اپنا بھرپور کردار ادا کرنا ہے، وہیں دشمنوں کی سازشوں سے افراد معاشرہ کی آگاہی ہے۔ دوسرے لفظوں میں مسلم معاشرہ کی بنیادی مذہبی، معاشرتی، انسانی اقدار اور مسلم ریاست کی نظریاتی و جغرافیائی سرحدوں کا تحفظ اور ان کے تحفظ میں عوام کو ان کے کردار کا صحیح شعور دینا کسی بھی مسلم ریاست کے ذرائع ابلاغ یا میڈیا کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ یعنی لازم ہے کہ ایک مسلم ریاست کا میڈیا اسلام کی آفاقی تعلیمات کا علم بردار اور ترجمان ہو، ریاست کا بھی وفادار ہو اور آئین و دستور کا بھی پابند ہو۔

دہشت گردی کے خلاف پاکستان میں لڑی جانے والی اس جنگ میں میڈیا کا کردار بہت اہم ہے۔ اگرچہ اس جنگ میں ابتدائی طور پر میڈیا کی منہ زور آزادی کے نتیجے میں میڈیا کا عمومی کردار قابل تحسین نہ تھا، لیکن اس ضمن میں حکومت اور دفاعی اداروں کے چند اقدامات کے نتیجہ میں صورت حال کافی بہتر ہو چکی ہے۔ میڈیا، خواہ پرنٹ ہو یا الیکٹرانک یا پھر سوشل آئین پاکستان کی روشنی میں اس کا کردار کافی حد تک متعین کر دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میڈیا بھی اس ضمن میں اپنی جگہ کوشش کر رہا ہے۔ اپنے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کے خلاف لوگوں میں شعور بیدار کر کے پاکستانی میڈیا بھی پوری قوم کے ساتھ مل کر سارے خطرات کو نظر انداز کرتے ہوئے دہشت گردی کے خاتمے کی اس جنگ میں حصہ لے رہا ہے۔ دہشت گرد بھی میڈیا کے تمام پلیٹ فارمز کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی کوششیں کرتے ہیں، مگر چند بکنے والے عناصر کے علاوہ پاکستانی میڈیا ایسے عناصر کا آلہ کار بننے سے گریز کرتا ہے۔

کوئی شک نہیں کہ دور حاضر میں قوموں کے عروج اور ترقی میں میڈیا ایک کلیدی کردار رکھتا ہے۔ جن

ممالک کا میڈیا پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنی تمام تر صلاحیتوں کو مثبت انداز میں ملکی ترقی اور معاشرتی ہم آہنگی کے لئے استعمال میں لاتا ہے وہاں کے معاشروں اور لوگوں میں اپنائیت اور باہمی رواداری واضح دکھائی دیتی ہے۔ لیکن اس کے برعکس دوسری صورت میں میڈیا ہی معاشرتی انتشار، نفرت، ہیجان، فرقہ واریت اور شدت پسندی کو فروغ دینے کا باعث بن رہا ہے۔

پاکستان، جسے گزشتہ کئی سالوں سے دہشت گردی اور شدت پسندی کا سامنا ہے، میں دہشت گردی اور انتہا پسندی کے خلاف ایک قومی بیانیہ تشکیل دینے میں پاکستانی میڈیا نے مؤثر کردار ادا کیا ہے۔ یہی وہ کردار ہے کہ جسے سراہتے ہوئے ڈائریکٹر جنرل آئی ایس پی آر میجر جنرل آصف غفور نے ایک انتہائی اہم پریس کانفرنس میں یہ اعتراف کیا تھا کہ اگر ایسا ذمہ دار کردار ادا کرنے والا میڈیا 1971ء میں ہوتا تو پاکستان دولخت ہونے کی نوبت نہ آتی۔ اُن کے یہ الفاظ جہاں میڈیا کی صنعت سے وابستہ افراد کے لئے خراج تحسین تھے تو وہیں اس بات کا اظہار بھی تھے کہ ففتھ جنریشن وار میں میڈیا ایک انتہائی اہم جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور ہتھیار کوئی بھی ہو اس کا درست اور بروقت استعمال ہی اسے مؤثر بناتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایک ہی ہتھیار سے خودکشی بھی ہو سکتی ہے اور دشمن کو بھی ختم کیا جا سکتا ہے۔

قلم کو ہمیشہ تلوار سے بھی زیادہ طاقتور سمجھا جاتا رہا ہے۔ اور یہ بات ایسی ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جو ہر دور میں سچ ثابت ہوئی ہے۔ اس لیے معاملہ قومی مفاد اور مادر وطن کے دفاع کا ہو یا ملکی و قومی سلامتی کا، ہر صورت میں قلم اور تلوار ہر دو ہتھیاروں کے وار کا نشانہ دشمن ہی ہونا چاہئے۔ ذرائع ابلاغ کی اصلاح کی جائے اسلامی تناظر میں نئی ثقافتی پالیسی وضع کی جائے جس میں فحاشی و عریانی کو فروغ دینے والے مغربی و بھارتی ملحدانہ فکر و تہذیب کے اثرات و رجحانات کو رد کر دیا جائے۔ صحافیوں کے لیے ضابطۂ اخلاق تیار کیا جائے اور ان کی نظریاتی تربیت کی جائے۔ پرائیویٹ چینلز اور کیبل آپریٹرز کی مؤثر نگرانی کی جائے۔ اسلامی اور پاکستان کے نظریاتی تشخص کے خلاف پروگراموں پر پابندی ہونی چاہیے بلکہ تعمیری انداز میں عوام کے اخلاق سدھارنے اور انہیں اسلامی تعلیمات پر عمل کی ترغیب دینے والے پروگرام پیش کیے جائیں اور صاف ستھری تفریح مہیا کی جائے۔

فصل سوم: ریاست وحکام کی تکفیر کے نتائج اور پاکستان کے حوالے سے تکفیری اعتراضات کا جائزہ

مبحث اول: مسلم ریاستوں کی تکفیر کے نتائج ونقصانات
مبحث دوم: مسلم حکام کی تکفیر کے نتائج ونقصانات
مبحث سوم: پاکستان کے حوالے سے تکفیری وخارجی اعتراضات کا شرعی جائزہ

فصل سوم: ریاست وحکام کی تکفیر کے نتائج ونقصانات

مسلم ریاستوں اور حکام کی تکفیر ایک انتہائی خطرناک اور خوفناک اقدام ہے جس کا ارتکاب دانستہ یا غیر دانستہ طور پر مسلم معاشرے کی تباہی و بربادی، عدم استحکام اور کفار کے غلبہ کی راہیں ہموار کرتا ہے۔اس فصل میں اسی دعوی کو نسبتا تفصیل کے ساتھ پیش کیا جائے گا۔

مبحث اول: مسلم ریاستوں کی تکفیر کے نتائج ونقصانات

کسی بھی مسلم ریاست کو کافر قرار دے دینا اس قدر معمولی نہیں ہے جس قدر اس کے مرتکبین سمجھتے ہیں بلکہ اس پر بہت سے فقہی احکامات مرتب ہوتے ہیں یقینا دارالاسلام کا حکم دارالکفر سے شرعی طور پر قطعا مختلف ہے اور پھر اس پر مستزاد کہ دارالاسلام کو دارالکفر قرار دے دیا جائے تو معاملہ مزید سنگین ہو جاتا ہے کہ دارالکفر جو شروع سے ہی دارالکفر ہو اور مسلمان کبھی بھی اس پر قابض وغالب نہ ہوئے ہوں اور دارالکفر کہ جو دارالاسلام پر کفار کے غلبہ وقبضہ اور وہاں کے مسلمانوں کی بے دخلی ومغلوبیت کے نتیجہ میں دارالکفر قرار پایا ہو، دونوں کے احکامات میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

- کسی بھی مسلم ریاست کو کافر قرار دینے کا سب سے پہلا نقصان تو یہ ہو گا کہ وہاں کے مسلم شہریوں کیلیے وہاں رہنا شرعی طور پر مستحسن قرار نہیں پائے گا بلکہ انہیں دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنا ہو گی کیونکہ دارالکفر میں رہنے والا ہر وہ مسلمان شخص جو دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنے کی طاقت رکھتا ہو، اس پر فرض ہے کہ وہ دارالکفر میں رہ کر کفار کی تعداد وجماعت میں اضافہ کی بجائے دارالاسلام کی طرف ہجرت کر کے دارالاسلام اور مسلمانوں کی شان وشوکت میں اضافہ کا باعث بنے[1]۔ اگر کوئی شخص ہجرت کی استطاعت کے باوجود ہجرت نہیں کرتا اور وہیں کفار کے ساتھ رہنے کو ترجیح دیتے ہوئے دین پر عمل اور

---

[1]- یہاں اس چیز کی وضاحت ضروری ہے کہ اگر کسی شخص کو اس کے علاقہ میں، بھلے وہ دارالکفر ہی کیوں نہ ہو، اسلام کے بنیادی احکامات پر عمل کرنے اور اپنے دین کے اظہار سے کوئی رکاوٹ نہ ہو تو اس کے حق میں ہجرت کرنا واجب کی بجائے مستحب ہو جاتا ہے جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَأَقَامَ الصَّلاَةَ، وَصَامَ رَمَضَانَ، كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يُدْخِلَهُ الجَنَّةَ، هَاجَرَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، أَوْ جَلَسَ فِي أَرْضِهِ الَّتِي وُلِدَ فِيهَا» {صحيح البخارى، كِتَابُ التَّوْحِيدِ، بَابُ "وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى المَاءِ"---، 125/9، حديث:7423} جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا، نماز قائم کرتا رہا اور رمضان کے روزے رکھتا رہا، تو اللہ پر حق ہے کہ اسے جنت میں داخل فرمائے، خواہ اس نے اللہ تعالی کی خاطر ہجرت کی یا اپنے اس علاقے میں ہی ٹھہرا رہا جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔

دعوت وجہاد کے معاملے میں سمجھوتہ سے کام لیتا ہے تو ایسے شخص کے لیے قرآن مجید میں جہنم کی شدید وعید ہے۔اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (97) إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا (98) فَأُولَئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا﴾[1]

بیشک وہ لوگ جنھیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں، کہتے ہیں تم کس کام میں تھے ؟ وہ کہتے ہیں ہم اس سر زمین میں نہایت کمزور تھے۔ وہ کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے ؟ تو یہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے۔ مگر وہ نہایت کمزور مرد اور عورتیں اور بچے جو نہ کسی تدبیر کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ کوئی راستہ پاتے ہیں۔ تو یہ لوگ، اللہ قریب ہے کہ انھیں معاف کر دے اور اللہ ہمیشہ سے بے حد معاف کرنے والا، نہایت بخشنے والا ہے۔

ان آیات میں ایسے لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے دار الکفر یعنی مکہ اور اس کے گرد و نواح سے، جہاں کافروں کا زور تھا اور مسلمانوں کو اسلام پر آزادانہ عمل کرنے کی اجازت نہ تھی، دار السلام (مدینہ) کی طرف ہجرت نہیں کی، اگرچہ انہوں نے دشمن کی طرف سے کیے جانے والے ہر ظلم و ستم کو برداشت کیا، لیکن وہ اپنی مقہوریت کی وجہ سے اللہ تعالی کی اس طرح عبادت نہ کر سکے جس طرح انہیں کرنا چاہیے تھی، مذکورہ بالا آیات میں ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ پر ظلم کرنے والا قرار دیا ہے۔ اللہ تعالی کے فرشتے ایسے لوگوں سے ان کی روح قبض کرتے وقت پوچھیں گے کہ تم لوگوں نے یہاں سے ہجرت کیوں نہیں کی ؟ تو وہ لوگ یہ عذر پیش کریں گے کہ ہم کمزور تھے، جس پر فرشتے کہیں گے کہ کیا اللہ کی زمین میں تم لوگوں کے لیے کوئی وسعت و کشادگی نہ تھی، کہ تم ہجرت کر کے کہیں اور چلے جاتے، اور اللہ کی عبادت آزادی کے ساتھ کرتے ؟ ان آیات میں اللہ تعالی نے ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم بتایا ہے لیکن اس زمرہ سے ان لوگوں کو مستثنی قرار دیا ہے جو واقعی معذور تھے۔ ان آیات کی تفسیر میں ڈاکٹر محمد لقمان سلفی فرماتے ہیں:

''حافظ سیوطی نے الاکلیل میں لکھا ہے کہ یہ آیت دار الکفر سے ہجرت کے وجوب کی دلیل ہے، اس سے صرف وہ شخص مستثنی ہو گا جو معذور ہو گا۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ اسلام میں

---

[1] – النساء 4: 97-99

دو قسم کی ہجرت واقع ہوئی ہے، ایک تو دار الکفر سے دار الامن کی طرف، جیسا کہ مصیبت زدگان مکہ کی حبشہ کی طرف دو بار ہجرت، اور مکہ سے مدینہ کی طرف مسلمانوں کی ابتدائے اسلام میں ہجرت، دوسری دار الکفر سے دار الایمان کی طرف ہجرت، یعنی جب نبی کریم ﷺ اور بہت سے مہاجرین مکہ مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہو گئے، اس کے بعد مزید مسلمانوں کی مدینہ کی طرف ہجرت ہوئی۔ اس وقت ہجرت صرف مدینہ کے ساتھ خاص تھی۔ جب مکہ فتح ہو گیا، تو یہ خصوصیت ختم ہو گئی، اور کسی دار الکفر سے کسی دار الاسلام کی طرف ہجرت کا حکم قیامت تک کے لیے باقی رہ گیا۔"[1]

ان آیات کی تفسیر میں مفسرین کرام نے ہجرت کے وجوب اور اس کی استطاعت کے باوجود دار الکفر میں رہنے کی ممانعت سے متعلق بہت سی احادیث اور آثار کو جمع کیا ہے، تفصیل کے لیے انہیں ملاحظہ کیا جائے۔

- اس ریاست کے تمام مسلمانوں پر اپنی ریاست کو دار الکفر سے دار الاسلام میں بدلنے کے لیے جہاد و قتال فرض ہو جائے گا کیونکہ اگر دار الاسلام پر کافر غلبہ پا لیں اور اسے دار الکفر قرار دے دیا جائے تو اس کا معاملہ اصلی دار الکفر سے، کہ جہاں مسلمان کبھی بھی حاکم نہ ہوئے ہوں، یکسر مختلف ہوتا ہے۔ جیسا کہ "الموسوعة الفقهية الكويتية "میں ہے:

" إذا استولى الكفار على بقعة من دار الإسلام صار الجهاد فرض عين على جميع أفراد الناحية التي استولى عليها الكفار، رجالا ونساء، صغارا وكبارا، أصحاء ومرضى، فإذا لم يستطع أهل الناحية دفع العدو عن دار الإسلام، صار الجهاد فرض عين على من يليهم من أهل النواحي الأخرى من دار الإسلام، وهكذا حتى يكون الجهاد فرض عين على جميع المسلمين، ولا يجوز تمكين غير المسلمين من دار الإسلام- ويأثم جميع المسلمين إذا تركوا غيرهم يستولي على شيء من دار الإسلام"[2] جب کفار دار الاسلام کے کسی علاقہ پر غلبہ حاصل کر لیں تو اس علاقہ کے تمام افراد پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے چاہے وہ مرد ہوں یا عورتیں، چھوٹے ہوں یا بڑے، صحت مند ہو یا بیمار۔ اگر اس علاقہ کے رہنے والے دار الاسلام سے دشمن کو نکالنے میں کامیاب نہ ہوں تو ان کے پڑوس میں دار الاسلام کے دوسرے علاقوں کے تمام مسلمانوں پر جہاد فرض

---

[1] ۔ السلفی، تیسیر الرحمن لبیان القرآن، ڈاکٹر محمد لقمان السلفی، جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کویت وعلامہ ابن باز اسلامک سٹڈیز سنٹر ہند، اشاعت اول، 2001، صفحہ: 289

[2] – الموسوعة الفقهية الكويتية ، جماعة من العلماء، صادر عن: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية – الكويت ، الطبعة: (من 1404 - 1427 هـ) ، الطبعة الثانية، دارالسلاسل – الكويت ، 20/201-202

عین ہو جاتا ہے اور اسی طرح معاملہ چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس علاقے کو وا گزار کروانے کے لیے تمام مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ غیر مسلموں کو دارالاسلام پر قابض رہنے دینا کسی صورت بھی جائز نہیں ہے اور اگر مسلمان دارالاسلام کے کسی علاقہ پر بھی کفار کا غلبہ تسلیم کر لیں گے تو ایسی صورت میں تمام مسلمان گنہگار ہوں گے۔

- اس مسلم ریاست، کہ جسے بد قسمتی سے دارالکفر قرار دیا جا چکا ہے، کے اوپر اگر کفار حملہ آور ہو جائیں تو وہاں کے مسلمانوں پر اس کی حفاظت و دفاع کے لیے لڑنا فرض نہیں ہو گا کیونکہ دارالاسلام یا مسلم ریاست کی حفاظت و دفاع کے لیے لڑنا ہی جہاد فی سبیل اللہ اور رباط کہلاتا ہے جو تمام مسلم ائمہ و فقہاء کے نزدیک بلا اختلاف متفقہ طور پر یہ ہر مسلم شہری کا شرعی فریضہ ہے جبکہ دارالکفر کی حفاظت و دفاع کسی کے نزدیک بھی ایک مسلم پر شرعاً فرض نہیں ہے۔ کفار اور اعدائے اسلام اسی وجہ سے مسلم ریاستوں کی تکفیر کرنے والے عناصر کو قوت و مدد فراہم کرتے ہیں کہ کسی مسلم ریاست کے کافر قرار پانے کی صورت میں اس کے مسلم باشندوں پر اس کی حفاظت و دفاع کے لیے لڑنا شرعی طور پر فرض نہیں رہے گا اور اس کا لازمی و بدیہی نتیجہ ان کے حق میں یوں برآمد ہو گا کہ وہ بغیر کسی مزاحمت کا سامنا کیے ایک ایک کر کے مسلم ممالک اور ریاستوں کو ہڑپ کرتے چلے جائیں گے۔
- مسلم ریاستوں کی تکفیر کرنے والے عناصر کے نزدیک اس وقت نہ تو کوئی ریاست مسلم ہے اور نہ ہی کسی مسلم کہلائے جانے والے معاشرہ کے لوگ، اگر ان عناصر کا یہ دعوی درست تسلیم کر لیا جائے تو اسلام دشمنوں کے اس موقف کی تائید ہو گی کہ اسلام صرف کچھ وقت کے لیے تھا، پھر مٹ گیا۔

مبحث دوم: مسلم حکام کی تکفیر کے نتائج ونقصانات

کسی مسلم حکمران کو کافر قرار دینے کے نتیجے میں کچھ نتائج ونقصانات وہ ہیں جو بحیثیت فرد اس کی ذات پر مرتب ہوتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو اس کے حاکم ہونے کی حیثیت سے مسلم ریاست اور مسلم معاشرہ کو براہ راست متاثر کرتے ہیں۔ ذیل میں ان دونوں قسم کے نتائج ونقصانات کا اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔[1]

بحیثیت فرد مسلم حاکم کی تکفیر کے نتائج ونقصانات:

- کوئی بھی معاشرہ مختلف خاندانوں کے اشتراک سے وجود پاتا ہے اور کوئی بھی خاندان افراد سے تشکیل دیا جاتا ہے۔ حاکم بھی انہی خاندانوں کے افراد میں سے ایک فرد ہوتا ہے۔ اسے ناحق کافر قرار دینے کا لازمی نتیجہ اس کے خاندان اور معاشرہ میں اس کے متعلق بغض وعداوت ابھارنے اور اس کے خاندانی شیرازہ کو بکھیرنے کی صورت میں درآمد ہوتا ہے۔
- کوئی بھی شخص اگر مسلم سے کافر یعنی مرتد ہو جائے تو شریعت اسلامی کی روشنی میں اس کی سزا قتل ہے یعنی اس کے خون کی حرمت ختم ہو جاتی ہے اور وہ حلال قرار پاتا ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ»[2] کہ "جو شخص اپنا دین تبدیل کرلے یعنی مسلم سے کافر ہو جائے تو اسے قتل کردو"
- مرتد کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا کسی بھی مسلم پر حرام ہے۔
- مرتد کا کسی بھی مسلمان عورت سے نکاح حرام ہے اور اگر وہ پہلے سے شادی شدہ ہے تو اس کا نکاح فسخ ہو جائے گا۔
- مرتد کی گواہی کسی صورت قبول نہیں کی جائے گی۔
- مرتد اپنے ورثاء کی وراثت سے محروم قرار پاتا ہے جبکہ اس کے مسلم وارث اس کی وراثت سے

---

[1]۔ تکفیر کے نتائج ونقصانات بالتفصیل ملاحظہ کرنے کے لیے دیکھیں:

السويلم ، د۔اسماء بنت سليمان ، مقالة "آثار ظاهرة التكفير" ، السجل العلمى لموتمر ظاهرة التكفير ،جامعة الامام محمد بن سعودالاسلامية ، المجلد السابع ، ص : 3825-3889

زروم ، د۔ عبدالحميد محمد على ، مقالة " التكفير وآثاره فى امن الفرد والمجتمع" ، السجل العلمى لموتمر ظاهرة التكفير ،جامعة الامام محمد بن سعودالاسلامية ، المجلد السابع ، ص: 4034 - 4045

[2] -صحيح البخارى ، كِتَابُ الدِّيَاتِ ، بَابُ حُكْمِ المُرْتَدِّ وَالمُرْتَدَّةِ وَاسْتِتَابَتِهِمْ ،15/9 ، حديث نمبر :6922

محروم ٹھہریں گے۔

- وہ مسلمانوں کے درمیان کسی بھی منصب پر فائز ہونے کا حق نہیں رکھتا، حتی کہ اس کی بیٹیوں کے معاملہ میں اس کی ولائت نکاح بھی نامقبول قرار پاتی ہے۔
- اس کے مرنے کے بعد نہ اسے غسل دیا جائے گا اور نہ کفن، نہ ہی اس کا جنازہ ادا کیا جائے گا اور نہ ہی اس کے لیے دعاء مغفرت کی جائے گی۔اسی طرح مسلمانوں کے قبرستان میں اسے دفن بھی نہیں کیا جائے گا۔

مسلم حاکم کی تکفیر سے معاشرہ پر مرتب ہونے والے نتائج ونقصانات

کسی بھی مسلم حاکم کو کافر قرار دینے سے اس کی ریاست اور اس کے زیر تولیت معاشرہ پر لا متناہی نقصانات مرتب ہوتے ہیں کہ جنہیں احاطہ تحریر میں لانا یقینا ایک مشکل امر ہے۔ان نقصانات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

معاشرے کی بربادی:

حکمران چونکہ اپنے معاشرہ وریاست کا نگران ہوتا ہے اور اس کے ساتھ معاشرہ جڑا ہوتا ہے اس لیے اسے ناحق کافر قرار دینے کے نتیجہ میں معاشرہ فرقہ واریت اور گروہی انتشار کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کے افراد کی باہمی محبت ومودت اور تعلق دشمنی، بغض اور کینہ کی صورت میں بدل جاتا ہے۔یوں ایک پر امن معاشرہ میں بدامنی اور قتل وغارت کا ایک لا متناہی طویل سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

معاشرتی اور اقتصادی کمزوری

مذکورہ بالا افتراق وانتشار اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مسلح خروج وبغاوت،افراتفری، بے چینی وبے کلی، عصمتوں کی پامالی، ذاتی اور ملی املاک کا ضیاع، ٹرانسپورٹ اور تعمیرات کا جلاؤ گھیراؤ، کارخانوں فیکٹریوں اور صنعتی اداروں کی تباہ کاری، مالی لوٹ کھسوٹ، ملک وقوم کی چولیس ہلا دینے والے ناگفتہ بہ حالات، بدامنی، قتل وغارت اور افراتفری کی خوفناک فضاء کی وجہ سے اس ریاست کی معیشت دن بدن گرتی چلی جاتی ہے ، ملکی اور بین الاقوامی تجارت متاثر ہونے کی وجہ سے درآمدات وبرآمدات ختم ہو جاتی ہیں اور بالآخر لوگ بھوکے مرنے لگتے ہیں۔

اسلام پر طعن وتشنیع اور دنیا میں اسلامی دعوت کا رک جانا

مسلم حکمران کو کافر قرار دینے سے معاملہ یہیں پر ہی نہیں رکتا بلکہ پوری قوم اور معاشرہ میں ایک دوسرے کو کافر قرار دینے کا معاملہ زور پکڑ جاتا ہے۔اسلام کی دعوت رک جاتی ہے۔ غیر مسلموں کو اگر اسلام کی دعوت دی جائے تو ان کی طرف سے بجا طور پر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ ہم کون سا اسلام قبول کریں؟ جب مسلمان ہی اپنے مسلم حاکم کو کافر قرار دے کر اس کی گردن کاٹنے کے درپے ہو جاتے ہیں تو غیر مسلموں کو خوب موقع ملتا ہے کہ وہ اسلام کی بارے میں جو

طعن و تشنیع کر سکتے ہیں وہ کریں، کیونکہ مسلمان حاکم اور عوام تو ایک دوسرے کے خلاف کافر کافر کے فتوے لگانے اور ایک دوسرے کو پچھاڑنے اور لڑنے مرنے میں مصروف ہوتے ہیں اور ان کے پاس اتنا وقت ہی نہیں ہوتا کہ وہ اپنے دشمنوں سے شعائرِ اسلام کی توہین کا بدلہ لے سکیں۔

مسلمانوں کی مغلوبیت اور کفار کا بحالی امن کے نام پر مسلمانوں کا حاکم بن بیٹھنا

تاریخ کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلم حکام کے خلاف فتویٰ ہائے تکفیر اور پھر خروج و بغاوت کے سبب بہت سی مسلم ریاستیں کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی گئیں اور آخرکار دشمن کا تر نوالہ بن گئیں۔ غیر مسلموں نے پہلے سازشوں کے جال بنے اور پھر موقع غنیمت جانتے ہوئے بحالی امن کے نام پر مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور خود وہاں کے ٹھیکیدار بن بیٹھے۔ اسی طرح اسلام کے فروغ کے لیے دعوت و تبلیغ اور غلبہ کے لیے جہاد فی سبیل اللہ دونوں ہی اس باہمی انتشار و افتراق کی وجہ سے شدید متاثر ہوئے۔

خروج اور بغاوت کا راستہ ہموار ہونا

مسلم حاکم یا مسلم ریاست کو کافر قرار دینے سے شدت پسند اور جذباتی لوگوں کو اس حاکم اور ریاست کے خلاف خروج و بغاوت برپا کرنے اور اسے معزول کر کے ان کے زعم میں مسلم حاکم کو کرسی اقتدار پر بٹھانے کے جذبہ کو انگیخت ملتی ہے اور یوں مسلم ممالک میں ایک نہ ختم ہونے والی منحوس جنگ چھڑ جاتی ہے۔ اسی لیے اہل سنت والجماعت مسلم حکمرانوں کے خلاف مسلح بغاوت کو کسی صورت بھی جائز قرار نہیں دیتے، چاہے وہ کتنے ہی ظالم کیوں نہ ہوں، کیونکہ ان کے خلاف خروج لڑائی اور بغاوت میں ان کی طرف سے ڈھائے جانے والے مظالم سے زیادہ فتنہ اور فساد کا اندیشہ ہے اور شاید کہ تاریخ اس کے برعکس مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

خروج اور بغاوت کے لامتناہی نقصانات کا شکار ہونا

خروج اور بغاوت پر مشتمل ماضی میں کیے گئے تجربات کو سامنے رکھیں تو یہ بات واضح ہوتے ہیں کہ کسی بھی ریاست کے حکام کی اصلاح کبھی بھی اس کے حکام کے خلاف فتویٰ بازی اور بغاوت کے بھڑکانے سے ممکن نہیں ہوتی بلکہ اس سے دن بدن فساد کی نمو ہوتی ہے اور کسی بھی مسلم ریاست کے امن و امان کا خاتمہ ہوتا ہے۔

مسلم ریاست کی ہیبت کا خاتمہ

حکمران کسی بھی ریاست کا چہرہ اور اس کی پہچان ہوتا ہے۔ اس کی اصلاح کے لیے بغاوت اور خروج کے غیر اسلامی طریقے اختیار کرنے سے ریاست و مملکت کی ہیبت و رعب ختم ہو جاتا ہے، قانون کے نفاذ اور مجرموں کی گرفت کا معاملہ ڈھیلا پڑ جاتا ہے، کاروبارِ زندگی تعطل کا شکار ہو جاتا ہے، لوگوں کے مال اور ان کی جانیں و عصمتیں خطرے کا شکار ہو جاتی ہیں اور اسلام دشمنوں و مجرم پیشہ لوگوں کو اپنی کھل کھیلنے کا کھلا موقع مل جاتا ہے۔

مبحث سوم: ریاست پاکستان کے حوالے سے تکفیری وخارجی اعتراضات کا شرعی جائزہ

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ دوسروں کو کافر قرار دینے کی تحریک کی بنیاد عموماً دین داری میں تشدد اور انتہا پسندی پر استوار ہوتی ہے، بے دینی یا بے راہروی پر نہیں۔ پاکستان میں پائے جانے والے فتنہ تکفیر کی بنیاد بھی یہی ہے اور اس کا شکار لوگ بلاشبہ ظاہری طور پر پہلے خوارج کی طرح انتہائی خوبصورت، مدلل اور قرآن وسنت کی نصوص سے مزین گفتگو کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی ظاہری شکل وصورت اور وضع قطع میں بھی انتہا درجے کے دین دار نظر آتے ہیں۔ پاکستان کو دار الکفر قرار دینا ہو یا یہاں کے حکام کو مرتد، وہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دینے والے خوارج کی طرح قرآن وحدیث سے دلائل پیش کرتے ہوئے اپنے موقف کو ثابت کرتے ہیں۔ ان کے جملہ اعتراضات کا اگر جائزہ لیا جائے تو وہ پاکستان کے آئین وپارلیمنٹ، پاکستان کی خارجہ پالیسی اور حکمران طبقہ یا اشرافیہ کی لادینیت وبدعملی کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں۔ اس مبحث میں ان اعتراضات کا یکے بعد دیگرے شرعی دلائل اور زمینی حقائق کی روشنی میں جائزہ پیش کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

پاکستان کا آئین اسلامی یا غیر اسلامی؟

اس سے قبل کہ ہم پاکستان کے آئین کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے پر بحث کریں، ضروری ہے کہ یہ بات واضح کر دی جائے کہ پاکستان دار الاسلام ہے، دار الکفر نہیں۔ قرآن وسنت کے دلائل اور فقہائے اسلام کی تصریحات کی روشنی میں یہ بحث تفصیلی طور پر اس مقالہ کے پہلے باب میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ پاکستان اور اس میں شامل علاقے بلاشبہ دار الاسلام کی تعریف پر پورا اترتے ہیں۔ کہ یہاں کی آبادی کی غالب اکثریت اسلام کو بطور دین تسلیم کیے ہوئے توحید ورسالت کے عقیدہ پر کاربند ہے، وہ نماز اور دیگر شعائر اسلام کے ساتھ وابستہ ہیں، گلی گلی مساجد قائم ہیں اور سب لوگ قبلہ یعنی بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور انہوں نے ایک متفقہ معاہدہ کے تحت یہ امر بھی طے کر رکھا ہے کہ ان کا حاکم اور ریاست کا سربراہ لازمی طور پر مسلمان ہوگا۔ اور یہ کیسے نہ ہو کہ پاکستان کا یہ خطہ بڑی جدوجہد اور قربانیوں کے بعد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی حاکمیت قائم کرنے کے لیے "لا الہ الا اللہ" کی بنیاد پر حاصل کیا گیا تھا اور جب یہاں کی عوام نے اس کے قیام کے لیے جدوجہد شروع کی تھی تو ان کے پیش نظر اعلانیہ طور پر یہی مقصد تھا کہ اس جدوجہد کے نتیجے میں حاصل ہونے والی مملکت میں اللہ کا نظام قائم کیا جائے گا۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ کے ۱۹۳۰ء میں دیے گئے خطبہ الہ آباد سے لے کر "پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الہ الا اللہ" کے نعروں تک اسلام اور بس اسلام کی ہی گونج سنائی دیتی ہے۔ اسی ہدف اور منزل کو واضح کرتے ہوئے 1942ء میں کراچی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح نے ارشاد فرمایا:

"یہ تجویز ہر مسلمان کے دل کی پکار ہے اور پاکستان کا مقصد اس کے سوا اور ہو بھی کیا سکتا ہے کہ

پاکستان میں اللہ کے دین کا نظام قائم ہو جائے "۔[1]

اسی طرح آپ نے ۱۸ جون ۱۹۴۵ء کو فرنٹیئر مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے نام اپنے پیغام میں فرمایا تھا:

" Pakistan not only means freedom and indipendence but the Muslim ideology,which has to be preserved, which has come to us as a precious gift and treasure"[2]

پاکستان کی بنیاد اسلام پر رکھے جانے میں بانی پاکستان کی سنجیدگی کا اس امر سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے پاکستان کی پہلی پرچم کشائی کا اعزاز بھی علمائے دین کو بخشا، چنانچہ 27 رمضان المبارک 1367ھ بمطابق 14 اگست 1947ء بروز جمعۃ المبارک قائد اعظم کی ہدایت پر مغربی پاکستان کراچی میں مولانا شبیر احمد عثمانی جبکہ مشرقی پاکستان ڈھاکہ میں مولانا ظفر احمد عثمانی نے پرچم کشائی کی رسم نبھائی اور اس سے قبل باقاعدہ تلاوت قرآن مجید کی گئی۔[3]

رہی آئین پاکستان کی بات تو 1949ء میں جب پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے دستور سازی کے لیے باقاعدہ کام شروع کیا تو اس وقت کچھ ایسے سیاست دان بھی تھے جو پاکستان کے لیے سیکولر آئین کا مطالبہ کر رہے تھے جبکہ دستور ساز اسمبلی میں موجود علمائے کرام اور دیگر سیاست دانوں کا ایک گروہ اس بات پر زور دے رہا تھا کہ چونکہ پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا لہٰذا پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہونا چاہیے۔ آئین پاکستان کے بنیادی مقاصد اور خاکہ پیش کرنے کے لیے نواب زادہ لیاقت علی خان نے علمائے کرام اور دیگر ماہرین کے ساتھ مل کر ایک قرارداد تیار کی جسے "قرارداد مقاصد" کا نام دیا گیا۔ یہ قرارداد 7 مارچ 1949ء کو وزیر اعظم پاکستان لیاقت علی خان نے اسمبلی میں پیش کی، جسے پاکستان کی پہلی آئین ساز اسمبلی نے 12 مارچ 1949ء کو چھ دن بحث و تمحیص کے بعد منظور کر لیا۔

قراردادِ مقاصد دراصل ان رہنما اصولوں پر مشتمل تھی جن پر اس نوزائیدہ اسلامی مملکت کے آئین کی بنیاد رکھی جانی تھی۔ اس قرارداد میں یہ طے کیا گیا کہ تمام کائنات کا اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور جو اقتدار و اختیار عوام کے توسط سے اللہ تعالیٰ نے مملکت پاکستان کو عطا کئے ہیں، وہ اختیارات ایک مقدس امانت کے طور پر اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے استعمال کئے جائیں گے۔ ریاست اپنے اختیار و اقتدار کو منتخب نمائندوں کے توسط سے بروئے کار لائے گی۔ اسلام کی تشریح و تعبیر کے مطابق جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور معاشرتی انصاف کے اصولوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے مملکت کے لئے ایک ایسا دستور مرتب کیا جائے گا جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل

---

[1] - https://dailypakistan.com.pk/16-Mar-2017/543401

[2] Quaid e Azam Jinnah's Correspondence, Ed. Syed Sharifuddin Pirzada, pp.210-211

[3] ۔شیر کوٹی، خطبات عثمانی، پروفیسر محمد انوار الحسن، پبلشرز: نذر سنز، ۲۲۱ سرکلر روڈ لاہور، اپریل 1972ء، ص: 401

بنایا جائے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق، جو قرآن مجید اور سنت رسولؐ میں متعین ہیں، ترتیب دے سکیں۔ اسی طرح مسلمانوں کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اسلام کی تعلیمات اور تقاضوں کے مطابق تعمیر و ترتیب دینے کے قابل بنایا جائے گا۔

1956ء سے 1973ء تک پاکستان کے تمام دساتیر میں یہ قرارداد بطور دیباچہ شامل رہی، تاہم صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے 2 مارچ 1985ء کو 1973ء کے آئین میں ایک ترمیم کے ذریعہ قراردادِ مقاصد کو پاکستان کے آئین کا مستقل حصہ بنادیا۔ یہ بات ناقابل تردید ہے کہ اس قرارداد کی منظوری اور پھر اس کی دستور پاکستان میں شمولیت آج تک پاکستان کے اسلامی نظریاتی تشخص کے مخالفین اور سیکولرازم کے علمبرداروں کے لئے سوہانِ روح بنی ہوئی ہے۔

اسی طرح 1952ء میں پاکستان کے تمام مکاتب فکر کے 31 چیدہ، جید اور معتمد علیہ علمائے کرام نے آئین کو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کرنے کے لیے بائیس نکات دیے۔ اس ضمن میں علمائے کرام کا اجلاس جنوری 1951ء کے اواخر میں مولانا سید سلیمان ندوی کی زیر صدارت کراچی میں منعقد ہوا۔ جس میں اسلامی دستور کی تشکیل کے حوالے سے مندرجہ ذیل بنیادی اصول بالاتفاق طے کیے گئے۔[1]

1. اصل حاکم تشریعی و تکوینی حیثیت سے اللہ رب العالمین ہے۔
2. ملک کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہوگا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جاسکے گا نہ کوئی ایسا انتظامی حکم دیا جاسکے گا جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔

(تشریحی نوٹ: اگر ملک میں پہلے سے کچھ ایسے قوانین جاری ہوں جو کتاب و سنت کے خلاف ہوں تو اس کی تصریح بھی ضروری ہے کہ وہ بتدریج ایک معینہ مدت کے اندر منسوخ یا شریعت کے مطابق تبدیل کردیئے جائیں گے۔)

3. مملکت کسی جغرافیائی، نسلی، لسانی یا کسی اور تصور پر نہیں بلکہ ان اصول و مقاصد پر مبنی ہوگی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطۂ حیات ہے۔
4. اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ قرآن و سنت کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرے، منکرات کو مٹائے اور شعائر اسلامی کے احیاء و اعلاء اور مسلمہ اسلامی فرقوں کے لیے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔
5. اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ مسلمانان عالم کے رشتہ اتحاد و اخوت کو قوی سے قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت جاہلیہ کی بنیادوں پر نسلی و لسانی علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے

[1]https://magazine.mohaddis.com/shumara/40-may2010/1714-31-ulama-bais-nukat

ابھرنے کی راہیں مسدود کر کے ملت اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ واستحکام کا انتظام کرے۔

6. مملکت بلاامتیاز مذہب ونسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی لابدی انسانی ضروریات یعنی غذا، لباس، مسکن، معالجہ اور تعلیم کی کفیل ہوگی جو اکتساب رزق کے قابل نہ ہوں، یا نہ رہے ہوں یا عارضی طور پر بے روزگاری، بیماری یا دوسرے وجوہ سے فی الحال سعی اکتساب پر قادر نہ ہوں۔

7. باشندگان ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعت اسلامیہ نے ان کو عطا کیے ہیں یعنی حدودِ قانون کے اندر تحفظ جان ومال وآبرو، آزادی مذہب ومسلک، آزادئ عبادت، آزادئ اکتساب رزق، ترقی کے مواقع میں یکسانی اور رفاہی ادارات سے استفادہ کا حق۔

8. مذکورہ بالا حقوق میں سے کسی شہری کا کوئی حق اسلامی قانون کی سند جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا اور کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمیٔ موقعہٴ صفائی وفیصلہٴ عدالت کوئی سزا نہ دی جائے گی۔

9. مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدود قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ انہیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہوگا کہ انہیں کے قاضی یہ فیصلہ کریں۔

10. غیر مسلم باشندگانِ مملکت کو حدودِ قانون کے اندر مذہب وعبادت، تہذیب وثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی حاصل ہوگی اور انہیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون یا رسم ورواج کے مطابق کروانے کا حق حاصل ہوگا۔

11. غیر مسلم باشندگان مملکت سے حدود شریعہ کے اندر جو معاہدات کیے گئے ہوں ان کی پابندی لازمی ہوگی اور جن حقوق شہری کا ذکر دفعہ نمبر 7 میں کیا گیا ہے ان میں غیر مسلم باشندگان ملک اور مسلم باشندگان ملک سب برابر کے شریک ہوں گے۔

12. رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جس کے تدین، صلاحیت اور اصابت رائے پر جمہوری ان کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔

13. رئیس مملکت ہی نظم مملکت کا اصل ذمہ دار ہوگا البتہ وہ اپنے خیالات کا کوئی جزو کسی فرد یا جماعت کو تفویض کر سکتا ہے۔

14. رئیس مملکت کی حکومت مستبدانہ نہیں بلکہ شورائی ہوگی یعنی وہ ارکان حکومت اور منتخب نمائندگان جمہور سے

مشورہ لے کر اپنے فرائض انجام دے گا۔

15. رئیس مملکت کو یہ حق حاصل نہ ہو گا کہ وہ دستور کلاً یا جزواً معطل کر کے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔

16. جو جماعت رئیس مملکت کے انتخاب کی مجاز ہو گی وہی کثرت آراء سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہو گی۔

17. رئیس مملکت شہری حقوق میں عامۃ المسلمین کے برابر ہو گا اور قانونی مواخذہ سے بالاتر ہو گا۔

18. ارکان و عمال حکومت اور عام شہریوں کے لیے ایک ہی قانون و ضابطہ ہو گا اور دونوں پر عام عدالتیں ہی اس کو نافذ کریں گی۔

19. محکمۂ عدلیہ، محکمۂ انتظامیہ سے علیحدہ اور آزاد ہو گا تاکہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہیئتِ انتظامیہ سے اثر پذیر نہ ہو۔

20. ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت ممنوع ہو گی جو مملکت اسلامیہ کے اساسی اصول و مبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔

21. ملک کے مختلف ولایات و اقطاع مملکت واحدہ کے اجزاء انتظامی متصور ہوں گے۔ ان کی حیثیت نسلی، لسانی یا قبائلی یونٹس کی نہیں محض انتظامی علاقوں کی ہو گی، جنہیں انتظامی سہولتوں کے پیش نظر مرکز کی سیاست کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہو گا مگر انہیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہو گا۔

22. دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہو گی جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔

اس بائیس نکاتی دستاویز کو پاکستان کے تمام مکاتب فکر کے نمائندہ علما کی پاکستان میں نفاذِ شریعت کے حوالہ سے متفقہ سفارشات کی حیثیت حاصل ہونے کی وجہ سے ہمیشہ ایک معتبر اور باوقار حیثیت حاصل رہی ہے۔ ان بائیس نکات میں سے بیشتر نکات پاکستان کے تمام دساتیر میں بالعموم اور 1973ء کے متفقہ آئین میں بالخصوص شامل کیے جا چکے ہیں۔ اس سلسلہ میں مزید تفصیلی معلومات کے لیے ماہنامہ "محدث" لاہور میں شائع شدہ لاہور ہائی کورٹ کے سابق چیف جسٹس جناب خلیل الرحمن خاں کی تحقیقی رپورٹ بعنوان "۲۲ نکات اور دستورِ پاکستان ۱۹۷۳ء؛ ایک تقابل" کا مطالعہ مفید رہے گا۔[1]

اگر دستور پاکستان کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پاکستان کا دستور قرآن و سنت، اسلامی اقدار، روایات اور تعلیمات کا آئینہ دار ہے۔ آئین کی پہلی شِق کے مطابق ملک کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" رکھا گیا ہے، جبکہ آئین کی دوسری شِق اسلام کو مملکت کا ریاستی مذہب قرار دیتی ہے۔ قرارداد مقاصد کی شکل میں موجود آئین

---

[1] - ماہنامہ محدث لاہور، جلد 42، شمارہ 5، مئی 2010ء، ص: 14-40

کی دفعہ 2الف کے مطابق پاکستان میں کوئی بھی قانون قرآن وسُنت کے منافی نہیں بن سکتا۔دستور کی اکتالیسویں شِق کے تحت صرف ایک مسلمان ہی صدر مملکت بننے کا اہل ہے۔آئین کے آرٹیکل نمبر 62 کے مطابق رکن پارلیمنٹ کے لیے لازم ہے کہ وہ احکام اسلامی کا پابند ہو۔اسلامی تعلیمات کا خاطر خواہ علم رکھتا ہو اور کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرتا ہو۔ وہ فاسق نہ ہو بلکہ ایماندار اور امین ہو۔یہ امر بھی دستور میں طے کر دیا گیا ہے کہ پارلیمنٹ کے ارکان اللہ کی مقرر کردہ حدود میں رہ کر ہی قانون سازی کر سکتے ہیں۔

آئین کے آرٹیکل نمبر 227 کے مطابق ملک کے تمام موجود قوانین کو قرآن وسنت کے طے شدہ اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے گا اور ان اصولوں سے متصادم کوئی قانون منظور نہیں کیا جائیگا۔اسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے شق نمبر 228 کے تحت "اسلامی نظریاتی کونسل" کے نام سے ایک ادارے کا قیام عمل میں لایا گیا کہ جس کے تمام ارکان کے لیے ضروری قرار دیا گیا کہ وہ اسلامی فقہ کے ماہر ہوں،اس ادارہ کے فرائض میں شامل تھا کہ وہ پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کو ایسی سفارشات پیش کرے کہ جن پر عمل پیرا ہو کر ایک عام مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی قرآن وسنت کے اصولوں کے مطابق بسر کر سکے۔نیز کونسل ایسی سفارشات پیش کرے گی کہ جن پر عمل کر کے موجودہ قوانین کو بتدریج احکام اسلام کے مطابق ڈھالا جا سکے۔[1]

آئین کی شق نمبر 203 کے مطابق "وفاقی شرعی عدالت" کا قیام عمل میں لایا گیا۔وفاقی شرعی عدالت کے 8 مسلمان ججز میں سے تین جج کم از کم ایسے ہونا ضروری ہے جو علوم شرعیہ واسلامیہ کے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی قانون کو اچھی طرح سمجھنے والے ہوں۔وفاقی شرعی عدالت پاکستان کسی بھی شہری کی درخواست پر یا مرکزی یا صوبائی حکومت کی درخواست پر کسی بھی قانون کو جانچنے کا اختیار رکھتی ہے کہ وہ اسلامی قوانین، قرآن مجید یا سنت کے خلاف تو نہیں۔اگر کوئی بھی لاگو یا زیر غور قانون شریعت اسلامی کے منافی قرار پایا جائے تو عدالت حکومت کو نوٹس دے گی اور ساتھ ہی اس دن کا تعین بھی کر دے گی، جس دن سے عدالت کا فیصلہ لاگو ہو گا۔[2]

دستور کی شِق نمبر 31 کے مطابق حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے اقدامات کرے جن میں پاکستانی مسلمان قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔آئین کی شِق نمبر 40 میں حکومت پر لازم قرار دیا ہے کہ وہ دوسرے اسلامی ممالک سے اچھے تعلقات قائم کرے اور امتِ مسلمہ کو درپیش عالمی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرے۔

---

[1] -آئین پاکستان 1973ء، ڈاکٹر صفدر محمود، جہانگیر بکس لاہور، ص:142-143

[2] -ایضاً، ص:128-132

دستورِ پاکستان کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ پر ہے، اس میں جمہور اور ان کے نمائندوں کو حاکم اعلیٰ تسلیم کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور قرآن وسنت کی بالادستی کا پابند قرار دیا گیا ہے اور ملک میں غیر شرعی قوانین کو ختم کر کے تمام قوانین کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالنے کی نہ صرف ضمانت دی گئی ہے، بلکہ اس کا طریق کار طے کیا گیا ہے۔اس لیے اس دستور کو شریعت سے متصادم قرار دینے کی بات جہاں خلاف حقیقت ہے وہیں پاکستان کے دستور کو اسلامی بنانے کے کے لیے تمام مکاتب فکر کے اکابر علماء کرام کی جدوجہد کی نفی کے بھی مترادف ہے۔ کیونکہ اس دستور کی تدوین و ترتیب اور اسے اسلامی قرار دینے والوں میں مولانا مفتی محمودؒ، مولانا عبد الحقؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا عبدالحکیمؒ، مولانا نعمت اللہؒ، مولانا صدر الشہیدؒ، مولانا شاہ احمد نورانیؒ، مولانا محمد ذاکرؒ، مولانا عبدالمصطفیٰ ازہریؒ، مولانا ظفر احمد انصاریؒ اور پروفیسر غفور احمدؒ جیسے اکابر اہل علم و دانش شامل ہیں جبکہ اس کے تحت حلف اٹھانے اور مختلف دستوری اداروں میں خدمات سر انجام دینے والوں میں مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، علامہ شمس الحق افغانیؒ، مولانا حسن جانؒ، مولانا نور محمدؒ، مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ، مولانا قاضی عبداللطیفؒ، مولانا عبدالستار خان نیازیؒ، مولانا معین الدین لکھویؒ، قاضی حسین احمدؒ، مولانا گوہر رحمانؒ اور مولانا قاری سعید الرحمنؒ، مولانا سمیع الحقؒ، مولانا محمد احمدؒ، پروفیسر ساجد میر، مولانا فضل الرحمن اور مولانا عبدالمالک خان کے نام نمایاں ہیں۔

1956ء کے آئین کی رو سے پاکستان نے آئینی طور پر ایک مسلم ریاست ہونے کا اعلان کرتے ہوئے قرار دیا کہ پاکستان میں تشکیل پانے والے تمام قوانین اسلامی شریعت کے مطابق ہوں گے، 1962ء کے آئین میں اس عزم کا اعادہ کرتے ہوئے موجودہ قوانین کی اسلامائزیشن کے لیے قومی سطح کے دو ادارے "اسلامی مشاورتی کونسل" اور "ادارہ تحقیقات اسلامی" تشکیل دیے گئے، تمام سیاسی و مذہبی جماعتوں کی مشاورت اور اتفاق رائے سے تشکیل پانے والے 1973ء کے آئین میں جہاں مزید اسلامی دفعات کا اضافہ کیا گیا، وہیں ایک آئینی ترمیم کے ذریعے آئین میں مسلمان کی تعریف بھی طے کر دی گئی جس کی رو سے ختم نبوت کے منکرین غیر مسلم قرار پائے۔اسی پر بس نہیں بلکہ 1977ء کے بعد جنرل محمد ضیاء الحق کے عہد صدارت میں بڑے پیمانے پر موجود قوانین میں اسلامائزیشن کرتے ہوئے انہیں تبدیلی کے عمل سے گزارا گیا۔

مذکورہ بالا تمام تفصیلات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس دعوی میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا ہے کہ پاکستان دارالکفر نہیں بلکہ دارالاسلام ہے۔اس کی مزید تائید 2018ء میں "پیغام پاکستان" کے نام سے تمام مسلم مکاتب فکر کے نمائندہ اٹھارہ سو سے زائد علماء ومشائخ کے دستخطوں سے جاری ہونے والے متفقہ فتویٰ سے ہوتی ہے کہ جس کی رو سے پاکستان کو بالاتفاق ایک مسلم ریاست قرار دیتے ہوئے اس کی تکفیر یا اس کے خلاف خروج کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

اہل سنت والجماعت کا اصول ہے کہ جب کوئی شخص کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائے تو جب تک وہ کفر بواح کا

ارتکاب نہ کرے اور تکفیر کے تمام موانع اس سے منتفی نہ ہو جائیں، تو اسے اس کی بے عملی یا بد عملی کی وجہ سے کافر قرار نہیں دیا جائے گا اور وہ فاسق و فاجر قرار پانے کے باوجود مسلمان ہی شمار ہوگا۔ اسی طرح صاحب اقتدار لوگوں کی بے عملی یا دوغلے پن کی وجہ سے اگر کچھ قوانین پر عملدرآمد نہیں ہو رہا تو اس کی وجہ سے دستور کو یا ریاست کو کسی صورت غیر اسلامی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

معترضین کی طرف سے پاکستان کے دستور کے تحریری اور الگ الگ شقوں کی صورت میں مرتب ہونے کے حوالہ سے عام طور پر ایک مغالطہ یہ دیا جاتا ہے کہ اسلام میں الگ سے تحریری دستور یا قوانین کی کوئی روایت موجود نہیں رہی ہے بلکہ براہ راست قرآن و سنت سے ہی دستوری اور قانونی حوالے سے استفادہ کیا جاتا ہے، اس لیے پاکستان میں الگ سے دستور کا الگ سے مرتب کیا جانا اس کے غیر شرعی ہونے کا ثبوت ہے۔ اس بات کی حقیقت کا اگر انصاف پسندی سے جائزہ لیا جائے تو یہ دعوی سرے سے ہی بے بنیاد ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے کئی قوانین اور ہدایات کا اپنی زندگی میں لکھوانا ثابت ہے۔ اور آپ کے اصحاب و تابعین نے آپ کی بتائی تعلیمات کو آپ کے بعد ہی مدون کیا۔ امت کا اس ضمن میں کوئی اختلاف نہیں کہ قرآن مجید اور سنت و حدیث کی تدوین آپ کی زندگی کے بعد ہی ممکن ہو سکی تو کیا یہ مغالطہ دینے والے حضرات اس کو بھی غیر شرعی قرار دینے کی جسارت فرمائیں گے؟

دستور و قانون کے حوالہ سے اسلامی تاریخ میں پہلا باضابطہ مجموعہ امیر المومنین ہارون الرشیدؒ کی فرمائش پر امام ابو یوسفؒ نے ''کتاب الخراج'' کے نام سے ترتیب دیا تھا جس میں بیت المال اور اس سے متعلقہ مسائل کے ساتھ ساتھ دیگر انتظامی و حکومتی امور بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ یہ دستور و قانون نہ صرف امیر المومنین کی فرمائش پر لکھا گیا بلکہ عباسی سلطنت میں باقاعدہ نافذ العمل رہا ہے۔ اسی طرح ''الأحكام السلطانية'' کے نام سے امام ابو الحسن الماوردیؒ اور قاضی ابو یعلیٰؒ کی معرکۃ الآراء تصانیف اسلامی دستور اور انداز حکمرانی و سیاست پر دستاویز کی حیثیت رکھتی ہیں جن میں حکومت کے جملہ شعبوں مثلاً امارت، والیانِ ریاست اور ان کے حقوق و فرائض، پولیس، فوج، قضا، صلوٰۃ، حج، نظام زکوٰۃ، جزیہ و خراج، وقف و جاگیرات، جرائم و سزا اور احتساب کے احکام وغیرہ پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور یہ دورِ جدید کی بات نہیں بلکہ قرون اولیٰ کے دور کے اہل علم و فضل کی علمی خدمات ہیں جن سے اب تک مسلسل استفادہ کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح سلطان اورنگزیب عالم گیر کے دور میں "الفتاویٰ الهندية" کے نام سے جو علمی کام ہوا، وہ صرف مسائل کی حد تک فتاویٰ نہیں تھے بلکہ انہیں ملک کے دستور و قانون کے طور پر مرتب کیا گیا تھا اور وہ پوری اسلامی قلمرو میں ۱۸۵۷ء تک نافذ العمل رہے ہیں۔

پاکستان کی خارجہ پالیسی

پاکستان کو دار الکفر قرار دینے والوں کی اپنے موقف کے حق میں ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ پاکستان کی خارجہ پالیسی میں

اسلام کو بنیادی حیثیت حاصل نہیں ہے اور یہ مسلمانوں کے مفادات کی بجائے کفار کے مفادات کی محافظ ہے۔ اس ضمن میں وہ پاکستان کے اقوام متحدہ، امریکہ، روس، برطانیہ، ہندوستان اور ناٹو وغیرہ کے ساتھ تعلقات کو بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔[1] اس سے قبل کہ ان کے اس اعتراض کا جواب دیا جائے، یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ یہ دنیا کا مسلمہ اصول ہے کہ کسی بھی ریاست کی خارجہ پالیسی میں نہ کوئی مستقل دشمن ہوتا ہے اور نہ مستقل دوست۔ بلکہ یہ سب کچھ ضرورت، وقت اور حالات کے تحت بدلتا رہتا ہے۔

یہ کہنا بھی حقیقت سے دور نہ ہو گا کہ یہ ایسا اصول ہے جو خود نبی ﷺ کی سیرت طیبہ سے بھی ثابت شدہ ہے۔ جیسا کہ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی مشرکین کے ساتھ عداوت جاری تھی لیکن اس کے باوجود طائف سے واپسی پر آپ ﷺ مطعم بن عدی مشرک کی پناہ میں مکہ داخل ہوئے، مدینہ کو ہجرت مشرکین سے نجات پانے کے لیے کی جا رہی تھی لیکن سفر ہجرت میں آپ کا گائیڈ ایک مشرک تھا، مشرکین سے جنگ تھی لیکن مدینہ کے مشرکین کو میثاق مدینہ میں شامل کیا جا رہا تھا، یہود اسلام کے بد ترین دشمن تھے لیکن باہمی معاہدہ کے تحت وہ ایک امت قرار پائے، مکہ والوں نے آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو عمرہ کی ادائیگی سے روک دیا لیکن آپ نے ان سے لڑنے کی بجائے صلح نامہ کر لیا اور وہ بھی ایسی شرائط پر کہ جو برابری کی بنیاد نہ رکھتی تھیں۔۔۔

تو یہ تمام مثالیں اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ بیدار مغز لوگوں اور قوموں کی خارجہ پالیسی کبھی یکساں نہیں رہتی بلکہ ضرورت، وقت اور حالات کے تحت بدلتی رہتی ہے۔ رہ گئی بات پاکستان کی تو یہ جدید دنیا کی پہلی ایسی ریاست ہے جو کسی جغرافیائی، لسانی، نسلی یا ثقافتی بنیاد پر قائم نہیں ہوئی بلکہ خالصتاً ایک دین اور ایک نظریہ پر قائم ہوئی ہے، اسی لیے پاکستان کی خارجہ پالیسی میں اس کی نظریاتی اساس کا ہمیشہ سے بڑا عمل دخل رہا ہے اور عالمی سطح پر پاکستان کی پالیسی نظریاتی پہلو سے ہی ترتیب پاتی رہی ہے۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی کو مزید واضح کرنے کے لیے میں اس کی تقریباً پون صدی پر مشتمل تاریخ میں سے کچھ اہم مثالیں پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

مسلم امت کے معاصر اہم ترین مسائل میں مسئلہ فلسطین سر فہرست ہے کہ جس پر پاکستان کی پالیسی دیگر مسلم ریاستوں بر عکس معاشی، سیاسی، اقتصادی، سفارتی یا تجارتی مفادات کی بجائے سراسر نظریاتی اساس پر مبنی ہے۔ فلسطینی علاقوں پر قابض اسرائیل کے ساتھ پاکستان کی براہ راست نہ کوئی جنگ ہے اور نہ ہی سرحدی قربت، لیکن اس کے باوجود شروع دن سے پاکستان اپنے دین و نظریہ کی بنیاد پر ایک واضح اصول اپنائے کھڑا ہے۔ عرب لیگ کے ارکان

---

[1] ۔خیال رہے کہ تکفیری گروہوں کی اس دلیل کا شرعی اعتبار سے علمی جواب اس مقالہ کے باب سوم کی فصل چہارم میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

کئی عرب ممالک، کہ جو اس تنازعہ کے براہ راست فریق اور متاثرین ہیں، اپنے موقف سے ایک قدم پیچھے ہٹ کر اسرائیل کو تسلیم کرنے کا علان کر چکے ہیں لیکن پاکستان کو دیکھا جائے تو یہاں اس ضمن میں ذرہ بھر جھکاو تو دور کی بات، سپیشل سروسز گروپ کے ٹریننگ سنٹر میں جہاں ریکروٹ اپنی جاگنگ کی ابتداء کرتے ہیں وہاں لگے سنگ میل پر تل ابیب اور دہلی کا لکھا فاصلہ پاکستان کے اسلامی نظریاتی تشخص اور اس کی بنیاد پر دوستی و دشمنی کے تصور کو اجاگر کرنے کے لیے کافی ہے۔ معاشی و اقتصادی اعتبار سے دیکھا جائے تو پاکستان کو اپنے اس اصولی مؤقف کی ہمیشہ بہت بھاری قیمت چکانی پڑی ہے لیکن پاکستان نے اس معاملہ میں ہر قسم کی قربانی دے کر اپنے دین و نظریہ کی بنیاد پر اسرائیل کو تسلیم نہ کرنے کی پالیسی کو نہ صرف برقرار رکھا ہے بلکہ اس کی بنیاد پر عرب ممالک کی ہر موقع پر کھل کی عسکری امداد بھی کی ہے۔ 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل کے خلاف پاکستانی ایئر فورس کا شاندار کردار اور اسرائیل کا ہمیشہ پاکستان اور اس کے ایٹمی اثاثوں کو تباہ کرنے کے لیے انڈیا کے ساتھ مستعد رہنا یقینا پاکستان کے اسلامی نظریاتی تشخص کی واضح اور ناقابل تردید ثبوت ہے پاکستان دنیا کا وہ واحد ملک ہے کہ جس کے پاسپورٹ پر یہ عبارت واضح تحریر ہوتی ہے: "یہ پاسپورٹ سوائے اسرائیل کے دنیا کے تمام ممالک کے لیے کار آمد ہے۔" پاکستان کے اسلامی نظریاتی تشخص کے دعوی کو یہ حقیقت مزید تقویت دیتی ہے کہ پاکستان میں کئی مرتبہ حکومتوں میں مختلف نظریات کی حامل جماعتوں کے آنے، بے شمار تبدیلیوں کے رونما ہونے اور سیاسی اتار چڑھاؤ کے باوجود اسرائیل کے متعلق مؤقف میں کوئی تبدیلی نہیں آسکی ہے۔

1979ء میں سوویت یونین کے افغانستان پر حملہ کے بعد افغان عوام اور مجاہدین کی مدد و نصرت میں پاکستان کا اسلامی اخوت و محبت کا آئینہ دار کردار یقینا ناقابل فراموش ہے جب ایک طرف پاکستان نے اس وقت کی ایک سپر پاور کے خلاف اکیلے بلا خوف و خطر افغان مزاحمت پسند مجاہدین کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا اور دوسری طرف کمیونسٹوں کی مسلط کردہ جنگ سے بے حال افغان مہاجرین کو اسلامی بھائی چارے کے جذبہ کی بنیاد پر پاکستان میں خوش آمدید کہا اور اس ضمن میں اپنی معاشی و اقتصادی حالت یا دشمن کی سازشوں کی ذرہ بھر پرواہ نہ کی۔

روہنگیا کے مسلمانوں پر ظلم و ستم کے مسئلہ پر پاکستان کی پالیسی بھی اسلامی اخوت کے نظریہ پر قائم ہے۔ اسی لئے میانمار سے بہت دور ہونے کے باوجود پاکستان نے روہنگیا مہاجرین کی ایک بڑی تعداد کو پاکستان میں خوش آمدید کہا۔ پاکستان وہ واحد ملک ہے جس نے ان لوگوں کو اسلامی اخوت کی بنیاد پر نہ صرف اپنے یہاں آباد کیا بلکہ انہیں شہریت بھی دی۔ اسی پر بس نہیں بلکہ پاکستانی عوام اور حکومت نے ہمیشہ روہنگیا مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کو روکنے کے لیے میانمار کی حکومت سے احتجاج کے ساتھ ساتھ اقوام متحدہ سمیت ہر فورم پر پر زور آواز اٹھائی ہے—مزید برآں اہل پاکستان کی طرف سے روہنگیا مہاجرین کے لیے بنیادی ضروریاتِ زندگی کا سامان، ادویات اور دیگر مدات میں مسلسل

امداد بھی بھجوائی جاتی رہی ہے۔

یورپ کے قلب میں واقع پہلی مسلم ریاست "بوسنیا ہرزیگووینا" کی جنگ کے دوران پاکستانی خفیہ ایجنسی "آئی ایس آئی" نے مبینہ طور پر وہاں ایک فعال فوجی انٹیلیجنس پروگرام چلایا، جس میں جنگ کے دوران بوسنیا کے مسلم آزادی پسندوں کے مختلف گروہوں کو اسلحہ کی منظم فراہمی اور تقسیم کو مربوط کیا گیا۔ اپنے مسلم بھائیوں کا خیال کرتے ہوئے پاکستان نے بوسنیا میں اقوام متحدہ کی امن فوج کے لیے بھرپور کردار ادا کیا۔ پاکستان نے اقوام متحدہ کی طرف سے پابندی کے باوجود بوسنیائی حریت پسندوں کو اینٹی ٹینک ہتھیار اور میزائل دیے جن کی مدد سے وہ جنگ کا رخ اپنے حق میں کرنے کے مشن میں سرخرو ٹھہرے اور ظالم و غاصب سربوں کو محاصرہ ختم کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔

نائن الیون کے بعد افغانستان پر امریکی اور ناٹو کی افواج کے حملوں کو روکنے کے لیے پاکستان نے کس کس انداز میں کوششیں کیں لیکن افغان قیادت کے پاکستانی حکمت عملی کو قبول کرنے سے انکار کے باعث امریکہ و ناٹو نے افغانستان پر دھاوا بول دیا، اس موقع پر پاکستان کی قیادت نے بیدار مغزی کا ثبوت دیتے ہوئے جہاں حکمت عملی کے ساتھ امریکہ اور اتحادیوں کو پاکستان کے خلاف کسی بھی اقدام سے روکا، وہیں افغان قیادت کے ساتھ بھی مدد اور نصرت کا معاملہ جاری رکھا اور آج پاکستان ہی ہے کہ افغان طالبان اور اتحادی قوتوں کے درمیان ایک پل کا کردار ادا کرتے ہوئے افغانستان کے مستقبل کو روشن اور محفوظ کرنے میں لگا ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں پاکستان نے کیا کچھ قربان کیا یہ ایک الگ سے لمبی داستان ہے۔

حکمران طبقہ کی لادینیت و بدعملی

پاکستان اور حکام پاکستان کو کافر قرار دینے والے عناصر کے مختلف دلائل میں سے ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ حکمران طبقہ کے لوگ بے دین ، بدعمل ہیں اور خوف خدا سے عاری ہیں ۔ زنا، شراب نوشی ،چوری و کرپشن کے عادی ہیں۔ نماز، روزہ، زکوۃ، حج و جہاد فی سبیل اللہ سے کوسوں دور ہیں۔ حدود اللہ کے نفاذ کی بجائے حدود کا باعث بننے والے گناہوں کے مرتکب ہیں تو اس وجہ سے یہ کافر ہیں اور چونکہ ایسے کافر ملک پر حکومت کر رہے ہیں تو اس لیے یہ ملک و ریاست بھی تب تک دار الکفر ہے جب تک نیک لوگ برسر اقتدار نہیں آجاتے۔

اس دلیل کے جواب میں پہلی بات تو یہ ہے کہ پاکستان کے آئین کی دفعہ 62 اور 63 کے مطابق مذکورہ بالا صفات کا حامل شخص صدر یا وزیر اعظم ہونا تو درکنار، کسی اسمبلی کا رکن بننے کا اہل بھی نہیں رہتا۔ اس لیے اگر کوئی ایسا شخص کسی طرح رکن اسمبلی منتخب ہو گیا ہے تو آئینی اختیار کے تحت اس کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کر کے اسے نااہل قرار دلوایا جا سکتا ہے اور یہ امر کسی کو کافر قرار دے کر مسلم معاشرہ کے امن و امان کو تباہ و برباد کرنے سے کہیں آسان ہے۔ اس لیے اگر یہ لوگ اپنے دعوی اور اخلاص میں سچے ہیں تو انہیں عدالت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

دوسری بات کہ ان کبیرہ گناہوں کے مرتکب کو تکفیر کی شرائط پوری کیے بغیر اور موانع دور کرنے سے قبل ہی کافر قرار دینا قرآن وسنت کی رو سے کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔اس دعوی کے قرآن وسنت سے دلائل پوری تفصیل کے ساتھ اس مقالہ کے باب دوم کی فصل اول، سوم اور چہارم میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

تیسری بات یہ کہ حکام کا اگر کافر ہونا ثابت بھی ہو جائے لیکن مسلمانوں پر اور شعائر اسلام پر کسی قسم کی کوئی قدغن عائد نہ ہو تو ریاست دارالکفر قرار نہیں پاتی۔اس دعوی کے قرآن وسنت سے دلائل پوری تفصیل کے ساتھ اس مقالہ کے باب دوم کی فصل دوم میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ تکرار اور طوالت کے خوف سے انہیں یہاں ذکر نہیں کیا جارہا۔

فصل چہارم: تکفیری ذہنیت کا علاج اور تدارک

مبحث اول: تکفیری ذہنیت اور سوچ کا علاج وتدارک

مبحث دوم: تکفیر اور دیگر فتنوں سے بچنے کے لیے عمومی نصیحتیں

مبحث سوم: پاکستان میں فتنہ تکفیر کے تدارک کے لیے کیے جانے والے اقدامات

فصل چہارم: تکفیری ذہنیت کا علاج اور تدارک

یقیناً کسی دوسرے مسلمان کو اس کی غلطیوں، کوتاہیوں، کمزوریوں، بدعملیوں اور صغیرہ یا کبیرہ گناہوں کے سبب تکفیر کے ضروری شرعی تقاضوں، شرطوں اور موانع کو نظر انداز کرتے ہوئے معین طور پر بیک جنبش زبان یا قلم کافر قرار دینا شریعت کے بنیادی اصول وضوابط کے خلاف ہے اور ایسا کرنے والا شخص نادانستہ طور پر درحقیقت اپنے پاوں پر ہی کلہاڑی مار رہا ہوتا ہے۔ ایک مسلم فرد، حاکم یا دین کے عالم کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ایسے شخص کو تکفیر مسلم کے جرم سے باز رکھنے کے لیے اپنی پوری کوشش کرے اور اس کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لائے کیونکہ یہ ایک متعدی مرض ہے کہ جو وبا کی طرح پھیلتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک ہنستے بستے مسلم معاشرے کو شکست وریخت کا شکار کر دیتا ہے۔ آئندہ مبحث میں ایسے شخص کو سمجھانے اور راہ راست پر لانے کے لیے کچھ تجاویز پیش کی جائیں گی، کہ جو دوسرے مسلمانوں کو کافر قرار دینے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا۔

مبحث اول: تکفیری ذہنیت اور سوچ کا علاج

کسی بھی مرض کو ختم کرنے کا بہترین اور پائیدار طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے اسباب و محرکات کا پتہ چلا کر انہیں ختم کر دیا جائے تاکہ "نہ رہے بانس نہ بجے بانسری" کے مصداق مرض جڑ سے ہی ختم ہو جائے۔ اسی طرح تکفیر کے مرض کا علاج کرنے کا سب سے شاندار طریقہ یہ ہے کہ تکفیر کے مختلف اسباب کہ جن میں سے اکثر پچھلی دو فصلوں میں بیان کیے جا چکے ہیں، ان کا سد باب کرنے کی کوشش کی جائے۔ جب معاشرہ میں تشدد وانتہا پسندی کی بجائے اعتدال پسندی عام ہو گی، میڈیا کا منفی کردار مثبت کردار میں بدل جائے گا، علماء کرام جہالت دور کرنے کے لیے اپنی ذمہ داریوں کو پہچانتے ہوئے اپنا بھرپور کردار ادا کر رہے ہوں گے، غیر مسلم طاقتوں کے دوہرے معیار ختم ہو جائیں گے اور ان کے ظلم وستم یا جانبداری پر مسلم حکام خاموشی اختیار کرنے کی بجائے اپنی عوام کے ترجمان بن کر کھڑے ہوں گے، عوام کا حکمرانوں پر عدم اعتماد ان کی محبت، احترام اور اعتماد میں بدل چکا ہو گا، سیاسی ومذہبی فرقہ واریت اپنی موت مر چکی ہو گی، بے جا تعصبات کا خاتمہ ہو چکا ہو گا اور مسلم ممالک میں حتی الامکان وضعی قوانین کی بجائے شرعی قوانین کا نفاذ کیا جا چکا ہو گا تو مسلم ریاستوں اور حکام کی تکفیر کا ناسور اپنی موت آپ مر جائے گا۔ جس طرح تکفیر مسلم کے اسباب متعدد اور مختلف ہیں، اسی طرح تکفیر مسلم کے مرتکب شخص کو سمجھانے کے کئی طریقے ہیں جن میں سے چند ایک ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں:

انصاف پسندی

ہمارے ہاں کسی بھی شخص کو اس کے غلط رویہ سے روکنے کا طریقہ بالعموم یہ اپنایا جاتا ہے کہ اس کے موقف اور شخصیت و منہج کے مثبت پہلو کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف منفی پہلو پر تنقید کی جاتی ہے، جس سے وہ اکثر اوقات سمجھنے کی

بجائے مزید بدک جاتا ہے۔اس لیے سمجھانے کا بہتر انداز یہ ہے کہ ان کے دعوی کے درست پہلو کو درست ہی کہا جائے اور جہاں ان کی غلطی ہے، وہاں ان پر دلائل و براہین کے ساتھ ان کی غلطی واضح کی جائے جیسے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے خوارج کے ساتھ بات کرتے ہوئے ان کے موقف کی غلطی کو دلائل و براہین کے ساتھ واضح فرمایا تھا کہ جس کے نتیجہ میں ان کی ایک اکثریت اپنے موقف سے تائب ہو گئی تھی۔[1]

فریق مخالف کے شبہات کو علمی مناقشہ و مکالمہ کے ساتھ رد کرنا

تکفیر یا اس جیسی کسی بھی مصیبت کے شکار شخص کے علاج کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کے شبہات اور تاویلات کو علمی مناقشہ اور بحث کے ذریعے حل کیا جائے، یہ طریقہ ہمیشہ سے انسانی تاریخ کے ساتھ ساتھ چلتا آ رہا ہے۔ جیسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے ساتھ مناقشہ کیا جس کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے کہ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کا تعارف کرواتے ہوئے فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جو زندگی اور موت کا مالک ہے، تو اس نے کہا کہ یہ اختیار تو میرے پاس بھی ہے۔اس پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اگلی دلیل پیش کر دی کہ میرا رب سورج مشرق سے نکالتا ہے تو تو مغرب سے نکال کر دکھا، جس پر وہ لاجواب ہو گیا۔[2] اس سے معلوم ہوا کہ آپ مخاطب سے دلائل کے ساتھ بات کیجئے، جب وہ کسی ایک دلیل کا جواب بے تکی دلیل سے دے تو بجائے اسی دلیل پر جھگڑنے کے اس سے مضبوط دلیل پیش کر دیجئے۔اسی طرح سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے خوارج کے پاس جا کر بڑے صبر و تحمل کے ساتھ پہلے ان کے اعتراضات سنے اور پھر بڑے مدلل انداز میں جواب دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خوارج کا ایک بڑا گروہ اپنے باطل موقف سے تائب ہو گیا۔[3]

یعنی اہل حق کو چاہیے کہ وہ اہل باطل کے ساتھ بیٹھیں، بڑے تحمل کے ساتھ ان کے سوالات سماعت کریں اور پھر مدلل انداز میں جواب دیں۔ لیکن اس میں یہ خیال رہے کہ اہل حق کی نمائندگی کرنے والا داعی اخلاص و خیر خواہی کی دولت سے مالا مال ہو اور حکمت، دانائی و نرم خوئی سے بات کرنے کا گر جانتا ہو۔ کیونکہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ نرمی کو پسند کرتا ہے اور سختی سے نفرت کرتا ہے۔اسی لیے اللہ تعالی نے موسی و ہارون علیہما السلام کو جب نبوت سے سرفراز فرمایا اور انہیں فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا تو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

---

[1] - مصنف عبد الرزاق، 157/10، حديث: 18678۔
خصائص أمير المؤمنين علي بن أبي طالب، ص:196-200
[2] - البقرہ:258
[3] - مصنف عبد الرزاق، 157/10، حديث: 18678

﴿فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ﴾[1]

"پس تم اس سے بات کرو، نرم بات، اس امید پر کہ وہ نصیحت حاصل کرلے، یا ڈر جائے۔"

غلو، شدت پسندی اور انتہا پسندی کے خاتمہ کی کوشش کرنا

دہشت گرد اور تخریب کار تو وہ ہوتے ہیں جو اپنے ہاتھوں میں ہتھیار تھامے پوری قوم کے خلاف منظم اور صف آراء ہوں، یقیناً ان کے سدباب کے لئے فوجی و عسکری اقدامات ہی کارگر ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان دہشت گردوں کو اپنی سفاکانہ کارروائیوں کے لیے نوخیز نوجوانوں پر مشتمل نئی کھیپ انتہا پسندی کی جن نرسریوں اور مراکز سے ملتی ہے لازم ہے کہ انہیں بھی ختم کیا جائے یا قومی دھارے میں ضم کیا جائے تاکہ ملک وملت کے دشمنوں اور دہشت گردوں کو اپنے مذموم مقاصد کی تعمیل کے لیے نئے ہاتھ میسر نہ ہوں۔ اس کے لئے لازم ہے کہ ان افکار کا ابطال کیا جائے جو انتہا پسندانہ ذہن بناتے ہیں اور ان اداروں کی اصلاح کی جائے جو شدت پسندی اور انتہا پسندی پر مبنی تربیت کرتے ہیں۔

بلاشبہ اس انتہا پسندی کا بڑا سبب وہ دینی تعبیر ہے جو بعض شدت پسند تنظیموں کے ذریعے مسلم نوجوانوں میں عام کی گئی، مسلمانوں کو ان کے نظمِ اجتماعی کے خلاف ابھارتے ہوئے مسلم ریاست کے وجود کو ہدف بنایا گیا۔ مسلم عوام کے دلوں سے دین کی محبت کے نام پر ان کے ملک، حکومت اور فوج کی محبت نکالنے کی کوشش کی گئی۔ دنیا بھر میں مظلوم مسلمانوں کی کسمپرسی کا ذمہ دار مسلم ریاستوں اور ان کے حکام کو قرار دیتے ہوئے مسلم نوجوانوں کو بالخصوص اپنی اپنی ریاستوں اور حکام کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے پر ابھارا گیا۔ چونکہ تکفیر کی سوچ اور ذہنیت کو بڑھاوا دینے کا ایک بڑا سبب غلو، شدت پسندی اور انتہا پسندی ہے، اس لیے دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے ان بیماریوں کے خاتمہ کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ ضروری ہے کہ ان بیماریوں کے رد پر لکھی گئی کتابوں کو ترویج دی جائے اور اس موضوع پر راسخ فی العلم علماء کی تقاریر کو پرنٹ، الیکٹرانک اور سوشل میڈیا کے ذریعے عام لوگوں میں پھیلایا جائے، تاکہ لوگ اس بیماری کی ہلاکت خیزیوں کو سمجھ کر اس سے محفوظ ہو سکیں۔ نیز مذہبی اداروں اور مذہبی تعلیم کے غلط استعمال کو روکنے کے لیے دینی مدارس اور مساجد جیسے دینی اداروں کو باہم افہام و تفہیم کے ساتھ ایک نظم کے تحت لانے کی کوشش کی جائے تاکہ کوئی بھی منبر و محراب کو ناجائز طور پر اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال نہ کر سکے۔

تمام مسالک کے معتدل علماء پر مشتمل فتوی کمیٹیوں کی تشکیل

مقتدر طبقہ تمام مسالک سے مضبوط علم کے حامل معتدل علماء کو خاص کرے کہ جن کے ذمے یہ کام ہو کہ موجودہ دور میں درپیش جدید مسائل کا غلو سے بچتے ہوئے ایسا حل پیش کریں کہ جو شریعت کے مطابق ہو۔ اسی طرح ہر بڑے شہر میں ایسی فتاویٰ کمیٹیاں بنائی جائیں کہ جن میں ہر مسلک کے پختہ علماء شامل ہوں اور وہ لوگوں کو ان کے مسائل کا حل

---

[1] – طٰہ 20: 44

قرآن وسنت کی روشنی میں دیں۔اور انہیں باقاعدہ مخصوص مراکز میں بٹھایا جائے کہ جہاں ہر عام وخاص ان تک رسائی حاصل کرسکے۔ نیز تمام مذہبی فرقوں کے سنجیدہ اور معتدل اسکالرز کو پروموٹ کیا جائے،اور وہ اپنے اپنے حلقے میں مکمل صراحت کے ساتھ آگاہی فراہم کریں کہ شدت پسندی کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔

فرقہ واریت اور تعصبات کا خاتمہ

فرقہ واریت اور شدت پسندی تکفیر کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب ہے اس لیے مقتدر طبقہ کو چاہیے کہ وہ یہ بات جید علماء وسکالرز کے ذریعے عام لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کریں اور انہیں مذہبی وسیاسی فرقہ واریت اور تعصبات سے نکالنے کی کوشش کریں۔مزید جو لوگ، چاہے وہ عوام ہوں یا خواص، فتنہ کا باعث بنیں اور سمجھنے کی بجائے ڈھٹائی کا مظاہرہ کریں توان کے ساتھ سختی والا معاملہ کیا جائے تاکہ عوام الناس ان کے چنگل سے بچ سکے۔ نیز تمام میڈیا چینلز کو پابند کیا جائے کہ وہ کسی قسم کی فرقہ وارانہ یا شدت پسندانہ بات ہر گز ہر گز نشر نہ کریں۔اسی طرح سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور دینی مدارس کے نصابِ تعلیم اور نظامِ تعلیم میں مثبت اصلاحات لائی جائیں، شدت پسندانہ، متعصبانہ اور ملحدانہ مواد کی جگہ اسلامی، تعمیری اور دورِ حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ، رواداری، احترام اور برداشت پر مشتمل مواد شامل کیا جائے۔

فرقہ واریت کی ایک بنیادی وجہ کسی کا موقف اس سے معلوم کرنے کی بجائے خود ہی طے کرکے اس کے خلاف کوئی رائے قائم کرلینا ہے ،ایسی صورت حال کے خاتمہ کے لیے ضروری ہے کہ مسالک وفرق کے اہل علم کے درمیان مکالماتی ماحول پیدا کیا جائے جس سے مختلف مسالک کے مشترکات اجاگر ہوں گے اور تفردات کا بتدریج خاتمہ ہوگا۔ملک بھر میں ایسی تحریروں، تقریروں، جلسوں، جلوسوں اور مناظروں پر پابندی عائد کی جائے جن سے فرقہ واریت پھیلتی، باہمی نفرت بڑھتی اور ماحول میں کشیدگی پیدا ہوتی ہے۔ نیز ایسی تقریر وتحریر کے حامل ایسے علماء ،ذاکرین اور مناظرین پر پابندی لگائی جائے کہ وہ تب تک عوامی فورمز میں بیان نہیں کریں گے جب تک اس ضمن میں انہیں مختلف تربیتی کورسز سے نہ گزار لیا جائے۔ یہ تربیتی کورسز تمام مکاتب فکر کے معتدل علماء کی مشاورت سے ترتیب دیے جائیں، نیز ان علماء کی توجہ چند ایک اختلافی مسائل سے ہٹا کر امت کے متفقات کی طرف موڑی جائے اور انہیں جدید مسائل اور اسلام کی آفاقیت کو درپیش لادینیت اور دہریت سمیت دیگر چیلنجز کی طرف متوجہ کیا جائے تاکہ ان کی صلاحیتیں ملک وملت کی خدمت میں استعمال ہوسکیں۔

نوجوان طبقہ کو مثبت اور تعمیری سرگرمیوں میں کھپانا

عوامی سطح پر ایسی فضا قائم کی جائے جس سے نوجوان طبقہ مثبت اور تعمیری سوچ کی طرف مائل ہو۔

الحاد اور لامذہبیت سے معاشرہ کو بچانا

یہاں یہ بات واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ مذہبی شدت پسندی کا مقابلہ مذہبی رواداری سے ہی کیا جاسکتا ہے، لامذہبیت سے نہیں، اگراس شدت پسندی کے خاتمے کے لیے مذہب کو ہی براہِ راست نشانے پر رکھا گیا تو شدت پسندی کم ہونے کی بجائے رد عمل کے طور پر بڑھنے کے امکانات زیادہ ہوں گے۔

دین میں پاپائیت کے تصور کو ختم کرنا

عیسائیوں کی گمراہی کے مختلف اسباب میں ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ دین اور مذہب کو خود پڑھنے یا سمجھنے سے باغی ہو گئے اور انہوں نے اپنے مذہبی لیڈروں کو اپنے اور اللہ کے درمیان واسطہ بنالیا اور پھر اللہ کے نام پر ان کی من مانیوں سے تنگ آکر مذہب بیزار ہو گئے۔اسلام اس طریق کار کی کسی صورت حمایت نہیں کرتا اس لیے ضروری ہے کہ تمام لوگوں کو ترغیب دلائی جائے کہ وہ قرآن وسنت کا خود مطالعہ کریں اور شرعی احکام ومسائل سے خود واقفیت پید کرنے کی کوشش کریں۔جو بات سمجھ نہ آئے اس کے سمجھنے کے لیے مختلف جید علماء سے استفسار کریں۔نیز عوام پر یہ بات واضح کردی جائے کہ ہر امام یا خطیب شریعت کا مکمل علم نہیں رکھتا۔اس لیے کسی بھی مسئلے کو سمجھنے کے لیے کسی ایک عالم سے پوچھنے کی بجائے اس مسئلے کو مختلف مسالک کے کئی علماء اور شیوخ الحدیث کے سامنے پیش کریں اور ان سب کے جوابات اور دلائل کا قرآن وسنت اور سلف صالحین کے فہم کی روشنی میں خود موازنہ کریں اور جو بات دلیل کے ساتھ زیادہ وزنی ہو،اسے قبول کرلیں۔

جہالت ولاعلمی کے خاتمہ کی کوشش کرنا

تمام بیماریوں کی طرح جہالت بھی ایک بیماری ہے اور اس کا علاج مضبوط اور راسخ فی العلم علماء سے دریافت کرنا ہے جیسا کہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم سفر میں تھے 'ہم میں سے ایک شخص کو پتھر سے چوٹ لگ گئی اور اس کا سر زخمی ہو گیا' اس کے بعد ایک رات اسے بدخوابی ہو گی' تو اس نے اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا: کیا اس حالت میں مجھے تیمم کرنے کی اجازت ہے؟ ساتھیوں نے کہا: تمہیں پانی پر قدرت حاصل ہے اس لیے ہم نہیں سمجھتے کہ تمہیں تیمم کرنے کی رخصت واجازت ہے۔ چنانچہ اس شخص نے غسل کرلیا جس سے وہ شخص فوت ہو گیا ۔جب ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"قَتَلوهُ قَتَلَهُمُ اللهُ، ألا سألوا إذْ لم يَعلَموا، فإنما شِفاءُ العِيِّ السُّؤالُ "[1]

ان لوگوں نے اس کو مار ڈالا۔اللہ ان کو ہلاک کرے،جب وہ خود مسئلہ نہیں جانتے تھے تو کسی

---

[1] – سنن ابی داوود، کتاب الطھارۃ، باب المجدور يتيمم ، 252/1، حدیث:336۔ شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اسے سنن ابی داوود کی تحقیق میں حسن قرار دیا ہے۔

دوسرے سے کیوں نہیں پوچھ لیا؟پریشان حال کی شفاء صرف اور صرف یہ ہے کہ دوسرے سے پوچھ لے۔

اس لیے عوام وخواص کی اس بات پر تربیت کی جائے کہ کسی بھی معاملہ میں وہ بلا جھجھک اہل علم سے رجوع کریں،خود مطالعہ کرنے کی کوشش کریں اور ہر معاملہ میں جہالت ولاعلمی سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

علماء کرام کی تربیت کا اہتمام کرنا

مسلم حکام کو چاہیے کہ وہ نبی ﷺ کی تعلیمات اور اسوہ حسنہ کی روشنی میں اہل علم کی تربیت کے مختلف پروگرام جاری کریں جن میں انہیں آپ ﷺ کے دعوتی منہج،اسلامی قضاء وافتاء کے بنیادی اصول،فقہاء کرام کے باہمی علمی اختلاف کے بنیادی اسباب اور اختلاف کے آداب جیسے ضروری موضوعات پر تربیت فراہم کی جائے۔مزید برآں یہ قانون سازی کی جائے کہ کسی بھی مدرسہ کے فاضل کے لیے لازم ہو گا کہ وہ عملی ذمہ داریاں سنبھالنے سے قبل اس کورس کا سرٹیفکیٹ حاصل کرے۔

علماء کرام کی تربیت کی جائے کہ وہ کسی بھی استفتاء کی صورت میں فتویٰ دینے میں جلدی نہ کریں اور نہ ہی جذباتی ہو کر فتوی صادر کریں،بلکہ اس مسئلے کو مکمل طور پر سمجھنے،جاننے،اور اس کے متعلقہ شرعی احکامات اور سلف صالحین کے فتاوی کو پڑھنے اور سمجھنے کے بعد فتویٰ دیں۔اسی طرح انہیں یہ بات سمجھا دی جائے کہ ہر عالم کا ایک مخصوص میدان ہوتا ہے جس میں وہ ماہر و متخصص ہوتا ہے،اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ صرف اس معاملہ میں فتوی دیں کہ جس میں وہ پوری مہارت رکھتے ہوں،مزید اس میدان میں بھی اپنے علم اور مہارت کو مسلسل بڑھاتے رہیں اور جس علمی میدان میں وہ پوری مہارت نہیں رکھتے،وہاں خود فتویٰ دینے یا مسئلہ بتانے کی بجائے سائل کو کسی ایسے عالم کے پاس بھیج دیں جو اس معاملہ میں پوری طرح ماہر ہو۔نیز کم علم اور غیر فقیہ لوگوں پر سخت پابندی لگائی جائے کہ وہ فتوی بازی اور اشتعال پر مبنی وعظ و نصیحت یا تصنیف و تالیف سے دور رہیں گے۔

تعلیمی نصاب میں ضروری دینی وشرعی علوم کو شامل کرنا

اصحاب اقتدار کو چاہیے کہ وہ تمام تعلیمی اداروں میں ضروری دینی وشرعی علوم کو باقاعدہ نصاب کا حصہ بنائیں،تاکہ بچہ شروع سے ہی بنیادی شرعی ودینی مسائل سے واقف ہو جائے۔اسی طرح پرنٹ میڈیا،الیکٹرانک میڈیا،سوشل میڈیا اور دیگر ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے عوام میں بنیادی دینی وشرعی علوم کی آگہی پیدا کی جائے۔لیکن یہ خیال رہے کہ میڈیا پر عام روایتی علماء کی بجائے راسخ فی العلم،پختہ،مقاصد شریعت کو سمجھنے والے اور اکابر ائمہ دین کے فتاوی پر گہری نظر رکھنے والے،فقہ الواقع سے باخبر علماء وسکالرز کو موقع دیا جائے،تاکہ وہ مسائل کا صحیح ادراک کرنے کے بعد سائل کو جواب دیں۔

مسلم ریاستوں میں شرعی احکام کا نفاذ یقینی بنانا

مسلم ریاستوں کے حکام کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالی سے ڈرتے ہوئے اپنی وسعت و مقدور کے مطابق اپنے ماتحت علاقوں میں شرعی احکام کا نفاذ یقینی بنائیں کہ کسی بھی معاشرہ کے استحکام اور امن وامان کے لیے اس سے بہتر قوانین کا بنایا جانا کبھی بھی ممکن نہیں۔یعنی اس طرح جہاں وہ تکفیری حضرات کی جانب سے مسلم عوام کو ورغلانے اور راہ راست سے ہٹانے کے ایک بہت بڑے ذریعہ کو اپنی موت آپ مرنے پر مجبور کر دیں گے،وہیں ان کی ریاستوں پر اللہ تعالی کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول بھی شروع ہو جائے گا۔

حکمرانوں، علماء اور عوام کے درمیان دوریاں ختم کرنا

کسی بھی ریاست کے لیے یہ امر بے اطمینانی کا باعث بنتا ہے کہ اس کے حکام اور عوام ایک دوسرے سے دور ہوں کہ نہ تو حکام کو عوام کے حالات اور مجبوریوں کا دراک ہو اور نہ ہی عوام کو حکام کی مجبوریوں اور حالات کا علم ہو۔اس لیے ضروری ہے کہ کوئی ایسا چینل تشکیل دیا جائے کہ جو حکام اور عوام کی دوریاں ختم کرنے میں اپنا کردار پیش کرے۔اسی طرح مسلم حکام اور علمائے دین کا باہمی مظبوط تعلق بھی جہاں اس خلیج کو پاٹنے میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے،وہاں حکام کو بروقت دینی و شرعی راہنمائی فراہم کر کے بہت ساری غلطیوں اور غلط فہمیوں کا ازالہ بھی کر سکتا ہے۔مسلمانوں کے سنہرے دور خلافت میں حکام اور علماء کرام کا باہم مضبوط تعلق اس دعوی کی تصدیق کے لیے کافی ہے۔

جہاں حکام کو چاہیے کہ وہ علماء کرام سے محبتیں بڑھائیں،ان سے مسلسل ملاقاتوں کا اہتمام کریں،ہر نئے مسئلہ پر کتاب وسنت کی روشنی میں ان سے راہنمائی طلب کریں،وہیں علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ حکام کے پاس دعوت اور تعلیم وتربیت کی غرض سے پے درپے آیا جایا کریں،ان سے تعلق گہرا کرتے ہوئے دوستی کے انداز میں ان کی اصلاح کی کوشش کریں اور ان کی ہدایت سے کبھی بھی مایوس نہ ہوں جیسا کہ اللہ تعالی نے موسی وہارون علیہا السلام کو فرعون کی طرف بھیجتے ہوئے سمجھایا تھا کہ اس سے بات نرمی سے کرنا،شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرلے یا اللہ تعالی سے ڈر جائے۔[1]

مزید برآں ضروری ہے کہ عوام الناس کو سمجھایا جائے کہ کوئی بھی شخص کامل نہیں ہوتا،اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ حکام پر تنقید کرنے اور طعن وتشنیع کے تیر چلانے کی بجائے اپنی،اپنے اہل خانہ اور اہل محلہ کی اصلاح کی کوشش کریں کہ جب رعایا درست ہوتی ہے تو اس کا اثر حکام اور اشرافیہ پر بھی پڑتا ہے اور دوسرا یہ کہ حکام کو ان کی لغزشوں کی وجہ سے کافر قرار دینا ان کا کام نہیں ہے۔

---

[1] - طه 20: 44

ذرائع ابلاغ کی تربیت کرتے ہوئے انہیں مثبت کردار پر قائم کرنا

کسی بھی معاشرہ سے انتہا پسندی وشدت پسندی کے خاتمے کے لئے ان ذرائع ومراکز کا خاتمہ بھی ضروری ہے' جہاں یہ نظریات فروغ پاتے ہیں یا جن کے تحت شدت پسندی کے حامل ان افکار و نظریات کو پھیلایا جاتا ہے۔ یعنی ان ذرائع ابلاغ کا خاتمہ بھی ناگزیر ہے جو لوگوں کو انتہا پسند بنانے میں کسی نہ کسی طرح اپنا کردار پیش کرتے ہیں اور جن کی بدولت انتہا پسندی اور قتل وغارت پر مشتمل یہ نظریات ان نوجوانوں کے ذہنوں تک پہنچتے ہیں۔

مسلم ریاستوں اور حکام کے خلاف بغاوت برپا کرنے والوں کے خلاف لڑائی کرنا

مسلم ریاستوں اور حکام کو کافر قرار دینے کا فتنہ اس وقت ناسور بن کر سامنے آتا ہے، جب یہ تکفیری حضرات اپنے اس فتوی کی بنیاد پر مسلم ریاست یا حکمران کے خلاف مسلح بغاوت یا خروج کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں، ایسی صورت میں اس فتنہ کے تدارک کے سلسلہ میں بیان کردہ مذکورہ بالا تمام تر تجاویز اور حل ناکام ثابت ہوتے ہیں۔ شریعت اسلامیہ ایسی صورت میں نہ تو خاموشی اختیار کرتی ہے اور نہ ہی خاموشی اختیار کرنے کو جائز قرار دیتی ہے بلکہ ایک ماہر جراح کی طرح اس ناسور کو درست نہ ہونے کی صورت میں جڑ سے نکال دینے کا حکم صادر کرتی ہے کہ بجائے اس کے کہ یہ فسادی لوگ دین کے نام پر مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کے ساتھ کھیلیں، مسلم ریاستوں کے خلاف دشمنوں کے آلہ کار بن کر انہیں شکست وریخت اور انتشار کا شکار بنائیں، ضروری ہے کہ مسلم حکام ان ظالموں کو راہ راست پر لانے کی تمام تدابیر اختیار کریں اور اس میں ناکامی کی صورت میں اپنے لشکروں کے ساتھ ان تکفیری خوارج کے خلاف جہاد و قتال کرتے ہوئے ان کا قلع قمع کر دیں چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جہاں ان خوارج کی ظاہری دین داری اور زہد و تقوی کا تذکرہ فرمایا، وہیں آپ ﷺ نے ان کو "کلاب النار"[1] جہنم کے کتے، "کلاب أهل النار"[2] جہنمیوں کے کتے، "شر الخلق"[3] ساری مخلوق سے بدترین اور "من أبغض خلق الله" اللہ کے ہاں سب سے ناپسندیدہ لوگ کہہ کر اللہ تعالی کے ہاں ان کی بدترین حیثیت کا تعین فرمادیا۔

آپ ﷺ نے صرف اسی پر اکتفاء نہ کیا بلکہ ان کو قتل کرنے اور نیست ونابود کرنے کا حکم صادر کرتے

---

[1] - سنن ابن ماجه، أبواب السنة ، باب في ذكر الخوارج ، 120/1 ، حديث : 174 ، شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے صحیح وضعیف ابن ماجہ میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

[2] - سنن ابن ماجه، ابواب السنة ، باب في ذكر الخوارج، 121/1، حديث : 176، علامہ شعیب الارنووط نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

[3] - أبوداود، سنن أبي داود ، كتاب السنة، باب في قتل الخوارج، 143/7، حديث: 4765، اس حدیث کو علامہ شعیب الارنووط نے سنن ابی داوود کی تخریج میں جبکہ علامہ ناصر الدین البانی نے صحیح وضعیف سنن ابی داوود میں صحیح قرار دیا ہے۔

ہوئے ان کے خلاف برسرپیکار ہونے والے اہل ایمان کو اجر عظیم اور جنت الفردوس کی بشارتیں بھی دے دیں ۔جیسا کہ حضرت زید بن وہب رحمہ اللہ، جو اس لشکر میں تھے جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان پر کفر کے فتوے لگا کر آمادہ قتال ہونے والے خوارج کے خلاف جنگ کے لئے گیا تھا، بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے خوارج کے خلاف معرکہ آرائی سے قبل اپنے لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

" أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنْ أُمَّتِي يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ، لَيْسَ قِرَاءَتُكُمْ إِلَى قِرَاءَتِهِمْ بِشَيْءٍ، وَلَا صَلَاتُكُمْ إِلَى صَلَاتِهِمْ بِشَيْءٍ، وَلَا صِيَامُكُمْ إِلَى صِيَامِهِمْ بِشَيْءٍ، يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ يحسبُون أَنَّهُ لَهُمْ وَهُوَ عَلَيْهِمْ، لَا تُجَاوِزُ صَلَاتُهُمْ تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ»، لَوْ يَعْلَمُ الْجَيْشُ الَّذِينَ يُصِيبُونَهُمْ، مَا قُضِيَ لَهُمْ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَاتَّكَلُوا عَنِ الْعَمَلِ-"[1]

اے لوگو! بلاشبہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا، آپ فرما رہے تھے: میری امت میں سے ایک قوم ظاہر ہوگی، وہ قرآن اس طرح پڑھیں گے کہ ان کے پڑھنے کے مقابل تمہارے قرآن پڑھنے کی کوئی حیثیت نہ ہوگی، نہ ان کی نمازوں کے سامنے تمہاری نمازوں کی کچھ حیثیت ہوگی اور نہ ہی ان کے روزوں کے سامنے تمہارے روزوں کی کوئی حیثیت ہوگی۔ وہ یہ سمجھ کر قرآن پڑھیں گے کہ وہ ان کے حق میں ہے لیکن درحقیقت وہ ان کے خلاف ہوگا، نماز ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گی اور وہ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ ان سے لڑنے والے لشکر کو اگر وہ ثواب معلوم ہو جائے جو ان کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی ان کے لیے طے کیا گیا ہے تو وہ نجات کے لیے اسی عمل پر بھروسہ کر لیں۔

ایک اور روایت میں سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ خوارج کی کچھ نشانیاں بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے ظالموں کا تذکرہ کرتے ہوئے انہیں قتل کرنے کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

« سَيَخْرُجُ قَوْمٌ فِي آخِرِ الزَّمَانِ، أَحْدَاثُ الأَسْنَانِ، سُفَهَاءُ الأَحْلاَمِ، يَقُولُونَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ البَرِيَّةِ، لاَ يُجَاوِزُ إِيمَانُهُمْ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ، كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ،

---

[1] - صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب التحريض على قتل الخوارج، 748/2، حديث: 1066

فَأَيْنَمَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ، فَإِنَّ فِي قَتْلِهِمْ أَجْرًا لِمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ القِيَامَةِ»[1]

عنقریب آخری زمانے میں ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو کم سن، عقل کے کچے اور بے وقوف ہوں گے۔ وہ مخلوق کی باتوں میں سے بہترین بات کہیں گے ،ان کا ایمان ان کے اپنے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے یوں خارج ہو جائیں گے جیسے تیر شکار سے خارج ہو جاتا ہے۔ پس تم انہیں جہاں کہیں ملو تو انہیں قتل کر دو کیونکہ ان کو قتل کرنے والوں کے لیے قیامت کے دن اجر ہو گا۔

اسی طرح مسلم بن ابی بکرہ رحمہ اللہ اپنے والد حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکما ارشاد فرمایا کہ تم ان خوارج کو جہاں بھی دیکھو، انہیں موت کے گھاٹ اتار دو کہ ان فسادیوں کے قتل کرنے والے کو اللہ تعالی کے ہاں اجر ملے گا، چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

" أَلَا إِنَّهُ سَيَخْرُجُ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ أَشِدَّاءُ أَحِدَّاءُ، ذَلِقَةٌ أَلْسِنَتُهُمْ بِالْقُرْآنِ ، لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ ، أَلَا فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمْ فَأَنِيمُوهُمْ ، ثُمَّ إِذَا رَأَيْتُمُوهُمْ فَأَنِيمُوهُمْ ، فَالْمَأْجُورُ قَاتِلُهُمْ " [2]

خبردار عنقریب میری امت میں ایسے لوگ نکلیں گے جو نہایت شدت پسند اور تیز طرار ہوں گے اور قرآن کو پڑھنے میں ان کی زبانیں بہت رواں ہوں گی لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ سو جب تم انہیں دیکھو تو انہیں قتل کر دو، پھر جب تم انہیں دیکھو تو انہیں قتل کر دو۔ یقیناً ان کے قاتل کو اجر (عظیم) عطا کیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری امت کو مخاطب کرتے ہوئے حکم دیا کہ جس کا بھی ان خارجیوں سے ٹاکرا ہو وہ انہیں قتل کرے کیونکہ ان کا قتل کرنا اللہ تعالی کے نزدیک باعث اجر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"يَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ أَحْدَاثُ الْأَسْنَانِ، سُفَهَاءُ الْأَحْلَامِ، يَقُولُونَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ

---

[1] - صحيح البخارى ، كتاب استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم، باب قتل الخوارج والملحدين بعد إقامة الحجة عليهم، 16/9 ، حديث :6930 ـ صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب التحريض على قتل الخوارج، 746/2 ، حديث: 1066

[2] ـ مسند الإمام أحمد بن حنبل ، 97/34 ،حديث:20446،علامہ شعیب الارنووط کی رائے میں اس حدیث کی سند صحیح مسلم کی شرط پر قوی ہے۔مستدرک حاکم ،159/2 ، حديث: 2645 ـ السنن الكبرى للبيهقي،324/8 ، حديث: 16780

النَّاسِ، يَقْرَؤونَ الْقُرْآنَ، لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، فَمَنْ لَقِيَهُمْ فَلْيَقْتُلْهُمْ، فَإِنَّ قَتْلَهُمْ أَجْرٌ عِنْدَ اللَّهِ لِمَنْ قَتَلَهُمْ"[1]

آخری زمانے میں ایسے لوگ نکلیں گے جو کم عمر اور عقل سے بے وقوف ہوں گے۔ وہ ظاہرا لوگوں کی باتوں میں سے بہترین بات کریں گے ،قرآن مجید کی تلاوت کریں گے مگر وہ ان کی ہنسلیوں سے تجاوز نہیں کرے گا،وہ {مسلمانوں کا ناحق قتل کرنے کی وجہ سے} اسلام سے یوں خارج ہوں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔تو جو بھی ان سے ملے تو وہ انہیں قتل کردے کیونکہ ان کو قتل کرنا اللہ کے ہاں قتل کرنے والے کے لیے اجر وثواب کا باعث ہوگا۔“

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوارج کے ظہور کے حالات اوران کی علامات بیان کرنے کے بعد انہیں اللہ کی مخلوق میں سے بدترین قرار دیتے ہوئے ان کے قاتل ومقتول دونوں کو نہ صرف بشارت دی، بلکہ ضمانت جاری فرمادی کہ جو ان سے لڑائی کرے گا،وہ ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوگا،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي اخْتِلَافٌ وَفُرْقَةٌ، قَوْمٌ يُحْسِنُونَ الْقِيلَ وَيُسِيئُونَ الْفِعْلَ، يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ، لَا يَرْجِعُونَ حَتَّى يَرْتَدَّ عَلَى فُوقِهِ، هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيقَةِ، طُوبَى لِمَنْ قَتَلَهُمْ وَقَتَلُوهُ، يَدْعُونَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ وَلَيْسُوا مِنْهُ فِي شَيْءٍ، مَنْ قَاتَلَهُمْ كَانَ أَوْلَى بِاللَّهِ مِنْهُمْ» [2]

"عنقریب میری امت میں اختلاف اور تفرقہ رونما ہوگا،ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو اپنے دعوی اور نعرے میں بہت اچھے ہوں گے مگر اپنے طرز عمل اور روش میں نہایت برے ہوں گے، وہ قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن وہ ان کے حلقوں سے تجاوز نہیں کرے گا وہ دین سے یوں نکل جائیں گے جیسے تیر اپنے شکار سے نکل جاتا ہے دین میں تب تک واپس نہیں ہوں گے یہاں تک کہ تیر اپنے سوفار پر واپس لوٹ آئے۔ وہ ساری مخلوق میں بدترین لوگ ہوں گے، خوش خبری ہو اُسے جو انہیں قتل کرے اور اُسے بھی جسے وہ شہید کریں۔وہ اللہ عزوجل کی کتاب کی طرف بلائیں

---

[1] – سنن ابن ماجه ، باب في فضائل أصحاب رسول الله ﷺ ، باب في ذكر الخوارج ، 116/1، حديث:168، شیخ ارناووط نے اس حدیث کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔

[2] – سنن أبي داود ، كتاب السنة، باب في قتل الخوارج، 143/7، حديث: 4765،اس حدیث کو علامہ شعیب الارنووط نے سنن ابی داوود کی تخریج میں جبکہ علامہ ناصر الدین البانی نے صحیح وضعیف سنن ابی داوود میں صحیح قرار دیا ہے

گے لیکن اس کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ہو گا؛ جوان سے لڑائی کرے گا، وہ ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہو گا"

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اہل ایمان کے ہاتھوں قتل ہونے والے خوارج کو آسمان تلے سب سے برے مقتول اور ان کے ہاتھوں شہید ہونے والے اہل اسلام کو بہترین مقتول کے خطاب سے نوازتے ہوئے خوارج کو اہل جہنم کے کتے قرار دیا ہے جیسا کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو خوارج کے متعلق یہ فرماتے ہوئے سنا:

«شَرُّ قَتْلَى قُتِلُوا تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ، وَخَيْرُ قَتِيلٍ مَنْ قَتَلُوا، كِلَابُ أَهْلِ النَّارِ » [1]

یہ آسمان کی چھت تلے قتل کیے جانے والے بدترین مقتول ہیں، اور بہترین مقتول وہ ہیں جنہیں یہ لوگ قتل کریں گے۔ یہ اہل جہنم کے کتے ہیں۔

آپ ﷺ نے نہ صرف ان فتنہ پرور ظالموں کے قتل کا حکم دیا اور ان کے خلاف برسرپیکار عساکر اسلام کو بشارتیں دیں، بلکہ آپ ﷺ نے اس عزم کا اعلان بھی فرمایا کہ اگر میری زندگی میں ان کا ظہور و خروج ہو گا تو میں انہیں بہر صورت قتل کر دوں گا جیسا کہ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ذوالخویصرہ تمیمی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس کے قتل سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ مِنْ ضِئْضِئِ هَذَا، قَوْمًا يَقْرَءُونَ القُرْآنَ، لاَ يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الإِسْلاَمِ مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ، يَقْتُلُونَ أَهْلَ الإِسْلاَمِ، وَيَدَعُونَ أَهْلَ الأَوْثَانِ، لَئِنْ أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ»[2]

اس شخص کی اصل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے، لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار میں سے پار نکل جاتا ہے۔ وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔ اگر میں نے ان کا دور پایا تو انہیں قوم عاد کی طرح نیست و نابود کر دوں گا۔

آپ ﷺ نے یہ پیش گوئی بھی فرما دی کہ خوارج جب بھی ظاہر ہوں گے، امت اللہ کے حکم سے ان کی جڑ کاٹ کر رکھ

---

[1] – سنن ابن ماجه، ابواب السنة ، باب فی ذکر الخوارج، 121/1، حدیث: 176، علامہ شعیب الارنووط نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے

[2] – صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالی : تعرج الملائكة والروح إليه، 127/9، حدیث: 7432 ۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب ذکر الخوارج وصفاتھم، 2 : 741، حدیث: 1064

دے گی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"يَنْشَأُ نَشْءٌ يَقْرَؤُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، كُلَّمَا خَرَجَ قَرْنٌ قُطِعَ" -قَالَ ابْنُ عُمَرَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "كُلَّمَا خَرَجَ قَرْنٌ قُطِعَ " أَكْثَرَ مِنْ عِشْرِينَ مَرَّةً "حَتَّى يَخْرُجَ فِي عِرَاضِهِمْ الدَّجَّالُ"[1]

ایک جماعت پیدا ہو گی جو قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن وہ ان کے حلقوں سے تجاوز نہیں کرے گا جب بھی ان میں سے کوئی گروہ ظاہر ہو گا، کاٹ دیا جائے گا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات بیس سے زیادہ مرتبہ سنی ہے کہ "جب بھی ان میں سے کوئی گروہ ظاہر ہو گا، کاٹ دیا جائے گا، یہاں تک کہ ان میں سے دجال ظاہر ہو گا۔

امام ابو بکر الآجری رحمہ اللہ ان احادیث کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" فلا ينبغي لمن رأى اجتهاد خارجي قد خرج على إمام عدلا كان الإمام أو جائرا، فخرج وجمع جماعة وسل سيفه، واستحل قتال المسلمين، فلا ينبغي له أن يغتر بقراءته للقرآن، ولا بطول قيامه في الصلاة، ولا بدوام صيامه، ولا بحسن ألفاظه في العلم إذا كان مذهبه مذهب الخوارج "[2]

جب کوئی شخص کسی خارجی کو دیکھے کہ اس نے حاکم کے خلاف مسلح بغاوت کر دی ہے، حاکم وقت عادل وانصاف پرور ہو یا ظالم وجابر، اس کے خلاف باغی گروہ تشکیل دے کر ہتھیار اٹھا لئے ہیں اور مسلمانوں سے لڑائی کو حلال وجائز قرار دے دیا ہے، تو جو شخص یہ سب کچھ دیکھے اس کے لیے درست نہیں ہے کہ وہ کسی خارجی کے قرآن پڑھنے، لمبے قیام کرنے، مسلسل روزے رکھنے اور خوبصورت الفاظ میں علمی نکات بیان کرنے سے دھوکہ کھا جائے۔ جب کہ ایسے اعمال کرنے والا شخص خوارج کے مذہب پر چلنے والا ہو۔

مذکورہ بالا تمام احادیث صحیحہ سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ کسی مسلم ریاست، مسلم حاکم یا مسلم عوام پر کفر کے فتوے لگا کر ان کے قتل کی راہ اختیار کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ ایسے شخص یا گروہ کے خلاف لڑنا امت پر فرض ہو جاتا ہے، نبی ﷺ خود ایسے ظالم کو قتل کرنے کی تمنا کا اظہار فرماتے ہیں، جو اس لڑائی میں شریک ہو، وہ اللہ تعالی کے ہاں ماجور ٹھہرتا

---

[1] – سنن ابن ماجه، ابواب السنة ، باب فی ذکر الخوارج، 120/1، حدیث: 174 ،علامہ شعیب الارنووط اور علامہ ناصر الدین البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھیے: سلسلة الأحاديث الصحيحة ، 582/5 ،حدیث: 2454

[2] – الشريعة للآجری ، 345/1

ہے، جبکہ اس لڑائی میں جام شہادت پانے والا اللہ تعالی کے ہاں بہترین شہید قرار پاتا ہے۔

مبحث دوم: تکفیر اور دیگر فتنوں سے بچنے کے لیے عمومی نصیحتیں

- تمام امور میں نبی ﷺ اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑا جائے، اور نیکی کے نام پر نئی نئی چیزوں کو اختیار کرنے سے پرہیز کیا جائے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

  «أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا، فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ»

  میں تمہیں اللہ کے تقوی اختیار کرنے اور امیر کی بات سننے اور ماننے کی وصیت کرتا ہوں، چاہے وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، میرے بعد جو تم میں سے زندہ رہے گا عنقریب وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، تو تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑنا، تم اس سے چمٹ جانا، اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا، اور دین میں نکالی گئی نئی باتوں سے بچتے رہنا، اس لیے کہ ہر نئی بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"[1]

- قرآن وسنت کی نصوص کو اپنے مؤقف کے مطابق بنانے یا ڈھالنے کا تکلف کرنے کی بجائے اپنے مؤقف کو ان نصوص کے مطابق ڈھال لیا جائے۔ کیونکہ فتنوں کے زمانے میں سب سے بڑی آفت یہ ہوتی ہے کہ ہر شخص شرعی دلائل کو اپنے مؤقف کے مطابق بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور جب کوئی دلیل اس کے مؤقف کی مخالفت کرتی نظر آتی ہے تو اسے مختلف طریقوں سے رد کر دیتا ہے یا اس کی خودساختہ تاویل گڑھ لیتا ہے۔ جبکہ ایسے مواقع پر اہل ایمان کا رویہ بیان کرتے ہوئے فرمان باری تعالی ہے:

  ﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[2]

- دین کا علم مضبوط اور معتدل علماء سے حاصل کرنے اور جہالت سے بچنے کی کوشش کی جائے۔ کیونکہ دین سے متعلقہ فتنے ہمیشہ مشتبہ احکامات کو بنیاد بنا کر حملہ آور ہوتے ہیں اور دینی علوم سے لوگوں کی جہالت کی وجہ سے

---

[1] – سنن أبي داود، كتاب السنة ، باب في لزوم السُّنَّة ،16/7،حديث: 4607- سنن ابن ماجه:42 ۔ سنن الترمذی:2676- محقق شیخ شعیب الارنووط نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

[2] – النور24 :51

ترویج پاتے ہیں۔اسی لیے اللہ تعالی نے دینی علم کے حاملین کو صحیح معنوں میں خشیت الٰہیہ کا حامل قرار دیا ہے۔فرمان باری تعالی ہے:﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾[1]

- دین کا علم خود حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ راسخ فی العلم اور صحیح عقیدہ و منہج کے حامل علماء کے ساتھ تعلق جوڑیں، کیونکہ علماء ہی فتنوں کو بروقت پہچان پاتے ہیں، اور ان کی راہنمائی میں فتنوں سے بچ نکلنا آسان ہو جاتا ہے۔اس لیے ایسے علماء کی صحبت اختیار کریں کہ جو علم اور عمر دونوں میں بڑے ہوں، کیونکہ نئے عالم اور جوان عالم اپنے جوش کی وجہ سے کبھی کبھی راہ راست سے بھٹک جاتے ہیں،ان کے برعکس کبار علماء اپنے تجربے اور مضبوط علم کی بنیاد پر فتنوں کو نسبتاً زیادہ اچھے طریقے سے جان لیتے ہیں اور فتنے ان پر جلد اثرانداز نہیں ہو پاتے۔
- سیاسی یا مذہبی ہر قسم کی فرقہ واریت اور اس کی داعی مختلف جماعتوں اور فرقوں کے ساتھ تعلق بنانے سے پرہیز کریں۔﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾[2] کی بنیاد پر نیکی کے کاموں میں ہر ایک کا تعاون کریں اور گناہ یا برائی کے کاموں میں کسی کے ساتھ بھی تعاون نہ کریں۔
- فتنوں کے دور میں اپنی زبان کو ہر قسم کی فضول کلام سے اور اپنے ہاتھ کو کسی بھی قسم کی لڑائی سے ہر ممکن حد تک روک لیں۔ہر معاملہ میں بردباری کو اپنایئے، غصہ اور جلدی سے پرہیز کیجئے۔جلدی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے، جب انسان جذباتی ہو کر بغیر سوچے سمجھے کوئی فیصلہ لینے میں جلدی کرتا ہے تو وہ فتنے کا شکار ہو جاتا ہے۔اسی طرح جو شخص غصہ میں ہوتا ہے، وہ اکثر غلط فیصلہ کر بیٹھتا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ اس فیصلے کو انا کا مسئلہ بنا کر اسی پر ڈٹ جاتا ہے، لہذا غصہ سے پرہیز کیجئے۔بردباری کو اپنایئے، کیونکہ آپ کا بردباری اور تحمل سے گریز کرنا آپ کو فتنے کی طرف لے جا سکتا ہے۔
- دنیاوی خواہشات کو پس پشت ڈال دیجئے۔اگر آپ چاہتے ہیں کہ فتنوں سے محفوظ رہیں تو دنیاوی خواہشات کا پیچھا کرنا چھوڑ دیں، کیونکہ یہی خواہشات و شہوات انسان کو مختلف فتنوں کا شکار بنا دیتی ہیں۔
- اگر آپ فتنوں سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں، تو دوسرے لوگوں کے ساتھ سختی کی بجائے نرمی برتیں، کیونکہ فرمان نبوی ﷺ ہے:

«مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ، يُحْرَمِ الْخَيْرَ»[3]

---

[1] – فاطر 35: 28

[2] –المائدة 5: 2

[3] – صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الرفق، 4/2003، حديث:2592

جو شخص نرمی سے محروم کر دیا گیا وہ ہر قسم کی بھلائی سے محروم کر دیا گیا۔

اور لازمی بات ہے کہ جو بد نصیب شخص خیر سے محروم کر دیا گیا ہو، وہ فتنوں میں مبتلا ہونے اور ان کا شکار بننے سے کیسے بچ سکتا ہے؟

- شریعت نے جو کام آپ کے ذمے لگائے ہیں، انہیں پوری کوشش اور دیانت سے ادا کریں، اور جو کام آپ کے ذمے نہیں، انہیں ترک کر دیں۔ ایک مومن کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے ذمہ لگائے گئے کام کو پوری ذمہ داری کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ جبکہ جو کام اس کے ذمے نہیں لگایا گیا، وہ اس کو رخصت سمجھ کر اس رخصت کو قبول کرتا ہے، اور اسی چیز کو رسول اللہ ﷺ نے کسی بھی آدمی کے اسلام کا حسن قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ"[1] مثلاً اللہ تعالی نے نماز ادا کرنا ہر مومن پر فرض کیا ہے، چنانچہ ہر مومن پر لازم ہے کہ وہ نماز ادا کرے، لیکن ریاست میں حدود اللہ کا نفاذ کرنے کی ذمہ داری حکمران کو سونپی ہے، ہر مسلم شہری کو نہیں تو اس لیے اس کا محاسبہ بھی ہر شہری کی بجائے حکمران سے ہی ہوگا۔
- فتنوں کے دور میں بالخصوص اللہ تعالی کی طرف رجوع کرنا اور اللہ تعالی کے حضور فتنوں سے محفوظ رکھنے کی دعا کرنا ایک مومن کا آخری ہتھیار ہوتا ہے۔ کیونکہ دل اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ اور اللہ ہی ہے، جو کسی بھی انسان کو فتنوں سے بچا سکتا ہے۔ اس لیے ایک مومن کی ہمیشہ یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ فتنوں سے بچنے کے لیے تمام تر طریقے بروئے کار لانے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالی کی جناب میں فتنوں سے بچنے کی دعا کرتا رہتا ہے۔

---

[1] – سنن ابن ماجه، أبواب الفتن ، باب العزلة ،119/5،حديث :3977 ۔ سنن الترمذی :2317۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے سنن ابن ماجہ کی تحقیق میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

مبحث سوم: پاکستان میں فتنہ تکفیر کے تدارک کے لیے کیے جانے والے اقدامات

یوں تو پاکستان شروع دن سے فرقہ واریت کا شکار رہا ہے لیکن یہ فرقہ واریت کفر وشرک کے فتووں کے باوجود نہ ملک کے امن وامان کے لیے زیادہ مسئلہ بنی اور نہ ہی اس نے ریاست وحکام کو کافر قرار دیا یہاں تک کہ امریکہ میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر کا حادثہ پیش آیا جس پر امریکی ومغربی اتحاد نے اس خطہ پر بغیر کسی ثبوت کے چڑھائی کر دی۔ پاکستان اپنی جغرافیائی حیثیت، عسکری پوزیشن اور دیگر معاملات کو دیکھ کر ایک حکمت عملی کے تحت امریکی اتحاد میں شامل ہو گیا، جس پر عاقبت نااندیش اور فقہ الواقع سے بے خبر شدت پسندانہ سوچ ومزاج رکھنے والے لوگوں نے پاکستانی حکام وریاست پر کفر کے فتوے لگانے شروع کر دیے۔ اور پھر یہ سلسلہ پھیلتا چلا گیا اور اس آگ کو پاکستان کے دشمن ممالک اور اداروں نے بھی ایندھن فراہم کرنا شروع کر دیا اور بات تکفیر کے فتووں سے بڑھ کر ریاست کے خلاف خروج، بغاوت اور معصوم شہریوں کے قتل عام تک پہنچ گئی، جس پر ریاست کو بھرپور ایکشن لینا پڑا۔ یہ چومکھی لڑائی تھی جس میں دشمن تو اپنا سب کچھ جھونک ہی رہا تھا لیکن نادان اپنے بھی اپنی دین داری، اعلائے کلمۃ اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے نام پر اس کے دست وبازو بنے ہوئے تھے۔

چنانچہ پاکستان نے بھی اس لڑائی کو چومکھی انداز میں لڑنا شروع کیا، تمام سیاسی، مذہبی جماعتیں اور ان کے قائدین ریاست کے شانہ بشانہ کھڑے ہوئے، ریاستی ادارے چوکس ہوئے، قانون ساز فورم اور عدالتیں متحرک ہوئیں، خفیہ اداروں نے اپنا دن رات ایک کر دیا اور قانون نافذ کرنے والے اداروں، پولیس ومسلح افواج نے اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ نتیجہ یہ کہ آج ریاست پاکستان اللہ تعالی کے فضل وکرم اور اپنے شہریوں ومحافظوں کی ہمہ جہت کاوشوں اور قربانیوں سے دشمن کو شکست دے کر ترقی کے سفر پر پھر گامزن ہے۔ پاکستان نے تکفیر کی عمومی لہر اور اس کے نتیجہ میں ہونے والی دہشت گردی اور خونریزی کو روکنے کے لیے بہت سے اقدامات اٹھائے جن میں سے تکفیر ودہشت گردی کو عملی طور پر شکست دینے کے لیے تمام سٹیک ہولڈرز کی طرف سے ایک متفقہ قومی لائحہ عمل اختیار کرنا اور دوسرا تکفیر ودہشت گردی کے خلاف فکری ونظری محاذ پر دینی قیادت کا بلا اختلاف ایک اتفاقی موقف تک پہنچنا سر فہرست ہے۔ اس فصل میں انہی تاریخی اقدامات کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

پاکستان میں موجود تکفیری سوچ اور فکر کی حامل تنظیم کالعدم تحریک طالبان پاکستان کی دہشت گردانہ کارروائیوں کے خلاف پاکستانی فورسز نے شروع دن سے ایک جامع پالیسی اختیار کی ہے، اس سلسلہ میں سکیورٹی فورسز نے کالعدم تحریک طالبان کے زیر اثر تمام علاقوں میں مختلف آپریشن لانچ کیے جن میں سے چند ایک آپریشنز کا مختصر تعارف ذیل میں دیا جا رہا ہے۔

آپریشن راہ حق

2007ء کی آخری سہ ماہی میں محدود پیمانے پر سوات اور شانگلہ میں مولانا فضل اللہ اور صوفی محمد (تحریک نفاذ شریعت محمدی) کے خلاف آپریشن راہ حق کیا گیا۔

آپریشن راہ راست

فروری 2009ء میں حکومت خیبر پختون خواہ اور صوفی محمد کے درمیان معاہدہ ہوا کہ مالاکنڈ اور سوات میں شریعت کا نفاذ ہوگا۔ معاہدے کے بعد امن قائم ہونے کی بجائے، مذہبی انتہا پسندوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے، مسلح ہو کر انسانی حقوق کی دھجیاں بکھیرنا شروع کر دیں۔ بین الاقوامی دباؤ اور امن وامان کی خراب صورتحال کو مدّ نظر رکھتے ہوئے، اپریل 2009ء میں تحریک طالبان پاکستان (مولانا فضل اللہ) اور تحریک نفاذ شریعت محمدی کے خلاف مالاکنڈ ڈویژن میں "آپریشن راہ راست" کیا گیا۔

آپریشن راہ نجات

جون 2009ء میں پاک فوج کی جانب سے جنوبی وزیرستان میں کمانڈر بیت اللہ محسود کے گروپ کے خلاف کی جانے والی فوجی کارروائی کو آپریشن راہ نجات کا نام دیا گیا۔ اس آپریشن کا باقاعدہ آغاز پاک فوج کے جنرل ہیڈ کوارٹرز پر شدت پسندوں کے حملے کے بعد ہوا۔ اس کارروائی میں پاک فضائیہ نے بھی پاک فوج کے ہمراہ حصہ لیا۔[1]

آپریشن ضرب عضب

پاکستانی ریاست کئی بار دہشت گردوں کے چھوٹے چھوٹے گروہوں کے ساتھ محدود علاقوں کے لیے امن معاہدے کرتی رہی ہے، لیکن پہلی بار وفاقی حکومت نے براہِ راست تحریکِ طالبان پاکستان کے ساتھ مذاکرات کی پالیسی اپنائی۔ اس حوالے سے متعدد کل جماعتی کانفرنسیں بھی منعقد ہوئیں جن میں سے آخری نو ستمبر 2013ء کو ہوئی۔ ان کانفرنسوں میں سیاسی جماعتوں کی جانب سے حکومت کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ ملک میں قیامِ امن کے لیے شدت پسند تنظیموں کے ساتھ مذاکرات کرے۔ آئندہ کئی ماہ تک مذاکرات ہوتے رہے۔ کمیٹیاں بنیں، کمیٹیوں پر سوال اٹھے، خفیہ مقامات پر کمیٹیاں ہیلی کاپٹروں کی مدد سے ملنے گئیں۔ یہاں تک کہ پاکستان تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان نے تو طالبان کا دفتر کھولنے تک کی تجویز پیش کر دی۔ ادھر طالبان کے گروہوں کے درمیان لڑائیاں بھی شروع ہونے لگیں۔ کوئی مذاکرات کرنا چاہتا تھا، تو کوئی لڑائی۔ کبھی مذاکرات پر اتفاق تو کبھی ان کے انداز پر اعتراض تھا مگر طالبان قیادت کسی فیصلہ پر اپنے گروہوں کو متفق نہ کر سکی۔ آخر کار مذاکرات ناکام ہو گئے۔۔اور اس ناکامی کی آخری قسط شاید

---

[1]https://ur.wikipedia.org/wiki/%D8%A2%D9%BE%D8%B1%DB%8C%D8%B4%D9%86_%D8%B1%D8%A7%DB%81_%D9%86%D8%AC%D8%A7%D8%AA

کراچی ہوائی اڈے پر گذشتہ ہفتے دس شدت پسندوں کا حملہ تھی۔ کراچی کے جناح بین الاقوامی ہوائی اڈے پر دہشت گردوں کے حملے کے بعد آخر کار حکومت نے ساری قومی وسیاسی قیادت کو اعتماد میں لے کر یہ فیصلہ کیا کہ "آپریشن ضرب عضب" کے ذریعے دہشت گردوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے طاقت کا استعمال کیا جائے گا۔

قومی قیادت کی بھرپور حوصلہ افزائی اور عوام کے پُرجوش اظہارِ یک جہتی کے ساتھ پاک فوج، پاک فضائیہ، فرنٹئیر کور، خاصہ دار فورس، لیویز فورس، خُفیہ اداروں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں نے مشترکہ طور پر شمالی وزیرستان میں آپریشن ضربِ عضب کا آغاز کیا۔ یہ آپریشن 15 جون 2014 کو شروع کیا گیا تھا اور اس کا مقصد مختلف مقامی اور غیر ملکی کالعدم تنظیموں پر مشتمل دہشت گردوں کے نیٹ ورک کو ختم کرنا تھا۔ ملک کے قبائلی علاقے شمالی وزیرستان میں شروع کیے جانے والے اس فوجی آپریشن ضربِ عضب کا دائرہ دسمبر 2014 میں پشاور کے آرمی پبلک سکول پر طالبان کے حملے کے بعد ملک کے دیگر علاقوں تک پھیلانے کا اعلان کر دیا گیا تھا۔[1] چنانچہ بے شمار چیلنجوں کے باوجود صرف دو تین سالوں میں پاکستان کے قانون نافذ کرنے والے ادارے بڑی حد تک اپنے اہداف کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

آپریشن ردالفساد

2017 کے اوائل میں پاکستانی عوام کو دہشت گردی کی ایک اور بڑی لہر کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک ہفتے کے دوران دہشت گردی کی پے درپے وارداتوں میں سو سے زیادہ شہریوں کی ہلاکت نے فوج کو ایک اعلیٰ سطح کے اجلاس میں دہشت گردوں اور انتہا پسندوں کے خلاف 'ردالفساد' کے نام سے ایک نیا اور بھرپور سیکورٹی آپریشن لانچ کرنے کے فیصلہ پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ 22 فروری 2017 کو پاکستان آرمی نے پاکستان میں دہشت گردی کے خلاف ایک نئے ملک گیر آپریشن کا آغاز کیا جسے "آپریشن ردالفساد" کا نام دیا گیا۔ فوج کے شعبۂ تعلقاتِ عامہ کی جانب سے جاری کیے گئے بیان کے مطابق آپریشن ردالفساد کا مقصد ملک میں بچے کھچے دہشت گردوں کا بلا تفریق خاتمہ اور نیشنل ایکشن پلان پر عملدرآمد کرنا ہے اور یہ کہ اس آپریشن سے سرحد کی سیکورٹی بھی یقینی بنے گی۔ فیصلہ یہ کیا گیا کہ دہشت گردی کے خاتمے کے لیے شروع ہونے والے اس آپریشن میں پاکستانی فضائیہ، بحریہ، سول فورسز اور دیگر سیکورٹی ادارے بھی حصہ لیں گے[2]۔ اس سیکورٹی آپریشن کے تحت ملک کے چاروں صوبوں میں خفیہ اطلاعات کی بنیاد پر کارروائیاں اور سرچ آپریشن کیے جا رہے ہیں اس آپریشن کے آغاز سے قبل پاکستان اور افغانستان کی سرحد بھی بند کر دی گئی تھی جسے وقتاً فوقتاً کھولا جاتا ہے۔

---

[1] -https://www.bbc.com/urdu/pakistan-39052226 (02-08-21/12:53)
[2] -https://www.bbc.com/urdu/pakistan-39052226 (02-08-21/12:54)

آپریشن ردالفساد کے تین سال مکمل ہونے پر آرمی چیف جنرل قمر جاوید باجوہ نے ایک بیان میں کہا کہ ملکی سلامتی کے خلاف کسی بھی خطرے سے نمٹنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ دہشت گردی کے خاتمے اور سرحدوں کے دفاع کے لیے آپریشن ردالفساد شروع کیا گیا تھا، قوم کی بھرپور حمایت سے جاری دہشت گردی کے خلاف جنگ میں بھرپور کامیابیاں حاصل ہوئیں، تاہم ان کامیابیوں کی قیمت بھاری جانی ومالی نقصان کی صورت ادا کی گئی، ہمارے شہداء ہمارا فخر ہیں، دہشت گردی کے خلاف جاری جنگ کے نتائج یقیناً خطے میں امن کی صورت میں ظاہر ہوں گے۔ ان تین سالوں میں ملک بھر میں ایک لاکھ 49 ہزار سے زائد انٹیلی جینس بیسڈ آپریشنز کیے گئے۔ ان آپریشنز کے ذریعے تقریباً 400 سے زائد مذموم منصوبے ناکام بنائے گئے جبکہ فوجی عدالتوں نے 344 دہشتگردوں کو سزائے موت، 301 کو مختلف دورانیہ کی سزائیں دیں۔ آپریشن ردالفساد کے تحت پاک، افغان سرحد پر 2611 کلومیٹر میں سے 1450 کلومیٹر پر باڑ کی تنصیب مکمل کی گئی۔ ان اقدامات کے نتیجے میں ملک سے دہشت گردی کا قلع قمع ہوا، اور پاکستان پھر سے امن کا گہوارہ بنا۔ یہ آپریشن ردالفساد کا ہی ثمر ہے کہ پہلی مرتبہ پاکستان سپر لیگ کا انعقاد پاکستان میں ہوا، اور دنیا کی نظر میں دہشت گردی کا مرکز تصور کیے جانے والے پاکستان کے قبائلی علاقہ جات آج افواج پاکستان کے عزم اور قربانیوں سے امن ومحبت کا گہوارہ بن چکے ہیں۔[1]

متفقہ قومی لائحہ عمل/نیشنل ایکشن پلان

16 دسمبر 2014 کو سات دہشت گردوں پر مشتمل ایک ٹیم نے صوبہ خیبر پختونخواہ کے دارالحکومت پشاور میں واقع آرمی پبلک سکول پر حملہ کیا۔ حملہ آوروں نے اسکول میں داخل ہو کر اندھادھند فائرنگ شروع کی اس حملے میں سکول کے طلبہ واساتذہ سمیت 147 افراد ہلاک اور متعدد زخمی ہوگئے۔ اس حملے کی ذمہ داری کالعدم تنظیم "تحریک طالبان پاکستان" نے قبول کرلی[2]۔ واقعے کی اطلاع ملتے ہی پولیس اور پاک فوج کے اسپیشل سروسز گروپ کے شاہینوں نے وہاں پہنچ کر کامیابی کے ساتھ حملہ آوروں کو ہلاک کردیا۔

اس سانحہ فاجعہ نے پورے ملک کی سیاسی، مذہبی و عسکری قیادت سمیت پوری قوم کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، حکومت پاکستان نے سبھی سیاسی ومذہبی جماعتوں کے ساتھ مشاورت کے بعد ایک بیس نکاتی لائحہ عمل پر مشتمل ایک مسودہ ترتیب دیا جس میں وطن عزیز کو درپیش دہشت گردی اور انتہاپسندی کے سنگین خطرات کے تدارک کے حوالہ سے عملی سفارشات پیش کی گئیں، بعدازاں اسی حوالے سے پارلیمنٹ کا خصوصی ہنگامی اجلاس بلایا گیا جس میں سبھی نمائندگان نے بھرپور شرکت کی اور ملکی سلامتی کی اس اہم ترین دستاویز "نیشنل ایکشن پلان" کے اختیار کرنے پر

[1] -https://dailypakistan.com.pk/23-Feb-2020/1097195 (02-08-21/12:54)
[2] -https://www.bbc.com/urdu/pakistan-54292510 (02-08-21/12:55)

رضامندی کا اظہار کیا۔ ان نکات کے مطابق عسکریت پسندوں، دہشت گردوں، شدت پسندوں، فرقہ وارنہ تنظیموں اور مسلح گروہوں کو کسی صورت بھی ملک میں کام کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ نیشنل ایکشن پلان مندرجہ ذیل بیس نکات پر مشتمل ہے:

1۔ سزا یافتہ دہشت گردوں کی سزائے موت پر عملدرآمد کیا جائے گا۔

2۔ دو سال کے لیے فوجی افسران کی سربراہی میں خصوصی عدالتوں کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔

3۔ سیاسی و مذہبی جماعتوں سمیت عسکریت پسند گروہوں کے عسکری و مسلح ونگز کا خاتمہ کیا جائے گا۔

4۔ نیکٹا کو مضبوط و موثر بنایا جائے گا۔

5۔ انتہا پسندی، فرقہ واریت اور عدم برداشت کی تشہیر کرنے والے نفرت انگیز تقاریر و مواد کے خلاف مکمل کارروائی کی جائے گی۔

6۔ دہشت گردوں اور دہشت گرد تنظیموں کی مالی امداد روکنے کے لیے اقدامات کیے جائیں گے۔

7۔ کالعدم تنظیموں کو کسی دوسرے نام سے بھی کام کرنے سے روکا جائے گا۔

8۔ مذہبی منافرت پھیلانے کے خلاف سخت اقدامات اور اقلیتوں کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے گا۔

9۔ خصوصی انسدادِ دہشت گردی فورس کا قیام اور تعیناتی عمل میں لائی جائے گی۔

10۔ دینی مدارس کی رجسٹریشن اور ضابطہ بندی کا اہتمام کیا جائے گا۔

11۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر دہشت گرد تنظیموں اور ان کے نظریات کی تشہیر پر مکمل پابندی ہوگی۔

12۔ فاٹا میں انتظامی و ترقیاتی اصلاحات کی جائیں گی، آئی ڈی پیز (بے گھر افراد) کی واپسی پر توجہ دی جائے گی۔

13۔ دہشت گردوں کے مواصلاتی نظام کو ختم کیا جائے گا۔

14۔ انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا پر دہشت گردوں اور اُن کے نظریات کے فروغ پر مکمل پابندی عائد کی جائے گی۔

15۔ پنجاب بھر میں عسکریت پسندی ناقابل برداشت ہوگی۔

16۔ کراچی آپریشن کو منطقی انجام تک پہنچایا جائے گا۔

17۔ بلوچستان حکومت کو تمام اسٹیک ہولڈرز سے سیاسی مفاہمت کا اختیار دیا جائے گا۔

18۔ فرقہ واریت پھیلانے والے عناصر کے ساتھ سختی کے ساتھ نمٹا جائے گا۔

19۔ افغان پناہ گزینوں کے معاملے سے نمٹنے کی لیے جامع پالیسی مرتب دی جائے گی اور اس کے لیے سب سے پہلے افغان پناہ گزینوں کی رجسٹریشن کا عمل شروع کیا جائے گا۔

20۔ فوجداری نظام میں تبدیلیاں اور اصلاحات کا عمل تیز کیا جائے گا۔[1]

نیشنل ایکشن پلان کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اس میں دہشت گردی کے خاتمہ کے ساتھ انتہا پسندی کے خاتمے کو بھی ہدف بنایا گیا ہے۔ انتہا پسندی دراصل ایک ذہنی اور فکری کیفیت ہے جس کے تحت انسانی نفسیات تشکیل پاتی ہے، جبکہ دہشت گردی اور قتل وغارت اس مجرمانہ نفسیات کا عملی اظہار ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں انتہا پسندی کو جڑ سے ختم کیے بغیر دہشت گردی سے جان چھڑانا کسی صورت بھی ممکن نہیں ہے۔ نیشنل ایکشن پلان کا بنیادی تصور بھی اسی حقیقت پر قائم ہے۔

نیشنل ایکشن پلان پر مؤثر انداز سے عملدرآمد کے لیے ماہرین کے 14 گروپ بنائے گئے۔ ان گروپس میں پولیس اور خفیہ اداروں کے حکام کے علاوہ دیگر قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ماہرین اور مذہبی سکالرز کے علاوہ تعلیم کے ماہرین بھی شامل تھے۔ دہشت گردی کے لیے مالی معاونت کی روک تھام اور نگرانی کے لیے ماہرین کی ایک کمیٹی بنائی گئی، جس میں سیکریٹری فنانس، فنانشل مانیٹرنگ یونٹ، محکمہ داخلہ، سی ٹی ڈی، وزارت خارجہ، آئی ایس آئی، نیکٹا، ایف بی آر، اسٹیٹ بینک، سیکیورٹی ایکسچینج کمیشن اور ملٹری آپریشن ڈائریکٹوریٹ کے نمائندے شامل کیے گئے۔ مزید برآں سیکرٹری داخلہ نے ماہرین کا ایک گروپ تشکیل دینے کی منظوری دی جس میں سیکریٹری داخلہ، سیکریٹری قانون وانصاف، صوبائی سیکریٹری داخلہ، آئی جی پولیس، سول آرمڈ فورسز کے نمائندے، انٹلی جنس بیورو، آئی ایس آئی کے نمائندے اور ماہر قانون شامل ہوں گے جو پالیسی اور عمل درآمد کا طریقہ کار تشکیل دے گی۔

ایک رپورٹ کے مطابق اگست 2019ء تک نیشنل ایکشن پلان کے تحت 71 تنظیموں کو کالعدم قرار دیا گیا، جبکہ چار تنظیموں کو نگرانی کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ساڑھے تیس ہزار مدارس میں سے 21 ہزار 9 سو کی رجسٹریشن کر لی گئی ہے، سندھ کے 80 فیصد، کے پی کے 75، بلوچستان کے 60 اور فاٹا کے 85 فیصد مدارس رجسٹرڈ کر لئے گئے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق ملک بھر میں نو کروڑ 81 لاکھ غیر قانونی سمز بلاک کر دی گئیں ہیں، جبکہ اے پی ایس واقعہ کے بعد 486 افراد کو سنائی گئی ہیں جن میں سے 56 دہشت گردوں کو پھانسی کی سزا دی گئی ہے۔ اس دوران دہشت گردوں کے خلاف 2 لاکھ 49 ہزار 909 آپریشنز کئے گیے ہیں جن میں 3 ہزار 8 سو افراد گرفتار جبکہ 2 ہزار 268 مارے گئے۔ سیکورٹی اداروں نے نیشنل ایکشن پلان کے تحت ملک میں نفرت پھیلانے والوں کے خلاف بھی سخت کارروائی کرتے ہوئے اس میں ملوث ساڑھے تین ہزار افراد کو بھی گرفتار کیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق لاؤڈ اسپیکر ایکٹ کی خلاف ورزی پر 34 ہزار سے زائد گرفتاریاں ہوئیں۔ سوشل میڈیا پر سولہ سو لنکس بلاک اور ساڑھے

[1] -https://www.bbc.com/urdu/pakistan-48441164 (02-08-21/12:56)

چودہ ہزار شکایات بھیجی گئیں۔[1]

تکفیر و دہشت گردی کے خلاف پاکستان کے تمام مکاتب فکر کے علماء کا متفقہ فتویٰ

وطن عزیز پاکستان میں جاری تکفیر مسلم اور پھر اس کی بنیاد پر قتل و غارت اور دہشت گردی کے متعدد اسباب میں سے ایک بڑا سبب دین کے نام پر فکری و نظریاتی انحراف ہے۔ پشاور کے آرمی پبلک سکول سانحہ کے بعد پاکستان کی سیاسی و عسکری قیادت نے دہشت گردوں اور ان کے معاونین کے ساتھ آہنی ہاتھوں سے نمٹنے کے لیے جہاں ایک متفقہ قومی لائحہ عمل ترتیب دیا، وہاں مذہبی مکاتب فکر کے جید علماء کرام نے بھی اس ضمن میں دینی و شرعی اعتبار سے لوگوں کی آگاہی کے لیے قابل ستائش خدمات سرانجام دیں۔ انہوں نے نہ صرف کسی کلمہ گو مسلمان کو اس کے کبیرہ یا صغیرہ گناہوں کی بناء پر کافر قرار دینے کی نفی کی بلکہ دین کے نام پر دہشت گردی پھیلانے والے ظالموں کے خلاف متعدد فتاویٰ صادر کیے۔ دہشت گردوں کا فکری و نظری جواب دینے کے لیے علمائے حق نے ان آیات واحادیث کے اصل مدلول کو ائمہ سلف صالحین کی آراء و اقوال اور فتاوی کی روشنی میں واضح کیا، جن آیات واحادیث کو وہ اولین خوارج کی طرح امت میں اپنی دہشت گردی کو سند جواز بخشنے کے لیے استعمال کر رہے تھے۔ اگرچہ دہشت گردی کے خلاف اس جنگ میں ان حق پسند علماء کرام کو خودکش حملوں اور شہادتوں کی صورت میں اپنے فتاویٰ کی بھاری قیمت چکانا پڑی، لیکن وہ کسی صورت پیچھے نہ ہٹے۔ اسی سلسلہ میں ایک انتہائی اہم مشترکہ کاوش اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ریاستی اداروں اور دینی مدارس کے پانچوں وفاقوں کی کاوشوں سے پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اس کاوش کے تحت ایک استفتاء تیار کروایا گیا، جو ملک کی بڑی جامعات، دینی اداروں، اتحادِ تنظیماتِ مدارسِ دینیہ کے تحت تمام وفاقوں، تمام مکاتبِ فکر کی سرکردہ شخصیات اور مذہبی تنظیموں کے سربراہوں کے پاس بھیجا گیا اور ان سب کے اتفاق رائے سے جاری ہونے والے فتوی اور اس فتوی کی روشنی میں طے شدہ اہل علم و نظر کے اعلامیہ کو ''پیغامِ پاکستان'' کے نام سے ملک بھر میں نشر کیا گیا۔

خیال رہے کہ یہ فتویٰ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی بین الاقوامی یونیورسٹی کے زیر اہتمام 30 سے زائد علمائے کرام نے تیار کیا تھا، جن میں مفتی منیب الرحمٰن، مفتی محمد رفیع عثمانی، مولانا عبدالمالک، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر، مولانا حنیف جالندھری اور مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے دیگر علمائے کرام شامل ہیں۔ پھر اس فتوی کو ملک بھر کے مختلف مسالک اور مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے علمائے کرام کی خدمت میں ارسال کیا گیا اور اس فتوی کی توثیق وتائید

[1] -https://www.humnews.pk/latest/189485/ (02-08-21/12:57)

میں ملک بھر کے تمام مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے 1829 علماء نے دستخط کیے۔[1]

اس فتویٰ کو ۲۶ مئی ۲۰۱۷ء کو ادارہ تحقیقات اسلامی میں صدر پاکستان کی صدارت میں منعقد ہونے والے سیمینار بعنوان "میثاق مدینہ کی روشنی میں پاکستانی معاشرے کی تشکیل نو" کے موقع پر پیش کیا گیا۔اس موقع پر علمائے کرام کی طرف سے متفقہ فتویٰ کے ساتھ ایک متفقہ اعلامیہ بھی پیش کیا گیا۔ متفقہ اعلامیہ پروفیسر ڈاکٹر معصوم یاسین زئی، ریکٹر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد نے جبکہ متفقہ فتویٰ مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی، متہم دارالعلوم کراچی نے پیش کیا۔[2]

فتوی کے مطابق پاکستان اپنے دستور و آئین کی روشنی میں ایک مسلم ریاست ہے اس لیے اس میں نفاذ شریعت کے نام پر ریاست کے خلاف کسی قسم کا مسلح تصادم حرام ہے۔ مسلم عوام پر کیے جانے والے خودکش حملے ادلہ شرعیہ کی روشنی میں حرام ہیں اور ان حملوں کے کرنے، کروانے اور ان کی ترغیب دینے والے اسلام کی رو سے باغی ہیں اور ریاست ایسے عناصر کے خلاف کارروائی کرنے کی شرعی طور پر مجاز ہے۔فتوی میں صراحتاقرار دیا گیا کہ جہاد کا اعلان کرنا ریاست کا حق ہے، جنگ اور قتال پر مشتمل جہاد شروع کرنے کا اختیار صرف مسلم ریاست کو ہے، کسی فرد یا گروہ کو نہیں۔ نیز فرقہ وارانہ منافرت، مسلح فرقہ وارانہ تصادم اور طاقت کے بل بوتے پر اپنے نظریات دوسروں پر مسلط کرنے کی روش کو اس فتوی میں شریعت کے احکام کے منافی اور فساد فی الارض قرار دیا گیا اور کہا گیا کہ حکومت اور اس کے ادارے ایسی سرگرمیوں کے سدباب کے لیے تمام ممکنہ اقدامات کریں۔

استفتاء میں حکومتِ پاکستان اور افواج پاکستان کے خلاف مسلسل خونریز کارروائیاں کرنے والے کچھ حلقوں کے حوالہ سے سوال کیا گیا تھا کہ جو نفاذِ شریعت کے نام پر پاکستان کی حکومت اور اس کی افواج کو اس بناپر کافر و مرتد قرار دیتے ہیں کہ انہوں نے ابھی تک ملک میں شریعت کو مکمل طور پر نافذ نہیں کیا، اور وہ اس کی بناپر اپنی مسلح کارروائیوں کو جہاد کا نام دے کر نوجوانوں کو ان کارروائیوں میں شریک ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ نیز ان کارروائیوں کے دوران خودکش حملے کر کے بے گناہ شہریوں اور فوجیوں کو نشانہ بناتے اور اُسے کارِ ثواب قرار دیتے ہیں۔اس تمام پس منظر میں علماء کرام سے مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات طلب کیے گئے تھے:

1. کیا پاکستان اسلامی ریاست ہے یا غیر اسلامی؟ نیز کیا شریعت کو مکمل طور پر نافذ نہ کر سکنے کی بناپر ملک کو

[1] ۔متفقہ فتوی پر دستخط کرنے والے تمام علماء، مشائخ اور مفتیان کی تفصیلی فہرست "پیغام پاکستان" کے صفحہ نمبر 59 سے 81 پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

[2] ۔ محققین ادارہ تحقیقات اسلامی، پیغام پاکستان، ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ص:x

غیر اسلامی ملک اور اس کی حکومت یا افواج کو غیر مسلم قرار دیا جاسکتا ہے ؟

2. کیا موجودہ حالات میں نفاذِ شریعت کی جدوجہد کے نام پر حکومت یا افواج کے خلاف مسلح بغاوت جائز ہے ؟

3. پاکستان میں نفاذِ شریعت اور جہاد کے نام پر جو خود کش حملے کیے جارہے ہیں، قرآن وسنت کی روشنی میں ان کا کوئی جواز ہے ؟

4. اگر مذکورہ تین سوالات کا جواب نفی میں ہے تو کیا حکومتِ پاکستان اور افواجِ پاکستان کی طرف سے اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے جو مسلح کارروائیاں کی جارہی ہیں ، وہ شریعت کی رُو سے جائز ہیں؟ اور کیا مسلمانوں کو اُن کی حمایت اور مدد کرنی چاہیے ؟

5. ہمارے ملک میں مسلح فرقہ وارانہ تصادم کے بھی بہت سے واقعات ہو رہے ہیں، جن میں طاقت کے بل پر اپنے نظریات دوسروں پر مسلّط کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، کیا اس قسم کی کارروائیاں شرعاً جائز ہیں ؟

مذکورہ بالا سوالات کے جوابات دیتے ہوئے علماء کرام نے متفقہ طور پر قرار دیا کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان یقیناً اپنے دستور وآئین کے لحاظ سے ایک اسلامی ریاست ہے، جس کے دستور کا آغاز ہی قراردادِ مقاصد کے اس جملے سے ہوتا ہے کہ : "اللہ تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلاشرکتِ غیر حاکم مطلق ہے اور پاکستان کے جمہور کو اختیار واقتدار اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہوگا، وہ ایک مقدس امانت ہے"۔ اس کے علاوہ دستور کی دفعہ ۲۲۷ میں اقرار کیا گیا ہے کہ تمام موجودہ قوانین کو قرآن وسنت کے تحت اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے گا اور کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جائے گا جو اسلامی احکام کے خلاف ہو، اس اصول پر عمل کروانے کے لیے دستور کے تحت وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کی شریعت بینچ کا راستہ کھلا ہوا ہے، جس کے تحت ہر شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قرآن وسنت کے خلاف قوانین کو عدالت میں چیلنج کرکے اُنہیں تبدیل کروائے۔ ان اُمور کے پیشِ نظر پاکستان کسی شک وشبہ کے بغیر ایک اسلامی ریاست ہے اور کسی قسم کی عملی خامیوں کی بنا پر اُسے، اس کی حکومت یا افواج کو غیر مسلم قرار دینا ہرگز جائز نہیں، بلکہ گناہ ہے۔

مزید برآں فتویٰ میں قرار دیا گیا کہ چونکہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے اور پاکستان کی حکومت اور افواج دستورِ پاکستان کے پابند اور اس کے مطابق حلف اُٹھاتے ہیں، اس لیے پاکستان کی حکومت یا افواج کے خلاف مسلح کارروائیاں یقیناً بغاوت کے زمرے میں آتی ہیں، جو شرعاً بالکل حرام ہیں، اور اس مقصد کے لیے ہتھیار اُٹھانا فساد فی

الارض ہے۔اور جو لوگ شریعت کے نام پر حکومت کے خلاف مسلح کارروائیاں کر رہے ہیں، وہ شرعاً مسلمان ریاست کے خلاف کھلی بغاوت ہے اور حکومتِ پاکستان یا افواجِ پاکستان کا شرعی حدود میں رہتے ہوئے ان باغیوں کے خلاف لڑنا جائز ہی نہیں، بلکہ قرآنی حکم کے تحت واجب ہے اور اس سلسلے میں ریاستی کوششوں کے تحت جو آپریشن کیے جا رہے ہیں، اس میں افواجِ پاکستان کی حمایت اور بقدرِ استطاعت مدد کرنا تمام مسلمانوں پر واجب ہے۔

مختلف مسلکوں کے نظریاتی اختلاف کے حوالہ سے سوال کا جواب دیتے ہوئے علماء نے قرار دیا کہ اگرچہ یہ اختلاف ایک حقیقت ہے، لیکن اس اختلاف کی بنا پر قتل وغارت گری کرنا یا اپنے نظریات کو دوسروں پر جبر کے ذریعہ مسلط کرنا یا ایک دوسرے کی جان کے درپے ہونا بالکل حرام ہے۔[1]

متفقہ اعلامیہ

پیغام پاکستان کے حوالہ سے ہونے والی پروقار تقریب میں تمام اہل علم کی طرف سے قرآن وسنت کی تعلیمات اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے متفقہ دستور کے تقاضوں کے عین مطابق پیغام پاکستان کے ذریعے چند ایک اقدامات پر مشتمل ایک متفقہ اعلامیہ پیش کیا گیا جس کے مطابق پاکستان کا 1973ء کا دستور اسلامی اور جمہوری ہے اور پاکستان کی تمام اکائیوں کے درمیان سماجی اور عمرانی معاہدہ ہے جس کی توثیق تمام سیاسی جماعتوں کے علاوہ تمام مکاتب فکر کے علماء ومشائخ نے متفقہ طور پر کی ہوئی ہے، اس لیے اس دستور کی بالادستی کو ہر صورت یقینی بنایا جائے، اس اعلامیہ میں ہر پاکستانی شہری سے یہ تقاضا بھی کیا گیا کہ وہ ریاست پاکستان کے ساتھ ہر صورت میں اپنی وفاداری کا وعدہ وفا کرے۔

اس اعلامیہ کے مطابق پاکستان کے آئین وقانون کے دائرے میں رہتے ہوئے قرآن وسنت کے احکام کے نفاذ کی پرامن جدوجہد کو ہر مسلمان کا دینی حق قرار دیا گیا کہ جو دستور پاکستان کے تحت ہر مسلم شہری کو حاصل ہے۔ نیز اس اعلامیہ میں ارباب اختیار کو بھی تنبیہ کرتے ہوئے کہا گیا کہ بہت سے ملی و قومی مسائل کا سبب اللہ تعالی سے کیے ہوئے عہد سے روگردانی ہے، اس حوالے سے پیش رفت کرتے ہوئے ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلامی نظریاتی کونسل ،وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کے شریعت اپیلینٹ بینچ کو مزید فعال بنانے کا مطالبہ کیا گیا۔

اس اعلامیہ میں ملک کے تکفیر اور دہشت گردی میں ملوث عناصر کو نصیحت کرتے ہوئے کہا گیا کہ دستور کے کسی حصہ پر عمل کرنے میں کسی کوتاہی کی بنا پر ملک کی اسلامی حیثیت اور اسلامی اساس کا سرے سے ہی انکار کر دینا یا اس کی بنا پر ملک، حکومت، فوج یا دوسری سیکیورٹی ایجنسیوں کے اہلکاروں کو غیر مسلم قرار دیتے ہوئے ان کے خلاف مسلح

---

[1] -پیغام پاکستان، ص:36-42

کاروائی کسی صورت درست نہیں، اور نہ ہی اس کا کوئی شرعی جواز ہے، مزید یہ کہ ایسا عمل اسلامی تعلیمات کی رو سے بغاوت کا سنگین جرم قرار پاتا ہے، نفاذ شریعت کے نام پر طاقت کا استعمال، ریاست کے خلاف مسلح محاذ آرائی، تخریب و فساد اور دہشت گردی کی تمام صورتیں قطعی حرام اور شریعت اسلامیہ کی رو سے ممنوع ہونے کے ساتھ بغاوت اور فساد فی الارض کے زمرے میں آتی ہیں، اور ان کا تمام تر فائدہ اسلام دشمن اور ملک دشمن قوتوں کو پہنچ رہا ہے۔

اس اعلامیہ میں واضح اعلان کیا گیا کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں علماء ومشائخ سمیت زندگی کے تمام شعبوں کے طبقات ریاست اور مسلح افواج اور پاکستان کے دیگر سیکیورٹی اداروں کے ساتھ نہ صرف کھڑے ہیں بلکہ ان کے ساتھ مکمل اور غیر مشروط تعاون کا اعلان کرتے ہوئے ریاست نے دہشت گردوں کو کچلنے کے لیے "ضرب عضب" اور "ردالفساد" کے نام سے جو آپریشن شروع کر رکھے ہیں اور قومی اتفاق رائے سے جو لائحہ عمل تشکیل دیا ہے ان کی مکمل حمایت کرتے ہیں۔

اس اعلامیہ میں جہاں تمام دینی مسالک کے نمائندے علما کے شرعی دلائل کی روشنی میں قتل ناحق کے عنوان سے خودکش حملوں کے حرام قطعی ہونے کے فتوی کی مکمل حمایت کی گئی، وہیں تمام لسانی، علاقائی، مذہبی یا مسلکی شناختوں کے نام پر ریاست کے خلاف مصروف عمل مسلح گروہوں کو شریعت کے احکام کے منافی اور قومی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کا سبب قرار دیتے ہوئے ریاستی اداروں کو ان تمام گروہوں کے خلاف بھرپور کاروائی کرنے کی تجویز دی گئی۔ نیز فرقہ ورانہ منافرت، مسلح فرقہ ورانہ تصادم اور طاقت کے بل پر اپنے نظریات کو دوسروں پر مسلط کرنے کی روش کو شریعت کے احکام کی مخالفت اور فساد فی الارض قرار دیا گیا۔ اور کسی نوعیت کی عسکریت (Militancy) نفرت انگیزی (hatred)، انتہا پسندی (Extemism) اور تشدد پسندی (violence) پر مبنی سرکاری یا غیر سرکاری درس گاہوں کے خلاف ثبوت و شواہد کے ساتھ کاروائی کرنے کو حکومت اور ریاستی اداروں کی ذمہ داری قرار دیا گیا۔

اعلامیہ میں یہ تسلیم کیا گیا کہ پاکستان کے ہر مکتب فکر اور مسلک کو مثبت اور معقول انداز میں اپنے عقائد اور فقہی نظریات کی دعوت و تبلیغ کی شریعت اور قانون کی رو سے اجازت ہے، لیکن اسلامی تعلیمات اور ملکی قانون کے مطابق کسی بھی شخص، مسلک یا ادارے کے خلاف اہانت، نفرت انگیزی اور اتہام بازی پر مبنی تحریر و تقریر کی اجازت نہیں۔ اور تجویز کیا گیا کہ صراحت، کنایہ اور اشارہ کے ذریعے کسی بھی صورت میں انبیائے کرام و رسل عظام علیہم السلام، اہل بیت اطہار رضی اللہ عنھم، صحابہ کرام رضی اللہ عنھم، شعائر اسلام اور مسلک کے مسلمہ اکابر کی اہانت کے حوالے سے ضابطہ فوجداری کے آرٹیکل 298 تا 298 کی تمام دفعات کو ریاستی اداروں کے ذریعے لفظاً اور معناً نافذ کیا جائے اور اگر ان قوانین کا کہیں غلط استعمال ہوا ہے تو اس کے ازالے کے لیے احسن تدبیر اختیار کی جائے۔ اعلامیہ

میں یہ بھی طے کیا گیا کہ کسی کے بارے میں یہ فیصلہ صادر کرنا کہ آیا اس نے کفر کا ارتکاب کیا ہے یا کلمہ کفر کہا ہے، یہ ریاست و حکومت اور عدالت کا دائرہ اختیار ہے۔

اعلامیہ کے مطابق پاکستان میں رہنے والے پابند آئین و قانون تمام غیر مسلم شہریوں کو جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ اور ملکی سہولتوں سے فائدہ اٹھانے کے وہی تمام شہری حقوق حاصل ہیں جو پابند آئین و قانون مسلمانوں کو حاصل ہیں، نیز یہ کہ پاکستان کے غیر مسلم شہریوں کو اپنی عبادت گاہوں میں اور اپنے تہواروں کے موقع پر اپنے اپنے مذاہب کے مطابق عبادت کرنے اور اپنے مذہب پر عمل کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔

متفقہ اعلامیہ میں یہ سفارش بھی کی گئی کہ لاؤڈ اسپیکر کے ہر طرح کے غیر قانونی استعمال کی ہر صورت میں حوصلہ شکنی کی جائے اور متعلقہ قانون پر من و عن عمل کیا جائے اور منبر و محراب سے جاری ہونے والے نفرت انگیز خطابات کو ریکارڈ کر کے ان کے خلاف قانونی کاروائی کی جائے، نیز ٹیلی ویژن چینلوں پر مذہبی موضوعات پر مناظرہ بازی کو قانوناً ممنوع اور قابل دست اندازی پولیس قرار دیا جائے اور الیکٹرانک میڈیا کے حق آزادی اظہار کو قانون کے دائرے میں لاتے ہوئے اس کی حدود کا تعین کیا جائے۔[1]

[1]- دیکھیے: پیغام پاکستان، ص: 28-33

نتائج تحقیق

1. اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کرہ ارضی پر موجود ریاستوں اور ممالک کو دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔اول دارالاسلام یا مسلم ریاست کہ جہاں اہل اسلام کو غلبہ، قوت نافذہ اور اقتدار حاصل ہو۔دوم دارالکفر کہ جہاں کفار کو غلبہ، قوت نافذہ اور اقتدار حاصل ہو۔خیال رہے کہ ہر دارالکفر کا دارالحرب ہونا لازم نہیں ہے بلکہ وہ دارالعہد یا دارالامن بھی ہو سکتا ہے۔
2. کسی بھی مسلمان کو، چاہے وہ کوئی عام فرد ہو یا حکمران، کسی کبیرہ گناہ کی وجہ سے اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جائے گا۔شرعی احکامات کے مطابق اسے تب تک مسلم ہی شمار کیا جائے گا جب تک شرعی دلائل کی روشنی میں بغیر کسی شک وشبہ کے اس کا اسلام سے مرتد ہونا ثابت نہ ہو جائے۔
3. کوئی بھی مسلم ریاست تب تک دارالاسلام ہی قرار پائے گی جب تک وہاں کا سلطہ، قوت نافذہ اور اختیار واقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو۔کسی بھی مسلم ریاست کو اس کے وضعی قوانین یا غیر اسلامی پالیسیوں کی وجہ سے دارالکفر یا دارالحرب قرار نہیں دیا جائے گا۔
4. کسی معین شخص گروہ یا ریاست پر کافر ہونے کا حکم لگانا ہر شخص کے لیے جائز نہیں ہے بلکہ یہ کام صرف اور صرف علوم شرعیہ میں انتہائی مہارت رکھنے والے اہل علم ہی تکفیر کی شروط وضوابط اور موانع سے متعلقہ پوری تحقیق کے بعد سرانجام دے سکتے ہیں۔
5. دارالاسلام صرف کفار کے غلبہ کی وجہ سے اس وقت تک دارالکفر میں تبدیل نہیں ہو گا جب تک وہاں شعائر اسلام قائم ہیں۔اور کسی بھی مسلم ریاست کو اس کے وضعی قوانین یا دیگر وجوہات کی بناپر تب تک دار کفر قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک اس پر تمام قواعد تکفیر کا اطلاق، شرائط تکفیر کا تحقق اور موانع تکفیر کا انتفاء ثابت نہ ہو جائے۔
6. اس وقت موجود مسلم ممالک اپنے اندر رائج مختلف نظاموں اور وضعی قوانین کے نفاذ کے باوجود دار اسلام کی حیثیت رکھتے ہیں اور انہیں دار کفر قرار دینا غلط ہے۔
7. مسلم ریاستوں اور حکام کی تکفیر ایک انتہائی خطرناک اور خوفناک اقدام ہے جس کا ارتکاب دانستہ یا غیر دانستہ طور پر مسلم معاشرے کی تباہی وبربادی، عدم استحکام اور کفار کے غلبہ کی راہیں ہموار کرتا ہے
8. قدیم خوارج اور موجودہ زمانے میں موجود ان کی فکر کے حاملین کے درمیان تکفیر مسلم اور حکام کے خلاف خروج وبغاوت کے حوالے سے موجود اوصاف کی مشابہت، افکار کی وحدت اور کردار کی مماثلت کے حوالے سے اگر جائزہ لیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ قدیم خوارج اور معاصر خارجی فکر رکھنے والے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔

9. مسلم ریاستوں اوران کے حکام کو کافر قرار دینے کے ضمن میں معاصر خارجی فکر رکھنے والے اپنے پاس بزعم خود بہت سے دلائل رکھتے ہیں، لیکن ان کے تمام دلائل قرآن وسنت اور فقہاءامت کی تصریحات کی روشنی میں غلط فہم اور باطل تاویلات پر مبنی ہیں۔

10. شریعت اسلامی کی تعلیمات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص/حاکم کلمہ پڑھتا اوراسلام کا دعوی رکھتاہے، لیکن محض نفسانی خواہش کے غلبہ، کسی دنیاوی مجبوری، معذوری، لالچ یااپنی کم علمی اور جہالت ونادانی کی بنیاد پر حکم شرعی کے خلاف فیصلہ کرتاہے اور وہ اپنے اس فیصلہ کو اللہ کے حکم کے مقابلہ میں نہ تو بہتر سمجھتاہے اور نہ ہی برابر قرار دیتاہے، بلکہ وہ اس ضمن میں اپنی تقصیر کا اعتراف کرتا ہو تو ایسا شخص خارج عن الملہ کافر نہیں ہوگا بلکہ کبیرہ گناہ کا مرتکب، گناہ گار ہوگا۔

11. اسی طرح اگر کوئی حکمران اسلام کے ساتھ اعلانیہ وفخریہ اپنا تعلق جوڑتا ہو لیکن اپنی سیاسی، اقتصادی، عسکری ، سفارتی یا بین الاقوامی مجبوریوں کی بنیاد پر اس نے کفار کے ساتھ باہمی تعاون اور دوستی کے معاہدات کر رکھے ہوں تو اس کا یہ عمل اگرچہ بہت بڑا جرم ہے لیکن ایسا جرم نہیں ہے کہ جو اسے ملت اسلامیہ سے ہی خارج کر دے۔

12. اسلامی شرعی تعلیمات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو کافر قرار دینے سے پہلے ضروری اور لازمی ہے کہ اس شخص پر اس کی غلطی صحیح طرح سے واضح کرتے ہوئے اس کے شبہات کا ازالہ کر کے اس پر حجت تمام کر لی جائے۔

13. کفار کے ساتھ موالات کو اہل علم نے دو بڑی قسموں میں تقسیم فرمایا ہے: موالات مکفرہ اور موالات محرمہ۔ کفار ومشرکین سے اول الذکر محبت و موالات رکھنے والا کفر اکبر کا مرتکب کافر ہے۔ جبکہ ثانی الذکر محبت و موالات کے حامل شخص کا یہ عمل اگرچہ کبیرہ گناہ ہے لیکن اس کا یہ عمل اسے دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتا۔ حقیقت یہ کہ معاصر مسلم حکام کی کفار کے ساتھ موالات بالعموم دوسری قسم کے قبیل سے ہے۔

14. قرآن وسنت کے دلائل اور فقہائے اسلام کی تصریحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ پاکستان دارالاسلام ہے ،دار الکفر نہیں۔اس دعوی کی مزید تائید 2018ء میں پیغام پاکستان کے نام سے پاکستان میں موجود تمام مسلم مکاتب فکر کے نمائندہ اٹھارہ سو سے زائد علماء ومشائخ کے دستخطوں سے جاری ہونے والے متفقہ فتویٰ سے ہوتی ہے کہ جس کی رو سے اکستان کو بالاتفاق ایک مسلم ریاست قرار دیتے ہوئے اس کی تکفیر یا اس کے خلاف خروج کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

تجاویز وسفارشات

1. اعتدال پر مبنی اسلامی تعلیمات کو تمام عوام وخواص تک پہنچانے کے لیے ہنگامی اقدامات کیے جائیں۔انتہا پسندی کے خلاف دلائل سے بھرپور لٹریچر عام کیا جائے۔ مساجد، مدارس، سکولز، کالجز اور یونیورسٹیز میں اس کے خلاف مسلسل لیکچرز اور تربیت کا اہتمام کیا جائے۔اس کے رد پر تحریری وتقریری مقابلوں کا انعقاد کروایا جائے اوراس حوالے سے تمام مسالک کے جید علماء کی تقاریر کو پرنٹ،الیکٹرانک اور سوشل میڈیا کے ذریعے عام لوگوں میں پھیلایا جائے۔
2. عصری ودینی تعلیمی اداروں کے نصابِ تعلیم میں مثبت اصلاحات کی جائیں، شدت پسندانہ، متعصبانہ اور ملحدانہ مواد کی جگہ اسلامی، تعمیری اور دورِ حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ، رواداری، احترام باہمی، اعتدال اور برداشت پر مشتمل مواد شامل کیا جائے۔
3. اعلیٰ تعلیمی اداروں میں شدت پسندی کو روکنے کے لیے باقاعدہ ڈیسک تشکیل دیے جائیں، جہاں سے اساتذہ وطلبہ نیز ان اداروں کے انتظامی عملہ کے لیے اس عنوان پر ورکشاپس، لیکچرز اور ٹریننگ سیشنز کا اہتمام کیا جائے۔
4. مذہبی اداروں، مذہبی نعروں اور مذہبی تعلیم کے غلط استعمال کو روکنے کے لیے مدارس ومساجد جیسے دینی اداروں کو باہم افہام وتفہیم کے ساتھ ایک باقاعدہ سرکاری نظم کے تحت لانے کی کوشش کی جائے۔
5. سرکاری سرپرستی میں ہر تحصیل وضلع اور پھر صوبہ ووفاق کی سطح پر تمام مسالک سے مضبوط علم کے حامل معتدل علماء ومفتیان پر مشتمل ایک قومی فورم بنایا جائے کہ جن کے ذمے یہ کام ہو کہ موجودہ دور میں درپیش جدید مسائل کا غلو اور شدت پسندی سے بچتے ہوئے ایسا حل پیش کریں کہ جو شریعت اور مقاصد شریعت کے عین مطابق ہو۔ یہ فورم اسلامی نظریاتی کونسل کی نگرانی میں بھی دیا جاسکتا ہے۔
6. تمام میڈیا چینلز کو ایک متفقہ ضابطہ اخلاق کے ذریعے پابند کیا جائے کہ وہ کسی قسم کی فرقہ وارانہ یا شدت پسندانہ بات، پروگرام یا خبر ہرگز ہرگز نشر نہ کریں۔
7. ہر بڑے شہر میں ایسی فتاویٰ کمیٹیاں بنائی جائیں کہ جن میں ہر مسلک کے پختہ ومعتدل علماء شامل ہوں اور وہ لوگوں کو ان کے مسائل کا حل اسلامی شریعت کی روشنی میں دیں۔ان کمیٹیوں کو حکومت کی طرف سے قائم کردہ باقاعدہ مخصوص مراکز میں بٹھایا جائے کہ جہاں ہر عام وخاص ان تک رسائی حاصل کرسکے۔
8. الحاد اور لامذہبیت سے معاشرہ کو بچانے کی کوشش کی جائے کیونکہ مذہبی شدت پسندی کا مقابلہ مذہبی رواداری سے ہی کیا جاسکتا ہے، لامذہبیت سے نہیں۔ اگر اس شدت پسندی کے خاتمے کے لیے مذہب کو ہی براہِ راست نشانے پر رکھا گیا تو شدت پسندی کم ہونے کی بجائے ردعمل کے طور پر بڑھنے کے امکانات زیادہ ہوں گے۔

9. نبی ﷺ کی تعلیمات اور اسوہ حسنہ کی روشنی میں طلبہ، علماء اور اساتذہ کی تربیت کے مختلف پروگرام جاری کیے جائیں، جن میں انہیں آپ ﷺ کے دعوتی منہج، اسلامی قضاء وافتاء کے بنیادی اصول، فقہاء کرام کے باہمی علمی اختلاف کے بنیادی اسباب اور اختلاف کے آداب جیسے ضروری موضوعات پر تربیت فراہم کی جائے۔ مزید برآں یہ قانون سازی کی جائے کہ کسی بھی مدرسہ یا جامعہ کے فاضل کے لیے لازم ہوگا کہ وہ کسی بھی مسجد یا مدرسہ میں علمی، تدریسی یا تبلیغی ذمہ داریاں سنبھالنے سے قبل اس کورس کا سرٹیفکیٹ حاصل کرے۔

10. سکولز، کالجز اور یونیورسٹیز کے تمام مراحل کے طلبہ کے نصاب میں مندرجہ ذیل نکات کو شامل کرنے کی کوشش کی جائے جبکہ یونیورسٹیز کے شعبہ ہائے علوم اسلامیہ اور دینی مدارس کے منتہی طلبہ کو مندرجہ ذیل مباحث لازمی پڑھائے جائیں:

- اسلامی تناظر میں ریاست کی ضرورت واہمیت کیا ہے اور ریاستوں کی بنیادی اقسام کیا ہیں؟
- ایک مسلم ریاست کا بنیادی تصور کیا ہے اور اسے کن بنیادی اوصاف سے موصوف ہونا چاہیے؟
- اسلامی نقطہ نظر سے ایک حاکم کی کیا حیثیت اور مقام ہے؟
- اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک مسلم حکمران، ذمہ دار یا عہدیدار کے بنیادی فرائض کیا ہیں؟
- ایک مسلم حکمران اور رعایا کے ایک عام شخص کے درمیان کیسا تعلق ہونا چاہیے؟
- عوام پر حکمران کے حوالہ سے کن حقوق کا ادا کرنا لازم اور ضروری ہے؟
- کفر اور تکفیر سے کیا مراد ہے نیز تکفیر کا شرعی حکم کیا ہے؟
- شریعت اسلامی کی رو سے کسی مسلم ریاست کو کافر قرار دینا کیسا ہے؟ اور اس کے نقصانات کیا ہیں؟
- کسی عام مسلم یا کسی مسلم حکمران کو کافر قرار دینا شرعی طور پر کیسا ہے؟ اور اس کے نتائج وعواقب کیا ہو سکتے ہیں؟
- قرآن وسنت کی روشنی میں کسی پر کفر کا حکم صادر کرنے کے اصول وضوابط، شرائط اور موانع کیا کیا ہیں؟

11. مذکورہ بالا دونوں نکات میں بیان کی گئی باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے تمام سرکاری آفیسرز، سیاسی ومذہبی ذمہ داران اور دینی وعصری علوم کے اساتذہ کرام کے لیے ورکشاپس کی صورت میں علمی تربیت کا اہتمام کیا جائے۔

12. مسالک وفرق کے اہل علم کے درمیان باہم مل بیٹھنے اور مکالمہ کرنے کا علمی ماحول پیدا کیا جائے جس سے مختلف مسالک کے مشترکات اجاگر ہوں گے اور تفردات کا بتدریج خاتمہ ہوگا۔ ملک بھر میں ایسی تحریروں، تقریروں، جلسوں، جلوسوں اور مناظروں پر پابندی عائد کی جائے جن سے فرقہ واریت پھیلتی، باہمی نفرت بڑھتی اور ماحول میں کشیدگی پیدا ہوتی ہے۔ نیز ایسی تقریر وتحریر کے حامل علماء وذاکرین وغیرہ پر پابندی لگائی جائے کہ وہ تب تک عوامی فورمز میں بیان نہیں کر سکیں گے جب تک اس ضمن میں انہیں مختلف تربیتی کورسز سے نہ گزار لیا جائے۔

13. مذہبی علماء کی توجہ چند ایک اختلافی مسائل سے ہٹا کر امت کے متفقات کی طرف موڑی جائے اور انہیں جدید مسائل اور اسلام کی آفاقیت کو درپیش لادینیت اور دہریت سمیت دیگر چیلنجز کی طرف متوجہ کیا جائے تا کہ ان کی صلاحیتیں ملک وملت کی خدمت میں استعمال ہو سکیں۔ مزید برآں تمام فتوی دینے والے حضرات، وعظ ونصیحت کرنے والے افراد، بیان کرنے والے علماء وذاکرین، دینی مدارس میں پڑھانے والے علماء واساتذہ کے لیے تمام مکاتب فکر کے معتدل علماء کی مشاورت سے حکومتی سطح پر تربیتی کورسز ترتیب دیے جائیں، اور ان کورسز کے فضلاء کو سرکاری نوکریوں پر بالخصوص ترجیح دی جائے۔

14. مسلم ریاستوں کے حکام کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالی سے ڈرتے ہوئے اپنی وسعت و مقدور کے مطابق اپنے ماتحت علاقوں میں شرعی احکام کا نفاذ یقینی بنائیں کہ کسی بھی معاشرہ کے استحکام اور امن وامان کے لیے اس سے بہتر قوانین کا بنایا جانا کبھی بھی ممکن نہیں۔

15. ایک مسلم ریاست کو ریاست اور حکام کے خلاف بغاوت برپا کرنے والوں کے خلاف بلاتاخیر ایکشن لینا چاہیے۔ کیونکہ شریعت اسلامیہ ایسی صورت میں نہ تو خاموشی اختیار کرتی ہے اور نہ ہی خاموشی اختیار کرنے کو جائز قرار دیتی ہے بلکہ ایک ماہر جراح کی طرح اس ناسور کو درست نہ ہونے کی صورت میں جڑ سے نکال دینے کا حکم صادر کرتی ہے۔

16. دینی وعصری جامعات کے اساتذہ، محققین اور ماہرین پر مشتمل ایسا علمی و تحقیقی فورم تشکیل دیا جائے جو مسلم معاشرہ میں تکفیر کے تمام اسباب کا جائزہ لے کر ان کے مستقل سد باب کے لیے سفارشات پیش کرے۔

17. علوم اسلامیہ کے محققین معاصر تکفیری وخارجی رجحانات اور ان کے اسباب وتدارک کو اپنی تحقیقات کا موضوع بنائیں۔

18. اس دور میں خارجی کون ہے؟ اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کے لیے حکومتی سرپرستی اور معتبر اہل علم کی نگرانی میں باقاعدہ تحقیق کی جائے۔

19. جمہوری نظام حکومت میں اپوزیشن کی طرف سے احتجاج یا آزادی اظہار کے نام پر کھلے عام حکام کی توہین اور ان کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنے کی اسلام میں کس حد تک اجازت ہے؟ محققین کو چاہئے کہ وہ اس اہم اور حساس مسئلہ کو موضوع تحقیق بنائیں۔

فہرست آیات

نمبر شمار	متن آیت	سورت	آیت نمبر	صفحہ نمبر
1	وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلآئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْا	البقرة 2	34	115
2	وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا	البقرة 2	102	114
3	وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصَارٰى ...	االبقرة2	120	303
4	فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ	البقرة 2	137	220
5	وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا كُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ....	البقرة 2	143	322
6	وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ	البقرة 2	190	28
7	وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ...	البقرة 2	204	252
8	وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ...	البقرة 2	207	238
9	وَلَكِنِ اخْتَلَفُوا فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ	البقرة 2	253	11
10	رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ...	البقرة 2	286	158
11	هُوَ الَّذِى أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ ...	آل عمران3	7	194
12	أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ ...	آل عمران3	23	222
13	وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ...	آل عمران3	103	56
14	يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ ...	آل عمران3	118-120	205
15	اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ ...	النساء4	31	104
16	وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا ..	النساء4	35	225 228
17	اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ ...	النساء4	48	165
18	اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ...	النساء4	58	52 58
19	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ.	النساء4	59	39 68

296	60	النساء4	أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ...	19
297	61	النساء4	وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللهُ...	20
298	65	النساء4	فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ....	21
119 146	94	النساء4	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ...	22
156 294 355	-97 99	النساء4	إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ ...	23
245	100	النساء4	وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ..	24
151	115	النساء4	وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى..	25
336	135	النساء4	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ...	26
300	144	النساء4	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِينَ أَوْلِيَاءَ...	27
320	171	النساء4	يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا...	28
404	2	المائدة5	وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا ...	29
52	8	المائدة5	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ ...	30
114	17	المائدة5	لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ...	31
116	38	المائدة5	وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً...	32
280	41	المائدة5	يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ---هُمُ الْفَاسِقُونَ	33
280	44	المائدة5	وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ--- الْكٰفِرُونَ	34
55	45	المائدة5	وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ--- الظَّالِمُونَ	35
281	47	المائدة5	وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ--- فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ	36
60	49	المائدة5	وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ وَلَا تَتَّبِعْ ...	37
300	51	المائدة5	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصٰرٰى ...	38
301	-52 53	المائدة5	فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ ---فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ	39
47	66	المائدة5	وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ ...	40
336	77	المائدة5	قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ ...	41

42	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ ...	المائدة5	95	228
43	إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ ...	المائدة5	112	179
44	ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ...	الأنعام6	01	339
45	إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ...	الأنعام6	57	228 279
46	وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ...	الأنعام6	68	342
47	قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ...	الأنعام6	145	258
48	وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّى ...	الأنعام6	152	51
49	أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ...	الاعراف7	54	279
50	قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ...	الاعراف7	88	12
51	وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَى قَوْمٍ ...	الأعراف7	138- 141	161
52	وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْعِظَةً...	الاعراف7	145	12
53	وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ...	الاعراف7	176	337
54	وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا....	الاعراف7	189	07
55	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ...	الأنفال8	27	59
56	وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا...	الأنفال8	46	56
57	وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ...	الأنفال8	60	48
58	وَإِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ...	الأنفال8	72	30 313
59	إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ....	التوبة9	4	30
60	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَ....	التوبة9	23	300
61	وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ....	التوبة9	-65 66	114
62	إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ....	التوبة9	111	247
63	وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ....	التوبة9	115	150
64	لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ....	التوبة9	128	321

114	68	هود11	أَلَآ إِنَّ ثَمُودَاْ كَفَرُواْ رَبَّهُمۡۗ أَلَا بُعۡدٗا لِّثَمُودَ....	65
53	102	هود11	وَكَذَٰلِكَ أَخۡذُ رَبِّكَ إِذَآ أَخَذَ ٱلۡقُرَىٰ وَهِيَ ظَٰلِمَةٌ....	66
34	54	يوسف12	وَقَالَ ٱلۡمَلِكُ ٱئۡتُونِي بِهِۦٓ أَسۡتَخۡلِصۡهُ لِنَفۡسِي....	67
12	13	إبراهيم14	وَقَالَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ لِرُسُلِهِمۡ لَنُخۡرِجَنَّكُم....	68
50	35	إبراهيم14	رَبِّ ٱجۡعَلۡ هَٰذَا ٱلۡبَلَدَ ءَامِنٗا....	69
50	90	النحل16	إِنَّ ٱللَّهَ يَأۡمُرُ بِٱلۡعَدۡلِ وَٱلۡإِحۡسَٰنِ وَإِيتَآءِ ذِي...	70
174	106	النحل16	مَن كَفَرَ بِٱللَّهِ مِنۢ بَعۡدِ إِيمَٰنِهِۦٓ إِلَّا مَنۡ أُكۡرِهَ وَقَلۡبُهُۥ...	71
46 95	125	النحل16	ٱدۡعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلۡحِكۡمَةِ وَٱلۡمَوۡعِظَةِ ٱلۡحَسَنَةِ...	72
xii	80	الاسراء17	وَقُل رَّبِّ أَدۡخِلۡنِي مُدۡخَلَ صِدۡقٖ وَأَخۡرِجۡنِي...	73
149 155	15	الاسراء17	وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبۡعَثَ رَسُولٗا...	74
196	103	الكهف18	قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُكُم بِٱلۡأَخۡسَرِينَ أَعۡمَٰلًا ...	75
391	44	طه20	فَقُولَا لَهُۥ قَوۡلٗا لَّيِّنٗا لَّعَلَّهُۥ يَتَذَكَّرُ أَوۡ يَخۡشَىٰ...	76
150	134	طه20	وَلَوۡ أَنَّآ أَهۡلَكۡنَٰهُم بِعَذَابٖ مِّن قَبۡلِهِۦ لَقَالُواْ ...	77
44	41	الحج22	ٱلَّذِينَ إِن مَّكَّنَّٰهُمۡ فِي ٱلۡأَرۡضِ أَقَامُواْ ٱلصَّلَوٰةَ...	78
403	51	النور24	إِنَّمَا كَانَ قَوۡلَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ إِذَا دُعُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ...	79
98	56	القصص28	إِنَّكَ لَا تَهۡدِي مَنۡ أَحۡبَبۡتَ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَهۡدِي مَن...	80
159 176	05	الأحزاب33	وَلَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٞ فِيمَآ أَخۡطَأۡتُم بِهِۦ وَلَٰكِن...	81
229	06	الاحزاب33	ٱلنَّبِيُّ أَوۡلَىٰ بِٱلۡمُؤۡمِنِينَ مِنۡ أَنفُسِهِمۡۖ وَأَزۡوَٰجُهُۥٓ....	82
196	08	فاطر35	أَفَمَن زُيِّنَ لَهُۥ سُوٓءُ عَمَلِهِۦ فَرَءَاهُ حَسَنٗا....	83
387	28	فاطر35	إِنَّمَا يَخۡشَى ٱللَّهَ مِنۡ عِبَادِهِ ٱلۡعُلَمَٰٓؤُاْ	84
53	26	ص38	يَٰدَاوُۥدُ إِنَّا جَعَلۡنَٰكَ خَلِيفَةٗ فِي ٱلۡأَرۡضِ فَٱحۡكُم....	85
109	10-9	الحجرات49	وَإِن طَآئِفَتَانِ مِنَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ ٱقۡتَتَلُواْ فَأَصۡلِحُواْ..	86
57	13	الحجرات49	يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقۡنَٰكُم مِّن ذَكَرٖ وَأُنثَىٰ...	87
323	27	الحديد57	وَرَهۡبَانِيَّةً ٱبۡتَدَعُوهَا مَا كَتَبۡنَٰهَا عَلَيۡهِمۡ...	88

306	1	الممتحنة60	يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ عَدُوِّى وَعَدُوَّكُمْ....	89
153	7	الطلاق65	لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِۦ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ....	90
115	10	التحريم66	ضَرَبَ ٱللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا۟ ٱمْرَأَتَ نُوحٍ....	91
151	8-9	الملك67	كُلَّمَآ أُلْقِىَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ	92
319	23	نوح71	وَقَالُوا۟ لَا تَذَرُنَّ ءَالِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا....	93

فہرست احادیث

متن حدیث	مصدر	صفحہ نمبر
1. ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ، فَإِنْ أَجَابُوكَ، فَاقْبَلْ...	صحيح مسلم	13
2. إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ، فَلَهُ...	صحيح مسلم	182
3. إذا خرجَ ثلاثةٌ في سفرٍ فليُؤَمِّروا أحدهم...	سنن ابى داود	xiii 40
4. إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ، ...	صحيح البخارى	195
5. أُرِيتُ النَّارَ فَإِذَا أَكْثَرُ أَهْلِهَا النِّسَاءُ،...	صحيح البخارى	107 288
6. اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا، فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوا...	صحيح مسلم	71
7. اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا، وَإِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ...	صحيح البخارى	70
8. أَقِيمُوا حُدُودَ اللَّهِ فِي الْقَرِيبِ وَالْبَعِيدِ،...	سنن ابن ماجه	48
9. أَلَا إِنَّهُ سَيَخْرُجُ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ أَشِدَّاءُ...	مسند أحمد	202 381
10. أما واللهِ لولا أنَّ الرُّسلَ لا تُقتَلُ لضربتُ ...	سنن ابى داوود	311
11. إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ، وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ...	صحيح البخارى	324
12. إِنَّ اللَّهَ لا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا، يَنْتَزِعُهُ ...	صحيح البخارى	335
13. إِنَّ اللَّهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتَّى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ...	صحيح البخارى	54
14. إِنَّ اللَّهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ...	سنن ابن ماجه	160 176
15. إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللَّهِ عَلَى مَنَابِرَ مِنْ...	صحيح مسلم	53
16. أَنَّ رَجُلًا قَالَ: وَاللَّهِ لَا يَغْفِرُ اللَّهُ لِفُلَانٍ...	صحيح مسلم	145
17. إِنَّ فِيكُمْ قَوْمًا يَعْبُدُونَ وَيَدْأَبُونَ، حَتَّى...	مسند أحمد	203
18. إِنَّ مِنْ ضِئْضِئِ هَذَا، قَوْمًا يَقْرَءُونَ...	صحيح بخارى	206 383

19. أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا، أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي...	صحيح البخارى	327
20. إِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً فَاصْبِرُوا حَتَّى	صحيح البخارى	83
21. إِنَّكُمْ فِي زَمَانٍ مَنْ تَرَكَ مِنْكُمْ عُشْرَ مَا...	سنن الترمذى	154
22. إِنَّمَا الإِمَامُ جُنَّةٌ	صحيح البخارى	35
23. اهْدَأْ فَمَا عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ، أَوْ صِدِّيقٌ، أَوْ ...	صحيح مسلم	236
24. أَيُّمَا امْرِئٍ قَالَ لِأَخِيهِ: يَا كَافِرُ، فَقَدْ بَاءَ ...	صحيح مسلم	120
25. أَيُّهَا النَّاسُ، إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ،...	سنن ابن ماجه	323
26. بَايَعَنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، فِي مَنْشَطِنَا...	صحيح البخارى	71
27. ثَلَاثُ خِصَالٍ لَا يَغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ ...	مسند احمد	94
28. ثلاث من أصلِ الإيمان: الكفُّ عمَّن...	سنن ابي داوود	145
29. حَدٌّ يُعْمَلُ بِهِ فِي الْأَرْضِ، خَيْرٌ لِأَهْلِ...	سنن ابن ماجه	48
30. خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَ...	صحيح مسلم	72
31. دَعْهُ فَإِنَّ لَهُ أَصْحَابًا يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلَاتَهُ...	صحيح بخارى	xiii 197
32. دَعُوهُ، فَإِنَّهُ سَيَكُونُ لَهُ شِيعَةٌ يَتَعَمَّقُونَ...	مسند احمد	201
33. دَعُوهُ، وَأَهْرِيقُوا عَلَى بَوْلِهِ ذَنُوبًا مِنْ مَاءٍ،...	صحيح البخارى	322
34. الدِّينُ النَّصِيحَةُ قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ:لِلَّهِ...	صحيح مسلم	94
35. الرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ، فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ...	سنن ابى داوود	344
36. رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتَّى...	سنن ابن ماجه	173
37. سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ...	صحيح البخارى	109
38. سَتُصالحون الرُّومَ صُلحاً آمِناً، فتغزون...	سنن ابى داوود	312
39. سَتَكُونُ أَثَرَةٌ وَأُمُورٌ تُنْكِرُونَهَا قَالُوا: يَا...	صحيح البخارى	83
40. السُّلْطَانُ ظِلُّ اللَّهِ فِي الأَرْضِ فَمَنْ أَكْرَمَهُ...	السنة لأبي عاصم	88
41. السُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ	سنن أبي داود	35
42. السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا ...	صحيح البخارى	69

43. سَيَخْرُجُ قَوْمٌ فِي آخِرِ الزَّمَانِ، أَحْدَاثُ..	صحيح البخارى	201 380
44. سَيَكُونُ بَعْدِي أُمَرَاءُ؟ فَمَنْ دَخَلَ عَلَيْهِمْ ...	سنن الترمذى	85
45. سَيَكُونُ بَعْدِي سُلْطَانٌ فأعزوه ، مَنِ...	السنة لأبي عاصم	88
46. سيكونُ في أمَّتي اختلافٌ وفُرقة، قومٌ...	سنن أبي داود	204 382
47. شَرُّ قَتْلَى قُتِلُوا تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ، وَخَيْرُ...	سنن ابن ماجه	383
48. الصَّوْمُ يَوْمَ تَصُومُونَ، وَالفِطْرُ يَوْمَ...	سنن الترمذي	80
49. عَلَيْكَ السَّمْعَ وَالطَّاعَةَ فِي عُسْرِكَ وَيُسْرِكَ	صحيح مسلم	70
50. العَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ، فَمَنْ...	سنن الترمذى	169
51. فإنَّه من يَعِشْ منكم بَعْدي فسَيَرى ...	سنن أبي داود	386
52. فَلَا تَفْعَلُوا، فَإِنِّي لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ...	سنن ابن ماجه	152
53. كَانَ رَجُلٌ يُسْرِفُ عَلَى نَفْسِهِ فَلَمَّا...	صحيح البخارى	163
54. كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الأَنْبِيَاءُ،...	صحيح البخارى	86
55. لَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا،...	صحيح مسلم	56
56. لاَ تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا، يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ ...	صحيح البخارى	109
57. لاَ تَزُولُ قَدَمُ ابْنِ آدَمَ يَوْمَ القِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ...	سنن الترمذى	153
58. لا تُشدِّدوا على أنفسِكم فيُشَدَّدَ...	سنن ابى داود	323
59. لَا تَقْتُلْهُ فَإِنْ قَتَلْتَهُ فَإِنَّهُ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ أَنْ...	صحيح مسلم	120
60. لاَ تَلْعَنُوهُ، فَوَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ إِنَّهُ يُحِبُّ...	صحيح البخارى	116
61. لاَ حُلُّوهُ لِيُصَلِّ أَحَدُكُمْ نَشَاطَهُ، فَإِذَا فَتَرَ ...	صحيح البخارى	325
62. لَا يَحِلُّ لِثَلَاثَةِ نَفَرٍ يَكُونُونَ بِأَرْضِ فَلَاةٍ...	مسند احمد	40
63. لاَ، لَعَلَّهُ أَنْ يَكُونَ يُصَلِّي:...	صحيح البخارى	149 216 290

xiii	مسند أحمد	64. لَايَحِلُّ لِثَلَاثَةٍ يَكُونُونَ بِفَلَاةٍ مِنَ الْأَرْضِ ...
115	سنن الترمذي	65. لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي...
176	صحيح مسلم	66. للَّهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ حِينَ يَتُوبُ...
54	مسند أحمد	67. لَيْسَ مِنْ وَالِي أُمَّةٍ، قَلَّتْ أَوْ كَثُرَتْ، لَا ...
327	صحيح البخارى	68. مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُونَ عَنِ الشَّيْءِ...
165	صحيح البخارى	69. مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ مَاتَ ...
55	مسند أحمد	70. مَامِنْ أَمِيرِعَشَرَةٍ إِلَّا يُؤْتَى بِهِ يَوْمَ....
96	مسند أحمد	71. مَنْ أَرَادَ أَنْ يَنْصَحَ لِسُلْطَانٍ بِأَمْرٍ، فَلَا ...
87	مسند احمد	72. مَنْ أَكْرَمَ سُلْطَانَ اللهِ فِي الدُّنْيَا ، أَكْرَمَهُ...
352	صحيح البخارى	73. مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَأَقَامَ الصَّلَاةَ، وَصَامَ - - -
87	سنن الترمذى	74. مَنْ أَهَانَ سُلْطَانَ اللهِ فِي الْأَرْضِ - - -
356	صحيح البخارى	75. مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ - - -
48	سنن أبي داود	76. مَن حَالت شفَاعَتُهُ دون حَدٍّ من حُدودِ...
388	سنن ابن ماجه	77. مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ...
169	سنن الترمذى	78. مَنْ حلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ
120	صحيح مسلم	79. مَنْ دَعَا رَجُلاً بِالْكُفْرِ أَوْ قَالَ عَدُوَّ اللهِ- ...
82	صحيح البخارى	80. مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا فَكَرِهَهُ فَلْيَصْبِرْ...
326	مسند احمد	81. مَنْ صَامَ الدَّهْرَ ضُيِّقَتْ عَلَيْهِ جَهَنَّمُ ...
124	صحيح البخارى	82. مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا، وَأَكَلَ...
121	صحيح البخارى	83. مَنْ لَعَنَ مُؤْمِنًا فَهُوَ كَقَتْلِهِ، وَمَنْ قَذَفَ...
148	سنن أبي داود	84. مَنْ لَكَ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟
62	سنن أبي داود	85. مَن وَلَّاهُ الله شيئاً من أمرِ المسلمين ...
387	صحيح مسلم	86. مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ، يُحْرَمِ الْخَيْرَ...
324	صحيح مسلم	87. هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ...
56	صحيح مسلم	88. وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا ...

180	صحيح مسلم	89. وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَا يَسْمَعُ بِي ...
76	صحيح البخارى	90. وَلَوْ أَمَّرُوا عَلَيَّ حَبَشِيًّا لَسَمِعْتُ وَأَطَعْتُ...
43	صحيح مسلم	91. يَا أَبَا ذَرٍّ إِنَّکَ ضَعِيفٌ...
148	صحيح البخارى	92. يَا أُسَامَةُ، أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لاَ إِلَهَ إِلَّا...
324	صحيح البخارى	93. يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِينَ، فَمَنْ ...
325	سنن ابن ماجه	94. يَا أَيُّهَا النَّاسُ، عَلَيْكُمْ بِالْقَصْدِ، عليكم...
216	صحيح البخارى	95. يَا رَسُولَ اللَّهِ ، اتَّقِ اللَّهَ ، قَالَ : وَيْلَكَ...
151 162	سنن الترمذى	96. يَا رَسُولَ اللهِ، اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ كَمَا ...
219	سنن ابن ماجه	97. يَا عُثْمَانُ، إِنْ وَلَّاكَ اللَّهُ هَذَا الْأَمْرَ يَوْمًا ...
215	صحيح مسلم	98. يَا مُحَمَّدُ، اعْدِلْ، قَالَ: «وَيْلَكَ وَمَنْ...
71	صحيح مسلم	99. يَا نَبِيَّ اللهِ، أَرَأَيْتَ إِنْ قَامَتْ عَلَيْنَا أُمَرَاءُ ...
204 275 382	سنن أبي داؤد	100. يُحْسِنُونَ الْقِيلَ وَيُسِيئُونَ الْفِعْلَ....
381	سنن ابن ماجه	101. يَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ أَحْدَاثُ الْأَسْنَانِ
135 198 380	صحيح مسلم	102. يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنْ أُمَّتِي يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ، لَيْسَ ...
166	صحيح البخارى	103. يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، ...
245	صحيح البخارى	104. يَخْرُجُ مِنْهُ قَوْمٌ يَقْرَءُونَ القُرْآنَ...
154	سنن ابن ماجه	105. يَدْرُسُ الْإِسْلَامُ كَمَا يَدْرُسُ وَشْيُ الثَّوْبِ...
203	صحيح مسلم	106. يَقُولُونَ الْحَقَّ بِأَلْسِنَتِهِمْ لَا يَجُوزُ...
70	صحيح مسلم	107. يَكُونُ بَعْدِي أَئِمَّةٌ لَا يَهْتَدُونَ بِهُدَايَ، ...
211	سنن ابن ماجه	108. يَنْشَأُ نَشْءٌ يَقْرَؤونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ...

242 384		

فہرست اعلام

نمبر شمار	نام	تعارف	صفحہ نمبر
1	ابن العثیمین	حنبلی فقہ کے بہت بڑے عالم	23
2	ابن جماعہ شافعی	شافعی مکتب فکر کے عالم و قاضی	38
3	ابن حجرا لھیتمی	شافعی مکتب فکر کے بہت بڑے محقق عالم	127
4	ابن حزم الظاہری	فقہ ظاہری کے سر خیل	16
5	ابن سیرین	مایہ ناز محدث، فن تعبیر کے بہت بڑے عالم اور معروف تابعی	343
6	ابو یعلی حنبلی	حنبلی مکتب فکر کے عالم و قاضی	22
7	الخطیب الشربینی	فقہ شافعی کے بہت ماہر عالم اور فقیہ	129
8	الدسوقی	مالکی فقہ کے بہت بڑے عالم اور فقیہ	133
9	الرافعی	شافعی مکتب فکر کے بہت بڑے محقق عالم	128
10	الرحیلی	جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں قسم العقیدہ کے استاذ	113
11	السرخسی	فقہ حنفی کے بہت بڑے عالم اور فقیہ	132
12	سید فضل	خوارج کا فکری و علمی راہنما	279
13	شوکانی	یمن کے ایک معروف عالم، فقیہ، مفسر، مجتہد اور محدث	17
14	القرافی	مالکی فقہ کے بہت بڑے عالم اور فقیہ	171
15	القرطبی	فقہ مالکی کے بہت بڑے عالم اور فقیہ	180
16	مقدسی	خوارج کا فکری و علمی راہنما	265

فہرست اماکن

نمبر شمار	نام	تعارف	صفحہ نمبر
1	حروراء	کوفہ سے صرف دو میل کے فاصلے پر آباد ایک بستی کا نام	224
2	ماردین	ترکی میں موجود انتہائی پر فضا شہر	139
3	مدائن	بغداد کے قریب دریائے دجلہ کے کنارے خوبصورت آباد شہر	231
4	نخیلہ	کوفہ کے قریب شام کی سمت ایک جگہ کا نام	232
5	نہروان	عراق میں بغداد اور واسط کے درمیان واقع ایک خوبصورت اور پر فضا شہر	232

فہرست اصطلاحات

نمبر شمار	اصطلاحات	صفحہ نمبر
1	تکفیر	111
2	تکفیر مطلق	113
3	تکفیر معین	114
4	جہل مرکب	334
5	خوارج	191
6	دارالامن	31
7	دارالحرب	29
8	دارالعہد	30
9	شرط	170
10	غلو	317
11	کفر	105
12	کفراصغر	109
13	کفراعراض	111
14	کفراکبر	109
15	کفرانکار وتکذیب	110
16	کفر جحود	111
17	کفرعنادواستکبار	111
18	کفرنفاق	111
19	مانع	186

فہرست مصادر ومراجع

عربی مصادر

1. ابن ابی العز ، صدر الدین علی بن علی ، الحنفی {م : 792 ھ }، شرح الطحاویة فی العقیدة السلفیة ، تحقیق : احمد محمد شاکر ،دار طیبة الخضراء، مکة المکرمة ، الطبعة الاولی ، 1436ھ – 2015م

2. ابن ابی حاتم ، أبو محمد عبد الرحمن بن محمد التمیمي، الحنظلي، الرازي (المتوفى: 327ھ) تفسیر القرآن العظیم لابن أبي حاتم ،، المحقق: أسعد محمد الطیب ، الناشر: مکتبة نزار مصطفى الباز - السعودیة ، الطبعة الثالثة- 1419 ھ

3. ابن أبي شیبة ، أبو بکر بن أبي شیبة، عبد الله بن محمد بن إبراهیم العبسي (المتوفى: 235ھ) ،المصنف في الأحادیث والآثار ، المحقق: کمال یوسف الحوت ، مکتبة الرشد – الریاض ، الطبعة الأولى، 1409ھ

4. ابن أبي عاصم ، أبو بکر بن أبي عاصم أحمد بن عمرو بن الضحاك بن مخلد الشیباني، المتوفى: 287ھ ،کتاب السنة، تخریج :محمد ناصر الدین الألباني باسم ظلال الجنة في السنة،المکتب الإسلامي،الطبعة الأولى، 1400ھ

5. ابن ابی یعلی ، ابو الحسین ابن ابی یعلی، محمد بن محمد (المتوفى: 526ھ) ، طبقات الحنابلة ، المحقق: محمد حامد الفقی ، دار المعرفة– بیروت

6. ابن إسحاق ، محمد بن إسحاق بن یسار المطلبي بالولاء المدني (المتوفى: 151ھ) ،سیرة ابن إسحاق (کتاب السیر والمغازي) ، تحقیق: سهیل زکار ، دار الفکر بیروت ، الطبعة الأولى ـ1978ء

7. ابن الأثیر الجزري ، أبو الحسن علي بن أبي الکرم محمد الشیباني ، عز الدین ابن الأثیر (المتوفى: 630ھ) ، الکامل في التاریخ ، تحقیق: عبد الله القاضي ، دار الکتب العلمیة - بیروت - 1415ھ

8. ابن الأثیر الجزري ، مجد الدین أبو السعادات المبارك بن محمد الشیباني (المتوفى: 606ھ) ، النهایة في غریب الحدیث والأثر ، تحقیق: طاهر أحمد الزاوی - محمود محمد الطناحي ، الناشر: المکتبة العلمیة - بیروت، 1979ء

9. ابن الأثیر الجزري، أبو الحسن علي بن محمد الشیباني ، عزالدین (المتوفى: 630ھ) ، الکامل في التاریخ ، تحقیق: عمر عبد السلام تدمري ، دار الکتاب العربي، بیروت ، الطبعة: الأولى، 1997ء

10. ابن الجوزی ، الإمام الحافظ أبي الفرج عبدالرحمن بن علی (ت- 597ھ) ،مناقب أمیر المؤمنین عمر بن الخطاب المحقق:د. عامر حسن صبري التمیمی، المجلس الاعلی للشئون الاسلامیة بحرین ، الطبعة الاولی: 2013 ء

11. ابن العثیمین ، محمد بن صالح بن محمد العثیمین (المتوفى: 1421ھ) ، الشرح الممتع على زاد المستقنع ، دار النشر: دار ابن الجوزي ، الطبعة الاولى، 1426 ھ

12. ابن المِبْرَد ، یوسف بن حسن ابن عبد الهادی الصالحي الحنبلي (المتوفى: 909 ھ) ، إیضاح طرق الاستقامة في بیان احکام الولایة والإمامة ، بإشراف: نور الدین طالب ، دار النوادر، سوریا ، الطبعة الاولى، 2011ء

13. ابن المنذر ، أبو بکر محمد بن إبراهیم بن المنذر النیسابوري (المتوفى: 319ھ) ، الإقناع ، تحقیق: الدکتور عبد الله بن عبد العزیز الجبرین ، الطبعة: الأولى، 1408 ھ

14. ابن المنذر، أبو بکر محمد بن إبراهیم بن المنذر النیسابوري (المتوفى: 319ھ)، تفسیر القرآن ، تحقیق وتعلیق:

الدكتورسعد بن محمد السعد ، دار النشر: دار المآثر – المدينة النبوية ، الطبعة: الأولى، 2002 ء

15. ابن باز ، مجموع فتاوى العلامة عبد العزيز بن باز رحمه الله ، أشرف على جمعه وطبعه: د- محمد بن سعد الشويعر،دارالقاسم للنشر الرياض الطبعة الاولى:1420هـ ، 134/6

16. ابن برجس ، د- عبد السلام بن برجس العبد الكريم ، معاملة الحكام فى ضوء الكتاب والسنة ، مكتبة الرشد ،الرياض ، الطبعة السابعة ، 2006 ء

17. ابن تيمية ، تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم الحراني الحنبلي الدمشقي (المتوفى: 728هـ) ، اقتضاء الصراط المستقيم لمخالفة أصحاب الجحيم ، المحقق: ناصر عبد الكريم العقل ، الناشر: دار عالم الكتب، بيروت، لبنان ، الطبعة السابعة، 1999م ،

18. ابن تيمية ، تقي الدين ابو العباس احمد بن عبد الحليم الحراني الحنبلى الدمشقى (المتوفى: 728هـ) ، الاستقامة، المحقق: د. محمد رشاد سالم ، الناشر: جامعة الإمام محمد بن سعود ، المدينة المنورة ، الطبعة: الأولى، 1403هـ

19. ابن تيمية ، تقي الدين ابو العباس احمد بن عبد الحليم الحرانى الحنبلى الدمشقى (المتوفى: 728هـ) ، السياسة الشرعية ، وزارة الشئون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد المملكة العربية السعودية،الطبعة الاولى، 1418هـ

20. ابن تيمية ، تقي الدين ابو العباس احمد بن عبد الحليم الحرانى الحنبلى الدمشقى (المتوفى: 728هـ) ،منهاج السنة النبوية في نقض كلام الشيعة القدرية ، المحقق: محمد رشاد سالم ، الناشر: جامعة الامام محمد بن سعود الإسلامية ، الطبعة: الأولى، 1986ء

21. ابن تيمية ، تقي الدين ابو العباس أحمد بن عبد الحليم الحراني الحنبلي الدمشقي (المتوفى: 728هـ) ،درء تعارض العقل والنقل ، تحقيق: الدكتور محمد رشاد سالم ، الناشر: جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية، السعودية، الطبعة: الثانية، 1991 ء

22. ابن تيمية ، تقي الدين ابو العباس احمد بن عبد الحليم الحرانى(المتوفى: 728هـ) ، مجموع الفتاوى، المحقق: عبد الرحمن بن محمد ، الناشر: مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، السعودية ، عام النشر: 1995ء

23. ابن تيمية ، تقي الدين ابو العباس احمد بن عبد الحليم بن عبد السلام الحراني الحنبلي الدمشقي (المتوفى: 728هـ) ،العقيدة الواسطية ، الناشر: مكتبة المعارف، الرياض ، السعودية

24. ابن تيمية ، شيخ الإسلام أحمد بن عبد الحليم الحراني الحنبلى الدمشقى (المتوفى: 728 هـ) ، الاستغاثة في الرد على البكري ، دراسة وتحقيق: د. عبد الله بن دجين السهلي، الناشر: مكتبة دار المنهاج للنشر والتوزيع ، الرياض – المملكة العربية السعودية ، الطبعة: الأولى، 1426 هـ

25. ابن جماعة ، ابو عبد الله محمد بن إبراهيم الكنانى الحموى الشافعى، بدر الدين (المتوفى: 733هـ)، تحرير الاحكام في تدبير اهل الاسلام ،تحقيق:د. فؤاد عبد المنعم احمد،دار الثقافة ،قطرالدوحة،الطبعة الثالثة، 1988ء

26. ابن حبان ، أبو حاتم محمد بن حبان بن أحمد ، التميمي، الدارمي، البُستي (المتوفى: 354هـ) ، صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان ، المحقق: شعيب الأرنؤوط ، مؤسسة الرسالة ،بيروت ، الطبعة الثانية ، 1993 هـ

27. ابن حجر الهيتمي ، أحمد بن محمد بن علي بن حجر ، تحفة المحتاج في شرح المنهاج ، المراجعة: لجنة من العلماء ، الناشر: المكتبة التجارية الكبرى بمصر ، عام النشر: 1983 ء

28. ابن حزم ، ابو محمد علي بن احمد بن سعيد الأندلسي القرطبى الظاهرى (المتوفى: 456هـ)، المحلى بالآثار ، دار الفكر – بيروت

29. ابن حزم ، أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد الأندلسي القرطبي الظاهري (المتوفى: 456هـ)، الإحكام في أصول الأحكام ، المحقق: الشيخ أحمد محمد شاكر ، الناشر: دار الآفاق الجديدة، بيروت

30. ابن حزم ، أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد الأندلسي القرطبي الظاهري (المتوفى: 456هـ) ،الفصل فى الملل والاهواء والنحل، الناشر: مكتبة الخانجي – القاهرة

31. ابن حزم ، أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد الأندلسي القرطبي الظاهري،جمهرة أنساب العرب، تحقيق:لجنة من العلماء، دار الكتب العلمية بيروت ، الطبعة الأولى، 1983ء

32. ابن حزم الأندلسي ، أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي القرطبي الظاهري (المتوفى: 456هـ)، الفصل في الملل والأهواء والنحل ، الناشر: مكتبة الخانجي- القاهرة

33. ابن حنبل ، ابو عبد الله احمد بن محمد بن حنبل الشيبانى (المتوفى: 241هـ) ، مسند الإمام أحمد بن حنبل ، المحقق: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون ، مؤسسة الرسالة ، بَيروت ، الطبعة: الأولى، 2001 ء

34. ابن حيان، أبو حيان محمد بن يوسف بن علي بن يوسف أثير الدين الأندلسي (المتوفى: 745هـ) ، البحر المحيط في التفسير ، المحقق: صدقي محمد جميل ، الناشر: دار الفكر – بيروت ، الطبعة: 1420 هـ

35. ابن خلدون، ابو زيد، ولى الدين عبد الرحمن بن محمد الحضرمي الاشبيلي (المتوفى: 808هـ) ، ديوان المبتداوالخبر فى تاريخ العرب والبربر ومن عاصرهم من ذوي الشان الاكبر ، المحقق: خليل شحادة ، دار الفكر، بيروت، الطبعةالثانية، 1988 ء

36. ابن سبيل ، الشيخ محمد بن عبدالله بن السبيل ،الأدلة الشرعية في بيان حق الراعي والرعية ، تخريج : خالد بن قاسم الردادى ، دارالسلف للنشر والتوزيع - الرياض ، الطبعة الاولى -1995ء

37. ابن سعد ، محمد بن سعد بن منيع الزهري ، المتوفى: 230 هـ ، الطبقات الكبير ، المحقق: علي محمد عمر ، الناشر: مكتبة الخانجي ، القاهرة ،الطبعة: الأولى، 2001 ء

38. ابن عابدين ، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (المتوفى: 1252هـ) ،رد المحتار على الدر المختار ، الناشر: دار الفكر-بيروت ، الطبعة: الثانية، 1412هـ - 1992م

39. ابن عبد البر ، ابو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد النمري القرطبي (المتوفى: 463هـ) ، الاستذكار ،تحقيق: سالم محمد عطا، محمد علي معوض ، الناشر: دار الكتب العلمية – بيروت ، الطبعة الأولى، 2000 ء

40. ابن عبد البر ، ابو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد النمري القرطبي (المتوفى: 463هـ) ، جامع بيان العلم وفضله ، تحقيق: أبي الأشبال الزهيري ، دار ابن الجوزي، المملكة العربية السعودية ، الطبعة: الأولى، 1994ء

41. ابن عطية الأندلسي، أبو محمد عبد الحق بن غالب المحاربي (المتوفى: 542هـ) ، المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز، المحقق:عبد السلام عبد الشافي محمد، الناشر:دار الكتب العلمية، بيروت ، الطبعة: الأولى – 1422هـ

42. ابن فارس ، أحمد بن فارس بن زكرياء القزويني الرازي، أبو الحسين (المتوفى: 395هـ) ، معجم مقاييس اللغة ، المحقق: عبد السلام محمد هارون ، الناشر: دار الفكر ، عام النشر: 1399هـ - 1979م

43. ابن قتيبة ، ابو محمد عبدالله بن مسلم بن قتيبة ، السلطان ، تحقيق : ايمن عبدالجابر البحيرى ، المكتبة الازهرية للتراث مصر ، 2002ء

44. ابن قدامة ، أبو محمد موفق الدين عبد الله بن أحمد المقدسي الحنبلي، (المتوفى: 620هـ) ، المغني شرح مختصر الخرقي ، الناشر: دار إحيار التراث العربي ، الطبعةالأولى ، سنة النشر: 1985ء

45. ابن قيم الجوزية ، محمد بن أبي بكر بن أيوب شمس الدين (المتوفى: 751هـ) ، زاد المعاد في هدي خير العباد، الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت،مكتبة المنار الإسلامية الكويت، الطبعة السابعة والعشرون:1994م

46. ابن قيم الجوزية، شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أبي بكر بن أيوب (المتوفى: 751 هـ)، شرح القصيدة النونية الشارح: الدكتور محمد خليل هراس ، الناشر: دار الكتب العلمية بيروت ، الطبعة: الثانية 1415 هـ

47. ابن قيم الجوزية، شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أبي بكر بن أيوب (المتوفى: 751هـ) ،كتاب الصلاة ، المحقق: عدنان بن صفاخان البخارى ، الناشر: مجمع الفقه الإسلامي بجدة

48. ابن قيم الجوزية ، شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أبي بكر بن أيوب (المتوفى: 751 هـ)، أحكام أهل الذمة ، تحقيق: طه عبد الرؤوف سعد ،الناشر: دار الكتب العلمية ،بيروت– لبنان ،الطبعة الثانية ، 2002ء

49. ابن قيم الجوزية ، محمد بن أبي بكر بن أيوب (المتوفى: 751هـ) ، مدارج السالكين بين منازل إياك نعبد وإياك نستعين ،المحقق: محمد المعتصم بالله البغدادى ، الناشر: دار الكتاب العربي – بيروت ، الطبعة: الثالثة، 1996ء

50. ابن كثير ، ابو الفداء إسماعيل بن عمر القرشي البصري (المتوفى: 774هـ) ، البداية والنهاية ،المحقق: علي شيرى، دار إحياء التراث العربي ، الطبعة الأولى ،1988 ء

51. ابن كثير ، ابو الفداء اسماعيل بن عمر القرشى الدمشقى (المتوفى: 774هـ) ، تفسير القرآن العظيم ، المحقق: سامى بن محمد سلامة ، الناشر: دار طيبة للنشر والتوزيع ، الطبعة الثانية– 1999 ء

52. ابن ماجه ، ابو عبد الله محمد بن يزيد القزويني (المتوفى: 273هـ) ، سنن ابن ماجه ، المحقق: شعيب الأرنؤوط، عادل مرشد وآخرون ، دار الرسالة العالمية ، الطبعة الاولى، 2009 ء

53. ابن مفلح ، أبو إسحاق برهان الدين ابراهيم بن محمد ، (المتوفى: 884هـ) ، المبدع في شرح المقنع ، دار الكتب العلمية ، بيروت ، الطبعة الاولى، 1997 ء ،

54. ابن مفلح ، ابو عبد الله شمس الدين محمد بن مفلح ، المقدسى الرامينى الحنبلى (المتوفى: 763هـ)، الآداب الشرعية والمنح المرعية ، المحقق: شعيب الأرناؤوط – عمر القيام ، مؤسسة الرسالة ، 1999ء ، الطبعة الثالثة

55. ابن منظور، محمد بن مكرم بن على، أبو الفضل، جمال الدين الأنصاري الرويفعى الإفريقى (المتوفى: 711هـ) لسان العرب ، ، الناشر: دار صادر – بيروت ، الطبعة: الثالثة – 1414 هـ

56. ابن نجيم ، زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري (المتوفى: 970هـ)، البحر الرائق شرح كنز الدقائق ، وبالحاشية: منحة الخالق لابن عابدين ، الناشر: دار الكتاب الإسلامي ، الطبعة: الثانية

57. ابن ياسين ، أ. د. حكمت بن بشير ، موسوعة الصحيح المسبور من التفسير بالمأثور ، الناشر : دار المآثر للنشر والتوزيع والطباعة– المدينة النبوية ، الطبعة الأولى – 1999 م

58. أبو الحسن ، علي بن إسماعيل (المتوفى: 324هـ) ،مقالات الإسلاميين واختلاف المصلين ، عنى بتصحيحه: هلموت ريتر، الناشر: دار فرانز شتايز بمدينة فيسبادن (ألمانيا) ، الطبعة الثالثة، 1980 م،

59. أبو حفص ، سراج الدين عمر بن علي بن عادل الحنبلي الدمشقي النعماني (المتوفى: 775هـ)، اللباب في علوم الكتاب ، المحقق: الشيخ عادل أحمد عبد الموجود والشيخ علي محمد معوض ، الناشر: دار الكتب العلمية – بيروت / لبنان ، الطبعة: الأولى، 1419 هـ -1998ء ،

60. أبو داود ، سليمان بن الأشعث السجستاني ، مسائل الإمام أحمد رواية أبي داود السجستاني ، تحقيق: أبي معاذ طارق بن عوض الله ، مكتبة ابن تيمية، مصر ، الطبعة الأولى، 1999 م

61. ابو داود ، سليمان بن الاشعث الازدى السِّجِسْتانى (المتوفى: 275هـ) ، سنن ابى داود ، المحقق: شعَيب الأرنؤوط - محَمَّد كامِل قره بللي ، دار الرسالة العالمية ، الطبعة الاولى، 2009 ء

62. ابو يعلى ، القاضي محمد بن الحسين ابن الفراء الحنبلى (المتوفى : 458هـ) ، الاحكام السلطانية ، تصحيح وتعليق: محمد حامد الفقى ، دار الكتب العلمية - بيروت ، لبنان ، الطبعة الثانية ، 2000 ء

63. ابو يعلى ، محمد ابن الحسين بن محمد، ابن الفراء الحنبلى ، المعتمد فى اصول الدين ، تحقيق :د- وديع زيدان حداد ،دار المشرق بيروت ،

64. ابوالشباب، دكتور احمد عوض ، الخوارج - تاريخهم ، فرقهم وعقائدهم ،دارالكتب العلمية بيروت،الطبعة الاولىٰ

65. ابوزهرة ، محمد بن احمد بن مصطفى ، العلاقات الدولية فى الإسلام ، دارالفكر العربى ،1995 ء ،

66. ابى العينين ، ابو عبدالله احمد بن ابراهيم ، اعلان النكير على غلاة التكفير ومعه النصيحة ببيان طرق الجهاد غير الصحيحة ،مكتبة ابن عباس ودار الآثار،القاهرة ، الطبعة الاولىٰ-2004ء

67. الأسفراييني ، أبو المظفر طاهر بن محمد ، (المتوفى: 471هـ) ، التبصير في الدين وتمييز الفرقة الناجية عن الفرق الهالكين ، المحقق: كمال يوسف الحوت، الناشر: عالم الكتب — لبنان ، الطبعة: الأولى، 1403هـ - 1983م

68. الأسفراييني، عبد القاهر بن طاهر بن محمد بن عبد الله البغدادي التميمي أبو منصور (المتوفى: 429هـ)، الفرق بين الفرق وبيان الفرقة الناجية ، الناشر: دار الآفاق الجديدة — بيروت ، الطبعة: الثانية، 1977،

69. الإسماعيلى ، ابو بكر أحمد بن إبراهيم (277هـ-371هـ) ، اعتقاد أهل السنة ، المحقق: جمال عزون ، الناشر: دار ابن حزم ، الطبعة الأولى: 1999ء

70. الأصفهانى ، أبو القاسم الحسين بن محمد المعروف بالراغب (المتوفى: 502هـ) ، المفردات في غريب القرآن ، المحقق: صفوان عدنان الداودي ، الناشر: دار القلم ،دمشق بيروت ، الطبعة: الأولى - 1412 هـ

71. اعوشت ، بكير بن سعيد ، دراسات اسلامية فى الاصول الاباضية ، الطبعة الرابعة -1409هـ

72. الألباني ،أبو عبد الرحمن محمد ناصر الدين بن الحاج نوح الأشقودري (المتوفى: 1420هـ)، جلباب المرأة المسلمة، الناشر: دار السلام للنشر والتوزيع ، الطبعة: الثالثة، 1423هـ -2002 م

73. الألباني، أبو عبد الرحمن محمد ناصر الدين، بن الحاج نوح الأشقودري (المتوفى: 1420هـ) ،سلسلة الأحاديث الصحيحة وشيء من فقهها وفوائدها ، الناشر: مكتبة المعارف للنشر والتوزيع، الرياض ، الطبعة: الأولى

74. امام ، مالك بن أنس بن مالك الاصبحى المدنى (المتوفى: 179هـ) ، المدونة ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الأولى، 1994ء

75. الآجرى ، أبو بكر محمد بن الحسين بن عبد الله الآجُرِّيُّ البغدادي (المتوفى: 360هـ)، الشريعة ، المحقق: الدكتور عبد الله بن عمر بن سليمان الدميجي ، الناشر: دار الوطن ،السعودية، الطبعة: الثانية :1999 م

76. بازمول ، الدكتور محمد بن عمر بازمول ، مذكرة التكفير وضوابطه

77. الباقلانى ، القاضي محمد بن الطيب ، أبو بكر المالكي (المتوفى: 403هـ) ، تمهيد الأوائل في تلخيص الدلائل، المحقق: عماد الدين أحمد حيدر ، الناشر: مؤسسة الكتب الثقافية — لبنان ، الطبعة: الأولى، 1987ء

78. البُجَيرِمِى ، سليمان بن محمد بن عمر المصرى الشافعى (المتوفى: 1221هـ) ، حاشية البجيرمى على شرح منهج الطلاب ، الناشر: مطبعة الحلبى ، ط-ن- ،تاريخ النشر: 1950ء

79. البخارى ، ابو عبدالله محمد بن اسماعيل الجعفى ، الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله ﷺ

وسننه وأيامه ،صحيح البخارى، المحقق: محمد زهير بن ناصر ، دار طوق النجاة ، الطبعة الاولى، 1422هـ

80. برهاري ، أبو محمد الحسن بن علي بن خلف (المتوفى: 329هـ) ، شرح السنة ، تحقيق : عبد الرحمن بن احمد الجميزى ، مكتبة دارالمنهاج الرياض ،الطبعة الاولى، 1426هـ

81. البغوي ، محى السنة ابو محمد الحسين بن مسعود الشافعى (المتوفى : 510هـ) ، معالم التنزيل في تفسير القرآن، تفسير البغوي ، المحقق : عبد الرزاق المهدي ، دار إحياء التراث العربي بيروت ، الطبعة الأولى: 1420هـ

82. البيضاوي، ناصر الدين أبو سعيد عبد الله بن عمر بن محمد الشيرازي (المتوفى: 685هـ) ، أنوار التنزيل و أسرار التأويل ، المحقق:محمد عبد الرحمن المرعشلي، دار إحياء التراث العربي – بيروت ، الطبعة الأولى - 1418 هـ

83. البيهقى ، ابو بكر احمد بن الحسين الخراسانى (المتوفى : 458هـ) ، شعب الإيمان ، تحقيق وتخريج : الدكتور عبدالعلى عبدالحميد حامد ، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض ، الطبعةالاولى، 1423هـ - 2003م

84. البيهقي ، أبو بكر أحمد بن الحسين الخُسْرَوْجِردي الخراساني، دلائل النبوة ، المحقق: د. عبد المعطي قلعجي ، الناشر: دار الكتب العلمية ، الطبعة الأولى - 1988 م

85. البيهقي ، أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي الخُسْرَوْجِردي الخراساني، ، سنة الوفاة:458 هـ ، السنن الكبرى وفى ذيله الجوهر النقي ، مجلس دائرة المعارف ،حيدر أباد، سنة النشر:1344 هـ ، الطبعة: الأولى

86. البيهقي ، أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخراساني (المتوفى: 458هـ) ، السنن الكبرى ، المحقق: محمد عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية، بيروت ، الطبعة الثالثة ، 2003 ء

87. الترمذي ، محمد بن عيسى بن سَوْرة ، ابو عيسى (المتوفى: 279هـ) ، سنن الترمذي، المحقق: بشار عواد معروف، دار الغرب الإسلامي بيروت ، سنة النشر: 1998 م

88. التَّمِيمي ، سيف بن عمر الأسدي (المتوفى: 200هـ) ، الفتنة ووقعة الجمل ، المحقق: أحمد راتب عرموش ، الناشر: دار النفائس ، الطبعة: السابعة 1413هـ

89. الثعلبي ، أبو إسحاق أحمد بن محمد بن إبراهيم ، (المتوفى: 427هـ)، الكشف والبيان عن تفسير القرآن ، تحقيق: الإمام أبي محمد بن عاشور ، دار إحياء التراث العربي، بيروت ، الطبعة: الأولى ،2002 ء

90. الجصاص ، أحمد بن علي أبو بكر الرازي الجصاص الحنفى(المتوفى: 370 هـ) ، شرح مختصر الطحاوي ، المحقق: د. عصمت الله عنايت الله محمد وغيره ، دار البشائر الإسلامية ودار السراج ،الطبعة الأولى 2010ء

91. الجصاص ، أحمد بن علي أبو بكر الرازي الحنفي (المتوفى: 370هـ) ، أحكام القرآن ، المحقق: عبد السلام محمد علي شاهين ، الناشر: دار الكتب العلمية بيروت – لبنان ، الطبعة: الأولى، 1415هـ/1994م

92. الجهني ، د. مانع بن حماد ، الموسوعة الميسرة في الأديان والمذاهب والأحزاب المعاصرة ، الندوة العالمية للشباب الإسلامي ، الناشر: دار الندوة العالمية للطباعة والنشر والتوزيع ، الطبعة: الرابعة، 1420 هـ

93. الجوهري، أبو نصر إسماعيل بن حماد الجوهري الفارابي (المتوفى: 393هـ) ، الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية، تحقيق: أحمد عبد الغفور عطار ، الناشر: دار العلم للملايين بيروت ، الطبعة: الرابعة 1407 هـ - 1987 م
حبيب الرحمن الأعظمي،المجلس العلمي باكستان وتوزيع المكتب الإسلامي بيروت،الطبعةالثانية، 1403هـ

94. الحصكفى، محمد بن على الحِصْنى المعروف بعلاء الدين الحنفي (المتوفى: 1088هـ) ، الدر المختار شرح تنوير الأبصار وجامع البحار، المحقق: عبد المنعم خليل ابراهيم ، دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى، 2002ء

95. الحموي ، أبو العباس، شهاب الدين أحمد بن محمد مكي، الحسيني الحنفي (المتوفى: 1098هـ) ، غمز عيون

البصائر في شرح الأشباه والنظائر ، الناشر: دار الكتب العلمية ، الطبعة: الأولى، 1405هـ - 1985م ،

96. الحموي ، شهاب الدين أبو عبد الله ياقوت بن عبد الله الرومي (المتوفى: 626هـ) ، معجم البلدان، دار صادر، بيروت ، الطبعة الثانية، 1995 م

97. الحموي ،شهاب الدين أبو عبد الله ياقوت بن عبد الله الرومي الحموي (المتوفى: 626هـ) ، معجم البلدان ، الناشر: دار صادر، بيروت ، الطبعة: الثانية، 1995 م

98. الخطيب ، أبو بكر أحمد بن علي البغدادي (المتوفى: 463هـ) ، تاريخ بغداد ، المحقق: الدكتور بشار عواد معروف ، الناشر: دار الغرب الإسلامي – بيروت ،الطبعة: الأولى، 1422هـ - 2002 م

99. الخَلَّال ، أبو بكر أحمد بن محمد بن هارون بن يزيد البغدادي الحنبلي (المتوفى: 311هـ) ، السنة ، المحقق: د. عطية الزهراني ، الناشر: دار الراية – الرياض ، الطبعة: الأولى، 1410هـ - 1989م

100. خليفة ، أبو عمرو خليفة بن خياط الشيباني العصفري البصري (المتوفى: 240هـ) ، تاريخ خليفة بن خياط ،المحقق: د. أكرم ضياء العمري، دار القلم , مؤسسة الرسالة - دمشق , بيروت ، الطبعة الثانية، 1397هـ

101. الدارمي ، أبو محمد عبد الله بن عبد الرحمن التميمي السمرقندي (المتوفى: 255هـ) ، مسند الدارمي المعروف بالسنن ، تحقيق: حسين سليم أسد الداراني ، دار المغني للنشر والتوزيع، السعودية ، الطبعة الأولى، 2000 ء

102. الدسوقي ، محمد بن احمد الدسوقى المالكى (المتوفى: 1230هـ) ، حاشية الدسوقى على الشرح الكبير ، دار الفكر،دار احياء الكتب العربية

103. الدميجى ، عبد الله بن عمر بن سليمان الدميجى ، الامامة العظمى عند أهل السنة والجماعة ، دار طيبة للنشر والتوزيع الرياض ، الطبعة الثانية ، 1408هـ

104. الدهلوى ، الامام احمد المعروف بشاه ولى الله ابن عبد الرحيم ، حجة الله البالغة، تحقيق : سيد سابق ،دار الجيل بيروت،الطبعة الاولى،2005 ء

105. الدينوري ، أبو حنيفة أحمد بن داود (المتوفى: 282هـ)، الأخبار الطوال ، تحقيق: عبد المنعم عامر ، مراجعة: الدكتور جمال الدين الشيال ، الناشر: دار إحياء الكتب العربي ،القاهرة ، الطبعة: الأولى، 1960 م ،

106. الذهبي ، سير أعلام النبلاء، شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد (المتوفى: 748هـ)، دار الحديث القاهرة، 2006م،

107. الرازي ، أبو عبد الله محمد بن عمر التيمي الملقب بفخر الدين خطيب الري (المتوفى: 606هـ) ، مفاتيح الغيب ، التفسير الكبير ، الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت ، الطبعة: الثالثة - 1420 هـ

108. الرازي ، أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن التيمي الملقب بفخر الدين خطيب الري (المتوفى: 606هـ) ، اعتقادات فرق المسلمين والمشركين ، المحقق: علي سامي النشار ، الناشر: دار الكتب العلمية – بيروت ،

109. الرازي ،زين الدين أبو عبد الله محمد بن أبي بكر الحنفي (المتوفى: 666هـ) ، مختار الصحاح ، المحقق: يوسف الشيخ محمد، المكتبة العصرية - الدار النموذجية بيروت – صيدا ، الطبعة الخامسة، 1420هـ / 1999م ،

110. الرافعى،ابو القاسم عبد الكريم بن محمد القزوينى (المتوفى: 623هـ) ،العزيز شرح الوجيز المعروف بالشرح الكبير،المحقق: علي محمد عوض،عادل أحمدعبد الموجود ، دارالكتب العلمية بيروت ، الطبعةالاولى، 1997 ء

111. الرحيلى ، ابراهيم بن عامر الرحيلى ، التكفير وضوابطه ، دار الامام احمد ، الطبعة الثانية

112. رسلان ، دكتور محمد بن سعيد رسلان ، ضوابط تكفير المعين ،دار اضواء السلف ، القاهرة ،الطبعة الاولى،

1430هـ – 2009م
113. الرملي ، شهاب الدين أحمد بن حمزة الأنصاري الشافعي ، فتاوى الرملي ، جمع و ترتيب: شمس الدين محمد بن أحمد الرملي ، الناشر: المكتبة الإسلامية
114. الزَّبيدي ، محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني، أبو الفيض، الملقّب بمرتضى (المتوفى: 1205هـ) ، تاج العروس من جواهر القاموس ،مجموعة من المحققين ، الناشر: دار الهداية ، التراث العربى الكويت ، 1974 ء
115. الزركلي ، خير الدين بن محمود بن محمد بن علي بن فارس، الدمشقي (المتوفى: 139هـ)، الأعلام ، الناشر: دار العلم للملايين ، الطبعة: الخامسة عشر – أيار / مايو 2002 م
116. زروم ، د- عبدالحميد محمد على ، مقالة " التكفير وآثاره فى امن الفرد والمجتمع" ، السجل العلمى لموتمر ظاهرة التكفير ،جامعة الامام محمد بن سعودالاسلامية
117. السبكى ، تاج الدين عبد الوهاب بن تقي الدين السبكى (المتوفى: 771 هـ) ، معيد النعم ومبيد النقم ، مؤسسة الكتب الثقافية ، بيروت – لبنان ، الطبعة الأولى، 1986 ء
118. السرخسى ، شمس الائمة محمد بن احمد بن ابى سهل، (المتوفى: 483هـ) ، المبسوط ، دار المعرفة بيروت ، تاريخ النشر: 1993ء
119. السعدى ، عبد الرحمن بن ناصر بن عبد الله (المتوفى: 1376هـ) ، الفتاوى السعدية ، مكتبة المعارف الرياض، الطبعة الثانية ، 1982ء
120. السعدي ، عبد الرحمن بن ناصر بن عبد الله (المتوفى: 1376هـ) ، تيسير الكريم الرحمن في تفسير كلام المنان، المحقق: عبد الرحمن بن معلا اللويحق ، الناشر: مؤسسة الرسالة ، الطبعة: الأولى 1420هـ -2000 م
121. السفارينى، شمس الدين أبو العون محمد بن أحمد الحنبلي(المتوفى: 1188هـ)، لوامع الأنوارالبهية وسواطع الاسرار الاثرية لشرح الدرة المضية في عقد الفرقة المرضية ، مؤسسة الخافقين ومكتبتها، دمشق،الطبعةالثانية – 1982ء
122. السنيكى، زين الدين ابو يحيي زكريا بن محمد بن زكريا الانصاري (المتوفى: 926هـ) ، أسنى المطالب في شرح روض الطالب ، دار الكتاب الإسلامي
123. السويلم ، د-اسماء بنت سليمان ، مقالة "آثار ظاهرة التكفير " ، السجل العلمى لموتمر ظاهرة التكفير ،جامعة الامام محمد بن سعودالاسلامية
124. الشاطبي ، إبراهيم بن موسى بن محمد اللخمي الغرناطي (المتوفى: 790هـ) ، الموافقات ، المحقق: أبو عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان ، الناشر: دار ابن عفان ، الطبعة الأولى 1417هـ
125. الشربيني ، شمس الدين، محمد بن أحمد الخطيب الشربيني الشافعي (المتوفى: 977هـ)، مغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج ، الناشر: دار الكتب العلمية ،الطبعة: الأولى، 1994ء
126. الشعراوى ، محمد متولى الشعراوى (1911 – 1998ء) ، تفسير الشعراوى- الخواطر، المراجعة والتخريج : د-احمد عمر هاشم الناشر: مطابع أخبار اليوم ،ط -ن- ،عام النشر 1997 ء،
127. الشهرستاني، أبو الفتح محمد بن عبد الكريم بن أبى بكر أحمد (المتوفى: 548هـ) ، الملل والنحل ، تحقيق : عبدالعزيز محمد الوكيل ،الناشر: مؤسسة الحلبي القاهرة، سن الطباعة : 1968ء
128. الشوكانى، محمد بن علي بن محمد اليمنى (المتوفى: 1250هـ) ، السيل الجرار المتدفق على حدائق الأزهار ، الناشر: دار ابن حزم ، الطبعة الأولى ، 2004ء

129. الشوكاني، محمد بن علي بن محمد اليمني (المتوفى: 1250هـ)،الفتح الرباني من فتاوى الإمام الشوكاني، حققه ورتبه: محمد صبحي بن حسن حلاق، مكتبة الجيل الجديد، صنعاء، اليمن

130. الصلابى ،دكتور على محمد محمد ، تيسير الكريم المنان فى سيرة امير المومنين عثمان بن عفان رضي الله عنه،شخصيته و عصره ،دار ابن كثير دمشق، الطبعة الثانية ، 1430هـ-2009م

131. الصنعانى، ابو بكر عبد الرزاق بن همام الحميري اليماني (المتوفى: 211هـ)، المصنف ، المحقق: حبيب الرحمن الأعظمي ،الناشر: المجلس العلمي- الهند ، الطبعة: الثانية، 1403 هـ

132. الصوياني ، أبو عمر، محمد بن حمد ، الصَّحيحُ من أحاديث السّيرة النبوية ، الناشر: مدار الوطن للنشر ، الطبعة الأولى، 2011 م

133. الصوياني، أبو عمر محمد بن حمد ، السيرة النبوية كما جاءت في الأحاديث الصحيحة ، مكتبة العبيكان ، الطبعة: الأولى، 2004 ء

134. الطبراني، سليمان بن أحمد بن أيوب اللخمي الشامي، أبو القاسم (المتوفى: 360هـ) ، المعجم الكبير ،المحقق: حمدي بن عبد المجيد السلفي ، مكتبة ابن تيمية ، القاهرة ، الطبعة: الثانية

135. الطبرانى، سليمان بن أحمد بن أيوب اللخمي الشامي، أبو القاسم (المتوفى: 360هـ) ، المعجم الأوسط ، المحقق: طارق بن عوض الله بن محمد , عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني ، الناشر: دار الحرمين – القاهرة

136. الطبري ، أبو جعفر محمد بن جرير (المتوفى: 310هـ) ، تاريخ الطبري ، تاريخ الرسل والملوك، ، الناشر: دار التراث ،بيروت ، الطبعة الثانية – 1387 هـ

137. الطبري ، محمد بن جريرالآملي،أبو جعفر (المتوفى: 310هـ)، جامع البيان عن تأويل آي القرآن ،تفسير الطبري، تحقيق: الدكتور عبد الله بن عبد المحسن التركي ، دار هجر للطباعة والنشر والتوزيع ، الطبعة الأولى، 2001ء

138. الطحاوي ، أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الأزدي الحجري المصري (المتوفى: 321هـ)، مختصر اختلاف العلماء ، المحقق: د. عبد الله نذير أحمد ، دار البشائر الإسلامية – بيروت ، الطبعة: الثانية، 1417 هـ

139. الطحاوي ، أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الحجري المصري (المتوفى: 321هـ) ، شرح مشكل الآثار ، تحقيق: شعيب الأرنؤوط ، الناشر: مؤسسة الرسالة ، الطبعة: الأولى - 1415 هـ، 1994 م

140. الطحاوي ، امام أبو جعفر احمد بن محمد بن سلامة الحنفى ، متن العقيدة الطحاوية ، بيان عقيدة اهل السنة والجماعة ، ، دار ابن حزم ، الطبعة الاولى ، سنة النشر: 1995ء

141. الظفيرى ، خالد ضحوى فدان ، ضوابط معاملة الحاكم عند اهل السنة والجماعة واثرها على الامة ،وزارة التعليم العالى، الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة ، الطبعة الاولى -2009ء

142. الظواهري، دكتور أيمن ، الولاء والبراء - عقيدة منقولة وواقع مفقود

143. العجمى ، د- دغش بن شبيب ، هيبة ولى الامر واجب شرعى و ضرورة دنيوية ، دارالخزانة ،دولة الكويت ، الطبعة الاولى ،2017ء

144. العسقلاني ، أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل الشافعي ، فتح الباري شرح صحيح البخارى ، ترقيم: محمد فؤاد عبد الباقي، تصحيح و نگرانى : محب الدين الخطيب ، تعليقات: عبد العزيز بن عبد الله بن باز ، دار المعرفة - بيروت، 1379 هـ

145. العسقلاني ، أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر ، تهذيب التهذيب، مطبعة دائرة المعارف

النظامية، الهند ، الطبعة الأولى، 1326هـ

146. العقل ، د- ناصر بن عبدالكريم ، الخوارج اول الفرق فى تاريخ الاسلام ، دار اشبيليا ،الرياض ،الطبعة الاولى، 1419هـ -1998م

147. عليش ، محمد بن احمد بن محمد عليش، ابو عبد الله المالكى(المتوفى: 1299هـ) ، منح الجليل شرح مختصر خليل ، الناشر: دار الفكر –بيروت ، ط- ن- ، تاريخ النشر: 1409هـ،

148. العنبرى ، الدكتور خالد بن على بن محمد ، الحكم بغير ما أنزل الله واصول التكفير فى ضوء الكتاب والسنة واقوال سلف الامة ، دار المنهاج القاهرة ، الطبعة الاولى 2003ء

149. العنبرى ، الدكتور خالد بن على ،تكفير الحكام والدول بين البحث العلمى والارهاب الفكرى ،تقريظ :محمد ناصر الدين الالبانى ، دار منارة الاسلام ،القاهرة ، الطبعة الاولى: 1435هـ-2014ء ،

150. عواجى ، د. غالب بن علي عواجي ، فرق معاصرة تنتسب إلى الإسلام وبيان موقف الإسلام منها ، المكتبة العصرية الذهبية للطباعة والنشر والتسويق جدة، الطبعة: الرابعة، 1422 هـ - 2001 م ،

151. عواجى، د. غالب بن علي عواجى ، الخوارج ، تاريخهم وآراءهم الاعتقادية وموقف الاسلام منها ، رسالة ماجستير ،جامعة الملك عبد العزيز ، 1398هـ-1399هـ

152. العونى ، دكتور حاتم بن عارف ، تكفير اهل الشهادتين موانعه ومناطاته ، مركز نماء للبحوث والدراسات بيروت ،الطبعة الثانية -2016ء،

153. العينى ، ابو محمد محمود بن احمد الغيتابى الحنفى،البناية شرح الهداية،دار الكتب العلمية بيروت ، لبنان ، الطبعة الاولى ، 2000 ء ،

154. الغزالي ، أبو حامد محمد بن محمد الطوسي (المتوفى: 505هـ) ، إحياء علوم الدين ، الناشر: دار المعرفة بيروت، 1982 ء

155. الغصن ، د - سلمان بن صالح ، الخوارج نشاتهم ، فرقهم ، صفاتهم ، الرد على ابرز عقائدهم ، داركنوز اشبيليا ، الرياض ، الطبعة الاولى ،2009ء

156. الفالوذة ، أبو إبراهيم محمد إلياس عبد الرحمن ، الموسوعة في صحيح السيرة النبوية (العهد المكي)، مطابع الصفا مكة ، الطبعة: الأولى، 1423 هـ

157. القاسمي ، محمد جمال الدين بن محمد سعيد بن قاسم الحلاق (المتوفى: 1332هـ) ، محاسن التأويل ، المحقق: محمد باسل عيون السود ، الناشر: دار الكتب العلميه – بيروت ، الطبعة: الأولى – 1418

158. القحطاني ، د. سعيد بن علي بن وهف ، قضية التكفير بين أهل السنة وفرق الضلال في ضوء الكتاب والسُّنة ، الناشر: مطبعة سفير، الرياض ، توزيع: مؤسسة الجريسي للتوزيع والإعلان، الرياض

159. القرافي ، أبو العباس شهاب الدين أحمد بن إدريس المالكي (المتوفى: 684هـ)، شرح تنقيح الفصول ، المحقق: طه عبد الرؤوف سعد ، الناشر: شركة الطباعة الفنية المتحدة ، الطبعة: الأولى، 1973 ء

160. القرطبي، أبو العباس أحمد بن عمر(578 - 656 هـ) ،المفهم لما اشكل من تلخيص كتاب مسلم ، تحقيق: محيي الدين ديب ميستووآخرون ،دار ابن كثيرودار الكلم الطيب ، دمشق ، الطبعة: الأولى، 1996 ء

161. القرطبي،ابو عبد الله شمس الدين محمد بن احمد الانصاري الخزرجى(المتوفى: 671هـ)،الجامع لأحكام القرآن ، تفسير القرطبي ،تحقيق: احمد البردوني وابراهيم اطفيش ،دار الكتب المصرية القاهرة ، الطبعةالثانية، 1964 ء

162. القزويني ، زكريا بن محمد بن محمود (المتوفى: 682هـ) ،آثار البلاد وأخبار العباد ، الناشر: دار صادر – بيروت
163. القشيرى ، مسلم بن الحجاج أبو الحسن النيسابورى (المتوفى: 261هـ) ، المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل الى رسول الله ﷺ ،صحيح مسلم ، المحقق:محمد فؤاد عبد الباقي، دار إحياء التراث العربي – بيروت
164. قلعجي، محمد رواس - حامد صادق قنيبي ، معجم لغة الفقهاء ، دار النفائس للطباعة والنشر والتوزيع ، الطبعة الثانية، 1988 ء
165. الكاسانى ، علاء الدين أبو بكر بن مسعود بن أحمد الحنفى (المتوفى: 587هـ) ، بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع ، دار الكتب العلمية ، الطبعة الثانية ، 1986ء
166. اللالكائي، أبو القاسم هبة الله بن الحسن الطبري الرازي (المتوفى: 418هـ)، شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة ، تحقيق: أحمد بن سعد الغامدي ، الناشر: دار طيبة ، السعودية ، الطبعة الثامنة، 2003ء
167. الماوردي ، أبو الحسن علي بن محمد البصري البغدادي، (المتوفى: 450هـ) ، النكت والعيون ، تفسير الماوردي، المحقق: السيد ابن عبد المقصود بن عبد الرحيم ، الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت / لبنان
168. الماوردى ، ابو الحسن علي بن محمد البصرى البغدادى الماوردي (المتوفى: 450هـ)، الاحكام السلطانية ، تحقيق : احمد جاد ، دار الحديث – القاهرة ، سنة الطبع : ١٤٢٧هـ
169. المبرد ، أبو العباس محمد بن يزيد ، الكامل فى اللغة والادب ، المحقق: محمد أبو الفضل إبراهيم ، الناشر: دار الفكر العربي – القاهرة ، الطبعة الثالثة1997 م
170. المبرد ، محمد بن يزيد ، أبو العباس (المتوفى: 285هـ) ، الكامل في اللغة والأدب ، المحقق: محمد أبو الفضل إبراهيم ، الناشر: دار الفكر العربي – القاهرة ، الطبعة: الطبعة الثالثة 1417 هـ - 1997 م
171. المحيميد ، ابراهيم بن صالح، القصة الكاملة لخوارج عصرنا ، دارالامام مسلم للنشر والتوزيع ،المدينة المنورة ، السعودية، الطبعة الاولى:1436هـ
172. المديهش ، إبراهيم بن عبد الله المديهش ، رسالة " إن الله يزع بالسلطان ما لا يزع بالقرآن - تخريجا وشرحا"، المكتبة الشاملة ،النشرة: الأولى، 1439 هـ
173. المروزي ، أبو عبد الله محمد بن نصر بن الحجاج (المتوفى: 294هـ) ، تعظيم قدر الصلاة ، المحقق: د. عبد الرحمن عبد الجبار الفريوائي ، الناشر: مكتبة الدار - المدينة المنورة ، الطبعة: الأولى، 1406 ،
174. المعلمي ، العَلّامَة عَبْد الرّحمن بْن يَحْيَي المعَلّمِيّ اليَماني (1895 - 1966 م)، آثَار الشّيخ ، اعتنى به: مجموعة من الباحثين وفق المنهج المعتمدمن الشيخ بكر بن عبد الله أبو زيد ، الناشر: دار عالم الفوائد للنشر والتوزيع ، الطبعة: الأولى، 1434 هـ
175. معمر ، على يحى معمر ، الاباضية بين الفرق الاسلامية ، مكتبة الغامرى للنشر والتوزيع
176. معمر بن راشد، معمربن أبي عمرو راشد الأزدي مولاهم أبو عروة البصري(المتوفى: 153هـ)، الجامع ،المحقق:
177. مقدسي، ابو محمدعاصم ، امتاع النظر في كشف شبهات مرجئة العصر، منبر التوحيد والجهاد، الطبعة الثانية،1420هـ
178. الموسوعة الفقهية الكويتية ، جماعة من العلماء،تصدرها وزارة الأوقاف الكويتية ، صادر عن: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية – الكويت ، الطبعة: (من 1404 - 1427 هـ) ، الطبعة الثانية، دارالسلاسل – الكويت
179. النسائي ، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي (المتوفى: 303هـ)، خصائص أمير المؤمنين علي بن أبي

طالب ، المحقق: أحمد ميرين البلوشي ، الناشر: مكتبة المعلا – الكويت ، الطبعة: الأولى، 1406

180. النسائي ، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، (المتوفى: 303هـ) ، سنن النسائي ، تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة ، الناشر: مكتب المطبوعات الإسلامية – حلب ، الطبعة الثانية ، 1986ء

181. النووى ، أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (المتوفى: 676هـ)، روضة الطالبين وعمدة المفتين ، تحقيق: زهير الشاويش ، الناشر: المكتب الإسلامي، بيروت- دمشق- عمان ، الطبعة: الثالثة، 1991م ،

182. النيسابوري، أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله (المتوفى: 405هـ)، المستدرك على الصحيحين ، تحقيق: مصطفى عبد القادر عطا ، الناشر: دار الكتب العلمية – بيروت ، الطبعة: الأولى، 1411 – 1990 ،

183. الهيثمى، أبو الحسن نور الدين علي بن أبي بكر بن سليمان الهيثمي (المتوفى: 807هـ) ، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ، المحقق: حسام الدين القدسي ، الناشر: مكتبة القدسي، القاهرة ، عام النشر: 1994 ء

اردو مصادر

1. اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، جلد10
2. علامہ، ڈاکٹر سر محمد اقبال، ارمغان حجاز، ناشر: جاوید اقبال، جاوید منزل، میوروڈ، لاہور، طبع اول، نومبر1938
3. بھٹوی، حافظ عبدالسلام بن محمد، تفسیر القرآن الکریم، دارالاندلس لاہور، جولائی2013۔
4. پروفیسر، خورشید احمد، مقدمہ اسلامی ریاست {سید ابوالاعلی مودودی}، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، مئی2017
5. ڈاکٹر، صفدر محمود ، آئین پاکستان1973ء، جہانگیر بکس لاہور
6. رحمانی، خالد سیف اللہ مولانا، جدید فقہی مسائل، زمزم پبلشرز کراچی، جون2010
7. روسو، ژاں ژاک(Jean-Jacques Rousseau)معاہدہ عمرانی، اردو ترجمہ: ڈاکٹر محمود حسین، نیشنل بک فاونڈیشن اسلام آباد، جنوری2017ء
8. السلفی، ڈاکٹر محمد لقمان، تیسیر الرحمن لبیان القرآن، جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کویت وعلامہ ابن باز اسلامک سٹڈیز سنٹر ہند، اشاعت اول، 2001
9. سید، بدر سعید، خودکش بمبار کے تعاقب میں، ناشر نورالاسلام خان، اشاعت اول جنوری2012۔
10. شیر کوٹی، پروفیسر محمد انوار الحسن، خطبات عثمانی، پبلشرز: نذر سنز، ۲۲۱ سر کلر روڈ لاہور، اپریل1972ء
11. الصلابی، ڈاکٹر علی محمد محمد، سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ شخصیت اور کارنامے، مترجم: شمیم احمد خلیل السلفی وعبدالمعین مدنی، الفرقان ٹرسٹ پاکستان
12. عثمانی ، مفتی محمد تقی، اسلام اور سیاسی نظریات، مکتبہ معارف القرآن کراچی، طبع جدید، نومبر2010ء
13. علوی، ڈاکٹر مستفیض احمد، ریاست و حکومت کے اسلامی اصول، پورب اکادمی اسلام آباد، طبع اول، جون ۲۰۱۰
14. کیلانی، مولانا عبدالرحمن، تیسیر القرآن، مکتبۃ السلام لاہور، محرم الحرام1432ھ
15. ماہنامہ محدث لاہور، جلد42، شمارہ5، مئی2010
16. محققین ادارہ تحقیقات اسلامی، پیغام پاکستان، ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد.
17. محمد زبیر، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر، عصر حاضر میں تکفیر، خروج، جہاد اور نفاذ شریعت کا منہج، مکتبہ رحمۃ للعالمین، لاہور، طبع اول۔ 2013،
18. المحیمید، ابراہیم بن صالح، موجودہ زمانے کے خوارج کی مکمل کہانی، ترجمہ: سید توصیف الرحمن راشدی، ناشر: نامعلوم
19. مفتی، عبیدالرحمن، ابکار الافکار فی اصول الاکفار المعروف اصول تکفیر، مرکز البحوث الاسلامیہ مردان کے پی کے
20. مودودی، سید ابوالاعلی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، طبع نمبر43۔ جنوری2007ء

English Sources

1. https://magazine.mohaddis.com/shumara/411-feb-2020/3919-masla-kashmeer-aqwam-mutahid-dughla-milat-islami#ftn8 (02-08-21/12:58)
2. https://www.urduvoa.com/a/ttp-chief-says-groups-war-is-against-pakistan-security-forces-27jul2021/5980530.html (16-09-2021/07:42)
3. W. Garner ,Political Science and government ,World Press Ltd. Calcutta, 1955
4. https://ketabonline.com/ar/books/8906/read?page=49&part=4#p-8906-49-3 (16-09-2021/07:17)
5. https://ketabonline.com/ar/books/107094/read?page=199&part=20#p-107094-199-5(15-09-2021/15:51)
6. https://ketabonline.com/ar/books/8717/read?page=29&part=6#p-8717-29-1 (16-09-2021/06:21)
7. https://www.youm7.com/story/2017/11/25/%D9%81%D8%AA%D8%A7%D9%88%D9%89-%D8%A7%D9%84%D8%AF%D9%85-%D9%87%D8%A4%D9%84%D8%A7%D8%A1-%D8%A3%D9%81%D8%AA%D9%88%D8%A7-%D8%A8%D8%AD%D8%B1%D9%82-%D8%A7%D9%84%D9%85%D8%B3%D8%A7%D8%AC%D8%AF-%D9%88%D9%82%D8%AA%D9%84-%D8%A7%D9%84%D9%85%D8%B3%D9%84%D9%85%D9%8A%D9%86-%D8%B3%D9%8A%D8%AF-%D9%82%D8%B7%D8%A8/3526183 (16-09-2021/06:41)
8. https://www.bbc.com/urdu/pakistan-39052226 (02-08-21/12:53)
9. https://dailypakistan.com.pk/23-Feb-2020/1097195 (02-08-21/12:54)
10. https://www.bbc.com/urdu/pakistan-54292510 (02-08-21/12:55)
11. https://www.bbc.com/urdu/pakistan-48441164 (02-08-21/12:56)
12. https://www.humnews.pk/latest/189485/ (02-08-21/12:57)
13. https://www.bbc.com/urdu/pakistan-49386958 (02-08-21/12:58)
14. https://www.bbc.com/urdu/pakistan-54814493 (12-09-2021/13:04)
15. https://www.metransparent.com/old/texts/wala.htm (19-09-2021/10:44)